

ہزاروں مسائل شریعہ کا
بیش بہا خزانہ

فتاویٰ اجملیہ

پروانۃ الفقہاء حضرت علامہ مفتی شاہ
میراج محمد سید اجمل قادری رضوی مدظلہ



مَنْ يَرْزُقِ اللَّهَ رَبَّهُ يَحْكُمُ وَيَقْضِي فِي الدِّينِ
 اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ پہلانی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی کھر عطا فرماتا ہے۔

نہاروں فتاویٰ مشتمل مسائل شرعیہ کا بیس بہا خزانہ

اجمل الفتاویٰ

المعروف بہ

فتاویٰ اجملیہ

جلد سوم

محمد رفیع الحقین سلطان الدین اعلیٰ العظماء بدر الفضا
 فیض رحیم علامہ مفتی الشاہ محمد اعلیٰ صاحب دارالافتاء رضوی دارالافتاء رضویہ لاہور

شیر برادرز

۳۔ اردو بازار۔ زبیدہ سنٹر لاہور

باب صحت نکاح

باب المحرمات

۲۰۔ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

۲۱۔ شوہر والی عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا۔

قیمت ••••• فی جلد 250 روپے (مکمل سٹ 1000 روپے 4 جلد)

مکتبہ قادریہ عطاریہ مولیٰ بازار راولپنڈی

- ۲۲۔ دواعلاقی بہنوں کا اجتماع بھی نکاح میں حرام۔
 ۲۳۔ معتدہ کا عدت گزرنے سے قبل نکاح نہیں ہو سکتا۔
 ۲۴۔ حکم شرع سے استہزاء کفر ہے۔
 ۳۲۔ صرف عورت کے طلاق کا دعویٰ کرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔
 ۳۲۔ شوہر ایک دو سال سے غائب ہو اور موت کی خبر نہیں معلوم تو وہ عورت ہرگز نکاح نہیں کر سکتی۔
 ۳۷۔ اخیانی بہنیں بھی نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔
 ۳۸۔ مفقود الخیر زوج کی بیوی موت کی یقینی خبر سے پہلے نکاح نہیں کر سکتی۔
 ۳۹۔ مس شہوت بھی حرمت مصاہرت کا سبب ہے۔

باب الرضا عت

- ۴۱۔ جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہ رضا عت سے بھی۔
 ۴۳۔ عورت کے پستان چوسنے سے بھی حرمت رضا عت ثابت ہوگی خواہ وہ عورت کنواری ہو۔
 زید نے ہندہ کا دودھ پیا تو ہندہ کی تمام اولاد رضاعی بھائی بہن ہیں، لیکن زید کے دوسرے بھائی بہن اس رشتہ سے جدا ہیں۔
 ۴۵۔ چچی بھی دودھ پلانے سے حرام ہو جاتی ہے۔
 ۴۶۔

باب الولی

- ۵۱۔ باپ دادا کی عدم موجودگی میں چچا ولی نکاح ہو سکتا ہے۔
 ۵۱۔ باپ دادا کی عدم موجودگی میں بھائی نکاح کا ولی ہے۔
 ۵۲۔ ولیوں کی ترتیب کس طرح ہے۔
 ۵۴۔ شادی شدہ عورت اپنے نفس کی مختار ہے۔

- ۵۵۔ نکاح فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا۔
 ۵۷۔ دادا بلا وجہ شرعی نکاح کرنے سے انکار کر دے تو چچا کا کیا ہوا نکاح بھی نافذ ہے۔
 ۵۸۔ باپ دادا کا کیا ہوا نکاح بعد بلوغ قابل فسخ نہیں۔
 ۶۰۔ صراحۃ باپ کی اجازت سے چچا نے نکاح کر دیا تو نکاح نافذ ہو گیا۔
 ۶۱۔ کفو میں ولی البعد کی اجازت سے نکاح ہو جائے گا اگر ولی اقرب بے وجہ انکار کرتا ہو۔
 ۶۳۔ گوئی لڑکی اشارے سے ایجاب و قبول کرے۔

باب الاذن

- ۶۴۔ بالغہ کے نکاح کے لئے اس کی رضا ضروری ہے۔
 ۶۵۔ بالغہ کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔

باب المہر

- ۶۹۔ مہر طہی یا موت ہر ایک سے پورا واجب ہو جاتا ہے۔
 ۷۲۔ مہر شوہر کے ذمہ دین ہوتا ہے۔
 ۷۴۔ زیورات کی ملکیت عرف پر ہے۔
 ۷۵۔ عورت مہر معاف کر چکی اور شرعی گواہ بھی ہیں تو اب شرعاً عورت کو مطالبہ کا حق نہیں رہا۔

باب المجہاز

- ۷۷۔ باپ نے زیور اور سامان جہیز جو خاص اپنی لڑکی کو دیا وہ اس کی ملکیت ہے۔

باب الکفو

- ۸۷۔ شرافت کسی قوم پر منحصر نہیں۔
 ۸۸۔ کفو کا مدار شرعاً عرف پر ہے۔

- ۸۹۔ کفو کا مطلب کیا ہے۔
 ۹۱۔ ہم قوم ہونا کفو کے لئے کافی نہیں۔
 ۹۳۔ کفو کی تلاش میں شادی میں تاخیر سے کوئی الزام نہیں۔

باب الخلع

- ۹۵۔ خلع کے لئے وہ الفاظ کہنا ضروری ہیں جس میں طلاق کے عوض مال کا ذکر ہو،

باب فسخ النکاح

- ۹۹۔ اکراہ شرعی نہ ہو صرف اخلاقی دباؤ میں آکر نکاح ہو جائے تو اس کو فسخ کا اختیار نہیں۔
 ۱۰۰۔ نابالغہ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ نے کیا تو وقت بلوغ اسی مجلس میں نکاح کو وہ لڑکی فسخ کر سکتی ہے،
 ۱۰۱۔ شوہر میں کوئی عیب جنون و جذام وغیرہ پیدا ہو جائیں پھر بھی بیوی کو فسخ نکاح کا حق نہیں،
 ۱۰۳۔ شوہر کے کفر و ارتداد سے عورت نکاح سے خارج ہو جاتی ہے،
 ۱۰۴۔ شوہر کی موجودگی میں تمام شرائط کے ساتھ حکم نکاح کو فسخ کرے تو ہو جائے گا۔

باب الحضانہ

- ۱۰۷۔ باپ پر اولاد کی پرورش واجب ہے۔
 ۱۰۹۔ ماں باپ میں جدائی ہو جائے اور بچے کی پرورش میں دونوں کی طرف سے کوئی خطرہ ہو تو دادا دادی کو پرورش کا حق ہے،

باب حق الزوجین

- ۱۱۰۔ شوہر عینین ہے تو حسب شرائط بحال عدم طلاق و خلع حکم کے ذریعہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے،
 ۱۱۳۔ دو بیویوں کے درمیان عدل کر سکے تو وہ شادیوں میں کوئی حرج نہیں۔
 ۱۱۵۔ لڑکے کو سات برس تک اور لڑکی کے بلوغ تک پرورش کا حق ماں کو ہے۔

کتاب الطلاق

باب طلاق بائن

- ۱۱۷۔ کسی نے بہ نیت طلاق کہا کہ میں نے بیوی کو آزاد کیا تو طلاق بائن واقع ہوگی۔
 ۱۱۸۔ شوہر نے بہ نیت طلاق کہا وہ میرے کام کی نہیں تو طلاق بائن ہوگئی،
 ۱۱۹۔ شوہر نے کہا تیرا جہاں جی چاہے چلی جا، تو یہ کنایہ ہے۔
 ۱۲۰۔ شوہر نے کہا آج سے رشتہ زوجیت ختم کر رہا ہوں، یہ بھی لفظ کنایہ ہے،
 ۱۲۱۔ طلاق بائن دی اور خلوت صحیح نہیں ہوئی تو عدت واجب نہیں،
 ۱۲۲۔ جا اور چلی جا، الفاظ کنایہ ہیں۔

باب طلاق الرجعی

- ۱۲۳۔ کسی نے عورت سے کہا، میں نے تجھے طلاق دی یہ لفظ صریح اور طلاق رجعی واقع ہوئی۔
 ۱۲۴۔ تین طلاقیں نہیں دیں تو عدت کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔
 ۱۲۶۔ شوہر نے صریح الفاظ میں بیوی کو دو طلاقیں دیں تو عدت میں رجعت کر سکتا ہے،

باب الطلاق المغلظہ

- ۱۲۷۔ تین صریح طلاقیں مغلظہ ہیں بغیر حلالہ نکاح درست نہیں،
 ۱۲۹۔ شوہر تین طلاقیں کا مدعی ہے تو اس کا قول معتبر ہے۔
 ۱۳۰۔ گواہ موجود ہیں اور شوہر انکار کرے تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔
 ۱۳۱۔ امارت شرعیہ پٹنہ کے فتویٰ کا رد۔
 ۱۳۲۔ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوگی۔
 ۱۳۴۔ غصہ کی حالت میں طلاق بلاشبہ واقع ہوتی ہے۔

- تین طلاق کے بعد رجعت کی صورت نہیں، ۱۴۲۔
 عورت کے مطالبہ پر طلاق میں اضافت نہ بھی ہو جب بھی واقع ہو جائے گی۔ ۱۴۳۔
 حالت حیض میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ۱۴۴۔
 طلاق نامہ پر قصد انگوٹھا لگانے سے طلاق ہو جائے گی۔ ۱۴۶۔
 طلاق معنوی یعنی غلبہ ہذیان سے بے عقل اور دیوانگی میں بکتا رہا تو یہ طلاق لغو ہے۔ ۱۴۸۔
 غصہ میں عقل جاتی رہی تو اس حالت کی طلاق نہ ہوگی اور ادراک و ہوش میں تھا تو ہو جائے گی۔ ۱۵۱۔
 ادراک اور ہوش کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عورت کو اپنی بیوی سمجھتا ہے اور طلاق کو بھی جان رہا ہے۔ ۱۵۲۔
 نشر کی حالت میں طلاق ہو جائے گی۔ ۱۵۲۔
 ڈرانے دھمکانے سے اکراہ شرعی نہیں ہوتا۔ ۱۵۳۔
 ظالم سے بالجبر طلاق لی جائے۔ ۱۵۵۔
 نشر کی حالت کی طلاق رجعی میں بھی رجعت صحیح ہے۔ ۱۵۷۔
 مغلوب الغضب کی حالت معنویہ کی ہے تو طلاق نہ ہوگی۔ ۱۵۹۔

باب الفاظ طلاق

- کسی نے کہا میں تجھے طلاق دیدوں گا تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔ ۱۶۰۔
 تم تکلیف میں ہوا تو نظام کر لو، اس کا کنایہ ہونا متعین نہیں۔ ۱۶۱۔
 بیوی کے مطالبہ پر ۵ بار مرتبہ طلاق دی تو مغلفہ ہوگی۔ ۱۶۵۔
 تو آج سے میری ماں بہن ہے اس سے ظہار نہیں ہوتا۔ ۱۶۵۔
 میں نہیں رکھوں گا اس میں ایقاع طلاق نہیں، ۱۶۷۔
 ہم فیصلہ کر کے جائیں گے اس سے طلاق نہیں، ۱۶۹۔
 شوہر اور گواہ دونوں دو طلاق کے مدعی ہیں تو طلاق رجعی ہے۔ ۱۶۹۔

- اضافت طلاق نہ ہو تو طلاق نہ ہوگی، ۱۷۳۔
 اصل طلاق میں زبانی طلاق ہے تحریر تو زبان کے قائم مقام ہے، ۱۷۵۔
 کسی نے کہا ایسی عورت طلاق کے قابل ہے اس سے طلاق نہیں ہوتی۔ ۱۷۸۔
 آمادگی و ارادہ سے طلاق نہیں ہوتی۔ ۱۸۰۔
 مذاکرہ اور طلاق میں لفظ کنایہ میں بھی نیت کی حاجت نہیں۔ ۱۸۱۔
 جب نہ دی اب دی چھوڑ دیا ان میں کسی میں اضافت نہیں لہذا طلاق نہیں، ۱۸۲۔

باب اقرار طلاق

- خط کے ذریعہ طلاق واقع ہونے کی صورت یہ ہے کہ خود صاحب خط اقرار کرے یا اس خط کے شرعی گواہ ہوں۔ ۱۸۴۔
 دستاویز میں طلاق کا ذکر ہے مگر اضافت نہیں تو طلاق نہیں ہوگی۔ ۱۸۵۔
 بغیر قصد و علم طلاق نامہ پر دستخط سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ۱۸۶۔
 فارخطی الفاظ تین مرتبہ کہے اور اضافت بھی ہے تو طلاق مغلفہ واقع ہوگی۔ ۱۸۹۔
 بغیر مرد کے دو سے زیادہ عورتیں بھی گواہی کے لائق نہیں۔ ۱۹۲۔

باب الممتار کہ

- زید باپ کے بارے میں اپنی بیوی سے زنا کی تصدیق کرتا ہے تو اب ممتار کہ کرے۔ ۱۹۶۔
 ممتار کہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا، لہذا اصرار کہے میں نے چھوڑا۔ ۱۹۶۔
 شہوت سے چھوٹا حرم مصاہرت لاتا ہے خواہ شہوت ایک جانب سے ہو۔ ۱۹۷۔
 شوہر اپنے بیٹے کے بارے میں تصدیق کرتا ہے کہ میری بیوی سے اس کا ناجائز تعلق ہے تو ممتار کہ کرے حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی۔ ۱۹۹۔
 حرمت مصاہرت سے نکاح نہیں ٹوٹتا البتہ ممتار کہ ضروری ہے، ۲۰۱۔

باب الطہار

- کسی نے بیوی سے ماں کہا تو یہ ظہار نہیں لغو اور بے ہودہ کلمہ ہے۔ ۲۰۵۔
کسی نے بیوی سے کہا تم میرے لئے حرام ہو اس سے بلا نیت بھی ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔ ۲۰۶۔

باب اللعان

- محض لعان سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ ۲۰۶۔
شوہر نے تہمت زنا کے غلط ہونے کا اقرار کر لیا تو لعان کا حق ساقط ہو گیا۔ ۲۰۹۔

باب التعلیق

- نکاح میں تعلیق کی شرط تھی اور ایجاب عورت کی طرف سے ہوا تو عورت اپنے آپ کو جب چاہے طلاق دے سکتی ہے۔ ۲۱۰۔
شوہر نے بیوی سے کہا کہ گھر سے نکل جا ورنہ تجھ پر طلاق ہے تو فوراً نکلنے یا نکلنے کی تیاری کرنے سے طلاق نہ ہوگی۔ ۲۱۲۔

باب المفقود

- زوجہ مفقود کے لئے مسلک حنفی کے مطابق اس کی عمر کو جب ستر برس پورے ہو جائیں تو اس کی موت کا حکم دیا جائے گا اور عورت عدت موت گزارے گی۔ ۲۱۳۔
خیار فسخ نکاح عورت کو بوقت بلوغ ہی ہے اس سے قبل نہیں۔ ۲۱۸۔
زوجہ مفقود سے تعلق ایک غیر مقلد کے فتویٰ کا۔ ۲۲۰۔

باب العدت

- قربت یا خلوت صحیحہ سے قبل شوہر نے طلاق دی تو عدت نہیں۔ ۲۲۶۔
خلوت صحیحہ پر شہادت شرعی ہو تو عدت واجب ہے۔ ۲۲۷۔

- شوہر اٹھارہ بیس برس غائب رہے جب بھی نکاح ختم نہیں ہوتا۔ ۲۲۸۔
زمانہ عدت کا نان نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ ۲۵۰۔
شوہر کی موت سے چند دن قبل بچہ پیدا ہوا جب بھی عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے۔ ۲۵۱۔
طلاق کے بعد خلوت صحیحہ کا شوہر منکر ہے اور عورت اقرار کرتی ہے تو عورت کا قول معتبر ہے۔ ۲۵۲۔
نکاح کے وقت شوہر سے عورت کے اولیا کو اپنے لئے روپیہ پیسہ لینا رشوت ہے۔ ۲۵۳۔

کتاب البیوع ۲۵۵ باب بیع صحیح۔ ۲۵۶۔

- جانور کے جوڑے کی مجموعی قیمت پر بیع جائز ہے۔ ۲۵۶۔
تالاب کے مالک کی اجازت کے بغیر مچھلیاں پکڑنا جائز نہیں۔ ۲۵۷۔
بیع بالوند کی صورت۔ ۲۶۰۔

باب بیع فاسد ۲۶۱۔

- آم کے پھلوں کی بیع اس شرط پر جب تک جائیں گے تو توڑ لئے جائیں گے ایسی بیع فاسد ہے۔ ۲۶۱۔
باب سلم ۲۶۲۔

- بیع سلم کے پندرہ شرائط ہیں۔ ۲۶۲۔
کھیتی پکنے سے قبل اس جنس کی بیع سلم ہے۔ ۲۶۳۔

باب الاجارہ ۲۶۵۔

- قرأت قرآن پر اجارہ درست نہیں اس سلسلہ میں فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کی وضاحت۔ ۲۶۵۔
اجارہ کی تعریف۔ ۲۶۹۔
اجارہ کی قسمیں۔ ۲۷۱۔
چندہ وصول کرنے والوں کو کمیشن دینے کے سلسلہ میں تفصیلی فتویٰ۔ ۲۷۲۔
مرتبہ نے راہن کی اجازت سے مکان مرہون کرایہ پر دیا تو کرایہ کا مالک راہن ہے۔ ۲۷۸۔

باب الامانت ۲۷۹۔

کتاب الخطر والاباحۃ ۳۷۰

- ۳۷۱۔ سہرا باندھنا جائز ہے۔
 ۳۷۱۔ سہرے کی بابت مفصل گفتگو۔
 ۳۸۲۔ پھولوں کا ہار دولہا کے گلے میں ڈالنا جائز ہے۔
 ۳۸۲۔ میلاد شریف میں خوش آوازی سے پڑھنا مستحسن ہے۔
 ۳۸۳۔ یا شیخ عبدالقادر کا وظیفہ جائز ہے۔
 ۳۸۷۔ وہابیہ کی کتابوں سے ثبوت۔
 ۳۸۹۔ ندائے یار رسول اللہ وغیرہ کا ثبوت اور تفصیلی مباحث۔
 ۳۹۱۔ غیر صحابہ کو بھی رضی اللہ عنہ کہنا جائز ہے۔
 ۳۹۲۔ فاتحہ مروجہ جائز و مستحسن ہے۔
 ۴۱۷۔ دفع و بادلیات کے لئے مختلف معمولات اہل سنت جائز اور محبوب اعمال ہیں۔
 ۴۲۱۔ معمولات میں نعرہ تکبیر، نعرہ غوثیہ، لگاتے ہوئے گشت کرنا۔
 ۴۲۱۔ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔
 ۴۲۱۔ مزارات کے نقشے مبارک چیزیں ہیں۔
 ۴۲۲۔ میلاد شریف کی محافل میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے۔
 ۴۲۳۔ واعظ کرسی یا تخت پر ہوتو سامعین کو تلاوت یا درود بلند آواز سے مناسب نہیں۔
 ۴۲۳۔ قمری حساب سے حضور کی ولادت قول مشہور پر ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔
 ۴۲۴۔ ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے۔
 ۴۲۵۔ حقہ اگر نشہ پیدا کرے تو حرام ہے۔
 ۴۲۷۔ میلاد شریف، فاتحہ، نذر و نیا اور دسویں محرم کا روزہ محبوب عمل ہیں۔
 ۴۳۰۔ ایصال ثواب جائز ہے۔
 ۴۳۲۔ لڑکیوں کا گڑیوں سے کھیلنا جائز ہے۔

- ۴۳۴۔ مدارس اور مساجد کو کسی کے نام سے منسوب کرنا جائز بلکہ مصلحتوں کے مطابق ہے۔
 ۴۳۵۔ مسجد وغیرہ میں چراغاں کے تعلق سے وہابیہ کے اشتہار کا جواب۔
 ۴۴۳۔ مسلمانوں سے مصافحہ اور معافیت سنت ہے اس پر تفصیل بحث۔
 ۴۶۶۔ تصویر کے معنی اور بازار میں فروخت ہونے والی ان چیزوں کا حکم جن کے پیکٹ پر ذی روح کی تصاویر بنی ہوتی ہیں۔
 ۴۷۷۔ حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالا جائے۔
 ۴۷۷۔ پیوند کا کپڑا پہننا سلف صالحین کی سنت ہے۔
 ۴۷۹۔ مسجد میں پرال وغیرہ بچھا کر اس پر نماز درست ہے۔
 ۴۸۰۔ حضور کے نقلین اقدس کو جو تیاں کہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔
 ۴۸۱۔ مجالس میلاد میں حضرات اولیائے کرام کا ذکر مقصد میلاد کے خلاف نہیں۔
 ۴۸۳۔ بوقت ذکر ولادت کھڑے ہو کر سلام پڑھنا فرض واجب تو نہیں مگر مستحب و مستحسن ضرور ہے۔
 ۴۸۷۔ کسی مسلمان کو شیطان کہنا جیسے استاد کا شاگرد سے کہنا تو آمیزش کوئی حرج نہیں۔
 ۴۸۷۔ والدین کے اولاد پر حقوق۔
 ۴۸۰۔ تیج وغیرہ میں احباب اور رشتہ داروں کو بغرض ایصال ثواب صدقہ دینا اور کھلانا جائز ہے۔
 ۴۹۰۔ کسی مسلمان کو فرعون کہنے کا حکم۔
 اتفاق سے غیر مسلموں کے تہوار کے دن قرآن خوانی وغیرہ کرنا جائز بلکہ دوسرے دنوں کی طرح باعث ثواب ہے۔
 ۴۹۱۔ مال حربی پر استیلا ثابت ہو جائے تو ملکیت ثابت ہو جائے گی۔
 ۴۹۳۔ رسالہ عطر الکلام فی استحسان المولد والقیام۔
 ۴۹۵۔ قیام و میلاد کے عدم جواز پر دیوبند کے فتویٰ کا رد۔
 ۴۹۷۔ زمانہ لہذا کی محفل میلاد شرعاً درست ہے۔
 ۴۹۹۔ احادیث اور اقوال سلف و خلف سے ثبوت۔
 ۵۴۴۔ مروجہ فاتحہ یقیناً جائز ہے۔

﴿۴۷﴾

باب صحت النکاح والفساد

(۵۹۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین اس بارے میں کہ نکاح ایک مفلوج کے ساتھ ہوا، آیا شرعاً نکاح جائز ہے؟۔ جواب میں حوالہ شرعی کتب کا ہونا چاہئے۔
المستفتی۔ داؤد خان سرانے ترین تو اب خیل پر گنہ سنجل۔ ۲ ستمبر ۱۳۴۷ھ

الجواب

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم
صورت مسئلہ میں جواز نکاح میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ یہ نکاح اپنے محل میں واقع ہوا۔ شرعاً حل استماع کو منید۔ اور شرائط نکاح سب موجود۔ موانع شرعیہ تمام مفقود۔ اور مرد کا عدم مفلوج ہونا شرائط صحت نکاح سے نہیں۔ لہذا ہندہ کا یہ نکاح جائز و صحیح ہے۔
فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

الوکیل بالنکاح من قبل المرأة اذا زوجها ممن ليس بكفولها قال بعضهم يصح في قول ابی حنیفۃ خلا فالصاحبه وقال بعضهم: لا يصح علی قول الكل وهو الصحيح وان كان كفوا الا انه اعمی او مقعد او صبی او معتوه فهو جائز وكذا اذا كان خصیا او عینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ قاضی خان مصطفائی ص ۱۶۱ ج ۱)

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۵۹۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین اس بارے میں کہ اسلام میں مرد کس قدر عمر تک اور کس وقت تک نکاح کر سکتا ہے؟۔ یا عمر کی کوئی قید نہیں ہے، جس وقت ضرورت ہو بلا لحاظ عمر کے نکاح کر سکتا ہے۔ جواب میں حوالہ شرعی کتب کا ہونا چاہیے۔
المستفتی۔ داؤد خان سرانے ترین تو اب خیل سنجل۔

کتاب النکاح

الجواب

نحمدہ ونصلیٰ ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

نکاح کسی عمر میں ناجائز نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ جوان لڑکی کا بوڑھے سے نکاح نہ کیا جائے، رد المحتار میں ہے: ولا بزواج ابنته الشابة شیخا کبیرا (رد المحتار مصری ص ۳۶۹ ج ۲) واللہ

تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المتخصص بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۵۹۲)

شادی کے موقع پر لڑکی والا لڑکے والے سے روپیہ لیکر برات کا کھانا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ زید نے اپنی لڑکی کی شادی کے موقع پر بکر یعنی لڑکے والے سے روپیہ لیکر برات کا کھانا کھلا دیا کیونکہ زید بہت غریب آدمی تھا۔ برات کو کھانا کھلا بھی نہیں سکتا تھا۔ لہذا اس نے ایسا کیا۔ اس پر دیوبندی حیثیوں نے اس طرح روپیہ لیکر کھانا کھانا نیکو حرام لکھ دیا۔ اور ایسا ہی فتویٰ دیدیا۔

الجواب

نحمدہ ونصلیٰ ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اگر لڑکے والا برات کے کھانے کیلئے اس لالچ اور طمع میں روپیہ دیتا ہے کہ اس کی وجہ سے لڑکی والا نکاح کر دیا جیسا کہ بعض ذلیل اقوام میں اس کا دستور ہے تو یہ یقیناً رشوت و حرام ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب عالمگیری میں ہے:

رجل انفق علی طمع ان یزوجها قال الشیخ اللامام الاستاذ الاصح انہ یرجع زوجت نفسہا اولم تزوج لانه رشوة (ملخصاً عالمگیری کان پور ص ۳۴ ج ۲)

ایک شخص نے ایک عورت پر اس طمع میں خرچ کیا کہ وہ اس سے نکاح کر دیا تو شیخ امام استاذ نے حکم دیا کہ اصح قول یہ ہے کہ مرد وہ رقم واپس لے، عورت نکاح کرے یا نہ کرے کہ وہ رشوت ہے۔ اور اگر لڑکی والے نے کہا کہ اس قدر روپیہ دو تو نکاح کر دیا جائے گا ورنہ نہیں جیسا کہ بعض دہقانیاں جاہلوں میں رائج ہے۔ تو یہ بھی رشوت ہے۔

فتاویٰ خیرہ میں ہے:

(سئل) فی امرأۃ ابی اقاربہا ان یزوجہا الا ان یدفع طعام الزوج کذا فوعدهم بہ هل یلزم ام لا (اجاب) لا یلزم ولودفع قلہ ان یاخذہ قائما اوہا لکا لانه رشوة کما فی البزازیہ۔ (فتاویٰ خیرہ مصری ص ۲۸ ج ۱)

اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کے رشتہ داروں نے یہ شرط کی کہ شوہر انہیں اس قدر دے تو وہ اس کا نکاح کر دینگے پس شوہر نے ان سے اتنی مقدار کا وعدہ کر لیا تو وہ مقدار بذمہ شوہر لازم ہوگی یا نہیں۔ علامہ خیر الدین ربلی نے جواب دیا کہ لازم ہوگی اور اگر شوہر دے چکا تو اس کے واپس لینے کا اس کو حق حاصل ہے اب چاہے وہ موجود ہو یا صرف ہو چکی ہو کہ وہ رشوت ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

شیخ الاسلام محمد تمرتاشی تنویر الابصار میں اور علامہ علاء الدین جھکشی اس کی شرح در مختار میں فرماتے ہیں:

اخذ اهل المرأة شیئا عند التسليم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔ (رد المحتار میں ص ۳۷۶ ج ۲)

کذا فی البحر الرائق والفتاویٰ الہندیہ۔

لڑکی والوں نے رخصتی کے وقت کچھ لیا تو شوہر کو اس کے واپس لینے کا حق حاصل ہے، اس لئے کہ وہ رشوت ہے، اسی طرح بحر الرائق شرح کنز الدقائق اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

اور اگر لڑکے والا لڑکی والے کو محض بطور ہدیہ یا بغرض صلہ یا بلحاظ ہمدردی و اعانت دیتا ہے کہ لڑکی والا برات کو کھانا کھلا سکے اور ایسے ضروری امور انجام دید سکے جس کی بنا پر اسے خاندان اور قوم کے روبرو شرمندگی نہ ہو جیسا کہ ملک بنگال و برما کا عرف ہے تو یہ نہ رشوت ہے نہ حرام۔

چنانچہ شیخ علامہ خیر الدین ربلی استاذ صاحب در مختار نے فتویٰ دیا۔

فتاویٰ خیرہ میں ہے:

(سئل) فی رجل یخطب من آخر اختہ و دفع لہ شیئا یسمی ملا کا و دراهم ایضا من عادة اهل الزوجة اتخاذ طعام بہ ولم یتیم امر النکاح هل للمخاطب ان یرجع فیہ ام لا؟ (اجاب) نعم لہ ان یرجع بذلك بشرط عدم الاذن منہ فان اذن لہم با اتخاذہ و طعامہ لنا من صناع کا نہ اطعم الناس بنفسہ طعاما لہ و فیہ لا یرجع (خیرہ ص ۲۷ ج ۱)۔

اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک شخص کو اس کی بہن کا پیغام دیا اور اس کو کچھ وہ چیز دی جس کو ملاک و دراہم کہا جاتا ہے اور عورتوں کی عادت اس سے کھانا تیار کر چکی ہے، اور ابھی نکاح کا کام تکمیل کو نہیں پہنچا تو کیا پیغام دینے والا اسے واپس لے یا نہیں؟ علامہ نے جواب دیا کہ ہاں جب اس کی طرف سے اجازت نہیں تو وہ اس بنا پر واپس لے اور اگر اس نے لڑکی والوں کو لوگوں کے لئے کھانا پکانے اور کھلانے کی اجازت دیدی ہے تو گویا اس نے خود لوگوں کو کھانا کھلایا اور اس صورت میں اسے اس سے واپس نہیں لے سکتا۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ جب جانب شوہر سے لڑکی والے کو بغرض ضیافت روپیہ دیا تو اس کا ضیافت کرنا اور کھانا کھانا گویا شوہر ہی کا ضیافت کرنا اور کھانا کھانا ہے اس لئے وہ شوہر اس رقم کا اس سے مطالبہ بھی نہیں کر سکتا کہ ہدیہ وصلہ کا مطالبہ نہیں ہوتا ہے۔ ہمارے ملک بنگال کا جب یہ عرف و رواج ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ذلیل اقوام اور دہقان جہاں ہی کا عرف خاص نہیں ہوگا بلکہ شریف اقوام ذی علم و ذی وجاہت شہری لوگوں میں بھی رائج ہوگا۔ کہ ملکی عرف و رواج کا یہی مطلب ہوتا ہے اور قابل عار بھی نہ ہوگا۔ نہ اس میں عوض و طمع اور شرط و ظلم مقصود ہوگا نہ اس میں احقاق باطل اور ابطال حق مد نظر ہوگا۔ کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ اس عرف بنگال نے متعین کر دیا کہ یہ ہدیہ وصلہ یا بروصلہ یا معونتہ و امداد ہے، اور ان کو ناجائز و حرام کون کہہ سکتا ہے۔ معہذا شریعت نے بہت سے احکام عرف و رواج ہی پر صادر فرمائے ہیں یہاں تک کہ عرف جن جن خصوصیات کیساتھ ہو، انہیں کی رعایت حکم میں ملحوظ ہے

در مختار میں ہے: المعروف كالمشروط۔ (رد المختار۔ ص ۳۶۸ ج ۲)

قاضی خان میں ہے: يعتبر التعارف الثابت عرفاً كالثابت شرطاً

(رد المختار ص ۳۹۸ ج ۲)

ہدایہ میں ہے: هو المتعارف فيصرف المطلق اليه (رد المختار ص ۳۷۶ ج ۲)

رد المختار میں ہے: الثابت بالعرف كالثابت بالنص (ص ۳۶۷ ج ۲)

اسی میں ہے: الفتویٰ علی اعتبار عرف بلا دھما (ص ۳۶۸ ج ۲)

اسی میں ہے: یشیت بحکم العرف۔ (ص ۳۶۸ ج ۲)

اسی میں ہے: والعرف فی الشرع له اعتبار۔ لہذا علیہ الحکم قد یدار (ص ۳۶۸ ج ۲)

اسی میں ہے: فلو لا العرف لکان القول قولہ۔ (ص ۳۷۳ ج ۲)

اسی میں ہے: المعتمد البناء علی العرف (ص ۳۷۲ ج ۲)

ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ بعض احکام شرع کی بناء ہی عرف و رواج پر ہے اور جہیز وغیرہ رسوم شادی کے احکام عرف و رواج ہی پر مبنی ہیں۔

الحاصل جب عرف بنگال میں لڑکے والے کا لڑکی والے کو کھانا و ضیافت کیلئے روپیہ دینا بلا غرض و عوض و طمع اور بغیر خیال شرط و ظلم اور بلا لحاظ احقاق باطل و ابطال حق کے ہے۔ اور اس سے ہدیہ وصلہ یا معاونت و صلہ مقصود ہوتا ہے تو یہ رشوت و حرم کس دلیل سے ہے۔

جن دیوبندیوں نے اسکا فتویٰ دیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور تصریحات فقہ کی رو سے باطل ہے۔ یہ لوگ حقیقتہ فقہ سے ناواقف ہیں بلا سمجھے ہوئے اس طرح کے غلط فتوے لکھ کر عوام کو گمراہی کیا کرتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں قبول حق کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۵۹۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید اور بکر دونوں حقیقی بھائی ہیں زید کے چھوٹے بھائی بکر نے زید کی بیوی سے خفیہ طور سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ بکر نے زید کی بیوی سے زنا کر لیا جس کا اقرار خود بکر نے اور زید کی بیوی نے کیا اور اس زنا سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ لہذا اب سوال یہ ہے کہ زید کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا وہ زید کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں اور زید اس کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم شرعی حکم سے مدلل طریقہ پر آگاہ فرمائیں۔ فقط والسلام۔

المستفتی سراج الدین میاں ٹیڈ گڑھ ضلع چوہیں پرگنہ۔

۱۰/۱۲/۱۳۷۱ھ ۲۸ اگست ۱۹۵۲ء

الجواب

نحمدہ ونصلیٰ ونسلم علی رسولہ الکریم

صورت مسئلہ میں زید کی بیوی محض اس زنا کی بنا پر زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔ زید اگر اس کو اپنی زوجیت میں رکھنا چاہتا ہے تو رکھ سکتا ہے۔ ابو داؤد شریف و نسائی شریف میں حضرت عبداللہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: 'جاء رجل الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال ان لى امرأة لا ترد يد لا مس فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم طلقها قال انى احبها قال فا مسكها اذا' (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷)

کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری عورت چھوٹے والے کے ہاتھ کو کبھی رد نہیں کرتی یعنی اپنی آپ کو کسی جماع کرنے والے سے نہیں روکتی تو حضور نے فرمایا کہ اس کو طلاق دیدے، عرض کیا میں اس سے محبت کرتا ہوں فرمایا تو اس کو اب زنا سے روک اور اسکی محافظت کر۔ (ص ۴۲)

اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ زنا کی وجہ سے عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ لعان ہو جانے کے بعد بھی عورت اور شوہر میں تفریق نہیں ہو جاتی جب تک کہ قاضی ان کے مابین تفریق نہ کر دے۔

شامی میں ہے: "لا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفریق الحاکم وحل الوطی من غیر تحدید نکاح لانها امرأته" اور یہاں تو لعان بھی نہیں لھذا وہ زید کی بیوی ہے اس سے بلا تجدید نکاح وطی حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۳۰ ذی القعدہ ۱۳۷۱ھ

کتبہ: اہل معتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

(۵۹۳)

مسئلہ

کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کا نکاح زید سے ہوا اور ہندہ کے والد کو علم نہ تھا کہ زید دیوبندی ہے بعد نکاح علم ہوا۔ اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ہندہ کا نکاح اصول اسلام کے مطابق ہوا بھی یا نہیں کہ انہیں ہندہ سنی اور زید دہابی ہے۔ دوسرا یہ کہ زید نے ہندہ کو عرصہ تین سال سے روک لیا ہے اور بھیجنا نہیں چاہتا ہے اور وجہ بھی یہی ہے جو اوپر تحریر کی گئی۔ ہندہ کے والدین نہیں چاہتے ہیں کہ ہم دیوبندی کے پاس ایک لہجہ کے لئے بھی لڑکی کو رکھیں اس سوال کا جواب مفصل مع حوالے کتب حنفیہ، حدیث و آثار عطا فرمائیں۔

الجواب

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

دیوبندی اکابر گنگوہی، نانوتوی، تھانوی، ایتھمی نے اپنی تصنیفات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں صریح گستاخیاں کیں۔ مفتیان عرب و عجم نے بالاتفاق فتاویٰ کفر دیئے تو یہ چاروں یقیناً کافر و مرتد قرار پائے۔ اب جو دیوبندی ان کے کفریات پر واقف و مطلع ہونے کے بعد بھی انکو اپنا پیشوا یا عالم دین چاہیں یا ادنیٰ درجہ کا انہیں مسلمان کہیں یا کم از کم ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ رد المحتار میں ہے:

اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر و حکمہ حکم القتل ومن شک فی عذابہ و کفرہ کفر۔ (رد المحتار ص ۲۹۹ ج ۳)

مسلمانوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ کافر ہو گیا۔

اور جب ایسے دیوبندیوں کا کافر و مرتد ہونا ثابت ہو چکا تو کسی مسلمہ سنی عورت کا کسی ایسے دیوبندی سے نکاح شرعاً جائز نہیں، اور اگر غلطی سے ایسا ہو گیا ہے تو وہ نکاح باطل ہے جس کی تفریق کے لئے نہ طلاق کی حاجت نہ اس پر عدت واجب۔
در مختار میں ہے:

فی مجمع الفتاویٰ نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تحب العدة لان النکاح باطل۔ (رد المحتار ص ۶۵۰ ج ۲)

مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ کافر نے مسلمان عورت سے نکاح کیا پھر اس سے اولاد پیدا ہوئی تو وہ ثابت النسب نہ ہوگی۔ نہ اس پر عدت واجب ہوگی کہ یہ نکاح باطل ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ جب ہندہ سنی ہے اور زید دیوبندی ہے تو زید سے ہندہ کا سرے سے نکاح نہیں ہوا۔ اور جو نام کا نکاح ہوا وہ نکاح باطل ہے۔ لھذا ہندہ فوراً زید سے جدا ہو جائے۔ اور والدین بھی اس کے پاس نہ رہنے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: اہل معتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۱ھ

(۵۹۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بندہ بالغہ نے زید کو وکیل کیا کہ میرا نکاح عمر کے ساتھ پڑھا دو۔ چنانچہ زید نے مجلس نکاح میں حاضر ہو کر عمر کے ساتھ ایجاب و قبول کر دیا اور ہندہ کو رخصت بھی کر دیا۔ جب ہندہ سسرال سے اپنے باپ کے گھر آئی تو کہنے لگی کہ میرا نکاح عمر کے ساتھ کیا گیا تھا لیکن وہ شخص عمر نہیں ہے بلکہ حامد ہے۔ مجلس نکاح کے لوگ اور ہندہ کا وکیل زید سب نے حاضر ہو کر دعویٰ کیا کہ عمری سمجھا تھا۔ اب بعد میں سب کو معلوم ہوا کہ وہ عمر نہیں حامد تھا اور پتہ چلا کہ یہ عمر کے ولی کی دھوکہ بازی تھی۔ اب حامد اور عمر دونوں بالغ ہیں۔ حامد کہتا ہے کہ ہندہ میری بیوی ہے، عمر کہتا ہے کہ میری بیوی ہے اور حالت یہ ہے کہ ہندہ حامد سے حاملہ بھی ہو چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح ہوا یا نہیں؟ اور ہوا تو کس کے ساتھ ہوا اور بچہ ہوگا تو کس کا ہوگا اور اب شرعاً ہندہ کو کیا کرنا چاہئے۔ ہندہ اپنے باپ کے گھر ہے۔ سائل۔ ممتاز علی قریشی معرفت دارالعلوم شاہ عالم اہل سنت و جماعت احمد آباد۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید نے خلاف وکالت یہ تصرف کیا کہ اپنی مولاہ ہندہ کا نکاح بجائے عمر کے حامد سے کر دیا تو اس ہندہ کا نکاح عمر کے ساتھ تو اس بنا پر نہیں ہوا کہ وہ عمر مجلس عقد سے غائب ہے اور حاضر بھی ہو تو بہر صورت اس سے رکن عقد قبول ہی متحقق نہیں ہوا تو عقد نکاح ہی منعقد نہیں ہوئی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا كان احد هاتين لم ينعقد۔

در مختار میں ہے: و ينعقد متلبسا بايجاب و قبول من احد هما و قبول من الاخر۔

تو جب رکن عقد قبول ہی وجود میں نہیں آیا تو ہندہ اور عمر کے درمیان نکاح ہی نہیں کہ قبول ہی سے نکاح تمام ہوتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: يكون تمام العقد بالمحجب۔

تو اب ظاہر ہو گیا کہ ہندہ اور عمر کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ اب باقی رہا ہندہ اور حامد کے مابین کے عقد کا حکم تو یہ موقوف ہے جو ہندہ کی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے کیونکہ وکیل نے خلاف مرضی مولاہ تصرف کیا ہے تو وکیل کا فعل نافذ نہیں ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

في كل موضع لا ينفذ فيه فعل الوكيل فالعقد موقوف على اجازة الوكيل۔

تو جب ہندہ کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کا نکاح عمر سے تو ہوا نہیں بلکہ اس کا نکاح حامد سے ہوا ہے تو حامد سے ہی نافذ ہو جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: تثبت الاجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل۔ اور اگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا ہے تو اب حامد کے لئے اپنی رضا ظاہر کر دے، اور جب ہندہ حاملہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حمل حامد ہی سے ہے اور وہ بچہ حامد ہی کا کہلائے گا۔ جب حامد اس کا مدعی ہو یا وقت و طی سے چھ ماہ یا اس کے بعد پیدا ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۵۵ھ

مسئلہ

(۵۹۶)

بعض حضرات کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ اگر حقیقی ممانی کی اولاد حیات ہوں تو اس کا نکاح اس کے حقیقی بھانجے کے ساتھ شرعاً درست نہیں ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟۔
المستفتی لیاقت حسین انصاری۔ بلاری مراد آباد ۱۳۵۵ھ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

سوال نہایت مبہل ہے۔ اس کے الفاظ وضاحت کے محتاج ہیں، سائل کو اگر اس کا جواب حاصل کرنا ہے تو تفصیلی طور پر دریافت کرے۔ ۲۵ رمضان ۱۳۵۵ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۵۵ھ

مسئلہ

(۵۹۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کے متعلقین نے ایک لڑکے کو اپنی لڑکی کے ساتھ عقد کے لئے پسند کر لیا، فریقین میں آپس میں بات چیت ہو کر نسبت پختہ ہو گئی اور شادی کی تاریخ مقرر ہو کر اسی لڑکے کی بارات لڑکی کے یہاں تاریخ مقررہ پر آ گئی۔ دوہن کے متعلقین دو لہا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن دو لہا کا باپ اپنی

علاقت کی وجہ سے باہرات میں نہ جاسکا، دولہا کا چچا بارات میں موجود تھا جس نے نکاح کے وقت دولہا کے بڑے بھائی کا نام بجائے دولہا کے نام کے لکھوا دیا۔ جو بارات میں موجود بھی نہ تھا، اور دلہن کے سامنے بھی دولہا کے بڑے بھائی کا نام بتلایا گیا۔ اور قاضی نے دلہن کا عقد دولہا موجود کے ساتھ کر دیا۔ دولہا نے قبول کر لیا۔ لیکن دولہا جب سلام کی رسم کے لئے دلہن کے دروازہ پر گیا تو اس وقت یہ بات ظاہر ہوئی اور آپس میں بعض لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ دولہا کا نام غلط بتایا گیا۔ بوقت رخصت دلہن کو روک لیا گیا۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ دلہن کا عقد اسی دولہا کے ساتھ ہو گیا یا نہیں۔ یا پھر سے ایجاب قبول کی ضرورت ہے۔ اب دوبارہ ایجاب قبول کر لیا جاوے۔ یا دلہن کو جو نام بتایا گیا اس کا عقد ہوا۔ یہ بھی واضح رہے کہ دلہن کے متعلقین کو لڑکوں کے نام سے واقفیت نہ تھی، اور آپ اس مسئلہ میں ہم کو جلد آگاہ کیجئے۔ اللہ آجکوار جریگا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اس دلہن کا عقد اسی دولہا کے ساتھ ہوا جو مجلس عقد میں حاضر و موجود تھا۔ کہ یہی تمام باراتی اور اہل زوجہ کے نزدیک دولہا ہونے کے لئے متعین و معلوم ہے۔ اور قاضی نکاح خواں نے اسی کو عاقد جان کر قبولیت عقد کا اسی سے اقرار لیا ہے اور اسی کے ساتھ عقد نکاح کیا ہے تو اس کا دولہا ہونا متعین ہو گیا اور جہالت منہی ہو گئی۔

رد المحتار میں ہے۔۔ ان المقصود نفی الجہالة و ذالك حاصل متعین عند العاقدین والشہود و ان لم یصرح باسمها۔

اب باقی رہا دولہا کے نام کا غلط ہو جانا تو وہ اس کے حق میں صحت عقد کے لئے مضرب نہیں کہ اس کا مجلس میں دولہا بن کر آنا۔ سب براتیوں اور اہل زوجہ میں اسی کا دولہا ہونے کے ساتھ معروف و متعین ہونا۔ اسی کی طرف اشارہ حیہ کا وقت عقد کیا جانا، رکن عقد یعنی قبولیت نکاح کے لئے اسی کو متعین کرنا، الفاظ قبول کا اسی سے اقرار لینا، یہ امور تعین اسم زوج سے زیادہ قوی ہیں۔ لہذا نام کی غلطی سے اس دولہا معروف و متعین کے اس دلہن کے ساتھ عقد ہو جانے میں اور نقص اور خرابی لازم نہیں آتی۔

چنانچہ رد المحتار میں ہے۔۔ لو كانت مشار اليها و غلط فی اسم ايها او اسمها لا يضر لان تعريف الاشارة الحسية اقوى من التسمية لما في التسمية من الاشتراك العارض فتلغوا

تسمية۔

حاصل جواب یہ ہے کہ اس دلہن کا عقد شرعاً اسی دولہا کے ساتھ ہوا جو مجلس میں دولہا بن کر حاضر و موجود تھا۔ اب دوبارہ ان کے مابین ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر احتیاطاً ان کے مابین تجدید نکاح کر لیا جائے تو بہتر اور اولیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

(۵۹۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اگر کوئی مرد یا عورت شادی نہ کرے اس سے کہا بھی جائے تب بھی وہ شادی نہ کرے اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ شادی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غلبہ شہوت ہو جس کی وجہ سے وہ زنا میں مبتلا ہو، بلکہ حتی المقدور نماز روزے کے پابند اور لہو و لعب سے دور بالغ ہیں اپنے نفس کے مختار ہیں، ولی کچھ نہیں کر سکتا ہے ان کے نکاح نہ کرنے سے ولی یا والدین پر کوئی مواخذہ ہے؟ اور نکاح نہ کرنے پر ان سے کوئی مواخذہ ہوگا؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

نکاح کرنا سنت ہے، حدیث شریف میں ہے۔ النکاح من سنتی فمن لم يعمل بسنتی فليس منی۔

تو جو بلا وجہ نکاح نہیں کرتا، وہ تارک سنت ہے جو مستحق وعید ہے۔ پھر اگر وہ منہیات سے اجتناب کرتا ہے اور فرائض کا پابند ہے، تو اس پر اس ترک سنت کا مواخذہ ہو سکتا ہے۔ اور جب وہ بالغ ہے، اور اپنے نفس کا خود مختار ہے، تو اس کے اس فعل کا ولی یا والدین پر کوئی مواخذہ نہیں۔

قرآن کریم میں ہے۔ ولا تزر وازرة وزر اخرى۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

مسئلہ

(۵۹۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

اگر زید یا ہندہ اس خیال سے شادی نہیں کرتے، کہ شادی ہونے سے اولاد کی محبت اور میاں بیوی میں محبت یا کشمکش میں مبتلا ہو کر ہم سے رب کی جو عبادت ہوتی ہے وہ بھی نہ ہوگی اور دنیاوی عیش وآرام میں پڑ جائیں گے۔ لہذا ہم شادی ہی نہیں کرتے، اس وجہ سے زید اور ہندہ پر شادی نہ کرنے میں کوئی حرج ہے۔ سنت کا ترک تو ضرور ہوگا۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

نکاح اور نکاح پر مرتب ہونے والے امور میں مشغولیت عبادت نافذ سے افضل ہے۔

رد المحتار میں ہے۔ قالوا لا الاشتغال به (ای بالنکاح) افضل من التحلی لنوافل العبادات ای الاشتغال به وما يشتمل بمصالحة واعفاف النفس عن الحرام و تربیت الولد و سحر دالک۔ تو اس بنا پر ترک سنت بھی لازم آیا، اور ترک فضیلت بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۰۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

عمر کی شادی ہوئی اور اس کی عورت سال دو سال کے بعد مر گئی دوسرا نکاح تو کرتا نہیں مگر زنا کا ری بدکاری میں پڑ گیا ہے۔ لوگ کہتے بھی ہیں تو منع کر دیتا ہے۔ ایسے ہی زینب کی شادی ہوئی سال چھ مہینے کے بعد یا دو سال کے بعد یا دس سال کے بعد اس کا شوہر مر گیا زینب نے بھی دوسرا نکاح نہیں کیا بلکہ وہ لوگوں کے یہاں پانی بھرنے لگی یا گھروں پر بچوں کو پڑھانے جانے لگی۔ کچھ زنا کاری کی افواہ بھی لوگوں میں حتیٰ کہ پھری تک نوبت آئی۔ اگر کوئی کہتا بھی ہے کہ تو عقد ثانی کیوں نہیں کرتی تو چراغ پا ہوتی ہے۔ گالیاں بکتی ہے۔ اب یہاں ایک مسئلہ اور پیدا ہوا کہ اس سے پہلے زید اور ہندہ وہ بھی شادی سے انکار کرتے ہیں یہاں عمر اور زینب یہ بھی انکار کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان میں کس کس کے عقد و شادی کی سخت ضرورت ہے۔

بینوا تو جزوا۔ المستفتی۔ (مولوی) عبد اللہ خاں نگینہ مسجد ردوں ضلع ایوت محل (برات)

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

بخاری ومسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”یا معاشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ له وجاء۔“ یعنی اے گروہ جوانان تم میں سے جو مہر و نفقہ پر قادر ہو تو وہ ضرور نکاح کرے کہ نکاح کرنا بیگانہ پر نظر کرنے سے بہت زائد روکنے والا اور شرم گاہ کی بہت حفاظت کرے والا ہے۔ اور جو مہر و نفقہ پر قادر نہ ہو تو اس پر روزہ دار رہنا ضروری ہے کہ روزہ کا رکھنا شہوت کو میٹ دیتا ہے۔ اس حدیث شریف نے نکاح کی اہمیت کو کس قدر ثابت کیا اور یہ حکم دیا کہ مہر و نفقہ پر قادر کیلئے حفاظت شرم گاہ اور بدنظر سے بچنے کے لئے بہترین چیز نکاح کا کرنا ہے۔ اور مہر و نفقہ سے عاجز کیلئے بہترین محافظ روزہ کا رکھنا ہے تو یہ عمر اگر مہر و نفقہ پر قادر ہے تو اس پر نکاح کرنا ضروری اور اگر ان سے عاجز ہے تو اس پر روزہ رکھنا لازمی ہے۔ اور جب اس نے ان میں سے کسی بات پر عمل نہیں کیا تو وہ ترک سنت کے گناہ و وعید کے علاوہ زنا جیسے حرام فعل میں مبتلا ہو گیا اس لئے فقہا کرام نے اس قادر مہر و نفقہ کے لئے جو مغلوب الشہوۃ بھی ہو نکاح کو واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ رد مختار میں ہے: ویسکون واجبا عند التوقان۔ تو وہ نکاح کو منع کر کے ترک واجب کر کے سخت مجرم و گنہگار ہوا۔ اسی طرح زینب پر بھی جب وہ مغلوب شہوۃ تھی تو اس پر نکاح واجب تھا۔ اور اب بھی ہے۔ اس کا نکاح سے منع کرنا اور زنا جیسے حرام فعل میں مبتلا ہو جانا گناہ عظیم اور سرکشی و بغاوت ہے۔ اور پھر اہل ہنود کی رسم کی بنا پر عقد بیوگان کو معیوب جان کر نکاح نہ کرنا انتہائی سرکشی اور مذہب سے بغاوت کی دلیل ہے۔ اسکے اعزہ اور رشتہ داروں پر ضروری ہے کہ وہ اس کو اس زنا سے روکیں اور بیگانوں کے یہاں نہ جانے دیں۔ اور عقد ثانی کی ترغیب دیں۔

اب باقی رہا یہ کہ پہلے سوالات میں اور اس سوال میں کیا فرق ہے۔ تو یہ ظاہر ہے وہاں جو نکاح سے انکار تھا ان میں نہ غلبہ شہوت کا ذکر تھا نہ زنا میں مبتلا ہو جائیکا بیان تھا۔ بلکہ یہ تصریح موجود تھی اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ شادی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غلبہ شہوت ہو جسکی وجہ سے وہ زنا میں مبتلا ہوں اور بعد والے میں نکاح نہ کرنا ذوق عبادت کے کم ہو جانے کے خوف کی بنا پر تھا جس میں ارتکاب زنا اور غلبہ

شہوت کا شائبہ بھی نہ تھا تو ان میں شادی کا نہ کرنا صرف ترک سنت تھا اور اس سوال میں غلبہ شہوت موجود ہے جس میں نکاح کا نہ کرنا سبب زنا قرار پایا۔ یا رسم بنود کا اتباع ہو تو نکاح کے اس انکار اور ان سوالوں کے انکار میں زبردست فرق موجود ہے تو اس سوال کے مذکور عمر و نہ نب کے عقد کی سخت ضرورت ہے اور شرعاً ان پر نکاح کرنا واجب بلکہ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔۔۔ ۲۵۔ ذی قعدہ الحرام ۱۳۷۵ھ۔

کتبہ: المتقصد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۰۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مساۃ کلو جس کی شادی عبدالعزیز سے ایک زمانہ ہوا ہوئی تھی باہم شکر رنجی ہو کر ایک زمانہ ہوا طلاق ہو گئی۔ کلو کے بطن سے عبدالعزیز کے یہاں کی ایک بچی نور بانو نابالغی میں ماں کے ساتھ اپنے نانا ثانی کے یہاں پلتی رہی۔ جب نور بانو کی عمر بڑی ہوئی تو اس کی ماں کلو نے اپنا نکاح چاند نامی دوسرے شخص سے حسب شرع کر لیا نور بانو جواب تک نانانی کے یہاں تھی نانانی نے اس کا بیاہ کر دیا نکاح کے وقت نور بانو کے باپ کا نام عبدالعزیز نہ بتلا کر چاند بتلادیا حاضرین میں جو جانتے تھے انہوں نے ٹوکا۔ تو جواب دیدیا کہ اس کا نام ہرگز نہ لکھوائیں گے بلکہ چاند کا ہی نام لکھوادیا حالانکہ باپ اس کا عبدالعزیز تھا۔ اب مسئلہ دریافت طلب ہے کہ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں تنازعہ اس میں صرف یہی ہے کہ نور بانو کے باپ کا اصلی نام نہ لکھوا کر ماں کے دوسرے خاوند کا نام لکھوادیا۔ نکاح پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ ہمارے خیال میں ایسی نکاح درست نہیں۔ لہذا آپ بحوالہ کتب احادیث کے اس کا فتویٰ عنایت فرمادیں تاکہ اس کا ایسے نادرست لوگوں کو پتہ لگ جائے اور آئندہ من مانی نہ کر سکیں۔ نور بانو بنت عبدالعزیز کی جگہ چاند لکھوادیا منع کرنے پر نہیں مانے۔

خادم عبدالرزاق مومن کوڑارا جستان ۱۹ شوال المکرم ۱۳۷۸ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر مساۃ نور بانو اس مجلس نکاح میں موجود تھی اور اس کی طرف اشارہ کر کے یہ کہا گیا کہ اس نور بانو بنت چاند کا نکاح تیرے ساتھ کیا گیا جب تو اس نور بانو کا نکاح صحیح ہو گیا۔

رد المحتار میں ہے: انها لو كانت مشارا اليها وغلط في اسم ابوها او اسمها لا تضر لان تعريف الاشارة الحسية اقوى من التسمية من الاشتراك العارض فتلغوا التسمية عندها۔ اور اگر نور بانو خود مجلس عقد میں حاضر و موجود نہیں تھی اور ہندوستان کے عرف میں دولہن مجلس عقد نکاح میں موجود نہیں ہوا کرتی ہے اور جب وہ موجود نہ ہوگی تو اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جاسکتا تو وہ نکاح نور بانو بنت چاند کا ہوا اور نور بانو بنت عبدالعزیز ہے لہذا اس نور بانو بنت عبدالعزیز کا سرے سے نکاح ہی نہیں ہوا۔

فقہ کی مشہور کتاب رد مختار میں ہے: غلط و کیلھا بالنکاح فی اسم ابیہا بغیر حضورہا لم یصح۔ (رد مختار ج ۲ ص ۲۸۲)

تو اب یہ نور بانو بنت عبدالعزیز جہاں اپنا نکاح چاہے کر سکتی ہے کہ یہ اب تک بے نکاحی ہے پھر جب اس کا شرعاً نکاح ہی نہیں ہوا تو اسے نہ طلاق کی حاجت نہ عدت کی ضرورت۔ وارثوں کی ولدیت کے غلط لکھوانے کا یہ نتیجہ غلط مرتب ہوا کہ اس کا نکاح ہی شرعاً صحیح نہیں منعقد ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب یکم ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المتقصد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۰۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک عورت کے اپنے شوہر سے تین مہینہ کا حمل تھا اور اس عورت کے اوپر ایک غیر مرد نے زنا کیا ہے اب زنا کرنے والا مرد کو تو حد لگایا گیا ہے پھر عورت کا کیا حکم ہوگا دلیل کے ساتھ پیش کریں اور عورت کی جو اپنا مرد ہے وہ بھی عورت کو چھوڑنا بہت مشکل ہے تو کیا کریں اور عورت کی حد کب کیا جائے گا اور اس عورت کے ساتھ لوگوں کو کس صورت میں ہو سکتا ہے یہ سب صورتوں کو ایک ایک کر کے دلیل کے ساتھ پیش کریں۔ فقط عریض الدین آسام مدرسہ اسکول علی ماش کچروں

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زنا کرانے سے عورت شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہوتی، اس کا شوہر اس کو اس گھر والوں سے

بلا کر رکھ سکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ عورت شادی شدہ ہے تو شرعاً اس کو حد رجم یعنی سنگسار کر کے مارتا ہے لیکن حد کو جاری کرنا قاضی کا ذمہ ہے اور قاضی اسلام اب موجود نہیں تو حد کیسے جاری کی جاسکتی ہے بلکہ اسکے بالا اعلان تو بہ کر لینا کافی ہے اور جب شوہر اس کو اپنے گھر رکھ سکتا ہے تو پھر سارے امور خانہ داری کھانا پینا وغیرہ سب روا و درست ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

﴿ ۲۸ ﴾

باب المحرمات

مسئلہ

(۶۰۳) از موضع حسن پور، پرگنہ سنہیل، حاجی احمد اللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے گھر میں دو حقیقی بہنیں ہیں۔ پہلے ایک عورت اس کے گھر میں تھی، اس کو بغیر طلاق دیئے ہوئے اس کی حقیقی بہن سے بھی نکاح کر لیا۔ آیا اس کا یہ عمل از روئے شرع شریف جائز ہے یا ناجائز؟ نیز ان سے جو اولاد ہوگی وہ صحیح النسب مانی جائے گی یا حرامی؟۔ فقط

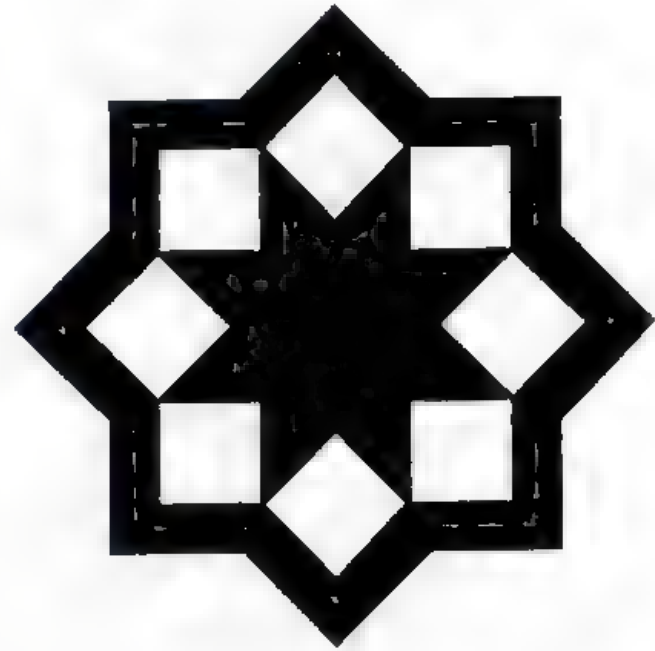
الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ایک بہن جب اس کے نکاح میں موجود ہے اور اس کو طلاق بھی نہیں دی ہے۔ تو اس صورت میں اس کا دوسری حقیقی بہن سے نکاح کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اور اس کو نکاح کہنا ہی غلط ہے۔ یہ تو وہ مسئلہ ہے جو قرآن پاک اور احادیث میں بالصریح موجود ہے۔ وان تجمعوا بین الاختین۔ یعنی تمہارے لئے یہ حرام کیا گیا ہے کہ دو بہنوں کو جمع کرو۔ اور نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من كان يومئذ بالله واليوم الآخر فلا يجمعن ماءه في رحم اختين۔ یعنی جو اللہ اور دن آخرت پر ایمان لا چکا تو وہ ہرگز دو بہنوں کے رحم میں اپنے نطفہ کو جمع نہ کرے گا۔

لہذا اب وہ شخص اپنے حکم کو اس آیت اور حدیث میں تلاش کرے۔ اور فوراً اس جرم عظیم سے تائب ہو کر اس بعد والی بہن کو آپ سے جدا کرے اور اپنی عاقبت برباد نہ کرے اور دیگر مسلمان کو بھی لازم ہے کہ وہ اس فتویٰ کے بعد بھی اپنے اس فعل شنیع کو ترک نہ کرے تو جبراً جس صورت سے ممکن ہو اس سے ترک کرائیں یہ سراسر زنا ہے۔ اور جب یہ نکاح ہی بالکل صحیح نہیں ہوا تو وہ اولاد بھی حرامی ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل



مسئلہ

(۶۰۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں
کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی ہندہ کی ناجائز چال چلن دیکھنے کے سبب سے زید نے
ہندہ کو طلاق دیدی چنانچہ زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ نے بکر سے شادی کیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد
ہندہ بکر یعنی دوسرے شوہر کے یہاں بے فرار ہو گئی۔ مگر بکر یعنی دوسرے شوہر نے طلاق نہیں دیا کچھ عرصہ
کے بعد ہندہ نے تیسری جگہ عقد کر لیا۔ پھر چند سال کے بعد ہندہ کا تیسرا شوہر بھی مر گیا۔ پھر چوتھی جگہ عقد
کر لیا اور چوتھا شوہر بھی مر گیا پھر پانچواں شوہر کیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد پانچواں شوہر بھی مر گیا۔ اب
ہندہ بغیر عقد چھٹے شوہر کے پاس مقیم ہے اور پانچویں مرحوم شوہر کے جائیداد سے حصہ زوجیت لینا چاہتی
ہے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ اپنے پانچویں شوہر کی جائیداد سے حصہ پاسکتی ہے یا نہیں
۔ اور جب کہ ہندہ کے دوسرے شوہر نے ہندہ کو طلاق نہیں دیا تو ہندہ کے تینوں عقد جائز ہوئے یا نہیں فقط
۔ بیٹو اور تو جروا جواب بحوالہ کتب ونقل عبارت مرحمت فرمائیں۔

المستفتی محمد سلیمان لکھن پور الہ باد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جب ہندہ کو شوہر ثانی بکر نے طلاق نہیں دی ہے۔ تو یہ ہندہ شوہر والی ہوئی
اور شوہر والی کا کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

خود اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے "والمحصنت من النساء"
یعنی حرام کردی گئیں شوہر والی عورتیں۔

تو اس ہندہ کا بکر سے بغیر طلاق حاصل کئے تیسرے شوہر سے عقد کر لینا نکاح شرعاً نہیں کہلائے گا
۔ پھر اس تیسرے کے مرجانے کے بعد چوتھے شخص سے عقد کر لینا بھی شرعاً نکاح نہیں ہوا۔ پھر چوتھے
کے مرجانے کے بعد پانچویں شخص سے عقد کر لینا بھی شرعاً نکاح نہیں ہوا۔ پھر اس پانچویں کے مرجانے
کے بعد چھٹے سے عقد کر لینا بھی شرعاً نکاح نہیں ہوا۔

لہذا جب پانچویں شخص سے عقد شرعاً نکاح نہیں تو پھر اس پانچویں شخص اور ہندہ میں رشتہ
زوجیت ہی کب پیدا ہوا۔ اور جب ہندہ اس کی زوجہ ہی نہیں قرار پائی تو پھر اس کے مرجانے کے بعد اس

سے حصہ زوجیت کی مستحق کس طرح ہو سکتی ہے کہ زوجیت بھی ایک سبب استحقاق ارث ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولیستحق الارث باحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة
والسبب وهو الزوجية والولاء والله تعالى اعلم بالصواب۔ ۳۱ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۶۶ھ

مسئلہ

(۶۰۵)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں بینوا بالوضاحت کافیافیا شافیا
(۱) زید نے دو لڑکیوں سے نکاح کیا ان دو لڑکیوں کا باپ ایک ہے اور ماں دو کیا یہ نکاح صحیح
ہے۔؟

(۲) زید اپنی چچائی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) ایسی دو علاقائی بہنوں کا بہ یک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ قرآن کریم میں ہے

﴿وان تحمعو بین الاختین﴾ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) چچی اگر محرمات سے نہ ہو تو بلاشبہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۶۶ھ

مسئلہ

(۶۰۶)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں اور اس کا
جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں جزاک اللہ فی الدارین خیرا
(۱) کریما منکوحہ محمد بخش نے اپنے خاوند سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کی اور چند روز بعد بغیر
طلاق دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔

(۲) عزیز اکا خاوند فوت ہو گیا ابھی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا۔

(۳) بشیر اکا نکاح برضا و رغبت عبدالحفیظ سے ہوا لیکن اب عبدالحفیظ اپنے والدین کے کہنے سے دوسری شادی کرنے پر آمادہ ہے اور پہلی عورت سے اچھا برتاؤ نہیں کرتا اس کے لئے کیا حکم ہے۔

(۴) ایک نکاح اکثر پڑھے لکھے اور معزز اشخاص کی موجودگی میں ہوا۔ اور ایک شخص کو برقع پہنا کر اور دوسرے شخص کو دو لٹھا بنا کر دونوں شخص نکاح آپس میں کر دیا گیا حالانکہ دو لٹھا بے خبر تھا۔ بعد نکاح شیرنی وغیرہ تقسیم ہو کر بہت مبھکھک خیز اور مذاق آمیز باتیں عمل میں لای گئیں۔ کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دین کی باتوں میں جان بوجھ کر یہ مذاق درست ہے اور ایسا کرنے سے قاضی صاحب اور گواہان اور تمام حاضرین مجلس کے نکاح فسخ نہیں ہوئے۔ اور اگر سب کے نکاح فسخ ہوئے تو اس کے بعد ان کی تمام اولاد جو آج تک ہوئی وہ تمام حلال ہوگی یا حرام کی صاف قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں والسلام

خادم جلال الدین اثربیکانیرا جستھان

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) مسماۃ کریمین کو جب اس کے شوہر محمد بخش نے طلاق نہیں دی ہے تو وہ اسی محمد بخش کی بیوی ہوئی اور یہ مسماۃ کریمین شوہر دار عورت ہوئی۔ اور شوہر دار عورت کا نکاح کرنا باطل وحرام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کریم میں ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ اور تم پر حرام کر دی گئیں شوہر دار عورتیں: تو جب یہ کریمین شوہر دار عورت ہوئی تو اس کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا بحکم قرآنی حرام باطل ہوا تو یہ اس دوسرے شخص سے فوراً جدا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) مسماۃ عزیزان معتدہ ہے اور معتدہ کا عدت پوری کر لینے سے پہلے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لا يحوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره و كذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج سواء كانت العدة عن طلاق او حدا او دخول في نكاح فاسد او شبه نكاح كذا في البدائع۔

(عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۷۷)

لہذا یہ مسماۃ عزیزان اس دوسرے شخص سے فوراً علیحدہ ہو جائے۔

(۳) ادھر عبدالحفیظ پر تو اپنی بیوی مسماۃ بشیرن کے حقوق زوجیت اور حسن معاشرت شرعاً ضروری

ادھر مسماۃ بشیرن اس سے بغیر طلاق حاصل کئے کہیں اپنا عقد ثانی ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی اور اس پر حقوق شوہر کی ادائیگی لازمی تو ہر ایک اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس کرے اور دوسرے کے حقوق کو ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۴) شرعاً کسی حکم شرع کے ساتھ استہزاء اور مذاق کرنا کفر ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”والاستهزاء باحكام الشرع كفر كذا في المحيط“

(عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۸۸)

شریعت کے احکام کے ساتھ مذاق کرنا کفر ہے اسی طرح محیط میں ہے۔ اسی طرح احکام شرع کی مذاق اور استہزاء کے لئے کسی مجلس کا منعقد کرنا اور شرکاء مجلس کا کسی حکم شرع کے ساتھ استہزاء و مذاق کرنا اور ہنسنا بھی کفر ہے۔ وہ سب شرکاء مجلس اس مذاق اور ہنس کی بناء پر کافر ہو جائیں گے۔

عقائد کی معتبر کتاب شرح فقہ اکبر میں ہے:

و في المحيط من جلس على مكان مرتفع والناس حوله يسألون منه فسائل بطريق الاستهزاء ثم يضربونه بالوسائد اى مثلاً وهم يضحكون كفروا جميعاً لا يستخفاهم

بالشرع و كذا لو لم يجلس على المكان المرتفع۔ (شرح فقہ اکبر مصری ص ۱۰۹)

اور محیط میں ہے جو شخص بلند مکان پر بیٹھ گیا اور لوگ اس کے گرد ہوں اس سے بطور مذاق مسئلے دریافت کریں پھر اسے مثلاً تکیوں سے ماریں اور وہ سب ہنسیں تو وہ سب شریعت کے استخفاف و مذاق کے بناء پر کافر ہو گئے۔ اور یہی حکم ہے اگر وہ بلند مکان پر بھی نہیں بیٹھا تھا۔

پھر اسی فتاویٰ عالمگیری میں اس باب کے آخر میں ایسے لوگوں کا حکم بیان کرتے ہیں۔

ما كان في كونه كفرا اختلافاً فان قائله يومر بتحديد النكاح و بالتوبة و الرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط۔

(فتاویٰ عالمگیری ۲/۲۸۹)

جس بات کے کفر ہونے میں اختلاف ہو تو اس کے قائل کو دوبارہ نکاح کر لینے اور اس سے توبہ اور رجوع کرنا حکم احتیاطاً دیا جائیگا اس عبارت سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس بات میں کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں اس کے مرتکب کو تو احتیاطاً توبہ اور رجوع کرنے اور دوبارہ نکاح کر لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور جس بات کے کفر ہونے میں اختلاف ہی نہ ہو بلکہ بالاتفاق وہ سب کے نزدیک کفر ہو تو اس کے مرتکب کو توبہ اور رجوع کرنا فرض اور دوبارہ نکاح کر لینا لازم ہے اور یہ حکم شرع کے ساتھ استہزاء اور مذاق کرنا

ایسی کفریات سے ہے جس میں فقہاء کا اختلاف نہیں۔ لہذا جو کوئی کسی حکم شرع کے ساتھ استہزاء و مذاق کرے یا وہ بلاشبہ ایمان سے خارج ہو جائیگا۔ اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو جائیگی اور زوجیت ختم ہو جائیگی۔ لہذا اس پر فرض ہے کہ وہ توبہ واستغفار کرے۔ اور تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرے پھر اگر تمام مجلس نے کسی حکم شرعی پر استہزاء و مذاق کیا تو وہ سب کافر ہو گئے تو ہر ہنسنے والے پر توبہ واستغفار فرض اور تجدید ایمان کے ساتھ نکاح بھی ضروری ہے۔ جب اس کا یہ استہزاء و مذاق بالقصد اور جان بوجھ کر ہو۔ جب یہ مسئلہ سمجھ میں آ گیا تو پھر صورت مسئلہ کا حکم خود ہی ظاہر ہو گیا۔ کہ نکاح بھی ایک حکم شرع ہے پھر وہ مجلس بھی خاص نکاح ہی کے لئے منعقد ہوئی تھی۔ اور بمطابق سنت و حسب دستور باقاعدہ قاضی نے گواہان کی موجودگی میں حاضرین مجلس کے رو برو نکاح پڑھایا۔ اور بعد نکاح شرعی بھی تقسیم ہوئی۔ اس کے بعد اس مجلس میں مضحکہ خیز اور مذاق آمیز باتیں عمل میں لائیں گئیں۔ تو ہنسی اور مذاق نہ صرف دولہا کے ساتھ ہوا بلکہ یہ مذاق واستہزاء خود نکاح کے ساتھ بھی لازم آیا کہ بالقصد جان بوجھ کر ایک شخص کو برقعہ اڑھا کر دلہن بنایا گیا۔ دولہا کو نکاح کے لئے تیار کیا گیا۔ اس عقد کے لئے تاریخ و وقت مقرر کیا گیا۔ لوگوں کو شریعت نکاح کے لئے دعوت دی گئی۔ اس مجلس کے لئے اہتمام کیا گیا۔ قاضی کو بلایا گیا بعد نکاح شیری تقسیم کی گئی۔ تو ان میں کی ہر بات بالقصد اور جان بوجھ کر محض استہزاء و مذاق ہی کے لئے تو تھی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ مجلس نکاح بالقصد اور جان بوجھ کر محض استہزاء و مذاق ہی کے لئے منعقد کی گئی تھی تو اس میں نہ فقط ایک حکم شرع نکاح کے ساتھ استہزاء اور مذاق ہوا۔ بلکہ چند احکام شرع کے ساتھ استہزاء و مذاق لازم آیا پھر یہ مجلس نکاح اسی مجلس افتاء کی طرح ہوئی جس کا ذکر ابھی شرح فقہ اکبر میں گذرا کہ اس میں بھی اسی طرح استخفاف شرع اور احکام دین کے ساتھ استہزاء و مذاق ہے جس طرح اس مجلس افتاء میں استخفاف شرع اور احکام دین کے ساتھ استہزاء و مذاق تھا۔ پھر جیسے اس مجلس افتاء کے سب شرکاء احکام شرع کے ساتھ استہزاء و مذاق اور استخفاف کی بنا پر کافر ہو گئے۔ ایسے ہی اس مجلس نکاح کے سب شرکاء و حاضرین بھی احکام شرع کے ساتھ استہزاء و مذاق اور استخفاف کی بنا پر کافر ہو گئے لیکن وہ لوگ جو اس مجلس میں محض بے خبر اور لاعلم تھے وہ اس حکم سے ضرور مستثنیٰ ہو جائیں گے کہ انہوں نے اپنی لاعلمی اور بے خبری کے بنا پر احکام شرع کے ساتھ استہزاء و استخفاف ہرگز ہرگز نہیں کیا تو ایسے شرکاء و حاضرین مجلس تو کافر نہیں ہونگے۔

اب باقی رہے قاضی و گواہان تو اگر یہ بھی بے خبر اور لاعلم تھے تو کافر نہیں ہوں گے اور اگر ان کو اس

استہزاء و مذاق کا علم تھا تو انہوں نے بھی جان بوجھ کر بالقصد حکم شرع نکاح کے ساتھ استہزاء و مذاق کیا تو یہ بھی کافر ہو گئے۔ اب باقی رہے وہ شخص جس کو برقعہ اڑھا کر دلہن بنایا گیا تھا تو اس کو تو اس استہزاء اور مذاق سے بے خبر اور لاعلم کوئی ادنیٰ عقل والا بھی نہیں کہہ سکتا۔ لہذا وہ بالقصد اور جان بوجھ کر محض استہزاء و مذاق ہی کے لئے دلہن بنا اور اپنے آپ برقعہ پہنا تو اس کے کافر ہونے میں تو کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں۔ پھر جب یہ لوگ حکم شرع کے ساتھ استہزاء و مذاق کی بنا پر کافر ہو گئے اور ان کا یہ کفر مجمع میں بالا اعلان ہوا تو اس کی توبہ بھی بالا اعلان ہونا ضروری کہ

حدیث شریف میں ہے "توبة السر بالمسرو العلانية العلانية"

پھر اگر ان لوگوں نے بالا اعلان توبہ واستغفار نہیں کی اور تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح نہیں کیا تو اس درمیان کی اولاد کیسے حلالی ہو سکتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ دین پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲۳ محرم ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المقصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبید محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

(۶۰۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ

ایک عورت نکاح شدہ کا عقد دوسرے مرد سے بغیر طلاق کے کر دیا۔ اس مجمع کے اندر جو لوگ حاضر تھے ان کے نکاح باقی رہے یا نہیں ان کا کیا کیا جائے اس کے اندر ایک لڑکا بالغ اور لڑکی نابالغہ تھی عقد کیا گیا تھا۔ یعنی اس مجمع عقد میں یہ شریک تھا، اب لڑکی اس کے وہاں جانے سے انکار کرتی ہے، اس کا جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

ناگوری موسیٰ ولد محمد پالی مارواڑ ۲۳ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب تک شوہر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیا تو وہ عورت شرعاً شوہر والی کہلائیگی تو ایسی عورت کا کسی دوسرے سے نکاح کرنا حرام و باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کریم میں ہے:
والمحصنات من النساء۔ یعنی حرام کر دی گئیں شوہر والی عورتیں:

تو جب یہ شوہر والی ہے تو اس کا یہ عقد کرنا حرام ہوا۔ لہذا یہ عورت اب اس دوسرے نام کے شوہر کے گھر ہرگز ہرگز نہیں جاسکتی۔ پھر یہ مجلس عقد ایک فعل حرام کے لئے منعقد ہوئی ہے تو ایسے مجمع اور مجلس میں بعد علم کے جان بوجھ کر شریک ہونا اور ایسے مجمع کو بڑھانا بلاشبہ معصیت شدید و گناہ عظیم ہے۔ لیکن اس مجلس عقد کی محض شرکت کوئی موجب کفر نہیں۔ فقط اس مجلس کی شرکت سے خود حاضرین مجلس کے نکاح نہیں ٹوٹتے۔ لہذا اگر وہ لڑکی جو شوہر کے محض اس قصور و گناہ (کہ اس حرام کی مجلس عقد میں شریک ہوا) کی بنا پر اس کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔ تو شرعاً اس کو انکار کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ معصیت میں شرکت سے ان کے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور ان کا نکاح نہیں ٹوٹا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المتعصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجماع العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۷ھ

۲۹ محرم الحرام، ۱۳۷۷ھ

مسئلہ

(۶۰۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں

کہ ایک شخص مسکن فریاد حسین ولد کفایت اللہ محلہ نخاسہ بلاد سنہیل کا نکاح شرعی مسماۃ زابدہ بیگم عرف منی بنت شفاعت عرف سنو ساکن محلہ نخاسہ بلاد سنہیل کے ساتھ عرصہ تین سال کا گذرا ہوا تھا فریاد حسین مذکور نے اپنی بیوی کو طلاق شرعی نہیں دی ہے معلوم ہوا ہے کہ مسماۃ زابدہ بیگم عرف منی مذکور نے اپنے گھر والوں اور اپنے باپ اور اپنی رضامندی سے ایک شخص زید ولد عبد الوحید ساکن محلہ چودھری سرے بلاد سنہیل سے اپنا نکاح کر لیا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ زابدہ بیگم اور اس کا باپ اور جو شخص اس نکاح میں شامل ہوئے اور گواہ و وکیل بنے ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور یہ زنا ہوگا یا نہیں۔

سائل کفایت اللہ ساکن محلہ نخاسہ سنہیل

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

مسکن فریاد حسین اور کفایت اللہ ساکن محلہ نخاسہ نے جب اپنی بیوی مسماۃ زابدہ بیگم عرف منی کو طلاق نہیں دی ہے تو شرعاً یہ زابدہ بیگم اسی فریاد حسین کی بیوی ہوئی اور شوہر والی عورت قرار پائی۔ اور شوہر والی عورت کے ساتھ کسی دوسرے کا نکاح شرعاً ناجائز و حرام و باطل ہے اور خلاف حکم خدا اور رسول جل جلالہ

وصلی اللہ علیہ وسلم ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

والمحصنات من النساء یعنی تم پر حرام کر دی گئیں شوہر والی عورتیں۔

تو اس زابدہ بیگم کا جو نکاح ثانی مسکن فرید ولد عبد الوحید ساکن محلہ چودھری سرے سے ہوا ہے وہ ناجائز و حرام ہے بلکہ وہ شرعاً نکاح ہی نہیں ہوا۔ زابدہ بیگم اس سے فوراً علحدہ ہو جائے کہ اس کے ساتھ جو جماع ہوگا وہ حرام و زنا ہوگا۔ اور زابدہ بیگم اور اس کے باپ اور گھر والے اور جو شخص بھی بعد علم حقیقۃ الحال کے اس حرام نکاح میں شامل ہو یا اس میں وکیل و گواہ اور قاضی و عاقد یا بانی عقد بنا تو یہ سب گناہ عظیم کے مستحق اور عذاب شدید کے حقدار ہوئے ان کو استغفار اور توبہ کرنی چاہئے ورنہ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ترک تعلقات کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۶ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المتعصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجماع العلوم فی بلدہ سنہیل

مسئلہ

(۶۰۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

زید کو تین سال ہوئے کہ ایک خونی کیس کی بنا پر پاکستان بھاگ گیا اس کی نو جوان بیوی ہندہ نے تین سال تک زید کا انتظار کیا آج دو ہفتہ ہوا زید کے والدین ہندہ کو گھر سے نکال دیتے ہیں چونکہ تین سال کے اندر زید کے پاس کتنے خبر دیئے گئے کتنے خطوط روانہ کئے گئے مگر نہ تو اس نے خود آیا نہ خطوط کا جواب دیا نہ اپنی بیوی کا کھوج پوچھ کیا اور نہ ایک پیسہ بھیجا، انہیں سب باتوں کی وجہ سے زید کے والدین ہندہ کو اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کہ تم اپنی شادی جہاں چاہے کر سکتی ہے زید کا پتہ چلتا ہے کہ پاکستان میں جو اکیلے ہیں اور غنڈوں کی سرداری کرتا ہے مگر اپنے بیوی کی خبر نہیں لیتا ہے، انہیں سب باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے والدین ہندہ کو نکال دیئے، کھانا کپڑا دینے سے مجبور ہیں اور غریب بھی ہیں، اب ہندہ اپنی شادی دوسرے سے کرنے کو تیار ہے اگر دوسری شادی نہیں کرتی ہے تو اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے اور نہ کوئی ذریعہ معاش ہے، باپ ہے نہ اس کے کوئی گذارہ کرنے والا ہے تین سال تک زید کے والدین ہندہ کو اپنے گھر رکھ کر کھانا کپڑا دیتے تھے مگر زید کا رویہ دیکھ کر ہندہ کو گھر سے نکال دیئے ہیں اس صورت میں شریعت مطہرہ اجازت دیتی ہے کہ بکر کا نکاح ہندہ کے ساتھ پڑھا دیا جائے چونکہ میرے بستی کے سب ہندو اور مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ زید کے چھوٹے بھائی

بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہو جائے کیا شریعت مطہرہ حکم دیتی ہے کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہو جائے جب کہ زید اس کا کچھ خبر نہیں لے رہا ہے ہندہ کا گزارہ کرنے والا بھی کوئی ایسا نہیں نظر آتا ہے جو اس کا گزارہ کر سکے بہر کیف شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے بہت جلد جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں اگر جواب میں تاخیر ہوتی ہے ہندہ کے حق میں خرابی نظر آتی ہے۔

المفتی، گل محمد مولوی محمد اسحاق صاحب و محمد حافظ اسماعیل صاحب

چچو راسارن مورہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۷ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ہندہ شوہر والی عورت ہے جب تک وہ زید سے طلاق حاصل نہیں کرے گی اس کا دوسرا عقد شرعاً باطل و حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کریم میں:

والمحصنات من النساء۔ (یعنی حرام کر دی گئیں شوہر والی عورتیں)

تو ایسی صورت میں وہ جب تک زید سے طلاق حاصل نہیں کرے گی بکر سے اس کا عقد ہرگز نہیں ہو سکتا لہذا ہندہ زید سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرے جبراً تو جس طرح سے ہو سکے طلاق حاصل کر لے اور وہ بغیر طلاق وعدت گزارنے کے نکاح ثانی نہیں کر سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ المتوسل النبی المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولینا الحاج محمد اجمل نائب مفتی اجمل

العلوم فی بلدہ سنجل ۴ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح محمد اجمل غفرلہ عزوجل مفتی مدرسہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۱۰)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کا شوہر چار پانچ برس سے پردیس میں ہے۔ نہ ہندہ کو خرچ بھیجتا ہے اور نہ اس کو اپنے پاس بلاتا ہے اور نہ ہی اس کو طلاق دیتا ہے ہندہ مجبور ہو کر خلع بل کے تحت عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا لیتی ہے اس کے بعد محلہ یا برادری کی پانچائت بھی (جس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں) اس کا نکاح فسخ کر دیتی ہے یہ دونوں فسخ یا دونوں میں سے کوئی ایک فسخ شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟ اور اب ہندہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینو تو جروا

محمد احمد معرفت حضرت مولینا محمد محبوب صاحب اشرفی مدرسہ احسن المدارس نئی سرگودھا کانپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ہندہ کو ہرگز جائز نہیں کہ اپنے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکے کہ یہ عورت شوہر والی ہے اور شوہر والی کا نکاح ثانی کرنا حرام و باطل ہے قرآن کریم میں ہے ﴿والمحصنات من النساء﴾ یعنی شوہر والی عورتیں حرام کر دی گئیں (لہذا باوجود اس کے اگر وہ کسی دوسرے سے نکاح ثانی کرے گی تو وہ نکاح باطل و حرام ہوگا۔ اور شوہر ثانی سے جو قربت ہوگی وہ زنا قرار پائے گی، العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اب باقی رہا خلع بل یا پنچائت سے اس نکاح کا فسخ کرنا تو شرعاً یہ کوئی چیز نہیں۔

اولاً: انہیں نہ تو بطور وکالت شوہر کی طرف سے طلاق دینے کا حق حاصل ہے۔

ثانیاً: نہ یہ امور فسخ نکاح کے موجبات و اسباب ہیں۔

ثالثاً: صورت مسئلہ میں شوہر کی گری موجودگی میں یہ نکاح فسخ کیا گیا ہے تو یہ قضا علی الغائب ہوئی اور قضا علی الغائب نہ صحیح ہے نہ نافذ ہے۔

درمختار میں ہے ”ولا یقضی علی غائب ولا لہ ای لا یصح ولا یتفد علی المفتی بہ“

تو دونوں فسخ شرعاً صحیح نہیں اور جب پہلا نکاح فسخ نہ ہو سکا تو دوسرا نکاح کس طرح ہو سکتا ہے

۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۳ جمادی الاول ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۱۱)

جناب قبلہ دین کعبہ سلامت جناب مولینا مولوی مفتی اجمل شاہ صاحب دامت برکاتہم بعد تمنائے دیدار شوق ملاقات واضح ہو کہ بندہ خیریت سے ہے امید کہ حضور محمد اللہ خیریت سے ہونگے دیگر حال یہ ہے کہ حسب ذیل مسئلہ میں فتوے کی ضرورت ہے برائے کرم شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں عین بندہ نوازی ہوگی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

زید اپنی منکوحہ بیوی کو لیکر اپنے چچا حقیقی کے یہاں مہمان جاتا ہے اور تین دن رہ کر آ جاتا ہے پھر کچھ دن بعد موقع پا کر رات کے وقت زید خود تنہا اپنی چچا کے یہاں جاتا ہے اور اپنی چچی کو زور و کوب کرتا ہے شور غول ہونے پر مکان کی چھت سے کود کر بھاگ نکلتا ہے جب شہر میں یہ خبر مشہور ہوتی ہے کہ بھتیجا اپنی چچی کو مار کر فرار ہو گیا، تب لوگ زید کی ماں سے دریافت کرتے ہیں کہ اپنی حقیقی چچی کو زید نے کیوں مارا، تو زید کی ماں جواب دیتی ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو لیکر چچا کے یہاں مہمان گیا تھا تو چچا نے زید کی منکوحہ سے زنا کیا مگر پھر اسکو دبا دیا اور زید قسم کھا کر لوگوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ میں نے ایسا نہیں کیا کچھ دنوں کے بعد زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو مار پیٹ کی جس کے صدمہ سے پانچ ماہ کا حمل ساقط ہو گیا دریافت کرنے پر زید نے کہا مجھے شک ہو گیا تھا کہ یہ میرے چھوٹے بھائی سے باتیں کرتی ہے اس کے بعد پھر بسلسلہ ملازمت اپنی منکوحہ کو ایک گاؤں پر لے جاتا ہے اور وہاں جا کر بھی بیوی کو بے رحمانہ طریقہ پر مار پیٹ کرتا ہے یہاں تک کہ گاؤں والے بہت زید کے خلاف ہو جاتے ہیں اور اسے اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ تم بیوی کو یہاں نہیں رکھ سکتے ہو بلکہ اس کو اسکے میکہ بھیجو ادولہذا زید کی منکوحہ میکہ آ جاتی ہے اور اب جانے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ کہتی ہے کہ میرا طلاق ہو چکا زید لینے آیا تو عورت نے دریافت کیا کہ مجھے آپ نے بلا قصور کیوں مار پیٹ کی تو وہ کوئی قصور نہیں بتلاتا لوگوں کے بہت مجبور کرنے پر اتنا کہا مجھے کچھ شک ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں صحیح شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیے کہ واقعی زید کی منکوحہ نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟ اسے دوبارہ طلاق لینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ یا اسی پر اپنی عدت پوری کر کے عقد ثانی کر لے اور کیا اسے ظالم و بے رحم شوہر سے مہر جو کہ عندا الطلب ہے پانے کی حقدار ہے یا نہیں؟ فتویٰ تحریر فرمانے کی تکلیف گوارہ فرمائیں فقط

آپ کا خادم ناچیز فقیر بندہ عاصی محمد اسحاق انصاری محلہ چہ کہیا کائواں بوندی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صرف عورت کا یہ کہنا کہ مجھے طلاق ہو چکی شرعاً کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب طلاق پر شہادت شرعی گذرے یا شوہر اس کا اقرار کرے تو شرعاً طلاق واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح زنا کے ہو جانے سے بھی عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ پھر جب اسکو نہ طلاق ہوئی نہ وہ نکاح سے خارج ہوئی تو نہ اس پر عقد

ثانی کر سکتی ہے ہاں اگر وہ طلاق چاہتی ہے تو شوہر سے جس طرح ممکن ہو طلاق حاصل کرے۔ بلا طلاق حاصل کئے وہ ہرگز نکاح ثانی نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

کتبہ: المعتمد بن سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۸۷ھ

(۶۱۳)

مسئلہ

بخدمت شریف جناب مفتی صاحب۔ السلام علیکم

(۱) محمد تیس ولد لال محمد نے ایک شادی شدہ عورت سے اپنا نکاح کر لیا اس کا شوہر عرصہ ایک سال چھ ماہ سے موجود نہیں ہے لیکن وہ زندہ ہے نہ معلوم کہاں ہے لوگ کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا لیکن محمد یسین کہتے ہیں کہ میں نے نکاح پڑھا لیا اور وہ عورت اس کے گھر میں ہے اور اس کا یہ نکاح جائز ہوایا کہ نہیں؟

(۲) اور اس کے نکاح کر لینے سے شادی شدہ عورت کے لئے کیا حکم آیا باقی رہا یا نہیں؟

(۳) یہ کہ مسلمانوں کو اس کے بارے میں کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور پہلی منکوحہ کے بارے میں

پنچائت کو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی، ملا نور احمد انصاری محلہ ٹوڈی برم بھائی مانگیرول (کوئٹہ راجستھان)

الجواب:

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) جس عورت کا شوہر زندہ ہو اگر چہ وہ ایک سال چھ ماہ سے غائب ہو تو ایسی عورت سے نکاح

کرنا ایک شوہر والی عورت سے نکاح کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شوہر والی عورت سے نکاح کرنا حرام قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَالْمَحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام کر دی گئیں۔

لہذا محمد تیس کا ایسی شوہر والی عورت سے نکاح کرنا حرام و ناجائز ہے۔ اب رہا اس کا رسمی طور پر نکاح کر لینا تو وہ شرعاً نکاح نہیں۔ تو محمد تیس فوراً اس عورت سے جدا ہو جائے اس کا گھر میں اس عورت کو رکھنا اور اس کے ساتھ اختلاط و صحبت کرنا قطعاً حرام و زنا ہے۔

(۲) محمد تیس کے اس عورت سے صرف ایسے ناجائز تعلق ہو جانے کی وجہ سے اس کی پہلی شادی

شدہ بیوی کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ بلاشبہ اس کا نکاح باقی ہے۔ محمد تیس پر اس کے حقوق زوجیت کا پورا کرنا شرعاً لازم و ضروری ہے۔

(۳) محمد تیس جب تک اس عورت سے جدا نہ ہو اور اس سے بالکل تعلق نہ توڑ دے تو مسلمان اس پر ہر طرح کا امکانی دباؤ ڈالیں اور اس سے ترک تعلق کریں۔ اور پنچائت پہلی منکوحہ کے بارے میں یہ کرے کہ وہ اگر اس کی زوجیت میں زندگی گزارنے کے لئے تیار ہو اور یہ محمد تیس اس کے تمام حقوق زوجیت ادا کرنے کا پورے طور پر عہد و پیمان کرے تو پنچائت ان کے درمیان خلع کراوے اور آپس میں حقوق اس طرح ختم کراوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۳۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۸ھ

مسئلہ

(۶۱۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص اپنی بیوی کو عرصہ چار سال سے چھوڑے ہوئے ہے، نہ لے جاتا ہے اور نہ کوئی خبر گیری رکھتا ہے، چند بار اس کو سمجھایا گیا لیکن وہ کسی حل میں بھی اپنی بیوی کو لے جانا نہیں چاہتا ہے اور نہ طلاق دینا چاہتا ہے۔ ایسی شکل میں اس کی بیوی دوسری شادی از روئے شریعت کس طرح کرے، کیونکہ وہ نہایت غریب ہے اس کا کوئی سہارا نہیں۔

اجواب:

اللهم هداية الحق والصواب

جس عورت کے شوہر نے اس کو طلاق نہیں دی ہے تو وہ شرعاً شوہر والی عورت قرار پائی اور شوہر والی عورت کا کسی سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ﴿وَالْمَحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾:

اور تمہارے اور پر حرام کردی گئی ہیں شوہر والی عورتیں۔

لہذا جب یہ عورت شوہر والی عورت ہے تو کسی طرح بھی یہ اپنا عقد ثانی نہیں کر سکتی البتہ اس شوہر پر ہر قسم کا قومی یا قانونی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اس کو اپنے پاس رکھے تو بہتر طور پر رکھے۔ ورنہ اس کو طلاق

دیکر آزاد کر دے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۸ھ

مسئلہ

(۶۱۵)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا ہندہ بکر کے یہاں تین چار برس آتی جاتی رہیں زید جب ہندہ کو رخصت کرنے کا ارادہ کرتا تو ہندہ بکر کے ساتھ جانے سے گریز کرتی یہاں تک کہ دو چار مرتبہ محلہ کے لوگوں کے یہاں اپنے آپ چھپایا بعد تلاش کے بکر کے ہمراہ رخصت کیا ایک مرتبہ ہندہ اپنے خاوند بکر کے یہاں سے ایک روغن گر کے ہمراہ بھاگ گئی۔ ایک ہفتہ تک روغن گر کے پاس رہی اس کے بعد ایک قصائی نے جھپٹ لیا، اس کے پاس ایک ہفتہ بھر رہی، ہفتہ کے بعد ایک کانسبل نے ہندہ کو بوچڑے سے چھین لیا، ہندہ ایک ہفتہ بھر کانسبل کے پاس رہی اور بعد ایک ہفتہ کے ہندہ کانسبل کو دھوکہ دیکر اپنے باپ زید کے گھر آگئی، بکر کو جب معلوم ہوا کہ میری بیوی ہندہ زید کے مکان پر پہنچی ہے تو وہ زید کے مکان پر آیا اور اپنی بیوی ہندہ کی رخصت کی درخواست کی، تو ہندہ نے جانے سے اور زید نے بھیجنے سے انکار کیا اور زید نے بکر سے کہا میری شہزادی آپ کے گھر جانے کو تیار نہیں، وہ کہتی ہے کہ اگر بکر کے ساتھ رخصت کر دو گے تو میں کنوے میں ڈوب کر یا زہر کھا کر اپنے کو ہلاک کروالوگی۔ اسی بحث و تھکیص میں تقریباً تین برس گز گئے، ایک شخص نے جس کا نام خالد ہے ہندہ کا نکاح قبل قربت کا تعلق تھا زید کے گھر پنجہ جمالیا اور خرچ کثیر کر کے ہندہ کو اپنے تصرف میں رکھ لیا جس طرح کہ میاں بیوی رہتے ہیں یہاں تک کہ ہندہ کے خالد سے لڑکی پیدا ہوئی، اور جس تاریخ میں لڑکی پیدا ہوئی اتفاق سے بکر بھی موجود تھا اور زید نے بکر سے کہا، اب تم اس کو طلاق دے دو تو بکر نے جواب دیا کہ ابھی تو ایک ہی بچہ ہے، اگر دس بچے بھی ہو جائیں تو بھی طلاق نہیں دوں گا، مجھے بغیر کسی محنت اور خرچ کے پلے پلائے بچے ملیں گے۔ تو اہل علم کی خدمت ادب سے التماس ہے کہ بکر اپنی بیوی سے حرام کراتے دیکھتا ہے اور حرام کے نتیجہ سے بچہ بھی پیدا ہوتے ہیں، وہ خوش کا اظہار کرتا ہے کہ مجھے بغیر کسی محنت اور خرچ کے پلے پلائے بچے ملیں گے اور میرے کام آئیں گے، اکثر صاحبان بکر کو سمجھاتے ہیں کہ بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے کہ تمہاری بیوی تمہارے موجودگی میں غیروں سے حرام کرائے اور حرام سے بچے بھی پیدا ہوں اور تم خوشی کا اظہار کرو اور

کہو کہ مجھے بغیر کسی محنت اور خرچ کے پلے پلائے بچے لیس گے، اس پر جواب دیا، طلاق کیوں دوں زید نے ہندہ کا نکاح میرے ساتھ کیا ہے۔ نہ کے خالد کے۔ یا درمیانی کے یا ثالث کے، بے حیائی اور بے شرمی کی زندگی ہندہ کی ہے نہ کے میری، ایسی صورت میں اہل علم جواب دیں کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ رہا یا نہیں بکر کے ساتھ مسلمانوں کا تعلقات قومی یا برادری کے رکھنا چاہئے یا نہیں؟ زید کا برادری نے حقہ پانی بند کر دیا ہے اگر ہندہ کا نکاح خالد کے ہمراہ کر دیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہندہ بہانے سے نکل جائے گی۔ اور ہمارا محلہ حرام سے بچ جائیگا۔ جواب دیجئے اجر ملے گا۔ فقط

عبدالرحمن معرفت جناب مطبع النبی صاحب محلہ انو خان کھیر۔ قصبہ انولہ ضلع بریلی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں مسماۃ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ باقی ہے جب تک بکر اس کو طلاق نہیں دیتا ہے اس وقت تک ہندہ کا کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

والمحصنت من النساء۔ یعنی حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔

تفسیر مدارک میں تحت آیت کریمہ ہے ”حرم علیکم نکاح المنکوحات ای اللاتی لهن ازواج۔“ یعنی ان عورتوں سے جنکے شوہر موجود ہوں۔

تفسیر احمدی میں ہے: المعنی وحرمت علیکم ذات الازواج ما دامت ذوات الازواج۔ آیت کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ تم پر شوہر والی عورتیں جب تک کہ وہ شوہر والی ہیں حرام کر دی گئیں۔

تو اس آیت کریمہ سے یہ صاف حکم ثابت ہو گیا کہ ہندہ کا شوہر بکر موجود ہے تو یہ بغیر طلاق کے خالد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ زید و بکر جب ہندہ کی اس حرام کاری پر راضی تو ان پر ہر طرح کا جائز قومی دباؤ ڈالا جائے۔ کہ یہ حتی الامکان اس حرام کاری کا انسداد کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۱۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہندہ کے سوتیلے بھائی نے کر دی اور اس وقت ہندہ نابالغ تھی اور زید بالکل لنگڑا تھا چنے پھرنے سے مجبور ہے اور ہندہ اس کے یہاں نابالغ میں بھی دو تین مرتبہ گئی تھی اور بالغ ہونے پر بھی دو تین مرتبہ گئی ہے لیکن اب دو سال سے انکار کرتی ہے کہ میں اس کے یہاں نہیں جاؤں گی۔ اس لئے کہ اس کو کسی قسم کی کوئی خواہشات بھی نہیں ہے اور وہ ہمارے نزدیک کبھی آیا بھی نہیں۔ اس کے جانے کے لئے پوری ہستی خلاف ہو گئی تھی مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں ڈوب کر مر جاؤں گی مگر اس کے یہاں نہیں جاؤں گی اور لنگڑا طلاق دینے سے بھی انکار کرتا ہے۔ اس حالت میں لڑکی کی دوسری شادی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینو اتو جروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید سے جس طرح ممکن ہو ہندہ طلاق حاصل کرے اور بلا طلاق کے ہندہ کو دوسرا نکاح کرنا حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”والمحصنات من النساء۔“ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۱۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید بفضلہ تعالیٰ سنی ہے، اور مسمیٰ بکر معاذ اللہ بدین ہے، مسماۃ زینب سنیہ پہلے زید کے نکاح میں تھی، اس کے نطفہ سے ایک لڑکی مسماۃ اسماء پیدا ہوئی پھر مسماۃ زینب نے بیوہ ہو کر نکاح ثانی بکر دہلی سے کیا پھر بکر کے نطفہ سے ایک لڑکی مسماۃ کلثوم پیدا ہوئی، چونکہ مسماۃ اسماء پہلے سے مسمیٰ سمیع خان سنی کے نکاح میں موجود ہے۔ لہذا مسماۃ کلثوم کو بھی مسمیٰ سمیع خان اپنے نکاح میں لا سکتے یا نہیں۔

المستفتی بڑھوشاہ لکھائی کھجریا گونڈا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں مسماۃ اسماء اور مسماۃ کلثوم اخیا فی بہنیں ہوئیں تو یہ ہر دو بیک وقت سمیع خان کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں، کہ قرآن کریم میں ذکر محرمات میں اسکو صاف طور پر بیان فرما دیا گیا۔ ان تجمعو بین الاختیاب۔ تم پر دو بہنوں کا جمع کرنا حرام کر دیا گیا۔ لہذا مسماۃ اسماء سمیع خان کے نکاح میں موجود ہے تو وہ مسماۃ کلثوم سے ہرگز ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المصنم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۱۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(۱) زید حنفی طبقے کا ہے اور وہ راجستھان سے پاکستان چلا گیا۔ اس کی زندگی کا حال معلوم ہے آنے والے دو اور خطوط سے بھی اس کی زندگی کا پورا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنی بیوی ہندہ (اہل حدیث غیر مقلد فرقہ کی ہے) کو طلاق نہیں دی اور نہ لکھ کر بھیجی۔ ہندہ بالغ ہے۔ اور ایک بچہ بھی اس سے پیدا ہو چکا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اس کا نکاح ثانی ہو سکتا ہے۔

(۲) یہاں پر ایک مذہب جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور غیر مقلد طبقے کے ہیں انہوں نے طلاق جانتے ہوئے اس کا عقد ثانی حنفی مرد سے کر دیا ایسی صورت میں نکاح ثانی اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

(۳) قاضی صاحب شہر جو نکاح و طلاق کے واسطے مقرر ہیں ان کے علم میں یہ بات نہیں لائی گئی اور نہ وہ یہاں کے دستور کے مطابق نکاح ہندہ میں شریک ہوئے اور نہ ہی ان کا نائب اس لئے کہ قاضی صاحب شہر کی جانب ان کے نائب حنفی جماعت مقرر ہیں۔ جو ان میں سے نکاح مذکور کے لئے ۳۔ ۴۔ نائب صاحب کو بلایا گیا۔ مگر وہ سب انکار کر گئے۔ کیا ایسی صورت میں نکاح جائز ہے۔ برائے کرم جواب بالصواب جلد روانہ فرمائیں۔

خادم عبدالوہاب کلرک ڈسٹرک ججی کوٹہ راجستھان مکان نمبر ۴۰۰ ۷۰۰ راجپورہ جویدار من کے

مندرجہ کے پاس کوٹہ راجستھان

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) ہندہ کے شوہر کی زندگی کا حال یقینی طور پر معلوم ہے اور زید نے اس کو طلاق نہیں دی ہے تو یہ ہندہ شوہر والی عورت ہے تو ہندہ کا نکاح ثانی حکم قرآن کے شرعی خلاف ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والمحصنت من النساء۔ یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام کر دی گئیں۔
لہذا اس کا نکاح ثانی نص صریح سے باطل ہے۔

(۲) سوال نمبر ۱ سے ثابت ہو چکا کہ ہندہ کو طلاق نہیں دی گئی تو اہل حدیث کے مجتہد صاحب نے خلاف حکم حدیث طلاق کہاں سے ثابت کر دی جب شوہر نے طلاق نہیں دی تب اس کو طلاق دینے والا کون؟۔ لہذا اس کا عقد ثانی بحکم قرآن باطل ہے جیسا کہ جواب اول سے ظاہر ہے علاوہ بریں جب کہ ہندہ غیر مقلد ہے تو اس کا کسی حنفی سے عقد کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ خود اہل حدیث جب ہر حنفی کو مشرک کہتے ہیں تو یہ نقد بقول ان کے مسلمہ کا مشرک سے ہوا۔ جس کی صحت پر کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے۔

(۳) جب یہ نکاح شرعاً باطل و غلط تھا تو قاضی شہر و نائبان کا انتظار کرنا صحیح ہوا اور شرعاً نکاح ناجائز و باطل قرار پایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المصنم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۱۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ہے کہ

خضر محمد خاں نے ایک عورت مسماۃ فاطمہ بیگم سے نکاح کیا جو کہ مہربان علی خاں کی بیوی تھی فاطمہ بیگم کے ساتھ ایک لڑکی بالغہ مسماۃ آرائش بیگم آئی جو فاطمہ کے پہلے خاوند مہربان علی خاں سے فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئی تھی خضر محمد کا آرائش بیگم سے ناجائز تعلق پہلے سے تھا اس کے حاصل کرنے کے لئے فاطمہ بیگم کے ساتھ نکاح کیا فاطمہ بیگم تو آرائش بیگم ہر دو سے بہبستری و جماع شروع کر دیا اور دونوں عورتوں سے برابر اولاد ہوتی رہی خضر محمد خاں کا انتقال ہو گیا ہے اب سوال یہ ہے کہ خضر محمد خاں کی کنوسی

اولاد جائز ہے اور کوئی ناجائز ہے یا دونوں ناجائز ہیں یا دونوں جائز ہیں اور کونسا نکاح صحیح ہے اور کونسا غلط۔
سائل نذر محمد خاں ساکن سرانے ترین

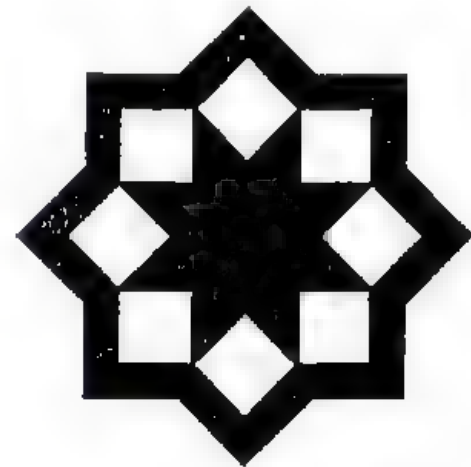
الجواب

للمم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جو مسماۃ فاطمہ بیگم ماں ہے اور آرائش بیگم اس کی لڑکی ہے اور خضر محمد خاں کا ناجائز تعلق آرائش بیگم سے تھا اس کے بعد اس کی ماں فاطمہ بیگم سے جو نکاح کیا وہ باطل اور ناجائز ہے۔
عالمگیری میں ہے: وکما ثبتت هذه الحرمة بالوطی ثبتت بالمس والتقبیل والنظر الى الفرج بشهوة الى الفرج۔
یعنی جیسے کہ حرمت ہمبستری وجماع سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح چھونے و نظر بد سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

لہذا یہ فاطمہ بیگم اور آرائش بیگم دونوں ہر دو خضر محمد خاں کے لئے حرام ہو گئیں تو اب دونوں کی جو ان سے اولاد ہوئی وہ ثابت النسب نہیں اور ان دونوں کا نکاح ناجائز و باطل ہوا تو ان کے مال کے حقدار شرعاً نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۵ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۹ھ



باب الرضاۃ

(۶۲۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مسماۃ ہندہ کی دو دختر حقیقی حلیمہ و سلیمہ۔ حلیمہ کی دختر محمودہ اور سلیمہ کا پسر حامد۔ حامد پسر سلیمہ نے اپنی نانی حقیقی ہندہ کا اپنے زمانہ رضاعت میں دودھ پیا لیکن وہ زمانہ ہندہ کی رضاعت کا نہیں تھا کیونکہ اس وقت ہندہ کے پاس کوئی بچہ شیر خوار موجود نہیں تھا قدرۃ دودھ پیدا ہوتا گیا اور اکثر حامد پسر سلیمہ پیتا رہا اب حامد پسر سلیمہ تحت آیۃ کریمہ۔

وامہاتکم التي ارضعنکم و اخواتکم من الرضاۃ۔

میں داخل ہو سکتا یا نہیں اور حامد پسر سلیمہ کا نکاح ہمراہ محمودہ دختر حلیمہ سے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(۲) کیا کسی عورت کا زمانہ رضاعت نہیں ہے اور کسی شیر خوار نے دودھ پیا اور دودھ ہوتا رہا تو یہ

صورت رضاعت میں شامل ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا

احقر العباد مالک حسین

الجواب

للمم هداية الحق والصواب

(۱) حامد پسر سلیمہ نے جب ڈھائی سال سے پہلے پہلے اپنی حقیقی نانی ہندہ کا دودھ پیا تو حامد کی رضائی ماں اور حلیمہ دختر ہندہ اس کی رضائی بہن ہو گئی اور محمودہ اس کی رضائی بہن حلیمہ کی لڑکی ہے تو گویا محمودہ حامد کی رضائی بھانجی ہوئی اور نسبی بھتیجی سے نکاح کی حرمت خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

حرمت علیکم امہاتکم و بناتکم و اخواتکم و عماتکم و خالاتکم و بنات الاخ

و بنات الاخت و امہاتکم التي ارضعنکم و اخواتکم من الرضاۃ۔ (سورۃ نساء ج ۴)

حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور

بھانجیاں اور تمھاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور رضائی نہیں۔

آیت کریمہ سے صاف طور سے معلوم ہو گیا کہ نسبی بھانجی سے نکاح حرام ہے اور حدیث شریف ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب۔

رضاعت سے وہ حرام ہوئی جو نسب سے حرام ہوئی۔

تو نسبی بھانجی سے جس طرح نکاح حرام ہے۔

اسی طرح رضائی بھانجی سے بھی حرام ہے کتب فقہ میں خود اس کا جزئیہ موجود ہے۔

در مختار میں ہے: ولا یحل من الرضعة ولد مرضعتها ای التي ارضعتها وولد ولدھا لانه

(شامی ج ۲ ص ۴۱۹)

ولد الاخ۔

قدوری وجوہہ نیرہ میں ہے: ولا یجوز ان تتزوج المرضعة احد من ولد التي ارضعتها

(جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۸۶)

لانه اخوها ولا ولد ولدھا لانه ولد اختھا۔

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ دودھ پینے والے بچہ کا رضائی ماں کی نہ اولاد ہے

نکاح جائز کہ وہ اس کی رضائی بہن ہے نہ اس کی اولاد اولاد سے جائز کہ وہ اس کی رضائی بھانجی ہے لہذا

حامد کا اپنی رضائی بھانجی محمودہ سے نکاح ناجائز و حرام ہے۔ اور آیت کریمہ:

امھاتکم التي ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة۔

کے تحت میں یقیناً داخل ہے، کما اظہرہ ببیان شاف۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) اس طرح قدرۃ دودھ اتر آنے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ ہندہ تو قابل تولد بھی

ہو گئی اس سے عجیب تر مسائل کتب فقہ میں مصرح ہیں۔ میتہ آئہ باکرہ سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی

ہے۔

در مختار میں رضاعت کی تعریف یہ ہے کہ:

وهو شرعا مص من ثدی آدمیة ولو بکرا او مینة او آئسة۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۴۱۳)

شریعت میں رضاعت عورت کی چھاتی سے دودھ پینے کو کہتے ہیں۔ گرچہ عورت کنواری یا میتہ

یا بڑھیا ہی کیوں نہ ہو۔

اور قدوری جوہرہ نیرہ میں ہے: اذا نزل بکبر لبن فارضعت به حبیباً تعلق به التحريم

لاطلاق النص وهو قوله تعالى وامھاتکم التي ارضعنکم۔ (جوہرہ نیرہ ج ۳ ص ۸۷)

جب کنواری کو دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچے کو پلایا تو اس بچہ سے تحریم متعلق ہوگی بسبب

اطلاق نص کے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول: امھاتکم التي ارضعنکم الایہ۔

لہذا ہندہ سے یقیناً رضاعت ثابت ہو گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۲۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

انوار احمد طفل عمر جس کی ۳-۴ ماہ کی تھی اس کی نانی مسماہ رابعہ بی بی نے جس کی عمر ۳۸-۳۹

سال کی تھی اور عرصہ نو سال سے سلسلہ ولادت نانی مذکورہ کا منقطع ہو چکا تھا اور اس کا شوہر بھی زندہ تھا طفل

مذکور جب رونے لگتا تھا اس کے بہلانے کی غرض سے اپنے پستان طفل کی منہ میں وقتاً فوقتاً دیدیا کرتی تھی

مسماہ بالا کے اس طریقہ عمل سے اس کے پستانوں میں دودھ پیدا ہو گیا۔ یہ سلسلہ دودھ نوشی کا عرصہ تک

جاری رہا لڑکے کی ماں بھی حیات تھی اور ماں کا دودھ بھی پیتا رہا دریاقت طلب امر یہ ہے کہ طفل مذکور کی

شادی نانی کے دوسری لڑکیوں کے دختران سے یعنی لڑکے کی خالہ زاد بہنوں کے ساتھ بموجب شرع

شریف ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی ابوالخیر طالب علم محلہ تاج گھر کہنہ خانقاہ کشفی کانپور بتاریخ اجمادی الثانی ۱۳۶۰ھ

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

جب مسماہ رابعہ بی بی نے اپنے نواسہ انوار احمد کو دو سال کی عمر کے اندر دودھ پلایا تو اس سے یقیناً

حرمت رضاعت ثابت ہو گئی اب اس حرمت رضاعت کے باطل کے لئے یہ اعذار۔ (۱) بی بی کا نو سال

سے سلسلہ ولادت منقطع ہو چکا تھا باوجودیکہ اس کا شوہر زندہ تھا۔ (۲) بہلانے کی غرض سے وہ اپنے

پستان اس کے منہ میں دیدیا کرتی تھی، کافی نہیں کیونکہ جب مسماہ رابعہ بی بی کے پستانوں میں دودھ پیدا

ہو گیا اور انوار احمد نے مدت کے درمیان میں اسے پیا اور عرصہ تک یہ شیر نوشی کا سلسلہ جاری رہا تو شرعاً اس

پر رضاعت کی تعریف صادق آگئی۔

در مختار میں ہے: الرضاۃ شرعا مص من تدی آدمیہ ولو بکرا او میتۃ او ایسۃ والحق بالمص الوجور والسقوط فی وقت مخصوص هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبہ یفتی۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۳)

یعنی شرعا رضاعت عورت کی پستان چوسنا اگر چہ وہ کو آرنی یا مردہ یا بڑھیا ہو اور حلق یا ناک میں دودھ ٹپکانا بھی چوسنے کے حکم میں ہے وقت مخصوص میں جو امام اعظم کے نزدیک ڈھائی سال اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں وہی صحیح اور مفتی بہ قول ہے۔ اور جب رضاعت ثابت ہوگئی تو اب مسماۃ رابعہ بی بی انوار احمد کی رضائی ماں ہوگئی اور اس کی ساری اولاد خواہ انوار احمد کو دودھ پلانے سے پہلے پیدا ہوئی ہو یا بعد سب انوار احمد کے رضاعی بھائی بہن ہو گئے اور جب وہ بھائی بہن ہو گئے تو ان کی بیٹیاں انوار احمد کی بھتیجیاں بھانجیاں ہوئیں اور انوار احمد ان کا ماموں ہو تو ماموں بھانجی کا نکاح کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔

در مختار میں ہے: ولا حل بین الرضیعة وولد مرضعتها ای التي ارضعتها وولد ولدھا لانه ولد الاخ۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۹)

رد المحتار میں ہے: شمل ایضا مالو ولدتہ قبل ارضا عھا للرضیعة او بعدہ ولد بستین۔
(ج ۲ ص ۴۱۹)

جو ہرہ میریہ میں ہے: ولا یحوز ان تزوج المرضعة احدا من ولد اللتی ارضعتها لانه اخوها ولا ولد ولدھا لانه ولد اختھا۔
(ج ۲ ص ۸۶)

اگر کاش سوال کے یہ الفاظ ہوتے کہ رابعہ بی بی کی نوایاں جو نسب کے لحاظ سے انوار احمد کی خالہ زاد بہنیں ہیں اور رضاعی اعتبار سے اس کی بھانجیاں ہیں ان میں سے کسی ایک کا نکاح اس انوار احمد سے شرعا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو مختصر جواب یہ ہوتا کہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ رضاعی طور پر ماموں بھانجی ہیں۔ اور ماموں کا بھانجی کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ایسا عام مسئلہ ہے جس کو عوام بھی جانتے ہیں پھر اس میں حلت کی خواہش کرنا مسلمان کی شایان شان نہیں دنیوی و اخروی نفع اسی میں منحصر ہے کہ شریعت کے حلال کو حلال مانا جائے اور حرام کو حرام سمجھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

(۶۲۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

(۱) زید کی شادی خالہ زاد بہن ہندہ سے عرصہ ۴ سال کا ہوا کہ ہوئی اور کئی اولاد بھی ہیں عرصہ چار سال کا ہوا کہ ہندہ کی والدہ نے زید کے چھوٹے بھائی کو ایک مرتبہ دودھ پلایا اب زید و ہندہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔

(۲) عرصہ ایک سال سے زائد ہوا کہ زید مذکور کے ہمشیر علقمہ کی شادی جو زید کے بھائی مذکور سے بڑی ہندہ کے چھوٹے بھائی بکر سے ہوئی ہے۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ بینو بالکتاب، توجہ بالصواب محمد خلیل اختر ہائی کورٹ کلکتہ۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

ہندہ کی والدہ نے جب زید کے چھوٹے بھائی کو اس کی ڈھائی برس کی عمر کے اندا اپنا دودھ پلادیا تو ہندہ اور اس کی والدہ سے رشتہ حرمت رضاعت فقط زید کے چھوٹے بھائی سے ہوا اور زید اور ہندہ میں کسی طرح کا رشتہ رضاعت نہیں ہوا لہذا زید ہندہ سے بلاشبہ نکاح کر سکتا ہے۔

رد المحتار میں ہے: فاذا انتفی فی شئی من صور الرضاۃ انتفت الحرمة
(رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۴۱۶)

در مختار میں ہے ”وتحل اخت اخیه رضا عا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون له الخ نسبی له اخت رضا عیۃ“ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) صورت مسئلہ میں مسماۃ علقمہ کا نکاح جو ہندہ کے چھوٹے بھائی سے ہوا وہ صحیح ہے کہ ان کے مابین کسی طور سے رشتہ رضاعت نہیں پایا جاتا۔

یعنی شرح کنز الدقائق میں ہے: یحوز ان یتزوج باخت اخیه من الرضاۃ اختہ نسبا
(رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۴۱۸)

لہذا یہ نکاح شرعاً صحیح اور درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

(۶۲۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

زید نے بچپن میں کچھ دنوں تک اپنی چچی کا دودھ پیا اس وقت زید کی دودھ شریک ہندہ بھی ہندہ کے چار بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ اب زید کی شادی عرصہ تین سال کا ہوا کہ ہندہ کی سب سے چھوٹی بہن علقمہ سے کر دی گئی ہے کیا یہ شادی درست ہوئی ہے اور اب زید و علقمہ کو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے شرعی حکم کیا ہے بنو ابی الکتاب تو جروا تو جرویم الحساب

المستفتی محمد خلیل اختر ہائیکورٹ کلکتہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع زید نے ڈھائی برس کی عمر کے اندر اپنی چچی کا دودھ پی لیا تھا تو اس سے فقط اس کی لڑکی ہندہ ہی زید کی رضائی بہن ثابت نہیں ہوئی بلکہ ہندہ کے چاروں حقیقی بھائی اور تینوں حقیقی بہنیں بھی زید کی رضائی بہنیں اور بھائی ثابت ہو گئے، تو یہ علقمہ بھی زید کی ایسی ہی رضائی بہن ہوئی جیسی ہندہ اس کی رضائی بہن ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولها وفروعها من النسب والرضاع جميعا حتى ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل او غيره قبل هذا الا رضاع او بعده۔

(عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۴۲)

شامی میں ہے: يحرم من الرضاع اصوله وفروعه وفروع ابويه وفروعهم الخ۔

(شامی صفحہ ۲۸۶)

لہذا زید کا علقمہ سے نکاح حرام و باطل ہے تو یہ زید فوراً علقمہ سے جدا ہو جائے اور اس سے زبان سے یہ کہے کہ میں نے تجھے جدا کیا چھوڑ دیا تاکہ وہ علقمہ بعد عدت کسی دوسرے سے عقد ثانی کر سکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۲۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ

ایک لڑکے نے اپنی چچی کا سب سے پہلی لڑکی کی پیدائش کے بعد کا دودھ پیا ہے اس کے بعد

اس چچی کے دو لڑکیاں اور پیدا ہوئیں تو اس لڑکے کا جس نے دودھ پیا ہے اس چچی کی سب سے چھوٹی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز و درست ہے یا نہیں؟۔ بنو اتو جروا۔

المستفتی امین الدین از محلہ قلیل غربی شاہجہانپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب اس لڑکے نے مدت رضاعت یعنی ڈھائی برس کے اندر اپنی چچی کا دودھ پیا ہے تو یہ چچی اس کی رضاعی ماں۔ اور اس کی اگلی پچھلی سب لڑکیاں اس لڑکے کی بہنیں ہو گئیں۔ لہذا سب سے چھوٹی لڑکی بھی اس لڑکے کی بہن ہوئی۔ تو اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح ناجائز و حرام ہے کہ یہ بہن بھائی کا نکاح ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ و اخواتکم من الرضاعة۔ علامہ سلفی تفسیر مدارک میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

ان الله تعالى نزل الرضاعة منزلة النسب فسمى المرضعة اما للرضيع والمرضعة اختا وكذلك زوج المرضعة ابوہ وابوہ جداه واختہ وعمته وكل ولد ولد له من غير المرضعة قبل الرضاع وبعده فهم اخوته واخواته لا بيه وام المرضعة جدته واختها خالته وكل من ولد لها من هذا الزوج فهم اخوته واخوانه لا بيه وامه ومن ولد لها من غير فهم اخوته واخوانه لا م۔ (مدارک مصری ص ۱۶۹ ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے رضاعت کو بمنزلہ نسب کے ٹھہرایا تو دودھ پینے والے کے دودھ پلانے والی ماں اور ساتھ دودھ پینے والی بہن کہلائیگی اور اسی طرح دودھ پلانے والی کا شوہر اس کا باپ اور اس شوہر کے آباء اس کے دادا اور اس کی بہن اس کی پھوپھی اور اس کا ہر بچہ جو اس دودھ پلانے والی کے علاوہ کسی عورت سے ہو چاہے دودھ پینے سے پہلے ہو یا پچھلا وہ سب اس کے بھائی بہن علاقائی ہوئے اور دودھ پلانے والی کی ماں اس کی نانی، اس کی بہن اس کی خالہ اور اس کے اس شوہر سے ہر بچہ وہ سب اس کے حقیقی بھائی بہن ہوئے اور اس کا ہر بچہ جو اس شوہر کے غیر سے ہو وہ سب اس کے اخیا فی بھائی بہن ہوئے۔

بخاری شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولاة۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۷۳)

جو ولادت (نسب) سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔
قدوری اور اس کی شرح جو ہر نیرہ میں ہے:

کل صبیئین اجتماعاً علی ثدی واحد فی مدة الرضاع لم یحز لا حدھما ان یتزوج
بالاخری (المراد اجتماعهما علی الارضاع طالت المدة او قصرت تقدم رضاع احدهما
علی الاخرام لان امھما واحدة فھما اخ واخت) (جو ہر نیرہ ص ۸۶ ج ۴)

ہر دو بچے جو ایک پستان پر مدت رضاعت میں جمع ہو جائیں تو ایک کا دوسرے کے ساتھ نکاح
جائز نہیں دونوں کے اجتماع سے مراد دودھ پینا ہے چاہے زمانہ دراز ہو یا کم اور دودھ پینے میں ایک کا
دوسرے پر تقدم ہو یا نہ ہو کیونکہ ان دونوں کی ماں تو ایک ہی ہے تو وہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہوئے۔
فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

ادارضعت صبیۃ تبجرم هذه الصبیۃ علی زوجها وعلی ابائہ واولادہ وعلی اباء
المرضعة واولادھا الاصل ان اقربا زوجها اقرباء للرضیع -

(حاشیہ قاضی خاں مصطفائی ص ۳۴۸ ج ۲)

جب ایک عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا تو یہ بچی اس عورت کے شوہر پر اور اس شوہر کے آباء
و اولاد پر اور دودھ پلانے والی کے آباء و اولاد پر حرام ہو جائیگی اصل یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کے رشتہ
دار اور اس کے شوہر کے رشتہ دار اس دودھ پینے والے کے رشتہ دار ہو جاتے ہیں۔
فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

الرضاع فی اثبات حرمة المناکحة بمنزلة النسب والصهرۃ کما ان الحرمة
بالنسب اذا ثبت فی الامھات والبنات یتعدی الحدات والنوافل فکذا اذا ثبت بالرضاع
یتعدی الی اصول المرضعة وفروعھا واخوتھا واخوانھا -

(قاضی خاں مصطفائی ص ۱۹۰ ج ۱)

حرمت نکاح ثابت ہونے میں رضاعت بمنزلہ نسب اور مصاہرت کے ہے کہ جیسے نسب کی وجہ
سے حرمت جب ماؤں اور بیٹوں میں ثابت ہوتی ہے تو دادیوں اور نواسیوں کو پہنچ جاتی ہے اسی طرح
رضاعت سے ثابت ہو کر دودھ پلانے والی کی اصول و فروع اور بہنوں اور بھائیوں تک پہنچ جاتی ہے۔
الحاصل آیت کریمہ اور حدیث شریف اور ان عبارات فقہ سے ثابت ہو گیا کہ دودھ پینے والے پر اس کی

رضاعی ماں اور باپ کی ساری اولاد حقیقی ہو یا علانی و اخپانی خواہ وہ دودھ پینے والے کے ساتھ کی ہو یا قبل
و بعد کی سب حرام ہو جاتی ہیں۔ لہذا صورت مسئلہ میں وہ لڑکی اس دودھ پینے والے لڑکے کی رضاعی ما
ں ہی کی لڑکی تو ہے تو اس کی رضاعی بہن ہوگئی یا یوں کہئے کہ اس مرد کے رضاعی باپ کی لڑکی بھی ہے
جب بھی اس کی رضاعی بہن ہوگئی بہر صورت اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپس
میں رضاعی بھائی بہن ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: اکتسم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہجیل

مسئلہ (۶۲۵)

دام اقبالہ بخدمت شریف جناب قبلہ مولوی حاجی محمد یسین صاحب السلام علیکم
بعد گزارش یہ ہے کہ دو شخص آپ کی خدمت میں روانہ کئے ہیں ایک تو قادر بخش حافظ صاحب دو
سرا مالک غلام احمد کا ہے قصہ یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا۔ لڑکی کی عمر قریباً اس وقت
۶-۵ ماہ کی تھی اور دودھ پلانے والی عورت کے وقت ایک بچی جس کی عمر اس لڑکی کے برابر تھی پہلے ہی
موجود تھا، اس عورت نے ان دونوں بچوں کو دودھ پلا کر کے پرورش کیا ان کے جوان ہونے پر اس عورت
سے ایک دوسرے شخص کیساتھ نکاح کر دیا۔ ۱۵-۲۵ سال کے بعد لڑکی کے خاوند کا انتقال ہو گیا، اس کے
بعد جس عورت نے لڑکی کو اور اپنے لڑکے کو پرورش کیا تھا، یا اسے دودھ پلایا تھا اس عورت نے اپنے لڑکے
کے ساتھ ایک مولوی صاحب کو ۱۰۰ سو روپیہ اور ایک گائے دیکر کے نکاح پڑھوا دیا۔ آیا کہ یہ نکاح واجب
ہے یا نہیں اس کا جواب مہربانی کر کے بطور فقہ کے تحریر کریں اور جو شخص اس نکاح میں شامل تھے اسلام کی
رو سے اور عالموں کے رو سے کیا جرم عائد ہوتا ہے مہربانی کر کے ان کے بارے میں بھی تحریر
کریں۔ بمقام بیکانیر راجپوتانہ محلہ تلی مسجد کے پاس سید شہاب الدین برتن فروش

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جب لڑکی اور لڑکے میں رشتہ شیر خواری و رضاعت پایا گیا تو یہ آپس میں
رضاعی بھائی بہن ہوئے۔ اور نسبی بہن بھائی میں جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی
میں بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب

خود اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: **وَاِخْوَانُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ**

یعنی تمہیں تمہاری دودھ والی بہنیں حرام کر دی گئیں۔

تو جس نکاح کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرام ٹھہرائیں اس کو کون حلال کر سکتا ہے۔ لہذا یہ نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوا۔ اس نکاح کا پڑھانے والا۔ شاہدین۔ اور حاضرین میں جس کو اس کا علم تھا اور اس نے باوجود علم کے اس میں شرکت کی ان سب پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

شوال المکرم ۱۳۷۰ھ ۵۱ء

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ (۶۲۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زبیدہ خاتون وشفیق النساء دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ زبیدہ کی لڑکی کریم النساء تقریباً سات ماہ کی تھی کہ شفیق النساء کے بطن سے ایک بچہ اشفاق احمد پیدا ہوا۔ پانچ ماہ کی عمر میں اشفاق احمد کا انتقال ہو گیا اس وقت شفیق النساء نے کریم النساء کو اپنا دودھ پلایا۔ جس وقت دودھ پلایا کریم النساء کی عمر تقریباً ایک سال کی تھی، بعد ازاں شفیق النساء کو دوسرا بچہ پیدا ہوا اور فوری انتقال کر گیا۔ اس کا چھوٹا دودھ بھی کریم النساء کو شفیق النساء نے پلایا اس کے بعد شفیق النساء کے دو بچے اور پیدا ہو کر فوت گئے اور ان دونوں کے بعد شفیق النساء ایک لڑکی زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوئی جس کا نام رحیم النساء ہے رحیم النساء اور مہر النساء کی عمر میں تین ماہ کا فرق ہے یعنی رحیم النساء مہر النساء سے ۳ ماہ بڑی ہے۔ اب مہر النساء بیمار ہو جاتی ہے اور اطباء کے مشورے سے ماں کا دودھ بند کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ زبیدہ رحیم النساء کا چھوٹا دودھ مہر النساء کو پلا دیتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مہر النساء اور شفیق احمد کا عقد نکاح ایک دوسرے سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا تو جروا۔

محمد عبدالاحد اشرفی غفرلہ مدرس مدرسہ مسعود العلوم اشرفیہ جھلونی بازار بہرائچ ۳۰ مارچ ۱۹۵۵ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب مہر النساء نے اڑھائی سال کی عمر کے اندر ہی مسماۃ زبیدہ کا دودھ پیا ہے تو یہ مسماۃ زبیدہ اس مہر النساء کی رضائی ماں ہو گئی اور اس کی اولاد اس مہر النساء کے رضائی بھائی ہوئے اور جب یہ آپس میں رضاعی بھائی بہنیں ہوئیں تو ان کے مابین نکاح یقیناً حرام ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **وَيَحْرُمُ عَلَى الرِّضَاعِ ابْنُ ابْنِهِ مِنَ الرِّضَاعِ وَاصْوَالُهَا وَفِرْوِ عَمِهَا مِنَ النِّسْبِ وَالرِّضَاعُ جَمِيعًا**۔

خود قرآن کریم میں ہے: **وَاِخْوَانُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ**۔

اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مہر النساء وشفیق احمد کی رضاعی بہن ہے تو شفیق احمد کا نکاح اس مہر النساء سے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۵/رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ (۶۲۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی بیوی اپنی سگی بہن کو دودھ پلا چکی ہے، تو زید کی بیوی کے مرجانے کے بعد زید اس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں اگر نکاح نہیں کر سکتا تو اس سے کونسا رشتہ قائم رکھ سکتا ہے؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زوجہ زید نے جب مدت رضاعت میں اپنی بہن کی دودھ پلایا تو اگر وہ دودھ زید ہی کے جماع اور بچہ کا دودھ ہے تو اب زید کی وہ ہمیشہ زوجہ رضائی بیٹی ہے ہرگز ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ کما هو مصرح فی الجوہرۃ النیرۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل



باب الولی

مسئلہ

(۶۲۸)

از سنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ

مسکی عنایت اللہ کا انتقال ہو گیا اور اس نے ایک لڑکی مسماۃ بتولن نابالغہ اور تین بھائی حقیقی چھوڑے اور مسماۃ محمد عنایت اللہ متوفی کی خوشدامن ہے۔ حسب شرع شریف حق ولایت نکاح مسماۃ بتولن کا کس کو حاصل ہے؟ آیا لڑکی کی نانی ولیہ نکاح ہے۔ یا اس کے تینوں چچا تائے۔ اور ان تینوں بھائیوں کا نام یہ ہے۔ اول کا نام تولد دوم حمد اللہ۔ سوم حفیظ اللہ۔ بنو دو تو جروا فقط المستفتی تولد قوم حجام ساکن محلہ بیگم سرائے پرگنہ سنہ ۱۳۵۵ھ

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اس صورت میں ولی نکاح چچا ہے۔ نانی کو حق ولایت نکاح نہیں ہے۔ فقط ذکاوت حسین غنی عنہ اصل ولی نکاح عصبہ ہے۔ چنانچہ سید الم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”النکاح الى العصبات“ رہی اقرب والبعدي تفصیل اس کی صراحت قاضی خان میں اس طرح ہے ”اقرب العصبات الى الصغير والصغيرة الاب ثم الحد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنو هما على هذا الترتيب وان سفلوا ثم العم لاب وام“ یعنی نابالغ اور نابالغہ کا سب سے قریب تر ولی نکاح باپ ہے پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر علاقہ بھائی پھر ان دونوں کی اولاد مذکور اسی ترتیب پر پھر حقیقی چچا۔ اسی لئے ولی اقرب ولی البعد پر مقدم ہوگا۔

اب اس ترتیب میں چچا کے بعد بارہویں درجے میں نانا ولی نکاح بنتا ہے۔ پھر نانی کا تو ذکر کیا۔ لہذا یہ تینوں چچا ہی اس نابالغہ کے ولی ہیں۔ نانی ان کے ہوتے ہوئے ہرگز ولی نکاح نہیں ہو سکتی۔ اگر نانی اس نابالغہ کا بغیر اجازت اس کے چچا کے نکاح کرے تو وہ اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔

در مختار میں ہے ”فللا قرب منهم حق الفسخ“ یعنی ولی اقرب کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ قاضی خاں میں ہے ”وان زوجها الابد والاقرب حاضر يتوقف على اجازة الاقرب“ یعنی اگر ولی البعد نے ولی اقرب کے موجود ہوتے ہوئے نکاح کر دیا تو یہ نکاح اس ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ بالجملہ یہ تینوں اس نابالغہ کے ولی اقرب ہیں، نانی کو حق ولایت نکاح حاصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ

(۶۲۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر ۱۴ سال کی ہے اور اس کے بھائی کی عمر ۱۷ سال کی ہے اور اس کا باپ غیر حقیقی موجود ہے۔ آیا اس لڑکی کے نکاح کی اجازت اس کا بھائی دے سکتا ہے یا سوتیلہ باپ۔ بنو دو تو جروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر یہ لڑکی نابالغہ ہے تو اس کا ولی اگر اس کے باپ دادا نہ ہوں تو اس کا یہ بھائی ولی ہے۔

شامی میں ہے: يقدم الاب ثم ابوه ثم الاخ الشقيق ثم لاب ثم ابن الاخ الشقيق ثم لاب ثم العم الشقيق۔

یعنی پہلے مستحق ولایت کا باپ ہے، پھر دادا، پھر حقیقی شقیق بھائی، پھر سوتیلہ بھائی، پھر حقیقی شقیق بھتیجا، پھر سوتیلہ بھتیجا، پھر شقیق چچا۔

عالمگیری اور طحاوی وغیرہ میں ہے: سوتیلے باپ کو اس کے ہوتے ہوئے کوئی استحقاق ولایت کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ

مسئلہ

(۶۳۰-۶۳۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں کہ معظمی قبلہ مدظلہ بندہ بخیر طالب خیر بعد سلام نیاز مندانه خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ہندہ کی شادی زید سے ہوئی زید نے طلاق دیدی اسکے بعد بکر سے عقد ہوا بکر کا انتقال ہو گیا اب ہندہ کی مرضی عمر سے شادی کے لئے ہے مگر ہندہ کے والدین عمر سے شادی کرنے کو منع کرتے ہیں ہندہ کہتی ہے کہ میں ڈوب کے مر جاؤں گی زہر کھا لوں گی مگر موقع ملا تو میں عمر کے یہاں چلی جاؤں گی ہندہ اور عمر دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارا عقد ہو جائے اگر خدا نخواستہ ہندہ کا عقد عمر کے ساتھ نہ ہوا تو یہ اندیشہ ہے کہ ڈوب کر یا خودکشی سے جان کو ہلاک نہ کر دے اور یہاں تک ہے کہ ایک روز رات کے وقت ہندہ عمر کے پاس آئی اور کہا کہ چلو ہم تم دونوں کہیں چلیں عمر نے کہا کہ میں شریعت کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا تم مجھ سے نکاح کر لو اگرچہ تمہارے ماں باپ کی اجازت بغیر نکاح نہیں ہو سکتا تھا تم بالغ ہو لہذا اگر تم اپنے ماں باپ کی اجازت کے بغیر نکاح کرو گی تو صحیح ہوگا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ

(۱) اگر عمر ہندہ سے اس صورت میں نکاح کرے تو شریعت کے خلاف تو کوئی بات نہیں اور یہ بھی نہیں کہ عمر غیر کفو ہو ہندہ کا کفو ہے اگر ہندہ کسی کی زبانی یہ سنتی ہے کہ تیرا عقد خالد یا بکر کے ساتھ ہوگا تو کہتی ہے کہ حرام زادہ کے پیٹ میں چاقو مار دوں گی یا اپنا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی عرض یہ ہے کہ سوائے عمر کے کسی دوسرے سے نکاح کرنا ہندہ کو منظور نہیں اور ایک روز آمادہ بزنا ہو گئی لیکن خدا نے اپنے فضل سے ان کو محفوظ رکھا اور اس سے بچ گئے اگر ماں باپ سے چھپ کر ہندہ کا عقد ہو جائے باقی اور جتنے شرائط ہیں وہ نکاح کے وقت پائے جائیں تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر ہو گیا تو ہندہ اپنے باپ کے مکان پر رہے اور خرچہ کا زیر بار عمر رہے یہ ہو سکتا ہے یا نہیں ان کے عقد نہ ہونے میں خوف زیادہ خوف ہلاکت ہے اور شوہر کی موت کو پانچ سال کا عرصہ ہوا لیکن ہندہ نے عقد نہیں کیا ہندہ کے لئے عمر کو بہت مجبور کر رہی ہے کہ خط کا جواب تو میں کچھ کہوں گا زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ کی مرضی عمر کے ساتھ تھی لیکن ماں باپ نے زبردستی اسے تکلیفیں دیں کھانے کو نہیں دیا جبر ابلا کے ساتھ کر دیا تو اس کے مرنے کے بعد اس کے خیال میں زیادہ اس طرف میل ہو اب اگر شادی ہوگی تو عمر کے ساتھ ورنہ زندگی بیکار ہے کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہونے پائے اگرچہ عدالت کے خلاف ہو جائے تو پروا نہیں عمر کا دست بستہ سلام عرض ہے۔ چندویں ضلع مراد آباد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) عمر و ہندہ کا کفو شرعی ہے یعنی قوم نسب میں چال چلن مذہب میں بہ نسبت ہندہ کے کوئی ایسا قصور اور عیب نہیں رکھتا جس کی وجہ سے ہندہ کا اس کی مناکحت میں آنا پدیر ہندہ کے لئے عار کا سبب ہو تو ہندہ نے اگر بہ ناراضی پدیر اپنا نکاح عمر سے کر لیا تو اس نکاح کے صحیح و درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں اگرچہ والدین کی ناراضی ہندہ کو نقصان دہ ہو مگر جواز نکاح میں کوئی خلل نہ آئے گا چنانچہ مسلم شریف وغیرہ کتب احادیث میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

الایم احق بنفسها من وليها۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰)

یعنی شادی شدہ عورت اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

در مختار میں ہے: فنفذ نكاح حرة مطلقة بلا رضا ولی۔ (حاشیہ رد المحتار مصری ص ۳۰۴)

یعنی آزاد عاقل بالغہ عورت کا نکاح بلا مرضی ولی کے نافذ ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) عورت کا نفقہ عقد صحیح کے بعد ہی سے شوہر پر واجب ہو جاتا ہے اب چاہے شوہر اسے گھر

رکھے یا اپنی رضا سے اس کے باپ کے گھر رکھے رد المحتار میں ہے۔

فبحب النفقة من حين العقد الصحيح وان لم تفعل الى الزوج اذا لم يطلبها۔

(رد المحتار ص ۶۶۳)

در مختار میں ہے: ولو هي في بيت ابیها اذا لم يطلبها الزوج بالنفقة به يفتی۔

(حاشیہ رد المحتار ص ۶۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۷ صفر المظفر ۱۳۵۸ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنبل

(۶۳۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

سماۃ منیا۔ بسلسلہ مہمانی قصبہ ہلدوانی میں اپنی بڑی لڑکی کے مکان پر گئی اور پانچ یوم تک وہاں

پر مقیم رہی اس کے ہمراہ اس کا شوہر مسکی چھنگے۔ گا ذرا اور اس کی چھوٹی لڑکی مسکی سوکھی بھی تھی وہاں پر اس مدت قیام میں اس کے برادران نے اس پر جبر کر کے اس کی چھوٹی لڑکی مسکی سوکھی بنت چھنگے کا۔ نکاح حالت نابالغی میں الہی بخش گا ذرا نابالغ کے ساتھ کر دیا حالانکہ اس نکاح سے اس کا باپ چھنگے گا ذرا ناراض ہو کر نکاح سے پہلے چلا آیا تھا تو اس کی ماں مسماۃ منیا۔ سے زبردستی برادران نے اذن لے کر اس کا نکاح پڑھوا دیا بعد بالغ ہونے کے مسماۃ سوکھی اپنے شوہر الہی بخش گا ذرا کے پاس رہنا چاہتی ہے اور نہ اس کے شوہر نے وقت نکاح سے جس کو تقریباً عرصہ بارہ (۱۲) سال کا ہو گیا اسکی کوئی خبر لی ہے اس مدت مذکور الصدور میں یہ لڑکی بالغ ہو گئی اور اس کا جو تعلق اس کے ایک برادر شوہر سے ہو گیا اور اس برادر سے اس لڑکی مذکورہ کو تقریباً چھ یا سات ماہ کا حمل ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مذکور الصدور میں مسماۃ سوکھی کا نکاح صحیح تھا یا نہیں تھا۔ اگر صحیح تھا تو اب مسماۃ مذکورہ کو استحقاق نسخ نکاح کا حاصل ہے یا نہیں اور اس مسماۃ سوکھی کا نکاح جس شخص سے کہ اس کو حمل ہے اس کے ساتھ قبل وضع حمل جائز ہے یا نہیں؟۔

بینوا تو جروا من اولہ الشرعیہ والفقلیہ۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

صورت مسئلہ میں مسماۃ سوکھی کا نکاح صحیح نہیں ہوا کیونکہ وہ اس وقت نابالغ تھی اور نابالغہ کے صحت نکاح کے لئے ولی کا ہونا شرط ہے۔

در مختار میں ہے: نوہو الولی شرط صحۃ نکاح صغیرۃ۔ (شامی ص ۳۰۴)

اور اس کا ولی خود اس کا باپ چھنگے موجود ہے جو اس نکاح سے سخت ناراض ہے اور وہ اس نکاح کی اجازت نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ اس نکاح سے قبل ہی چلا آیا تو مسماۃ سوکھی کا یہ نکاح کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور جو پدر مسماۃ سوکھی کے ہوتے ہوئے مسماۃ منیا اور برادران کو نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں کہ ولی قریب کے موجود ہوتے ہوئے ولی بعید کو حق ولایت ہی نہیں۔

چنانچہ شامی میں ہے: ولا ولاية للابعد مع الاقرب۔ (ص ۳۲۳)

البتہ یہ نکاح فضولی ہوا اور نکاح فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا لہذا اگر مسکی چھنگے نے اس نکاح کو رد کر دیا تھا تو وہ اسی وقت فسخ ہو گیا۔

چنانچہ رد المختار میں جامع الفصولین سے ناقل ہیں:

یتوقف علی اجازۃ ولیہ مادام صبیاً ولو بلغ قبل اجازۃ ولیہ فاجاز بنفسہ جاز ولم یجز بنفس البلوغ بلا اجازۃ۔

پس اگر یہ نکاح ان صورتوں میں سے کسی طور پر فسخ ہو چکا ہے تو مسماۃ سوکھی کو اختیار حاصل ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرے پھر مسماۃ سوکھی زنا سے حاملہ ہے تو وہ قبل وضع حمل بھی نکاح کر سکتی۔

تویر الابصار ودر مختار میں ہے: نوصح نکاح حبلی من زنا۔

اور زانی سے تو نہ فقط نکاح ہی جائز بلکہ وطی بھی جائز ہے۔

در مختار میں ہے: لو نکح الزانی حل له وطیها اتفاقاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ: المصنم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۳۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

بندہ کے شوہر نے بحکم الہی انتقال کیا اور ہندہ کو ہندہ کے حقیقی خسر نے لڑائی جھگڑے کر کے اپنے مکان سے نکال دیا بحالت مجبوری پریشانی بعد گزرنے ایام عدت ہندہ کو آئے بغیر اجازت اپنے خسر حقیقی کے اپنا نکاح ثانی زید کے ساتھ کر لیا خسر نے اس سے ہر قسم کا تعلق ترک کر دیا اور وہ علیحدہ مکان میں اپنے شوہر ثانی یعنی زید کے ساتھ ساتھ گھر میں رہنے پہنچی ہندہ مذکور کے ایک لڑکی نابالغہ عمر ۱۳ سال شوہر اولیٰ سے تھی ہندہ اور اس کے شوہر ثانی یعنی زید نے اس لڑکی کے حقیقی چچا یعنی بکر نے حمیدہ مذکورہ کا نکاح عمر کے ساتھ کر دیا تو کیا یہ نکاح موافق شرع شریف صحیح ہوا یا نہیں؟۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

اس نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا ولی دادا ہے اسکی ولایت سے نکاح کرنا ضروری تھا اب بلا اجازت کے جب نکاح ہوا تو یہ نکاح فضولی ہوا جو دادا کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ اجازت دے نکاح جائز ہو جائے گا اور رد کرے تو رد ہو جائے گا۔

در مختار میں ہے: لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔

(شامی ج ۲ ص ۳۳۳)

البتہ اگر دادا نے اس لڑکی کے نکاح کرنے سے بلا وجہ شرعی انکار کر دیا اور چچا نے یہ نکاح کفو میں یعنی مذہب نسب چال چلن پیشہ ان تمام امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مہر مثل پر کیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہو گیا۔

در مختار میں ہے: یثبت للابعد التزوج بمعزل الاقرب ای بامتناعه عن التزوج اجماعاً ملخصاً۔ (در مختار ج ۲ ص ۳۲۲)

اور اگر لڑکی کے چچا نے یہ نکاح غیر کفو میں کیا ہے یا مہر مثل میں زیادہ کمی کی ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں۔

اسی در مختار میں ہے: وان كان المزوج غير الاب وایہ ولو الامام او القاضي لا يصح النکاح من غير كفو او بغبن فاحش اصلاً ملخصاً۔ (در مختار ج ۲ ص ۳۱۳)

سوال میں چونکہ واقعہ کی پوری تصویر نہیں ہے اسلئے جواب کے چند پہلو لکھ دیئے گئے، سائل کو چاہئے کہ جیسی صورت ہو اس کے موافق حکم چسپاں کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المحتشم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۶۷ھ

مسئلہ

(۶۳۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نابالغ لڑکی ہندہ کی طرف سے ولی ہو کر بکر سے نکاح کر دیا اب چھ مہینے کے بعد زوجین میں تنازع ہو گیا حالانکہ وہ لڑکی اب بھی نابالغ ہے لہذا زید نے ہندہ کے نکاح کو فاسد کر دیا۔ اب کیا حکم ہے دلائل سے ہو۔ بنو اتوجروا

المستفتی، احقر خادم عبد الواحد از مدرسہ دارالعلوم دھولہ ڈاکھانہ دھولہ ضلع درنگ آسام

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

نابالغہ کے نکاح کرنے کا تو ولی کو حق حاصل ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”لولى الصغير والصغيرة ان ينكحهما وان لم ير ضيا بذلك“ (از فتاویٰ عالمگیری قومی باب الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۱۰) لیکن شرعاً ولی کو نابالغہ کے نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں نہ خود نہ نابالغہ قبل بلوغ اپنا نکاح فسخ کر

سکتی ہے۔ البتہ وہ بعد بلوغ فوراً اس نکاح کو فسخ کر سکتی ہے جو باپ دادا کے سوا اور کسی ولی نے اپنی ولایت سے نکاح پڑھایا ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النکاح وان شاء فسخ۔ (عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱۰)

اور جب باپ دادا نے اپنی ولایت سے نکاح پڑھوایا ہے تو اس کو بعد بلوغ بھی فسخ کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اسی فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما۔“ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱۰)

لیکن صورت مسئلہ میں تو قبل بلوغ ہی فسخ نکاح کا ذکر ہے تو وہ نکاح نہ تو ولی کے فسخ کرنے سے فسخ ہوا نہ اس نابالغہ کے فسخ کرنے سے فسخ ہو سکا اور نہ اب آئندہ بعد بلوغ کسی طرح یہ ہندہ اس کو فسخ کر سکتی ہے کہ وہ باپ کا کیا ہوا نکاح ہے جو شرعاً قابل فسخ ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۷ھ

کتبہ: المحتشم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۶۷ھ

مسئلہ

(۶۳۵)

مسئلہ ذیل میں حضرات مفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں ہندہ نابالغہ تھی اور کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہوئی تھی۔ عین اسی حالت میں ہندہ کے چچا نے لڑکی کے والدین کی موجودگی میں اس کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا۔ لیکن جس وقت ہندہ بالغ ہوئی تو اس نے اسی مجلس میں علی الفور اپنی ناراضگی کا اعلان کر دیا۔ لہذا اب وہ اپنا نکاح اپنی اور والدین کی مرضی کے مطابق دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے تو کیا ایسی حالت میں وہ دوسری جگہ شرعاً مجاز نکاح رکھتی ہے بنو اتوجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر ہندہ کا نکاح اس کے باپ کی مجلس عقد کی موجودگی میں اس کے چچا نے کیا تو اس نکاح کیلئے اگر اس کے باپ کی اجازت و رضا صراحہ و دلالت ثابت ہو چکی ہے تو ہندہ کو اختیار بلوغ کا حق حاصل نہیں یعنی وہ بالغہ ہونے کے بعد نہ پہلے نکاح فسخ کر سکتی اور نہ ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ کیوں کہ اس صورت

میں یہ عقد اس کے باپ کا کیا ہوا قرار پایا اور باپ کے کئے ہوئے عقد میں خیار بلوغ نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”فان زوجهما الاب او الجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما“

اور اگر اس نکاح کیلئے ہندہ کے باپ کی اجازت و رضائے صراحت ثابت ہے اور نہ دلالت یہاں تک کہ مجلس میں اس کا محض ساکت رہنا بھی اجازت نہیں ہے تو اس نکاح کو اس کا باپ بھی نسخ کر سکتا ہے اور ہندہ کو بھی خیار بلوغ کا حق حاصل ہے۔ تو اس صورت میں ان دو باتوں میں سے جو ثابت ہو جائے تو وہ پہلا نکاح نسخ ہو جائیگا اور اس کے بعد ہندہ کا دوسرا نکاح بھی ہو سکتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: لا یکون سکوتہ (ای سکوت الولی الاقرب) اجازۃ نکاح الا بعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد ما لم یرض صریحا او دلالة۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۶ھ

مسئلہ

(۶۳۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین زوال اللہ برکاتہم

صورت مسئلہ میں کہ مسماہ ہندہ جسکے ایک لڑکا اور ایک لڑکی نابالغہ جسکی عمر تقریباً آٹھ برس ہے بیوہ ہو گئی بعد گزرنے عدت کے اس نے منسی زید سے نکاح ثانی کر لیا منسی زید مذکور نے بے اطلاع و بلا رضامندی مسماہ ہندہ کے اس کی نابالغہ لڑکی کو نیوتہ کے حیلہ سے اپنی کسی رشتہ دار میں لیجا کر اسکا نکاح کر دیا اب مسماہ ہندہ اور اس کے لڑکے کو معلوم ہوا تو ان کو قطعاً انکار اور کسی طرح منظور نہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شریعت مطہرہ یہ نکاح صحیح ہے یا ناجائز۔ فقط بینوا تو جردا۔ خاکسار غلیل احمد غنی عنہ مقام وڈا کھانہ پکراں ضلع رائے بریلی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر زید سے اس دختر ہندہ کی پہلی کوئی ایسی قرابت و رشتہ داری نہیں ہے کہ جس سے حق ولایت ثابت ہو سکے تو زید کو محض شوہر ثانی ہونے کی بنا پر ہندہ کے پہلے شوہر کی نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ زید اسکا ولی نکاح نہیں ہے۔

عالمگیری اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: لو كان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولها كالمستقط ونحوه فانه لا يملك تزويجها۔ اور جب ولی بعد نابالغہ کا نکاح کرے تو اس نکاح کی صحت ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وان زوج الصغير والصغيرة ابعد الالياء فان كان الاقرب حاضرا وهو من اهل الولاية توقف نكاح الا بعد على اجازته۔

(عالمگیری ص ۱۰)

تو زید تو اس نابالغہ کا ولی بعد تو کیا سرے سے ولی ہی نہیں تو اس نکاح کی صحت اس نابالغہ کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے اگر ولی وہ اجازت دے تو نکاح صحیح ہو جائیگا ورنہ یہ نکاح صحیح نہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۶ھ

(۶۳۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

ایک بیوہ کو دو یتیم لڑکیوں کا نکاح کرنا ہے، لڑکیوں کا حقیقی چچا موجود ہے۔ یہ لڑکیوں کا متکفل نہیں ہے۔ اور نہ انکی تکلیف و راحت کا شریک ہے۔ یتیم لڑکیوں کی بارات آئی ہوئی پڑی ہوئی ہے۔ لڑکیوں کا چچا بارات آنے سے پہلے کہہ کر فرار ہو گیا ہے کہ میں اس میں شریک نہیں ہو سکتا، تیری اولاد ہے تجھے اختیار ہے کہ نکاح دے یا نہ دے۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ سے نکاح کی ولایت ولی بعد یعنی لڑکیوں کی ماں کو حاصل ہے؟

(۲) ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی بعد نکاح کر دے تو وہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں، دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیے گا۔ اللہ پاکوا جردے گا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ان لڑکیوں کا چچا انکا ولی اقرب ہے لیکن جب وہ پہلے ہی سے ان کے حق

میں شفیق نہیں اور انکی تکلیف و راحت کا شریک نہیں اور اس وقت یہ نکاح کفو اور قوم ہی میں ہو رہا ہے اور مہر مثل پر ہوتا ہے۔ اور یہ چچا بلا کسی وجہ شرعی کے انکار کر کے فرار ہو گیا ہے تو یہ نکاح ولی الیہ یعنی اس کی ماں کی اجازت سے منعقد ہو جائیگا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ واجمعوا ان الاقرب اذا عضل تنتقل الولاية الى الا بعد كذا في الخلاصة۔

در مختار میں ہے: نویثبت لا بعد من اولياء النسب التزويج بعض الاقرب ای بامتناعه عن التزويج اجماعاً۔

رد المحتار میں ہے: متی حضر الكفو الحاطب لا ينتظر غيره خوفا من قوته ولذا انتقل الولاية الى الا بعد عند غيبة الاقرب انتهى ثم اقول ان العاضل ظالم بالا متناع فقام الا بعد مقام الاقرب في دفع الظلم و خوف فوت الكفو علة لا انتقال الولاية الى الا بعد والله تعالى اعلم۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۳۸)

مسئلہ**بسم الله الرحمن الرحيم**

اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ

زید کی شادی عرصہ تخمیناً ۲۸ سال کا ہوا مسماۃ کبیر بیگم سے ہوئی۔ اور اس کے لطن سے دولڑکیاں اور ایک لڑکا ہے زید نے اپنی عورت کو جو سخت بد زبان و گستاخ اور امور خانہ داری کے برہاد کرنے اور طریقہ اسلام کے خلاف چلنے پر۔ مدت تک سمجھانے پر بھی حرکات سے باز نہ آنے پائی۔ انتہائی تنگ آکر طلاق دیدی اور وہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ایک روز زید کی عدم موجودگی میں آکر میرے بچوں کو بہلا پھسلا کر اور ہمدردی جتا کر معہ سامان و زیور و نقد روپیہ جو بھی تھا لیکر چلی گئی۔ زید نے صبر کیا۔ زید اپنی لڑکیوں کی شادی اپنے عزیزوں میں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مسیان شفیع الدین پولس پنشنر محلہ ڈیرہ سرائے سعید کندر کھی نے عورت کو ورغلا کر اور اپنا ہم خیال بنا کر تمتع نفسانی کی غرض سے بغیر مشورہ زید پوشیدہ طریقہ پر میری لڑکی کا نکاح مسکی صابر ولد حمید مجاور حضرت ملک شاہ قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محلہ بریلی سرائے سے کرایا اس بغیر علم اور اجازت زید کے خفیہ طریقہ پر میری دختر کا نکاح کر دینے میں یہ لوگ شرع

محمدی میں گناہ گار ہیں یا ثواب کے مستحق ہیں اور یہ نکاح شرع محمدی میں کیا حق رکھتا ہے۔

احقر سیت اللہ عرف بدھن قوم شیخ محلہ واپلی دروازہ قصبہ سنجل ضلع مراد آباد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ہر دولڑکیاں غالباً بالغ ہو گئی اور جب بوقت نکاح بالغ تھیں تو ان کی اجازت سے جو نکاح کیا گیا وہ نکاح صحیح ہو گیا لیکن باپ کو عدم کفو میں نکاح کرنے کی بنا پر حق اعتراض حاصل ہے بلکہ وہ اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔ مسماۃ کبیر بیگم جوان کی والدہ ہے اور ان کی نہال کے لوگوں کو بمقابلہ باپ کے انکو نکاح کرنے کا کوئی شرعاً حق حاصل نہیں اس دلیل کی بنا پر یہ لوگ یقیناً گناہ گار و مجرم ہیں اور ان کا کیا ہوا نکاح قابل فسخ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۳۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک نابالغ بچہ جس کا باپ فوت ہو گیا فوت ہونے کے بعد اس لڑکے کا چچا اس کی شادی پر اپنے بھتیجے کی طرف سے ایجاب قبول کرتا ہے کیا اس کے چچا کے ایجاب قبول سے نکاح درست ہو جائے گا؟

(۲) باپ اپنی گونگی بالغ لڑکی کی طرف سے خود ایجاب و قبول کرتا ہے چونکہ لڑکی گونگی ہونے کی وجہ سے بول نہیں سکتی تو اس حالت میں نکاح ہو جائے گا؟

(۳) چھوٹے نابالغ لڑکے اور لڑکی کو ان کے والدین سے اجازت لیکر ایجاب و قبول کرادیتے ہیں حالانکہ وہ نابالغ بچے الفاظ بولدیتے ہیں مگر مطلب کو نہیں سمجھتے ہیں نکاح ہو جائے گا۔ ایجاب قبول لڑکا لڑکی دونوں کو کرنا چاہئے یا صرف لڑکے ہی کو۔

محمد شفیع مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد سادول پور ضلع چورورا جستان

الجواب

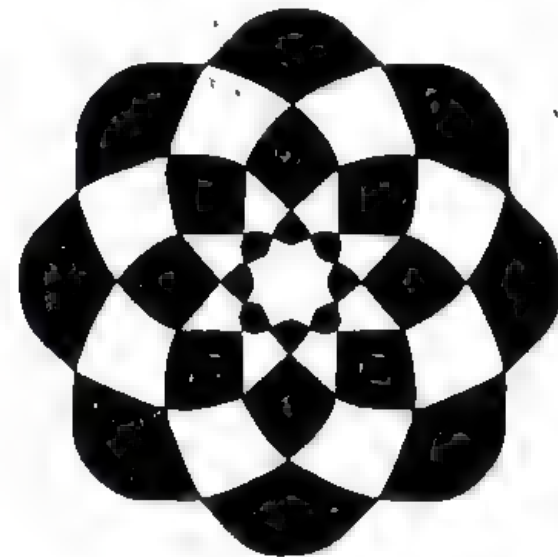
اللهم هداية الحق والصواب

(۱) نابالغ بچہ کا جب ولی قریب موجود نہیں ہے تو اس کا چچا اس کی طرف سے ایجاب و قبول کر سکتا ہے اور اس کے اس فعل سے نکاح درست ہو جائے گا۔

(۲) گونگی بالغ لڑکی خود اشارہ سے ایجاب و قبول کرے۔ اس کے حق میں اشارہ بولنے کے قائم مقام ہے اشارہ سے اس کا نکاح ہو جائے گا اس میں ولی کے ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں۔

(۳) نابالغ لڑکے اور لڑکی کے الفاظ عقد شرعاً معتبر نہیں ان کی طرف سے ان کے ولی والدین وغیرہ ایجاب و قبول کریں تو نابالغ کے الفاظ سے نکاح نہیں ہوگا بلکہ ان کی طرف سے ان کے ولی کا ایجاب و قبول کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۹ھ



﴿۵۱﴾

باب الاذن

(۶۴۰)

مسئلہ

از سنہل محلہ چودھر سرائے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ ہے تو کیا بغیر اس کی رضا مندی کے اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ ایسے نکاح کو رد کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس صورت میں کفو اور غیر کفو ہونا اس کی اجازت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟

بیواؤ تو جروا

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

ہندہ جب بالغہ ہے تو نکاح میں اس کی رضا ضروری ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے ”ومن شرائط النکاح رضاء المرأة اذا كانت بالغة بکرا كانت او ثیبا“ یعنی عورت بالغہ کی رضا نکاح کے شرائط سے ہے، چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ والد اگر چہ ولی اقرب ہے لیکن چونکہ یہ عورت اپنے حق نفس میں باعتبار شرع کے تصرف کرنے کی اہلیت رکھتی ہے لہذا بغیر اس کی اجازت کے جو نکاح بھی ہو گا اس کو اس نکاح کے رد کرنے کا استحقاق ہے۔

چنانچہ اسی قاضی خاں میں ہے ”بالغة زوجها وليها فبلغها الخبر فقالت لا اريد الزوج او قالت لا اريد فلا نا يكون ردا“ یعنی کسی بالغہ کا اس کے ولی نے عقد کیا جب اس کو خبر پہنچی تو کہا میں خاوند نہیں چاہتی، یا فداں شخص کو پسند نہیں کرتی۔ تو اس کا یہ قول نکاح کے لئے رد ہو جائیگا حتیٰ کہ اگر اس کے والد نے بغیر ذکر مہر اور معرفت زوج کے اس سے نکاح کی اجازت چاہی اور اس نے اس پر سکوت کیا تو یہ سکوت بھی اس نکاح کی اجازت نہ ہوگا۔

اسی قاضی خاں میں ہے ”فان استامرھا الاب قبل النکاح فقال ازوجک ولم یذکر المہر ولا الزوج فسکت لا یكون سکوتھا رضا ولھا ان ترد بعد ذالک“ یعنی اگر باپ نے قبل نکاح کے اس سے اس طرح اجازت چاہی کہ میں تیرا نکاح کرتا ہوں اور مہر اور زوج کا ذکر نہ کیا، اس نے سکوت کیا تو یہ سکوت اس کی رضائے ہوگا اور وہ بعد اس کے رد کرنے کی مختار ہے۔ بالجملہ جب ہندہ کو نہ

پہلے اجازت تھی نہ اب ہے تو یہ نکاح بالکل باطل ہے۔ رہا کفو و غیر کفو کا مسئلہ اس کی تفصیل کی اس صورت میں کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ (۶۳۱) از موضع روان، تحصیل سنجل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک عورت بالغہ سے قاضی نے ایک مرتبہ نکاح کی اجازت طلب کی، اس نے انکار کر دیا۔ پھر دو بارہ سہ بارہ باوجود دو کوب ہونے کے اس نے اجازت نہیں دی۔ اس کا ایک بھائی بھی موجود تھا اس نے بھی اجازت نہیں دی، لیکن باوجود اس کے اس کا نکاح کر دیا گیا۔ تین روز تک وہ خاوند کے گھر نہ آنے پر اصرار کرتی رہی لیکن جبراً اس کو خاوند والے لے آئے۔ پھر وہ خاوند کے گھر سے بھی دو تین روز کے بعد بھاگ گئی۔ پھر برابر یہی سلسلہ رہا کہ وہ لاتارہا اور یہ بھاگتی رہی۔ علاوہ بریں اس نکاح میں کوئی مہر بھی مقرر نہیں ہوا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس عورت کا باوجود ان تمام باتوں کے نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟۔ بینوا تو جروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عورت بالغہ ہے۔ اس سے بار بار اجازت لینے پر بھی وہ اجازت نہیں دیتی اور اس کے ولی کی بھی اجازت کا نہ ہونا بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ بریں وہ خاوند کے گھر آنے اور رہنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لہذا ان تمام امور پر غور کرنے سے اس کی عدم رضا آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اور شریعت کا یہ کھلا مسئلہ ہے کہ عورت کی بغیر اجازت کے نکاح منعقد نہیں ہو سکتا۔ کتب فقہیہ میں بالتصریح موجود ہے۔ اب باوجود اس کے بار بار انکار کرنے کے مراسم نکاح کے ادا سے نکاح نہیں ہوتا، شریعت میں بالغہ عورت پر جب ولی کا جبر کرنا معتبر نہیں تو اوروں کا ذکر محض لغو ہے۔

در مختار میں ہے: ولا تحبر البالغة البكر على النكاح لا نقطاع الولاية بالبلوغ۔

ہدایہ میں ہے: ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح۔

اب اس پر اس کا جبراً نکاح ہو جانا، یا اس نام نہاد خاوند کا اس کو جبراً اپنے مکان میں لے آنا،

بالکل نامشروع ہے اور جب نکاح ہی منعقد نہیں ہوا تو مہر کا ذکر لغو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ (۶۳۲) از محلہ میاں سرانے جناب نواب عاشق حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک مسلمانوں کے گاؤں میں ایک حرف شناس کم خواندہ شخص نکاح خواں ہے۔ اس کو چند اشخاص ایک عورت بالغہ کے نکاح کو بلا کر لے گئے۔ نکاح خواں کو کسی طرح پر دریافت ہوا کہ عورت نکاح پر راضی نہیں ہے مگر عورت کے ماں اور بھائی نے کہا کہ ہماری اجازت سے نکاح پڑھا دو۔ نکاح خواں نے انکار کیا اور اپنے گھر کو واپس آیا، بعدہ عورت کے در ثاء نے عورت کو سخت مار پیٹ کی یہاں تک کہ اس کی گردن پر گنڈا نہ رکھ کر اور جان کا خوف دلا کر اس سے اجازت نکاح کا اقرار لیا۔ پھر وہ لوگ نکاح خواں کے پاس گئے اور کہا کہ اب عورت راضی ہے چلو اور نکاح پڑھو۔ نکاح خواں نے آکر وکیل اور نکاح کے گواہوں کا بیان لیکر نکاح پڑھا دیا اور اس رجسٹر پر نکاح میں تعین مہر کا بھی نہیں ہوا۔ عورت اس مرد کے ساتھ تین دن تک جانے پر راضی نہ ہوئی مگر پھر عورت کے در ثاء نے اپنے اسی جابرانہ اور ظالمانہ طور سے زبردستی دہاؤ ڈال کر چلتا کر دیا۔ تین روز بعد موقع پا کر عورت اس کے پاس سے بھاگ گئی۔ اب یہ عورت کسی طرح جانا نہیں چاہتی ہے بلکہ بطریقہ جائز اپنا نکاح کسی اور سے کیا چاہتی ہے۔ لہذا جبریہ نکاح ہوا یا نہیں؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

عورت بالغہ کا کوئی شخص جبراً نکاح نہیں کر سکتا، جب ولی کو جبراً نکاح کرنے کا حق نہیں تو غیر ولی کا تو ذکر کیا۔ در مختار میں ہے: لا تحبر البكر البالغة على النكاح لا نقطاع الولاية بالبلوغ۔

ہدایہ میں اس سے صریح موجود ہے: لا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ولی کو بالغہ عورت کے نکاح کے لئے جبر کرنا جائز نہیں کہ بلوغ سے حق ولایت منقطع ہو جاتا ہے۔ میرے پاس یہی سوال پہلے آچکا ہے جس میں جواب یہی دیا گیا تھا کہ۔

یہ نکاح منعقد نہیں ہوا اور اس نام نہاد خاوند کا اس عورت کو جبراً اپنے مکان میں لے آنا بالکل

نامشروع ہے۔ اب یہ اسی عورت کے متعلق اسی گاؤں سے پھر کچھ تغیر کر کے سوال آیا ہے لیکر چونکہ پہلا سوال اصل واقعہ کا بیان ہے اس لئے میں اس سوال کو مد نظر رکھتے ہوئے یہی جواب دیتا ہوں کہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا اور عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کر لے۔ کیونکہ پہلے سوال میں اس الفاظ میں قاضی نے ایک مرتبہ نکاح کی اجازت طلب کی اس نے انکار کر دیا۔ پھر دوبارہ پھر سہ بارہ اور باوجود دو کوب ہونے کے اس نے اجازت نہیں دی تو اس سے صاف طریقہ سے معلوم ہو گیا کہ عورت کی بالکل رضا نہیں پائی گئی۔ لہذا اس کی بغیر رضا کے وہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ اس سوال میں چونکہ واقع میں کچھ تغیر کیا گیا ہے تو فقط اسی سوال پر اعتماد کر کے حکم دے دینا بالکل قواعد رسم المفتی کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۳۳ھ

(۶۳۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک لڑکی بالغ ہے جس کی عمر تقریباً ۲۳ سال کی ہے اس کا دادا اور باپ یا چچا کوئی حیات نہیں ہے سوائے دادی ثانی بھائی حقیقی ماموں حقیقی حیات ہیں نکاح خوانی کے وقت مجمع کے اندر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جاؤ لڑکی سے اجازت لاؤ قاضی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ لڑکی کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے صرف بھائی کی اجازت کافی ہے بھائی کی اجازت پر نکاح پڑھایا جاتا ہے لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی اب امر در یافت طلب ہے کہ نکاح مذکور صحیح ہو یا نہیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جب لڑکی بالغ ہے تو اس کے نفاذ نکاح کے لئے اسکی اجازت ضروری ہے کیونکہ بالغہ پر کسی کی جبری ولایت نہیں ہوتی۔

درمختار میں ہے: لا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية البلوغ۔

اب اس کی بلا اجازت جو اس کے بھائی کی اجازت سے نکاح پڑھایا گیا یہ خلاف سنت کیا گیا اور نکاح فضولی ہوا جو اس عورت کی اجازت رموقوف رہے گا اگر وہ اجازت دے تو حائز ہو جائے گا اور رد

کر دے تو باطل ہو جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے: ان زوجها بغیر استمارط فقد اخطا السنة وتوقف علی رضاها۔

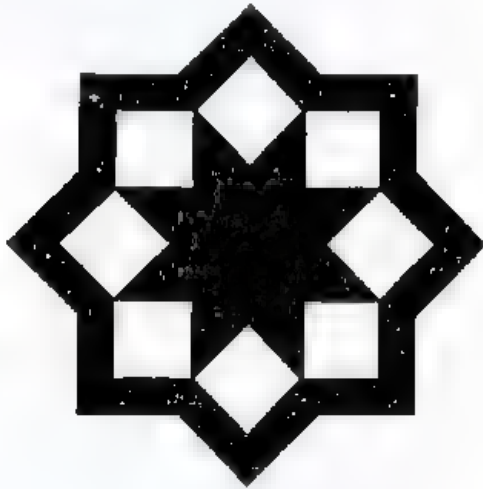
(ج ۲ ص ۳۰۶)

اسی طرح بحر نے محیط سے نقل کیا اور قاضی کا یہ قول صریح حدیث شریف کے خلاف ہے مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مروی ہیں: لا تنکح الایم حتی تستامرو لا تنکح البکر حتی تستاذن۔

(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۵)

شیبہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت حاصل کر لی جائے اور باکرہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اذن حاصل کر لیا جائے لہذا قاضی صاحب کا یہ قول نہ حدیث کے موافق نہ فقہ حنفی کے کتابوں کے موافق مولیٰ تعالیٰ اس قاضی کو ہدایت کرے اور حق کے قبول کرنے کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۳۳ھ



﴿۵۲﴾

باب المهر

مسئلہ

(۶۴۴) از سنبل محلہ کوٹ المستفتی حفیظ الرحمن افروری کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نابالغہ کا نکاح بہ تعین دین مہر تعدادی مبلغ ایک ہزار روپیہ بہ رضامند والدہ و برادران خورد و نیز بولایت برادر کلاں حقیقی عمل میں آیا لیکن رخصت سے پہلے مسماۃ ہندہ کا انتقال ہو گیا۔ کیا وارثان مسماۃ دین مہر متعینہ پانے کے حقدار ہیں؟ واضح رہے کہ ہندہ کے والد کا انتقال نکاح سے بہت قبل ہو چکا ہے۔ ہندہ کا شوہر بھی حیات ہے مسماۃ کے وارثان دو بہنیں اور ایک بھائی ہیں فقط۔

الجواب

اللهم هدایۃ الحق والصواب

مہر جس طرح وطی سے شوہر کے ذمہ پورا واجب ہو جاتا ہے اسی طرح زن و شوہر میں سے کسی کے مرجانے سے بھی۔ چنانچہ شرح وقایہ میں ہے: فالمرسمی عند الوطئی او موت احدهما۔ اب چاہے خلوت و رخصت ہو گئی ہو یا نہیں۔ ہدایہ میں اس کی وجہ لکھتے ہیں۔

وبالموت ينتهی النکاح نہایۃ والشئی بانتهائہ یقرر ویتأكد فیتقرر بجمیع مواجبہ۔ یعنی نکاح موت سے اپنی نہایت کو پہنچ گیا اور چیز اپنی انتہا پر مقرر اور موکد ہوا کرتی ہے۔ پس تمام احکام ثابت ہو گئے۔ لہذا مہر تو یقیناً شوہر کے ذمہ پورا واجب ہو گیا اور وارثوں کو حق مطالبہ بھی حاصل ہے۔ لیکن یہ مہر بقاعدہ میراث نصف اس شوہر کو ملے گا اور نصف باقی ورثہ پر تقسیم ہو جائے گا۔ تو حاصل کلام کا یہ ہے کہ یہ شوہر ہندہ کے وارثوں کو نصف مہر دے گا، نہ اس لئے کہ رخصت نہ ہونے کی وجہ سے نصف مہر ہی واجب ہوا ہو۔ بلکہ واجب تو پورا ہی ہوا مگر چونکہ شوہر کا بیوی کے ترکہ سے اس جیسی حالت میں نصف ہے۔ لہذا شوہر کے ذمہ بعد وضع کرنے اس کے حصہ کے نصف باقی رہتا ہے اور وہ یقیناً وارثوں کا حق ہے اور وہ شوہر پر واجب الادا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ

(۶۴۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اہل سنت والجماعت اس وراثت کے معاملہ میں اول واقعات کا اظہار کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ واقعات یہ ہیں۔

حاجی شیخ حسین مرحوم ساکن اتاری ضلع ہوشنگ باد کے رہنے والے تھے اور جی اے پی ریلوے میں ڈرائیور تھے حاجی صاحب مرحوم کی زوجہ کا انتقال حج بیت اللہ سے تشریف لانے کے بعد بعارضہ پیش و دستوں کے مرض میں حاجی صاحب کے ایک سال قبل انتقال ہو چکا تھا گویا حاجی صاحب علیل تھے لیکن بی بی کے انتقال کے بعد زیادہ علالت بڑھ گئی حتیٰ کہ عرصہ دو یا ڈھائی ماہ کا ہوا ہوگا کہ انتقال ہو گیا حاجی صاحب مرحوم کے کوئی نہیں ہے بچے دس بارہ ہوئے مگر ایک بھی نہ رہا حاجی صاحب مرحوم کے ایک بھائی بڑے ہیں اور ایک بھانجہ اور تین بھتیجے اور دو بھتیجی اور کوئی نہیں ہے لیکن خدمت گذاری حاجی صاحب کی بیوا ساس نے ہی کی ہے حتیٰ کہ پاخانہ پیشاب اٹھا اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے پھینکا ہے لیکن حاجی صاحب کے عزیزوں نے کسی قسم کی خدمت نہیں کی بلکہ مرحوم کے بھائی سے کہا گیا کہ خرچ ہمارے پاس ہے تم دہلی یا بھوپال یا اندور لیجاؤ انکار کر دیا کہ مجھ کو فرصت نہیں آخر یہی بیوہ ساس مرحوم کی جا بجا برائے علاج لئے ہوئے پھریں آخر کار قضا عند اللہ حاجی شیخ حسین کا انتقال ہو گیا۔ یہ تو واقعات ہیں جو تحریر کئے گئے۔ اب جائداد معلوم فرمایا کہ ڈھائی تین ہزار روپیہ کی ہوگی کچھ تو نقد اور زیور۔

سوال نمبر ۱۔

حاجی شیخ حسین مرحوم کی بی بی نے دین مہر معاف نہیں کیا تھا جو حاجی صاحب پر واجب الادا تھا کیا زوجہ مرحومہ کے ورثہ حاجی صاحب مرحوم جائداد سے وصول کر سکتے ہیں یا نہیں بحکم شریعت جواب دیجئے اور حاجی صاحب کی زوجہ کس میں یتیم ہو چکی تھیں وہ موجودہ چچی نے پرورش کر کے حاجی صاحب سے عقد کر دیا تھا اور جہیز بھی اچھا دیا تھا بعد شادی کے کچھ سال علیحدہ رہے مگر ساس کے بیوہ ہونے پر ایک ہی مکان میں رہتے تھے مگر کھانا پیانا جدا تھا تا حیات اسی طرح رہے۔

سوال نمبر ۲۔

اور کیا جو بوقت شادی جہیز و زیورات مرحومہ کو دیا تھا اس کو مسماۃ مرحومہ کے ورثاء واپس لینے کے حقدار ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

سوال نمبر ۳۔

حاجی صاحب اور ان کی بی بی اپنے بھائی کے لڑکے کو یعنی حاجی صاحب کے سالے کے لڑکے کو ہم نے کیا لیکن باقاعدہ کوئی تحریر نہیں کی تھی لہذا اس لڑکے کا بھی کچھ حق وراثت ہے کیا۔

سوال نمبر ۴۔

چچی ساس بیوہ جو حاجی صاحب اور ان کی اہلیہ کی ہر قسم کی حتی کہ بارہ برس تک یہ بیوہ بے داموں غلامی کرتی تھیں اس خدمت کا صلہ پانے کی وہ بھی شریعت میں مستحق ہیں یا نہیں۔

سوال نمبر ۵۔

حاجی مرحوم کے بھائی یا بھتیجے اور یا بھانجے از روئے شریعت کس قدر فردا فردا حصہ وراثت پانے کے مستحق ہیں یا سب کل جائداد کے مالک حاجی صاحب مرحوم کے بڑے بھائی ہی مالک ہو سکتے ہیں یا اور عزیزوں کا بھی اس میں شریعت نے حصہ مقرر کیا اور ہے تو صاف صاف فردا فردا تحریر فرمایا گیا۔ تاکہ باہمی فیصلہ نہ ہو سکا تو بذریعہ عدالت کے حصہ حاصل کر سکیں جلد جواب ارسال فرمائے گا۔

از مقام انارسی ضلع ہوشنگ آباد چھوٹس لین مکان اہل کیر بے کے میں اگوارے میں والد شیخ نذیر خان کو ملے۔

جواب سوال اول:

اگر واقعی زوجہ شیخ حسین نے اپنا دین مہر معاف نہیں کیا تو وہ حاجی صاحب کے ذمے واجب الادا ہے کہ مہر شوہر پر دین ہوتا ہے۔ شامی میں ہے: المہر دین فی ذمۃ الزوج۔

لہذا جب حاجی صاحب کی زوجہ کا انتقال ان سے قبل ہو چکا تو اب ورثہ زوجہ حاجی صاحب کے ترکہ جائداد وغیرہ سے شرعاً نصف مہر وصول کر سکتے ہیں اور نصف کے حاجی صاحب اس کے وارث ہو کر مستحق ہو چکے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: اذا مات كان لها ان ترجع فی تركته۔

اسی میں ہے: تطلب مہر ہا ہی او ورثتها بعد موتها۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال دوم۔

زوجہ حاجی صاحب کو اس کے میسر سے بوقت شادی جو جہیز و زیور دیا تھا وہ تمام مال و اسباب مسماۃ کی ملک ہے اور مسماۃ کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ اسی مال سے بقدر سہام حقدار ہوئے۔

ردالمحتار میں ہے:

كل احد يعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذہ كله واذا ماتت یورث عنها۔ اور جوز یور وغیرہ حاجی صاحب کے یہاں سے مسماۃ کو چڑھایا گیا تھا اس کی وہاں کے رواج میں اگر عورت ہی مالک سمجھی جاتی ہے تو وہ زیور وغیرہ بھی مسماۃ کی ملک تھا اور اب مسماۃ کے ورثہ بقدر سہام اس کے مستحق ہیں اور اگر وہاں کے عرف میں اس زیور وغیرہ کی عورت مالک نہیں سمجھی جاتی ہو تو اس کا چڑھانے والا مالک ہے یہ مسماۃ تو اس کی مالک نہ اس کے ورثہ اس میں حقدار۔

شامی میں ہے: والمعتمد النساء علی العرف۔ (شامی ص ۳۷۶) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال سوم۔

شرعاً متبنی کو حق وراثت حاصل نہیں کہ ورثہ وہ کہلاتے ہیں کہ جن کے ارث کا ثبوت کتاب و سنت و اجماع سے ہو۔

علامہ شیخ مصطفیٰ کی شرح کنز میں ہے: ثم تقسیم الباقي من المال بین ورثته ای الذین ثبت ارثهم بالكتاب والسنة والاجماع کذا فی الدرالمختار۔

اور متبنی ایسا نہیں لہذا اس کو حق وراثت حاصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم۔

یہ بیوہ محض اپنی قرابت کی بنا پر ان کی خدمت کرتی رہی جو نیت تبرع اور بغرض حصول ثواب تھی نہ بنا بر عقد اجارہ جس کا عوض و اجر حاجی صاحب کے ذمہ واجب الادا ہوتا بلکہ یہ خدمت قرابت اور سکونت کی بنا پر تھی لہذا یہ بیوہ کسی اجر و صلہ کی مستحق نہیں۔ لان مفعة السکنی یعود الیہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال پنجم۔

بھانجے تو ذوی الارحام ہیں اور بھائی بھتیجے عصبہ ہیں اور ذوی الارحام عصبہ کی موجودگی میں محروم رہیں گے۔ جو ہرہ نیرہ میں ہے: اذا لم یکن لل میت عصبۃ ولا ذو سہم ورثہ ذوالارحام۔ لہذا حاجی صاحب کے بھائی بھتیجے کے ہوتے ہوئے اس کے بھانجے تو یوں محروم ہو گئے اور بھتیجے بھی ان کے بھائی کی موجودگی میں محروم ہو جائیں گے۔

سراجی میں ہے: الاقرب فالاقرب مرجحون بقرب الدرجة۔

لہذا اب کل حاجی صاحب کے ترکہ کا مستحق ان کا بھائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المقتضی بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہجل

مسئلہ (۶۳۶)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زاد اللہ برکاتہم۔
صورت مسئلہ میں کہ زید جو کہ نکاح پڑھانے کا قاضی ہے نکاح پڑھاتے وقت باس الفاظ اس
نے ایجاب وقبول کرایا ہے کہ دین مہر ایک ہزار روپیہ علاوہ نان ونفقہ مسماۃ آمنہ دختر لیاقت علی تمہارے
نکاح میں آئی تم نے قبول کیا دولہا نے کہا قبول ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ بیوا تو جروا
المستفتی عبدالوہاب پکسران ضلع رائے بریلی

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

نکاح کے شرائط وارکان اگر تحقق ہوں تو قاضی کے ان الفاظ سے نکاح کی صحت میں کوئی شک ہی
نہیں۔ کماہو ظاہر من عامۃ کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المقتضی بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہجل

مسئلہ (۶۳۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ
زید کا نکاح ایک عورت سے ہوا اور شادی کے وقت سامان جو ایک ڈال میں لیجانے کا دستور ہے
جسمیں زیورات کی قسم سے چند چیزیں تھی عورت کو دی گئیں اور نکاح ہونے کے بعد چار سال گزر گئے
اب وہ عورت ایک سال پیشتر سے اپنے میکے میں تھی جب سسرال آئی تو اس کے ناجائز حمل تھا تحقیق پر اس
نے خود ناجائز حمل کا اقرار کیا اس وقت اس کے شوہر زید نے اسکو طلاق مغلفہ دیدیا بعد عدت وہ عورت
دوسرے نکاح میں چلی گئی اب جو زیورات زید نے دیے تھے۔ واپس لے لئے اس صورت میں لڑکی کے
اقربا اور میکے والے زید سے زیورات طلب کرتے ہیں تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ زیورات کس کے

حقوق میں داخل ہیں آیا لڑکی کی ملکیت میں یا زید مالک ومختار ہے۔ لڑکی بحکم شرع زیورات کی مستحق ہے یا
نہیں بیوا تو جروا۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

زید نے بوقت شادی جس قدر زیورات اپنی بیوی کو بہ نیت تملیک چڑھایا اور اس نے صراحت یہ کہا
کہ میں نے اس زیور کا اپنی بیوی کو مالک بنا دیا تو اس پر اس کے واپس لینے کو معیوب جانتے ہیں اور یہ
کہتے ہیں کہ دیکر پھیر لیا۔ یا صرف دکھا نیکو دیا تھا اب چھین لیا۔ جب بھی اس زیور کی وہ عورت ہی مالک
ہوگی۔ ہاں اگر زید نے چڑھاتے وقت صراحت یہ کہا تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو یہ زیور صرف پہنے کیلئے ہی
چڑھایا جاتا ہے اور وہاں کے عوام اس زیور کو چڑھانے والے ہی کی ملک جانتے ہیں اور دولہن کے پاس اس
کو بطور عاریت سمجھتے ہیں اور واپس لینے کو معیوب نہیں جانتے۔ یعنی نصایا عرفا کسی طرح معنی تملیک کے
ہیں پائے جاتے تو عورت کا اس زیور میں کچھ حق نہیں بلا شک اس زیور کا مالک زید ہے واللہ تعالیٰ اعلم
بالصواب۔

کتبہ: المقتضی بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہجل

مسئلہ (۶۳۸)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
محمد ایوب مرحوم جس وقت کہ زندہ تھا اور جب بیمار تھا اس وقت اس کی بیوی نے دین مہر معاف
کر دیا اور جس وقت مرحوم ایوب انتقال کر گیا اور جب جنازہ پڑھانے کا وقت آیا تو تمام لوگوں کے سامنے
امام صاحب نے بھی عورت سے مہر معاف کرایا جس کے خصوصی گواہ یہ لوگ ہیں۔ محمد یسین، شکر اللہ، دھنو
میاں، محمد حبیب، امین میاں، محمود میاں، جب چند روز گزر گئے تو ایوب کے سسرال والے ایوب کی زوجہ کو
رخصت کرا کر لے گئے اور ایوب کی والدہ وغیرہ نے بہت اطمینان سے باعزت طریقہ پر زیورات وغیرہ
کے ساتھ رخصت کرا دیا۔ ایوب کے خسر نے یہاں اطمینان دلایا کہ اگر ایوب کی بیوہ بیوی کا کسی دوسری
جگہ عقد ہوگا تو تمام زیورات ایوب کے وارثین کو واپس دیدول گا۔ مگر اب جبکہ عورت گھر میں عورت کو
اپنے گھر لانے کے لئے گئے تو ایوب کے خسر نے انکار کر دیا اور جانے سے روک لیا۔ ایوب کے وارثین

اپنے زیورات کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ عورت مہر کا دعویٰ کرتی ہے اور معافی سے انکار کر رہی ہے، ایسی صورت میں زیورات کا حق دار کون شخص شریعت کے نزدیک ہوگا اور عورت کو مہر لینے کا حق پہنچتا ہے کہ نہیں۔ براہ کرم مدلل بحوالہ کتب فقہ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر اس دہن کو محمد ایوب نے وہ زیور یہ کہہ کر دیا تھا کہ تمہیں اس کا مالک کر دیا گیا ہے اور اس عورت کا اس زیور پر قبضہ بھی ہو گیا تھا تو شرعاً اس زیور کی مالک و حق دار یہ عورت ہے اور اگر اس عورت کو عاریہ کر دیا گیا تھا یعنی اس سے کہہ کر دیا گیا تھا کہ تجھے یہ زیور صرف پہننے کے لئے دے رہا ہے، تو شرعاً اس زیور کے مالک و حق دار اب ورثہ محمد ایوب ہیں۔ اور اگر اس زیور کے دینے اور چھڑاوتے وقت کچھ بھی نہیں کہا گیا تھا پھر اس زیور کا حکم وہاں عرف و رواج کیا اعتبار سے ہے، تو اگر وہاں کے عرف میں اس زیور کو عورت کی تسلیم سمجھتے ہیں تو اس زیور کی مالک و حق دار یہ عورت ہے اور اگر وہاں کے رواج میں اس زیور کا شوہر کو مالک مانا جاتا ہے تو شرعاً اب اس زیور کے مالک و حق دار ورثہ محمد ایوب ہیں۔ فقہا کرام کا یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ المعروف كالمشروط وان المعهود عرفا كالمشروط نصاً۔

جب یہ واقعہ ہے کہ وہ عورت اپنے مہر معاف کر چکی ہے اور اس کے معاف کرنے کے شرعی گواہ بھی موجود ہیں تو وہ مہر معاف ہو گیا اب اس عورت کو اپنے مہر کے مطالبہ کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ خدا کے خوف سے ڈرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: اعمتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۳۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی شادی کی پہلی شب میں بیوی کا حکم ہوا کہ الگ رہیں، جب تک دین مہر نقد ادا نہ کریں، زید نے کافی سمجھایا پر کچھ نہ مانا، اس ضد پر زید روپے کی جستجو میں باہر نکل گیا، اور جب روپے دین مہر کا لیکر آتا ہے تو بیوی انتقال کر جاتی ہے۔ بتلائیں کہ یہ دین مہر اس پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید پر اسکی بیوی کا پورا مہر واجب ہو گیا، کہ موت احد الزوجین سے بھی مہر موکد ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ والمہر یتأكد باحد معان ثلاثة۔ الدخول، والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجین۔ اب زید اس میں سے بطریق ارث نصف کا حقدار ہے اور نصف باقی مورث کے ورثہ حق دار ہیں۔ پھر اگر یہ ورثہ اپنا حق معاف کر دیں، تو معاف ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،
کتبہ: اعمتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ (۶۵۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
اگر زید نقد دینے سے مجبور ہے تو بیوی کی ضد پر نکاح کا کیا درجہ رہا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

بیوی کو مقدار مہر مہر مہر کے وصول ہونے سے پہلے، پہلے شرعاً شوہر کو طلی اور اس کے مقدمات سے انکار کا حق حاصل ہے۔ اور اس انکار سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ: اعمتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل



﴿۵۳﴾

باب الجہاز

(۶۵۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عرصہ چھ سال کا ہوا کہ میری لڑکی کی شادی کسی افتخار الدین سے ہوئی تھی۔ ۳ اگست ۱۹۲۶ء کو میری لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز وتکفین فاتحہ وغیرہ بھی میں نے ہی کیا لہذا عرض ہے کہ میرا اپنی لڑکی کو مثل از قسم زیور و سامان جہیز وغیرہ کے دیا تھا اور ایک مکان قیمتی مبلغ تین سو روپیہ شوہر نے مہر تعین رجسٹری کردے مہر میں محسوب کر دیا تھا۔ لہذا مکان جو کے مہر میں ہے اور وہ کل زیور اور سامان جو میں نے دیا تھا اور جو زیور شوہر نے چڑھایا تھا اب شوہر ہی قابض ہے لہذا عرض ہے کہ اس کل سامان میں سے مجھے کچھ حصہ از روئے شرع شریف مل سکتا ہے یا نہیں جس طرح جس کو ملتا ہو مفصل جواب سے مطلع فرمائیے گا۔

السائل حکیم صفی قد عبد الحمید

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

آپ نے زیور و دیگر سامان جہیز جو خاص اپنی لڑکی کو دیا تھا وہ اس کی ملک ہے۔

ور مختار میں ہے: جہیز ابنتہ بجہاز وسلمہا ذلک لیس لہ الاسترداد منها ولا لورثتہ

بعده ان سلمہا ذلک فی صحنہ بل تختص بہ ویفتی۔ (رد المختار ج ۲ ص ۳۷۵)

علامہ شامی فرماتے ہیں: کل احد یعلم ان الجہاز ملک المرأة لاحق لاحد فیہ۔

اور جب مکان بعض معین مہر دیا وہ بھی خاص ملک عورت کا ہے۔

البتہ جو زیور شوہر نے چڑھایا تھا وہ اکثر ہمارے عرف کی رو سے ملک شوہر ہے اور اگر شوہر نے وہ

زیور دیتے وقت یا اس کے بعد میں یہ کہا کہ میں نے تجھے اس کا مالک کر دیا یا تجھ کو یہ زیور ہبہ کر دیا یا آپ

کے رواج میں شوہر کی جانب سے جو زیور دیا جاتا ہے وہ بطور تملیک ہوتا ہے تو ان صورتوں میں اس زیور کی

بھی عورت ہی مالک ہوگی۔

خلاصہ حکم یہ ہے کہ وہ جہیز اور زیور جو آپ نے اس کو دیا اور وہ مکان جو دین مہر میں محسوب ہوا اور

شوہر کا دیا ہوا زیور اخیر کی ان تینوں صورتوں میں یہ سب چیزیں آپ کی لڑکی کی ملک ہیں ان کل چیزوں پر افتخار الدین کو قبضہ کر نیکاً شرعاً کوئی حق حاصل نہیں اور جب آپ کی لڑکی کا انتقال ہو گیا تو اس کی یہ تمام مملوکہ چیزیں ورثہ پر بطور ارث تقسیم ہوں گی۔

رد المختار میں ہے: کل احد یعلم ان الجہاز ملک المرأة وانه اذا طلقها تاخذ کله واذا

ماتت یورث عنها ولا تختص بشئی منه۔

لہذا اگر متوفیہ اور اس کے وارث صرف آپ اور افتخار الدین ہی ہیں تو۔

بعد نقدیم ما یجب کذا، ارث و شرط خلواز موانع ارث جو کچھ متوفی کا متروکہ مال ہے اس کا نصف

افتخار الدین کو ملتا ہے اور باقی آپ کو ملتا ہے تو نصف کے شرعاً و قانوناً آپ حقدار ہیں افتخار الدین سے آپ

وصول کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فیصلہ تجویز حکم و بیج صاحبان

مورخہ ۲۲ شوال المکرم مطابق ۵ جون ۱۹۵۳ء

بمعاملہ مسماہ زبیدہ دختر سید عثمان غنی ساکن محلہ گلزار مکرانہ راجستھان و سید غلام نبی ولد سید گھوجی

ساکن محلہ گلزار پورہ مکرانہ راجستھان مقدمہ مندرجہ صدر میں فریقین نے خادمان قوم کو شرعی طریق پر حکم

مقرر کر کے پنچائت کے شرعی فیصلے کی قبولیت اور تعمیل کی منظوری دی۔ یہ فریقین کی شرافت اور خداترسی کی

دلیل ہے کہ انہوں نے دنیاوی فیصلے پر مذہبی فیصلے کو ترجیح دیکر ذریعہ پنچائت شرعی فیصلے کی اتباع کا حکم

مقرر کرنے کے بعد مسماہ زبیدہ نے اپنے پدر سید عثمان غنی کو اپنا مختار اور سید گھیسو جی کو اپنا مختار شرعی

قاعدے کے موافق کیا۔

واقعات یہ ہیں

مختار مسماہ زبیدہ نے بتاریخ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۷۲ھ مطابق ۳ جولائی سنہ ۱۹۵۳ء بیان دعویٰ قلم بند

رایا خلاصہ یہ ہے کہ مختار مذکور نے دختر خود کو کسی غلام نبی کی منکوحہ زوجہ ظاہر کر کے مفصلہ ذیل نمبر وار

استدعا پیش کی کہ میری مملوکہ کا زیور نقرئی و پارچہ پوشیدنی جو کہ مسماہ زبیدہ کو جہیز میں دیا گیا ہے اور جو کہ

وقت شادی مسماہ زبیدہ کے چڑھاوے میں چڑھایا گیا ہے بقبضہ غلام نبی ہے۔ لہذا غلام نبی سے دلایا

جائے کیوں کہ اس زیور اور کپڑے کی مسماہ زبیدہ مالکہ ہے تفصیل زیور جہیزی یہ تحریر کرائی۔ کپڑے نقرئی

پاؤں کے ایک جوڑے ۲۵۱ روپے بھر زنجیر نفرتی گلے کی قمیص ۱۵۱ روپے بھر چوڑیاں نفرتی دس چار عدد
قمیص ۸۱ روپے بھر انگوٹھیاں نفرتی ۵ عدد ۳ عدد چھلے نفرتی پیروں کے ۲ عدد ۸ روپے بھر تیس روپیہ سکے
کلدار۔ زیور چڑھاوے کی تفصیل کی کپڑے نفرتی ۲ عدد دوزی ۱۲ روپیہ بھر ہر قمیص نفرتی ۲ عدد ۸ روپے بھر
آئل نفرتی پاؤں کی ایک جوڑے ۲۲ روپیہ بھر دوپٹے پختہ یعنی گونے دار ایک قیمتی تیس روپیہ اس کے بعد ظاہر کہا
کہ دخترم کے شوہر نے چند ماہ گزرے کہ عقد ثانی کر لیا ہے وقت عقد ثانی دوسری زوجہ کے حق میں زیور
طلائی پانچ تولہ زیور نفرتی ایک سو بیالیس روپیہ بھر چڑھایا ہے لہذا اسی قدر زیور طلائی و نفرتی دخترم کو دیکر مالک
بنادے۔ دخترم تقریباً پونے تین سال سے بسلسلہ علاج میرے مکان پر ہے اور اب تک بیمار اور کمزور
ہے لہذا جب یہ اپنے خاوند کی پردگی میں جاوے تو شوہر اور خوشدامن و خسر نفرت کی نظر سے نہ دیکھیں اور
انصاف سے کام لیں اور کسی قسم کی تکلیف و ضرر جسمانی نہ پہنچائیں پردگی میں جانے کے بعد غلام نبی اور
کھیسو جی اپنی حیثیت کے مطابق اس کے علاج اور پرہیزی کھانے اور پینے کے انتظام کریں اور ایسے
کاموں سے بچایا جائے جس سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحبان نے اس کے پیچھے پڑے اور
گردے وغیرہ کو کمزور بتایا ہے گرمی کو اور پسینے کو اور دھوئیں کو نقصان دہ بتلایا ہے غلام نبی کے دوسرے نکاح
کر لینے کے بعد کھیسو جی مجھے دو خطر روانہ کئے کہ غلام نبی کا دوسرا نکاح مسماۃ زبیدہ کو آرام دینے کی غرض
سے کیا گیا ہے لہذا میری دختر کی خواہش ہے کہ میرے پردگی کے قبل میرے شوہر دوسری بیوی کو مکان پر
لے آئیں تاکہ ہم دونوں اتفاق اور محبت کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہیں۔ اور یہ بھی استدعا ہے کہ
قاعدے کے مطابق اپنے سسرال سے والدین اور دیگر اعزاء کے مکان پر آتی جاتی رہے اسی طرح والدین
اعزاء میرے مکان پر ملتے رہیں بحالت صحت یا مرض میں کبھی میری موکلہ کو دھوکہ نہ دیا جاوے اور عزت
کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔ کیونکہ اس کا بیمار ہو جانا حکم الہی سے ہے میری موکلہ کے علاج میں اس
کے والد صاحب یعنی میرا دادا صاحب اور ماموں صاحب اور پھوپھا صاحب کا تقریباً چار ہزار روپیہ
صرف ہوا ہے اگر اس کے خسر یا شوہر کی استطاعت طاقت ہو تو کل رقم مذکورہ یا اس میں سے کچھ جزا داکر
کے نیک نام ہوں اور اسے بھی سرخرو کریں۔ حکم صاحبان جو فیصلہ دیں اس کو غلام نبی شوہر دخترم اسٹامپ
پر لکھوا کر بعد تکمیل سرکاری عدالت میں رجسٹرڈ کرادیں۔۔۔۔۔ بعد تکمیل دعویٰ کھیسو جی مختار مدعی علیہ
سوالات کرنے کی اجازت دی گئی تو جواب دیا کہ مجھے مہلت دی جائے کل سوالات کروں گا چنانچہ مہلت
دی گئی۔ بتاریخ ۴ جولائی ۱۹۵۳ء کھیسو جی نے بیان مختار مسماۃ زبیدہ کی نقل عطا کرنے کی ذریعہ

درخواست خواہش کی لہذا حسب قاعدہ ان کی نقل بیان دیدی گئی ۴ جولائی ۱۹۵۳ء کو کھیسو جی نے سوالات
کرنے سے انکار کر دیا بعد مختار مدعی علیہ کا بیان لیا گیا۔ جواب دعویٰ کا ماحصل ہے کہ مسماۃ زبیدہ کو پسر
خود غلام کا زوجہ تسلیم کر کے کل زیور جہیزی و چڑھاوا اور دوپٹے چڑھاوا کے قبضہ کا اقرار کیا اور بیان کیا کہ
جس قدر تفصیل بیان دعویٰ میں ہیں وہ صحیح ہے اور اس کی مالک مسماۃ زبیدہ ہے۔ میرے موکل کو دینے
میں کوئی عذر نہیں اور تیس روپیہ کی مالک بھی مسماۃ زبیدہ ہے اس کے دینے میں کوئی عذر نہیں حسب بیان
مختار مدعیہ میں نے غلام نبی کی زوجہ ثانی کو چڑھاوے میں چڑھایا ہے اس وقت مالی کمزوری کی وجہ سے
اتنا زیور بنوا کر مسماۃ زبیدہ کو نہیں دیا جاسکتا البتہ آئندہ مالی حالت درست ہونے پر ضرور بنوا کر دیا جاوے گا۔
اس غلطی کو مظہر اور غلام نبی تسلیم کرتے ہیں کہ غلام نبی کا دوسرا عقد کیا اور زوجہ اول اور اس کے والدین کو
سخت صدمہ پہونچا اللہ کے واسطے معافی چاہتے ہیں مختار مدعیہ نے مسماۃ زبیدہ کی بیماری اور کمزوری اور
علاج وغیرہ کے متعلق جو اظہار کیا ہے وہ سب صحیح ہے بے شک مسماۃ زبیدہ بیماری کی وجہ سے کمزور ہے ہم
اپنے حیثیت کے مطابق علاج کرائیں گے اور پرہیزی کھانا بھی دیں گے۔ اور وہ کام ہرگز نہ لیگئے جن سے
بیماری اور کمزوری بڑھنے کا خطرہ ہے، فی الحال غلام نبی کی زوجہ ثانی کو لانے کی شرط ناقابل منظور ہے،
اس لئے کہ کچھ رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں، مسماۃ زبیدہ کو اس کے والدین کے گھر آنے جانے سے اور ان
عزیزوں کے ملنے سے نہیں روکا جائیگا جن سے شریعت نے اجازت دی ہے، مسماۃ زبیدہ کو اختیار ہے کہ
وہ جا کر ملے یا یہاں بلا کر ملے، صحت یا مرض کی حالت میں زبیدہ سے کوئی دھوکہ کی بات نہیں کی جائیگی،
میرے پسر میں یا مجھ میں اس قدر استطاعت نہیں کہ چار ہزار روپیہ یا اس سے کم علاج کرانے والے
صاحبان کو دے سکوں، بیچ صاحبان کے فیصلے کی نسبت مسماۃ زبیدہ جس قسم کا اطمینان چاہے کر لے یا
سرکاری عدالت میں رجسٹرڈ کرالے اور صرف رجسٹری کو ہم ادا کریں گے۔ مکان واقع محلہ نیاران مکرانہ
غلام نبی کی زوجہ ثانی کے حق میں کر دیا گیا ہے، اس مکان کے بیچ نامہ میں میرا اور غلام نبی کا نام ہے، ہم
دونوں کے نام سے خریدا گیا ہے، مکان مذکورہ میں سے نصف حصہ غلام نبی کا ہے۔ لہذا غلام نبی کے حصہ
میں سے آدھا دینے کو تیار ہیں، مکان مذکورہ ساڑھے تیرہ سو روپیہ میں خریدا گیا ہے۔ لہذا اصل قیمت میں
سے ۴/۱ وقت فیصلہ مسماۃ زبیدہ کو بصورت نقد ادا کیا جائیگا، جب تک مسماۃ زبیدہ بیمار یا کمزور رہے گی ہم
اس کا کھانا اور دوا وغیرہ تیار کر کے دیں گے، خادمہ رکھنے کی طاقت نہیں۔ مختار مسماۃ زبیدہ نے بعد قلمبندی
بیان مختار غلام نبی جواب دعویٰ کی صحت تسلیم کی اور کل قیمت مکان واقع مکرانہ خریدا کر وہ غلام نبی اور

گھیسو جی میں سے ۴۱ نقد لینا منظور کیا۔ کاروائی قلم بندی بیانات شروع کرنے سے ایک دن پیشتر فریقین نے ہوا بچہ صاحبان نزاع کے واقعات و حالات زبانی پیش کئے۔ چونکہ یہ واقعات نفس معاملہ سے غیر متعلق تھے اس لئے ان کو ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا اور نہ فیصلہ ہذا ظاہر کرنے کی ضرورت۔ واقعات معاملہ میں غور کرنے کے بعد یہ واضح ہوا کہ مسماۃ زبیدہ اور اس کے شوہر میں کوئی نزاع یا رنجش نہیں ہے بلکہ مسماۃ زبیدہ بیمار ہو جانے کی وجہ سے اور غلام نبی و گھیسو جی کی خاص توجہ نہ کرنے سے آپس میں کشیدگی ہو گئی اور والدین مسماۃ زبیدہ اور والدین غلام نبی میں غلط فہمی مخالفت بڑھتی رہی، یہ بھی حقیقت ہے کہ گھیسو جی نے اپنے پسر کا عقد ثانی کر کے مسماۃ زبیدہ اور والدین کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ اگرچہ شریعت پاک نے ہر مرد مسلم کو چار تک بیویاں کرنے کی اجازت دی ہے لیکن شرافت اور اخلاق کا یہ اقتضا نہیں کہ بیوی کی بیماری میں دوسرا عقد کیا جائے اور صدمہ پہ صدمہ دیا جائے۔ شرعی روایت ”المراء یوحد باقرارہ“ یعنی آدمی اس کے اقرار کے موافق پکڑا جاتا ہے گھیسو جی مختار غلام نبی نے جس قدر اشیاء مدعو یہ کا اقرار کر لیا ہے اس کی ذمہ داری غلام نبی پر عائد ہوگی اور مسماۃ زبیدہ مقولہ اشیاء و حقوق کی مستحق ہوگی، یہ مسئلہ ہے کہ شوہر کی استدعا کے مطابق زوجہ کو شوہر کی سپردگی میں جانے سے انکار نہیں ہے۔ اور غلام نبی کو اپنی سپردگی میں لینے کا اقرار ہے۔ لہذا حکم ہوا کہ غلام کل زیور و پارچہ اور روپیہ متدعیہ بقبضہ مسماۃ زبیدہ کو دے۔ اسی طرح ساڑھے تیرہ سو روپے قیمت مکان میں سے لے یعنی تین سو ساڑھے سینتیس روپیہ مسماۃ زبیدہ کو ادا کرے اور مسماۃ زبیدہ کے علاج و طعام کا اپنی حیثیت کے مطابق حسب اقرار کافی اور معقول انتظام کرے اور ہمیشہ دلجوئی کرتا رہے اور طاقت سے زیادہ ہرگز بار نہ ڈالے اور مشکل سابق مسماۃ زبیدہ کو اس کے والدین اور دوسرے عزیزوں کے مکان پر جانے کی اجازت اور والدین مسماۃ زبیدہ اور دیگر عزیزوں کو اپنے مکان پر آنے کی اجازت دیتا رہے اور کبھی مانع مزاحم نہ ہو و وجہ ثانی کو مسماۃ زبیدہ کی سپردگی میں جانے سے پہلے لانے کی شرط کو مسترد و خارج کیا جاتا ہے اس لئے کہ یہ شرعی مطالبہ نہیں ہے اسی طرح ادائیگی صرف علاج تعدادی چار ہزار روپیہ یا اس سے کم کو ادا کرنے کا بار غلام نبی یا اس کے پدر پر نہیں ڈالا جاسکتا، اس لئے کہ مختار مدعا علیہ نے استطاعت نہ ہونے کا اظہار کیا اور مختار مدعا علیہا نے استطاعت پر موقوف رکھا تھا۔ پانچ تولہ زیور طلائی اور ایک سو بیالیس روپیہ بھرزور نفرتی مسماۃ زبیدہ کو دینے کے متعلق غلام نبی یا گھیسو جی کو حکم نہیں دیا جاسکتا البتہ غلام نبی کو چاہئے استطاعت ہونے پر، مساوات اور انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی قدر مقدار کا زیور طلائی و نفرتی بنوا کر مسماۃ

زبیدہ کی ملکیت میں دے یہ حکم جبری نہیں ہے پس مسماۃ زبیدہ اپنے شوہر غلام نبی کے سپردگی میں جائے اور کسی قسم کا عذر پیش نہ کرے غلام نبی کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خود اپنے والدین کو مسماۃ زبیدہ کے مکان پر لکر عزت اور آبرو کے ساتھ اپنے خسر اور خوشدامن سے معافی چاہ کر اپنی بیوی کو اپنے مکان پر لائے اور معافی چاہئے کو عار نہ سمجھے کیونکہ اس کے خسر اور خوشدامن بمنزلہ والدین ہیں مسماۃ زبیدہ کے والدین کا فرض ہے کہ غلام نبی کو اپنی اولاد سمجھ کر معافی دیں اور مسما زبیدہ کو خوشی کے ساتھ رخصت کریں اگر مسماۃ زبیدہ اس فیصلہ کی رجسٹری چاہے گی تو بلا چون و چرا جس قدر صرفہ جسٹری میں ہو گا وہ غلام نبی ادا کریگا چونکہ اس صرفہ کی ادائیگی کا اقرار غلام نبی نے کر لیا ہے لہذا اس کا صرفہ اس کے ذمہ لازم ہے فقط عبدالحفیظ غفرلہ۔ معین الدین امام مسجد، عباس علی، مستری جلال الدین، حاجی رحیم بخش، اسحاق جی، شمس الدین،

(نوٹ) یہ فیصلہ آج بتاریخ ۵ جولائی ۱۹۵۳ء فریقین کو سنا دیا گیا ہے لہذا فریقین کے دستخط اطلاع یابی کے لئے جاوید فقط دستخط گھیسو جی، غلام نبی، عثمان غنی اس فیصلہ کی فریقین نے تعمیل ۶ جولائی ۱۹۵۳ء گھیسو جی نے ڈگری شدہ کل زیور اور دوپٹہ اور نقد رقم عثمان غنی کے قبضہ میں دیدیں اور سید عثمان غنی نے رسید تحریر کر کے گھیسو جی کے سپرد کردی اور بتاریخ ۷ جولائی ۱۹۵۳ء مسماۃ زبیدہ اپنے شوہر غلام نبی کے مکان پر چلی گئی فقط ۶ جولائی ۱۹۵۳ء عبدالحفیظ غفرلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

مسئلہ کہ مسکنی غلام نبی کا نکاح مسماۃ زبیدہ سے ہوا۔ غلام نبی کی سپردگی میں آنے کے بعد تین چار ماہ بعد مسماۃ زبیدہ کو بخار آنے لگا جس کا علاج کرانے غلام نبی نے مقامی وید حکیم اور ڈاکٹروں سے کروایا پھر ایک ماہ بعد میں پھر بخار آنے لگا اور جو دھپور لے گئے ایک ماہ وہاں علاج کرانے سے تندرست ہو گئی ایک ماہ بعد پھر بخار نے آگھیرا زبیدہ والد غلام نبی کی بغیر اجازت اپنے مکان میں لے گئی اس عرصہ میں زبیدہ کے والد پاکستان سے آگئے اور وہیں علاج کراتے رہے غلام نبی اور اس کے والدین زبیدہ کے والدین کے گھر بیمار پرسی کے جاتے تو زبیدہ کے والدین بے رخی اور حقارت آمیز گفتگو کرتے جن سے غلام نبی اور اس کے والدین کو دلی صدمہ ہوتا۔ زبیدہ کے والدین پاکستان جانے لگے تو زبیدہ کو اس کے ماموں کے یہاں پہونچا گئے زبیدہ کی والدہ دادا بھائی وغیرہ یہاں موجود ہیں کچھ مہینہ بعد زبیدہ کی والدہ سے کہا گیا کہ زبیدہ کو ہمارے یہاں بھیج دو جو پایا کہا گیا کہ زبیدہ کے علاج میں ہمارا خرچہ چھ ہزار روپیہ ہوا ہے زبیدہ دو سال اپنے ماموں کے گھر رہے گی دو تین سال ہمارے گھر پر رہے گی پھر کوئی دیکھا جائے گا

زبیدہ کے والد کو اس کو بھیجوانے کی بابت غلام نبی نے بھی کہا اور زبیدہ کے والد کے دوست سے بھی پاکستان لکھوایا ان کا بھی جواب آیا۔ اسی طرح کے جواب آتے رہے تو مجبوراً غلام نبی نے دوسری شادی کر ڈالی۔ کیونکہ اس کو والدہ کی بیٹائی بہت کم ہو چکی تھی کھانا پکانے کی اور گھر کا کام کرنے والا کوئی نہ تھا زبیدہ کے والدین جب پاکستان سے دوبارہ آئے تو غلام نبی نے اور اس کے والد قصبہ کے معزز لوگوں کو فیصلہ کے لئے بیچ میں ڈالا جو فیصلہ ہوا اس کی نقل ارسال خدمت ہے۔ آیا یہ فیصلہ شرعی فیصلہ ہے یا نہیں۔ فیصلہ کے وقت زبیدہ ایک ہفتہ غلام نبی کے گھر رہی پھر اس کے والد زبیدہ کو اس کے ماموں کے گھر لے گئے جس کو آج عرصہ سوا دو سال ہو گیا درمیان میں زبیدہ کے ماموں کے یہاں زبیدہ کو لینے بھی گئے۔ اور جو کچھ غلام نبی نے زیور چڑھایا اور جو کچھ زبیدہ کے والد نے شادی کی رخصتی پر دیا تھا وہ سب کا سب زبیدہ کے پاس اس فیصلہ کے مطابق ہے اور جس قدر غلام نبی پر بار ڈالا گیا ہے۔ وہ غلام نبی نے برداشت کیا اب دریافت یہ ہے کہ یہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو یا نہیں جس پر زبیدہ کی طرف سے عمل نہیں کیا گیا۔ استدعا ہے کہ برائے مہربانی فیصلہ کی بابت اور اس سوال کا جواب تحریر فرمائیں آیا یہ زیور نقد روپیہ زبیدہ کی ملکیت ہے یا نہیں اور جس قدر غلام نبی پر بار ڈالا گیا ہے وہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔ جواب تفصیل وار برائے کرم جلد از جلد عنایت فرمائیں فقط۔

نوٹ:- برائے مہربانی جو فیصلہ خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اس کو بغور دیکھیں اس میں شرعی ایمان کا سوال درپیش ہے فقط
سید محمد بخش غلام نبی بساطی صدر بازار کمرانہ (راجستھان)

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جو زیور و سامان جہیز زبیدہ کو اس کے میکے سے بوقت شادی دیا گیا ہے وہ تمام اس زبیدہ ہی کی ملکیت ہے۔ رد المحتار میں ہے "وکل احدی علم ان الجھاز للمرأة اذا طلقها تاخذ كله واذامات بورت عنها" (از شامی جلد ۲ صفحہ ۳۳) تو اس زیور و سامان جہیز کا غلام نبی سے زبیدہ کو دیدینے کا حکم صحیح اور موافق شرع ہے۔ اور زبیدہ کو بوقت شادی غلام نبی کی طرف سے جس قدر زیور چڑھایا گیا تھا تو اگر زبیدہ کو اس زیور کا مالک بنا دیا گیا تھا یا یہ زیور اس کو ہبہ کر دیا تھا۔ یا ان کے خاندان و قوم کے عرف و رواج میں شوہر کے چڑھائے زیور کی مالک بیوی ہی قرار دی جاتی ہے تو ان ہر صورتوں میں یہ زیور زبیدہ کی ملکیت ٹھہرایا جائیگا۔ اور ایسے زیور کے لئے غلام نبی کو زبیدہ کو دیدینے کا حکم صحیح اور

شریعت کے موافق ہے۔ اور اگر زبیدہ کو غلام نبی کی طرف سے چڑھائے ہوئے زیور کا مالک ہی بنایا گیا تھا نہ اس کو ہبہ ہی کیا گیا تھا نہ ان کے عرف و رواج میں بیوی اس زیور کی مالک ہی سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ وہ بیوی کو محض پہننے کے لئے عاریہ دیا جاتا ہے تو بلاشبہ اس زیور کا غلام نبی مالک ہے۔ پھر اگر واقعہ کی یہی صورت ہے تو فیصلہ میں زبیدہ کو اس زیور کا غلام نبی سے دلوانا کس قدر غلط ہے اور شریعت کے خلاف ہے۔ تو اس بنا پر یہ فیصلہ شرعی کب ہوا۔ بلکہ فیصلہ غیر شرعی ہوا۔

اب باقی رہا غلام نبی کو چوتھائی قیمت مکان یعنی تین سو ساڑھے سینتیس روپیہ دینے کا حکم دینا تو اگر یہ رقم دین مہر کے حساب میں دی گئی ہے جب تو زبیدہ کا شرعی حق ہے لیکن یہ فیصلہ میں اس امر کی تصریح ضروری تھی کہ یہ رقم زبیدہ کو من جملہ دین مہر کے دی جا رہی ہے۔ اور اگر یہ رقم زبیدہ کو حق رکھنے کے سلسلہ میں دی جا رہی ہے تو شرعاً بیوی کا شوہر پر جو حق ہے وہ محض سکونت ہے نہ کہ بیوی کو کسی مکان کا مالک کرے یا قیمت مکان دیدینا، لہذا جب غلام نبی پر مکان یا قیمت مکان کا زبیدہ کو مالک بنانا شرعاً ضروری نہیں تھا تو اس فیصلہ میں قیمت مکان کا زبیدہ کے لئے حکم دینا کب شریعت کے موافق ہوا۔ تو اس صورت کی بنا پر بھی یہ فیصلہ شرعی نہیں ہوا اور اگر یہ رقم زبیدہ کو محض اس لئے ہے کہ چونکہ زوجہ ثانی کو تو مکان دیا گیا ہے اور ہر دو کے حقوق میں مساوات ہو جانے کے لئے زبیدہ کو یہ قیمت کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اگر یہی حکم شرع ہے تو ۵۵ تولہ زیور طلائی اور ایک سو بیالیس روپیہ بھرز زیور نقرئی کا بھی زبیدہ کو حکم دینا حکم شرعی ہونا چاہئے لیکن اس کے لئے بیچ صاحبان نے یہ لکھ دیا کہ اس قدر زیور طلائی و نقرئی کا مسماۃ کو دینے کے متعلق غلام نبی یا لکھیں جو کو حکم نہیں دیا جاسکتا البتہ غلام نبی کو چاہئے کہ اسکی استطاعت ہونے پر مساوات اور انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی مقدار کا زیور طلائی و نقرئی بنوا کر مسماۃ زبیدہ کی ملکیت میں دے یہ حکم جبری نہیں ہے۔ تو جب ان بچوں نے زیور میں مساوات کے لئے حکم جبری نہیں دیا اور اس کو بعد استطاعت کے انصاف پر موقوف کر دیا۔ تو مکان میں مساوات کے متعلق بھی ایسا جبری حکم نہ دیتے اور اس کو بھی بعد استطاعت کے انصاف پر موقوف کر دیتے۔ تو قانوناً بچوں کے مساوات میں مختلف حکم کیوں ہیں۔ پھر ان احکام میں حکم شرعی کون سا ہے۔ علاوہ بریں یہ رقم چوتھائی مکان کی ہے اور زوجہ ثانیہ سے زبیدہ کی مساوات جب ہوتی کہ اس کو نصف مکان کی قیمت مبلغ چھ سو و پچھتر روپیہ دلوائے جاتے۔ جو حصہ غلام نبی تھا۔ تو جب نصف مکان کی قیمت اس کو نہیں ملی تو زوجہ سے مساوات نہ ہو سکی۔ تو چوتھائی مکان کی قیمت میں مساوات کا دعویٰ غلط و باطل ہے۔

بالجملہ جب اس فیصلہ میں اس قدر خامیاں ہیں تو اسکو کوئی شخص فیصلہ شرعی کس طرح کہہ سکتا ہے بلکہ اس میں جو حکم ہے وہ اس قدر مبہم ہے کہ اس میں مسئلہ کے خاص پہلو کی تعیین نہیں اور جب یہ تعیین نہیں تو اس پر حکم خاص کس طرح مرتب ہو۔ پھر جس میں ایسی خامی ہے تو پھر اسکو فیصلہ ہی کس بنا پر کہا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المصمم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہجھل

اللہ اعلم

﴿۵۴﴾

باب الکفو

(۶۵۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کچھ یمن جماعت ازمنہ قید سے یہ قاعدہ مقرر و جاری ہے کہ جماعت کا کوئی فرد اپنی یا اپنی اولاد کی شادی کسی دوسری قوم یا جماعت یعنی غیر قوموں میں نہ کرے بلکہ اپنی جماعت و برادری میں ہی کرے تاکہ کچھ میمنوں کے خون میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہونے پائے اور جماعت کے کسی فرد کے حسب و نسب میں اور جماعت و برادری کے نظام میں کوئی فرق نہ آسکے اب دریافت طلب یہ ہے کہ از روئے شرع شریف یہ قاعدہ کیسا ہے اور کیا شریعت مطہرہ جماعت کے اس قانون کو ناپسند و ممنوع فرماتی ہے واضح رائے عالی ہو کہ کئی صدیوں پیشتر جب کبھی میمنوں کے آباء و اجداد مشرف باسلام ہوئے تھے اس وقت سے اب تک مذکورہ بالا قانون قائم و نافذ ہے لیکن اب نئی روشنی کے دلدادہ چند انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کا یہ خیال چر رہا ہے کہ اس قاعدہ کی کوئی ضرورت نہیں اور ارکان جماعت پر ایسی پابندی نہیں ہونی چاہئے بلکہ جماعت کے ہر مرد و زن کو عام اجازت ہونی چاہئے کہ وہ اپنا بیٹا، اپنی بیٹی، یا بھائی، بہن کی شادی اپنی مرضی سے جہاں اس کا جی چاہے خواہ غیر کفو و غیر برادری میں مثلاً کوئی، کوئی، ملیاری، بنگالی وغیرہ وغیرہ قوموں میں کرے اس کو تحفظ نظام جماعت کی خاطر جماعت کی طرف سے کوئی روک ٹوک اور تادیب نہیں کرنی چاہئے کیا ان حضرات کا یہ خیال مصالح دینی و دنیوی کے پیش نظر از روئے شرع شریعت درست سمجھا جائیگا یا نہیں اور کیا اس طرح کفو کی اہمیت اور نظام جماعت و برادری کی ضرورت فنا نہیں ہو جائیگی؟ کیا شریعت مطہرہ کے حکم سے جماعت کا مذکورہ قدیم قانون نافذ العمل نہیں رکھا جاسکتا ہے؟ اگر رکھا جاسکتا ہے تو اس کو خواہ مخواہ ختم کر دینا کیا زیادتی نہیں ہوگی اس مسئلہ کا مفصل جواب قرآن و حدیث اور فقہ سے عطا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ بینوا تو جروا۔

استفتی نور محمد عبدالستار ٹیٹیل سمیٹی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

الحمد لله وكفى والصلوة على محمد المصطفى وعلى آله واصحابه عليه وعليهم التحية والثناء۔

جواب سے قبل ان چند امور کا سمجھنا ضروری ہے تاکہ مسئلہ کفایت اور حقیقی شرافت و ذلت کا آسان ہو جائے۔

امراول۔ شرافت کسی قوم پر منحصر نہیں حقیقی شرافت کا حسن عمل اور تقویٰ اور پرہیزگاری ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ یعنی تم میں زیادہ مرتبہ والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔

آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی شریف وہ شخص ہے جو متقی پرہیزگار ہو جائے چاہے وہ عرف کے اعتبار سے ذلیل قوم ہی کا کیوں نہ ہو اور ذلت کا سبب فسق و فجور ہے تو وہ تو میں جو عرف میں شریف مشہور ہیں لیکن ان میں فاسق و فاجر بھی ہیں تو وہ فاسق و فاجر حقیقی ذلیل ہے، اسی طرح علم شرافت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون۔

یعنی فرما دیجئے کیا وہ جو علم رکھتے ہیں بے علموں کے برابر ہیں۔

آیت کریمہ سے ظاہر ہو گیا کہ عالم کو بھی حقیقی شرافت حاصل ہے اب چاہے وہ کسی قوم کا ہو کہ شرف علمی نسبی شرافت سے زیادہ ہے تو عالم ہر عرفی شریف کا کفو ہے اسی لئے سادات کرام علوی۔ قرشی۔ تاجر۔ مالدار ہر شریف کے ساتھ عالم کا نکاح صحیح ہے۔

ردالمحتار میں مجمع الفتاویٰ سے ناقل ہیں:

العالم يكون كفوا للعلوية لان شرف الحسب اقوى من شرف النسب۔

اسی میں فتاویٰ قاضی خاں سے منقول ہے:

قالوا الحسب يكون كفوا للنسب فالعالم العممی يكون كفوا للجاهل العربی والعلوية لان شرف العلم فوق شرف النسب۔ اسی میں بزازی سے منقول ہے۔ العالم الفقیر يكون كفوا للغنی الجاهل والوجه فيه ظاهر لان شرف العلم فوق شرف النسب فشرف

العمال اولی۔ (ردالمحتار مصری ص ۳۳ ج ۲)

تو علم اور تقویٰ حقیقی شرافت کے سبب ہیں اور ان کا کسی قوم پر انحصار نہیں، اب کسی مسلمان کو نہ محض اپنی قومیت پر فخر کرنا جائز نہ دوسرے کی قوم پر طعن کرنا روا، نہ کم نسی کی بنا پر کسی مسلمان کو حقیر کہہ کر اس کا دل دکھانا درست۔ حدیث شریف میں ہے۔ من اذى مسلما فقد اذانى ومن اذانى فقد اذى الله۔ یعنی جس نے کسی مسلمان کو اذیت پہنچائی تو اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔

حتیٰ کہ اگر بھنگی مسلمان ہو گیا تو اسے بھی نظر حقارت سے دیکھنا حرام ہے کہ وہ اب ہمارا دینی بھائی ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: انما المومنون اخوة۔ یعنی مسلمان آپس میں بھائی ہیں، الحاصل شریعت میں حقیقی شریف عالم اور متقی پرہیزگار ہے اور حقیقی ذلیل فاسق فاجر ہے، اب یہ چاہے کسی قوم کے ہوں تو نہ شرافت کا کسی قوم پر انحصار نہ ذلت کا کسی قوم پر مدار۔

امردوم۔ اہل عرف نے بعض قوموں کو شریف اور عالی نسب قرار دیا ہے اور بعض قوموں کو ذلیل اور کم رتبہ ٹھرایا ہے، اسی طرح بعض پیشوں کو باعزت سمجھ رکھا ہے اور بعض کو ذلیل بنا لیا ہے تو اس حد بندی نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے جو ایک دوسرے کے لئے باعث تنگ و عار بن گئی ہے تو شرعاً بھی کفایت کا مدار اس عرف پر ہی رکھا گیا اسلئے کہ اگر شریعت عرف کو کفایت کا موقوف علیہ نہ بنائے تو اس کا مسلمانوں کے تمدن و معاشرت اور اخلاق پر ناخوش گوار اثر پڑتا ہے، مثلاً بیوی ان میں سے ہو جو عرف میں شریف اقوام کہلائی جاتی ہیں تو اس میں باعتبار اخلاق و تہذیب اور طرز معاشرت کے ضرور شریفانہ اثرات ہونگے اور شوہر ان اقوام سے ہے جنہیں عرف نے ذلیل قرار دیدیا ہے اور اس میں علم و تہذیب اور اچھی صحبت کے اثرات بھی نہیں ہیں تو اب ایسی بات تہذیب بیوی کی نظر میں اس شوہر کا کیا وقار ہوگا اور وہ شوہر اپنی ناواقفیت سے بیوی کے حقوق کا کب احترام کرے گا اور اس کی شائستگی کی حرکات کا اخلاقی جواب دیکر اس کا دل کیا خوش کر سکے گا، تو اس صورت میں ان کے تعلقات میں ناخوشگوار یوں کا ہونا لازمی ہے اور آپس میں جو زن و شوہر میں گہرے روابط ہونے چاہئیں وہ ان میں کیوں کر باقی رہ سکتے ہیں لہذا نکاح کا جو مقصد اتحاد و وداد اور ہمدردی و محبت تھی وہ فوت ہو گیا اسلئے شریعت نے مسئلہ کفایت کا عرف پر مدار رکھا ہے،

خود احادیث میں وارو ہے۔ الناس معادن الذهب والفضة والعرق دساس

وادب السوء كعرق السوء - رواه البيهقي في شعب الایمان والخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے سونے چاندی کی مختلف کانیں ہوتی ہیں یوں ہی آدمیوں کی ہیں اور رگ خفیہ اپنا کام کرتی ہے اور برا ادب بری رگ کی طرح ہے۔

نیز حدیث میں ہے: تسخروا لنطفکم فانکحوا الکفاء وانکحوا البہم (وفی لفظ) فان النساء یلدن اشباہ اخوانہن واخواتہن رواہ ابن ماجہ والحاکم والبیہقی وابن عدی وابن عساکر کلہم عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نطفہ کے لئے اچھی جگہ تلاش کرو کفو میں نکاح کرو اور کفو سے بیاہ کر لاؤ کہ عورتیں اپنے ہی کنبہ کے مشابہ بنتی ہیں۔

نیز فرمایا: تزوجوا فی الحجر الصالح فان العرق دساس رواہ ابن عدی والدارقطنی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی نسل میں شادی کرو کہ رگ خفیہ اپنا کام کرتی ہے

لہذا ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ کفو ہونے کا لحاظ کس قدر ضروری ہے اور کفو میں بے شمار منافع ہیں اسی طرح غیر کفو کے نہایت زہریلے اثرات پیدا ہوتے ہیں اسی لئے فقہاء کرام نے غیر کفو میں نکاح کو ناجائز قرار دیا۔

چنانچہ درمختار میں ہے: ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان۔ (رد المحتار مصری ۳۰۵)

امر سوم۔ عام لوگ غیر کفو کے معنی صرف غیر قوم جانتے ہیں اگرچہ وہ علم، تقویٰ، نسب، مال، شرافت، وجاہت میں اپنا ہمسرہ ہی ہو اس طرح کفو کے معنی صرف ہم قوم سمجھتے ہیں اسی بنا پر یہ لوگ اپنے ہم قوم فاسق کو صالح یا بنت صالح کا کفو جانتے ہیں اور اپنے ہم قوم ایسے غریب کو جو مہر مخجل اور نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو مالدار عورت کا کفو قرار دیتے ہیں اور اپنے ہم قوم عالم کو جاہل کا کفو ٹھراتے ہیں اور سب سے بڑی جہالت یہ ہے کہ اپنے ہم قوم بد مذہب جیسے وہابی، غیر مقلد، رافضی، قادیانی وغیرہ کو صحیح العقیدہ سنی حنفی کا کفو سمجھتے ہیں لہذا کفو کے یہ معنی محض عوام نے گڑھے ہیں۔ شریعت مطہرہ میں کفو کے یہ

معنی نہیں، کفو شرعی کے یہ معنی ہیں کہ مذہب، نسب، تقویٰ، پیشہ، اور مال میں کوئی ایسی کمی یا نقص نہ ہو جو عورت کے ولیوں کے لئے ننگ و عار کا سبب ہو۔

تنویر الابصار میں ہے: تعتبر (الكفاءة) بنسب وحرية واسلاما وديانة ومالا وحرفه، اور شرعا غیر کفو وہ ہے جس کے مذہب، نسب، تقویٰ، پیشہ، مال میں کوئی ایسا نقص اور کمی ہو جس کے سبب سے اس عورت کا اس سے نکاح ہونا اس کے ولیوں کے لئے باعث ننگ و عار ہو۔ تو اب شریعت کی رو سے سنی العقیدہ بد مذہب کا کفو نہیں، اچھے پیشے والا ذلیل پیشے والے کا کفو نہیں، متقی فاسق کا کفو نہیں، مالدار ایسے غریب کا کفو نہیں جو مہر مخجل اور نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ اب چاہے یہ تمام ہم قوم ہی کیوں نہ ہوں۔ تو شریعت نے کفائت کے لئے ان باتوں کا اعتبار کیا ہے اور اسی معنی پر احکام مرتب فرمائے ہیں۔

درمختار میں ہے: تعتبر (الكفاءة) في العرب والعجم ديانة ای تقویٰ فلیس فاسق کفو الصالحة الخ۔ (رد المحتار ص ۳۲۸)

تو اب جہاں کفو کا لفظ آتا ہے اس سے یہ شرعی معنی مراد ہوتے ہیں نہ یہ عرفی معنی جو عوام کے گڑھے ہوئے ہیں۔

امر چہارم۔ کفائت کا اعتبار کفو میں صرف مرد کی جانب میں ہے نہ کہ عورت کی جانب میں، چنانچہ مرد بالغ اگر کم درجہ کی کسی قوم کی مسلمہ عورت سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہے کہ عورت کی جانب میں کفائت معتبر نہیں۔

درمختار میں ہے: الکفائت معتبرة فی ابتداء النکاح للزومہ او لصحته من جانبہ ای الرجل لان الشریفة تابی ان تكون فراشا للدنی ولذا لا تعتبر من جانبها لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دنائۃ الفراش وهذا عند الكل فی الصحیح۔ (رد المحتار ص ۳۲۵)

اور اگر نابالغ ہوں اور باپ دادا کے سوا کوئی اور ولی ہو تو دونوں جانبوں میں کفائت کا اعتبار ہے، رد المحتار میں ہے:

غیر الاب والجد لو زوج الصغیرۃ او الصغیر غیر کفو لا یصح ومقتضاه ان الکفائۃ للزوج معتبرة ایضا وقد منا ان هذا فی الزوج الصغیر۔

(رد المحتار ص ۳۲۵)

بلکہ وہ باپ دادا جنہوں نے اس سے قبل بھی اپنی ولایت سے غیر کفو میں نکاح کر دیا ہے وہ اگر پھر غیر کفو میں نکاح کریں تو انکا کیا ہوا نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

فناوے خیر یہ میں ہے ولو زوج طفله غیر کفو او بغبن فاحش صح ولم یجز ذلك لغير الاب والجد اطلق فی الاب والجد وقیده الشارحون وغيرهم بان لا يكون الاب معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذلك مجانة او فسقا فالعقد باطل على الصحيح۔

(فتاویٰ ص ۲۳ ج ۱۔)

تو جب کفو کہا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوگا نہ عورت اور دونوں مراد ہونگے جب نابالغ ہوں امر پنجم۔ جب شرعی کفو کے معنی اور ہم قوم ہونے کے احکام کو شریعت کے لحاظ سے دیکھا جاتا ہے تو چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ کفو شرعی بھی ہو اور ہم قوم بھی ہو تو یہ بہتر اور حتی الامکان اس کی کوشش بھی کی جائے کہ اس میں شرعی حکم کے اتباع کے باوجود اور مفاد بھی حاصل ہونگے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کفو شرعی تو ہو لیکن ہم قوم نہ ہو اور عورت بالغ ہو تو اگر بالغہ نے ایسے شخص سے بلا اذن ولی بلکہ بنا راضی ولی بھی اپنا نکاح کر لیا تو وہ نکاح صحیح و لازم ہے، اب ولی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

در مختار میں ہے: نفذ نکاح حرة مكلفة بلا رضاء ولی۔ (رد المحتار ص ۳۰۴)

اور نابالغ ہوں تو باپ دادا ہوں یا اور کو ولی ہو جسکی ولایت سے ایسا نکاح ہوگا صحیح و لازم ہوگا کہ شرعیہ کفو ہی میں نکاح ہوا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہم قوم تو ہو لیکن کفو شرعی نہ ہو اور عورت بالغ ہو تو ایسے شخص سے اس بالغہ کے نکاح صحیح ہو نیکی یہ شرط ہے کہ اس بالغہ کا ولی نکاح سے پہلے شوہر کا غیر کفو شرعی ہونا جانتا ہو اور یہ جانتے ہوئے پھر اس ولی نے اس بالغہ کو اس نکاح کی صراحتہ صاف طور پر اجازت دی ہو، تو یہ نکاح جائز و صحیح ہو جائیگا۔ اور اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو یہ نکاح ناجائز۔

اور نابالغوں کا نکاح صحیح ہونے کی یہ شرط ہو کہ ایسا نکاح صرف باپ دادا کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنی ولایت سے کوئی اور نکاح ایسے غیر کفو شرعی میں نہ کیا ہو اور انکا سوء اختیار معروف نہ ہو جب یہ نکاح صحیح

ولازم ہوگا اور خود باپ دادا ایسے غیر کفو میں اس سے پہلے بھی کوئی اور نکاح کر چکے ہیں یا سوء اختیار کے ساتھ معروف ہیں تو ایسا نکاح ناجائز۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ غیر کفو شرعی بھی ہو اور غیر قوم بھی ہو تو اس کے بعد یہ وہی احکام ہیں جو تیسری صورت میں مذکور ہوئے الحاصل کفو شرع کا لحاظ بہت ضروری ہے اگر اس کے ساتھ ہم قوم ہونا بھی ثابت ہو جائے تو زیادہ بہتر اور اگر ہم قوم ہونیکے لحاظ میں کفو فوت ہوتا ہے تو کفو شرعی کا لحاظ بہت ضروری اور ہم قوم ہونا اتنا اہم نہیں۔

ان امور کے سمجھنے کے بعد سوال کا جواب خود ہی حل ہو گیا، تو اب مختصر الفاظ میں جواب دینا کافی ہوگا کہ ہر پہلو پر دلائل کافی قائم کر دیئے گئے ہیں اب ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ لہذا جب میمن جماعت کفو کے ان شرعی معنی کو (دوم سوم میں گذرے) ملحوظ رکھتی ہے اور بالغہ اور نابالغوں کے لئے اس کفو کو منتخب کرتی ہے جو شرعاً بھی کفو ہے تو یہ قانون صرف میمن جماعت ہی کا نہیں بلکہ یہی حکم شرعی بھی ہے تو اب جو اس قانون کی مخالفت کریگا تو گویا وہ حکم شرعی کی مخالفت کرتا ہے، ایسی مخالفت کا حتی الامکان زبر دست مقابلہ ضروری و لازمی ہے اور کسی کی مخالفت کی وجہ سے حکم شرعی کی پابندی نہیں چھوڑی جاسکتی کہ حکم شریعت کی پابندی ہر مسلم پر فرض ہے،

اور اگر میمن جماعت بھی اس غلطی میں مبتلا ہے کہ کفو کے معنی صرف قوم سمجھتی ہے اور غیر قوم کو غیر کفو جانتی ہے اور شریعت کے کفو اور غیر کفو کے معنی کا کچھ لحاظ نہیں ہے یعنی میمنوں کے نکاح دل میں نہ صحیح العقیدہ سنی اور بد مذہب میں کوئی پرہیز نہ متقی اور فاسق میں کوئی امتیاز ہے، نہ اچھے پیٹھے اور ذلیل پیٹھے کا کچھ فرق ہے، نہ مالدار اور نادار ہونے کا کچھ لحاظ ہے، نہ اچھے چال چلن اور بد چلن کی کچھ دیکھ بھال ہے، بلکہ صرف ہم قوم میمن ہونا کفو ہونیکا دار و مدار ہے تو میمن جماعت کا یہ قانون حکم شرعی کے خلاف ہے کہ شریعت میں کفو کے معنی قوم نہیں، اور صرف اس کفو کو شرع نے صحت نکاح اور عدم جواز نکاح کا موقوف علیہ نہ بنایا ہے، وہ جماعت خود اپنی اصلاح کرے اور کفو کے شرعی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے قانون بنائے اور ہر وہ قانون نافذ العمل ہو کرے جو شرعی احکام کے موافق ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ

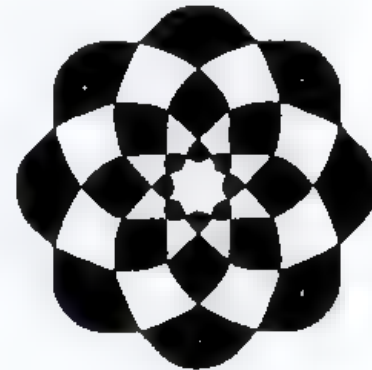
(۶۵۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص امام ہو اور اس کی لڑکی بالغ ہو اور ملازم بھی ہو اور شادی نہ کی گئی ہو تو ایسے امام کے پیچھے لوگوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر اعتراض ہے تو کیا ان لوگوں کا اعتراض صحیح ہے اور اس لڑکی کے والدین یہ کہیں کہ جب تک حسب منشا کوئی شخص نہ ملے گا تو کیا لڑکی کو اپنے سے دور کر دیں، کیا یہ ان کا کہنا ٹھیک ہے اور ان کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے؟
برائے کرم از روئے شرع خلاصہ تحریر فرمادیں۔ المستفتی متولی محمد رمضان جودھپور۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

لڑکی کے بلوغ کے بعد والد کو اس کے نکاح کرنے میں امکانی عجلت ضروری ہے لیکن لڑکے میں ہم کفو ہونا اور دینی و دنیوی اوصاف کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔ لہذا ایسے لڑکے کی تلاش میں کچھ انتظار ہونے میں پر کوئی الزام شرعی لازم نہیں آتا جب کہ خوف فتنہ حد سے زیادہ تجاوز نہ کرے۔ اور صرف اتنی سی بات پر اس کے پیچھے نماز ناجائز نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ
کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۳ھ



(۵۵)

باب الخلع

(۶۵۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں واضح ہو کہ میں کہ خادمہ اللہ رکھی اٹارس ہوشنگ آباد کی ہوں، گذارش یہ ہے کہ میری عمر قریب آٹھ سال کی تھی کہ میرا عقد کر دیا تھا اب میں عرصہ دو سال سے بالغ ہوں میری عمر اس وقت ۱۵ سال ہے ابھی میری رخصتی نہیں ہوئی ہے میرے والد نے بھی مجھ کو اپنے مکان سے علیحدہ کر دیا ہے کہ جہاں طبیعت چاہے جاؤ اب میں تمہاری کفالت نہیں کر سکتا ہوں اور جب میری شادی ہوئی ہے تب سے آج تک میرا شوہر نہ تو میرے مکان پر واسطے لینے کے آیا اور نہ آج تک کوئی نان و نفقہ کی خبر گیری کی میں نے کئی تحریر بھی لکھی لیکن شوہر نہیں آیا ہے اور میرے والد نے بھی مکان سے نکال دیا ہے اب میں بہت پریشان ہوں اور عرض کر کے امیدوار ہوں کہ اگر شریعت مجھ کو اجازت دیوے تو کسی دیگر بھلے آدمی سے عقد کر لوں چونکہ مجھ کو عقل سلیم نہ تھی جب کہ عقد ہوا تھا اور ہنوز رخصت بھی نہیں ہوئی ہے مجھ کو یہ شوہر جو میری مصیبت میں کام نہ آوے میں پسند نہیں کرتی ہوں واسطے خدا میرے حال زار پر رحم فرما کر بموجب حکم شریعت میرے واسطے حکم صادر فرمایا جاوے چونکہ میں جوان ہوں بغیر ثانی نکاح کے میری زندگی بسر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ میرا اس وقت کوئی بھی نفیل اور سرپرست نہیں ہے جو میری شکم پروری کرے اور مجھ کو گناہ کے راستے سے بچائے بجز خدا کے جواب جلد مرحمت فرمایا جاوے۔ فقط
۲۰ جون ۱۹۳۹ء
قیمہ خادمہ اللہ رکھی عبد الغفور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعہ یہی ہے کہ شوہر نہ بلاتا ہے نہ نان و نفقہ کی خبر گیری کرتا ہے اور مسماۃ مذکورہ یہ یقین کرتی ہے کہ میرے اور اس کے درمیان حقوق زوجیت قائم نہیں رہ سکتے تو مسماۃ مذکورہ کے لئے یہ صورت ہے کہ خلع کر لے بشرطیکہ شوہر شرعاً بالغ ہو واللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:-

فان خفتم ان لا یقیمہا حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما اقتدت بہ تلك حدود اللہ

فلا تعتدوها۔

اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ (زوجین) دونوں ٹھیک انہیں حدود پر نہ رہینگے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دیکر عورت طلاق حاصل کرے یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

البتہ خلع کے لئے یہ الفاظ کہنے ضروری ہیں کہ عورت اپنے شوہر سے کہے تو مجھ سے میرے مہر یا اتنے مال پر خلع کر، شوہر اس کو قبول کرے تو طلاق بائنہ ہو جائیگی اور اسی وقت نکاح سے خارج ہو جائے گی کہ یہ مسماۃ غیر مدخولہ ہے، اسی لئے اس پر عدت بھی واجب نہیں۔

چنانچہ شامی میں ہے: فان لم يدخل بها فلا عدة اصلا۔

لہذا اس مسماۃ کو چاہئے کہ اپنے شوہر سے اپنے مہر یا اور مال کے بدلے میں خلع کرے اور بعد خلع بلا عدت کے فوراً اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

(۶۵۵)

مسئلہ

مکرمی مفتی صاحب برائے کرم اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کریں

ایک بیوی کو اس کا خاوند مارتا پیٹتا ہوا اور اس سے ناجائز کام کرواتا ہونا جائز کام یہ ہے کہ غیر مرد کو لا کر اس سے حرام کرواتا ہے بیوی اگر انکار کرتی ہے تو اس کو مارتا پیٹتا ہے اور نیم جان کر دیتا ہے اس وجہ سے وہ اس سے الگ ہو گئی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ وہ طلاق دیدے لیکن وہ طلاق دینا نہیں چاہتا مگر صورت میں شریعت کی طرف سے اس کو طلاق ہوئی یا نہیں آپ مہربانی فرما کر اس کا فتویٰ مہر لگا کر بھیجنے کی تکلیف کریں۔

المستفتی: ٹیلر ماسٹر ہارون رشید ڈیلاٹ ٹیرنگ ہاؤس سبزی منڈی سان بھون کوئٹہ راجستھان

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جو شوہر ایسا دیوث ہو اس کی بیوی اس کے پاس ہرگز ہرگز نہ رہے اور زنا جیسے حرام فعل سے اپنے آپ کو بچائے۔ اور اس سے خلع یا جبر جس طرح سے ممکن ہو طلاق حاصل کر کے جلد از جلد اس کے نکاح

سے خارج ہو لیکن بغیر اس کی طلاق کے حاصل کئے یہ عورت اس شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۴ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

(۶۵۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

قدیر بخش بن کریم بخش اپنی بیوی حلیم النساء کے ساتھ بہت بے رحمانہ برتاؤ کرتا ہے اور ہمیشہ زرد کوب و بھوک پیاس کی تکلیف دیتا رہتا ہے اور اس پر پانی تک بند کر دیتا ہے اور بار بار گھر سے نکال دیتا ہے اب اس حلیم النساء کو اندیشہ اپنی جان کے ضائع ہونے کا ہے کئی دفعہ عزیزوں نے سمجھوتا کرایا نیز قدیر بخش نے یہ تحریر لکھ دی کہ آئندہ ظلم و ستم نہیں کروں گا اس وعدہ پر حلیم النساء اس کے گھر پہنچی تو قدیر بخش نے وہی نازیبا سلوک شروع کر دیا یہاں تک کہ مسماۃ مذکورہ کو پیٹا کہ سر زخمی ہو گیا اور بھی اسی قسم کا بدترین سلوک کیا اور اپنے گھر سے نکال دیا نیز پنجابی فیصلہ بھی ہے کہ ان کے باہمی نبھاؤ نہیں ہو سکتا اس لئے کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا جائے چنانچہ وہ بھی دائر کر دیا۔ اب دینی فیصلہ کے لئے آپ حضرات کی طرف رجوع کیا ہے حلیم النساء کو اپنی جان کا اندیشہ ہے اور وہ اپنے پالنے والے کے یہاں محفوظ رہتی ہے اس عورت کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار نہیں ہیں جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت جائز ہے کہ کورٹ کے فیصلہ کے بعد عالم دین مسلم پنج اس نکاح کو فسخ کرادیں؟ پوری شرائط فسخ کے یا جو شرائط تحریر کیجائیں۔ بینوا تو جردا

المستفتی حاجی عبدالوہاب نزد مسجد محلہ لائقان جودھپور۔ راجستھان

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

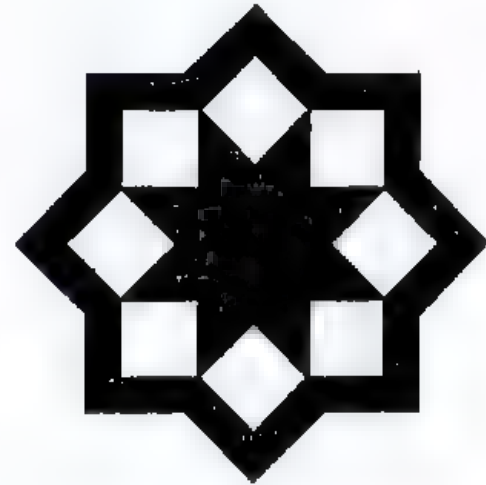
صورت مسئلہ میں اگر فی الواقع قدیر بخش اور اس کی بیوی حلیم النساء میں ایسی عداوت قائم ہو چکی ہے کہ اب انہیں باہمی نبھاؤ نہیں ہو سکتا تو پنجابیت یا مسماۃ کے عزیز قدیر بخش پر مالی لالچ یا جبر سے جس تدبیر سے ممکن ہو ہر طرح کا دباؤ ڈال کر اس سے طلاق حاصل کیجائے صرف کورٹ کے فیصلہ سے یا کسی غیر حاکم کے نکاح فسخ کر دینے سے یہ مسماۃ حلیم النساء نہ تو قدیر بخش کی زوجیت سے خارج ہو سکتا ہے۔ نہ

بلا طلاق حاصل کئے اس مسماۃ کا کسی دوسرے سے شرعاً نکاح جائز ہو سکتا ہے کہ یہ اس وقت شوہر والی عورت ہے اور شوہر والی عورت کا نکاح حرام و باطل ہے

قرآن کریم میں ہے: **وَالْمَحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ**۔ یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام کر دی گئیں۔
تو قدیر بخش سے بغیر طلاق حاصل کئے اس مسماۃ کا دوسرا نکاح صحیح نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدۃ سنجل



باب فسخ النکاح

(۶۵۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین زائد اللہ برکاتہم۔

مسماۃ زبیدہ کی نسبت دوجگہ کئے ہوئے تھا مسکی محمد حارث و عظیم اللہ کے ساتھ دونوں طرف سے چند اشخاص سروکار تھے فیما بین پیروکاران میں ضد پیدا ہو گئی تھی اور ہر فریق اپنی کامیابی چاہتا تھا مسکی رمضان بروت یا کسی دباؤ یا پالیسی کی بنا پر دونوں فریق سے ہاں اچھا کرتا رہا کسی کو جواب انکاری نہیں دیا۔ ۱۳ رجب المرجب ۵۹ھ کو عظیم اللہ کو نکاح کر دینے کے لئے بلایا وہ دس آدمی لیکر آ گیا محمد حارث کے پیروکاران کو جب معلوم ہوا۔ تو وہ بھی محمد حارث و پچاس ساٹھ اشخاص کو جس میں چند اشخاص ہندو بد معاش بھی تھے لیکر رمضان کے مکان پر پہنچ گیا عظیم اللہ اور اس کے ساتھی ان کو دیکھتے ہی روپوش ہو گئے محمد حارث کے ساتھیوں میں سے مسکی ماتا بدل برنجن نے ایک طمانچہ رمضان کے مار کر کہا کہ تو نے مبلغ پچیس (۲۵) روپیہ جو حارث کے نکاح کے واسطے یہاں واپس دے لڑکی کو چاہے جہاں کر یا لڑکی کا نکاح حارث کے ساتھ کر نہیں تو اچھا نہ ہوگا رمضان مرعوب ہو گیا اور کہا چلو صاحب ہم نکاح کر دیں سب کو اپنے دروازے پر لے گیا اور گاؤں میں حسب دستور اطلاع کرایا فرش بچھایا اور قاضی گواہ شاہد مقرر کیا قاضی نے لڑکی سے اجازت لی لڑکی نے اتنی آواز سے اجازت دی کہ گواہ شاہد بعض حاضرین نے سنا محمد حارث کے ساتھ نکاح کر دیا پھر لوگوں کو جو مسلمان تھے کھانا کھلایا اور سب کو سلام مصافحہ کے رخصت کیا اور کہا کہ لڑکی کو دو تین ماہ کے بعد رخصت کرونگا تیسرے روز مسکی رمضان معہ وزیروں و ظہور حجام شاہ محمد نعیم عطا صاحب سجادہ نشین خانقاہ قصبہ ستیوں کے پاس گئے اور کل واقعہ بیان کیا شاہ صاحب موصوف نے رمضان سے پوچھا کیا تم نے خوشی سے اپنی لڑکی کا نکاح حارث سے کر دیا کہا کہ ہاں صاحب کر دیا اگر ہم رضا مند نہ ہوتے تو فرش وغیرہ کیونکر بچھاتے اور کھانا کیوں کھلاتے شاہ صاحب موصوف نے فرمایا تو نکاح صحیح ہے عرصہ دس ماہ کا ہوتا ہے ہنوز رمضان نے لڑکی کو رخصت نہیں کیا کہتا ہے کہ ہمارے لئے بھی کوئی لڑکی ڈھونڈو دو تو ہم رخصت کریں حارث کی آمد و رفت و خلا و ملا رمضان کے یہاں برابر ہے اور

دینا لینا مراسم رشتہ داری کے طریقہ پر اب تک جاری رہا اب فریق عظیم اللہ نے روسیہ ہو کر برادر رشتہ پنچایت میں معاملہ کو پیش کیا ہے اور رمضان کو بھی دیا دیا کوئی لالچ مال یا بیوی کر دینے کا دیکر پنچایت میں بیان کرایا ہے کہ ہم سے جبر اور خوف سے نکاح کرادیا ہے لہذا یہ نکاح ناجائز ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شریعت مطہرہ کے نکاح حارث کا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا
المستفتی عبدالوہاب پکسران ضلع رائے بریلی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

مسماة کا نکاح مسمی حارث جب با جازت زبیدہ برضا و اہتمام مسمی رمضان و بموجودی گواہان مجمع عام میں شرعی طور پر قاضی نے پڑھایا تو بلاشبہ یقیناً یہ نکاح صحیح و درست ہوا۔
اب باقی رہا مسمی رمضان کا یہ کہنا کہ ہم نے جبر و خوف سے یہ نکاح کر دیا ہے۔
اولاً: یہ بات ہی بہت دشوار ہے کہ تمام شرائط اکراہ کا وجود متحقق ہو جائے۔
ثانیاً: دس ماہ تک ان کے مابین مراسم رشتہ داری کا سلسلہ جاری رکھنا خود اس امر کی بین دلیل ہے کہ اکراہ شرعی نہ تھا۔

ثالثاً: اس عرصہ بعید میں مسمی رمضان اور مسماة زبیدہ کا اس نکاح کو رد نہ کرنا اکراہ کے بطلان کی کافی دلیل ہے اور بصورت تسیم اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مسمی حارث کی جانب سے اکراہ شرعی ہوا اور تمام شرائط اکراہ متحقق تھے جب بھی اس نکاح کی صحت محل شک نہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: اذا اكره على النكاح فتزوج صح نكاحه عندنا۔

اسی میں ہے: وان كانت المرأة بالغة فاكرهت هي ووليها على النكاح ففعلا ان لم يكن الزوج كفوا كان للولي ان يرد وان كان النكاح بمهر قاصر فللمرأة ان ترد فان رضيت فللولي ان يرد في قول ابی حنیفة خاصة۔

الحاصل مسماة زبیدہ کا نکاح مسمی حارث سے ایسا منعقد ہو گیا کہ اب اس کے باطل اور فسخ کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المتخصص بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

(۶۵۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
ایک نابالغ لڑکی کے باپ دادا کا انتقال ہو گیا تھا اس کا اسی نابالغی کی حالت میں کسی نے نکاح کرایا تو اس لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد آیا اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟۔
المستفتی لطافت حسین محلہ دیہہ پراسرائے بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

اللهم هداية الحق والصواب

جب نابالغ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا تو وہ نابالغ جس آن میں بالغ ہوئی اگر خود اس نکاح کو فسخ کر دے تو وہ نکاح فسخ ہو جائے گا، بالغ ہو کر ذرا بھی دیر کی اور ایک لمحہ کو بھی دوسرے کام یا دوسری بات میں مصروف ہو گئی تو وہ نکاح لازم ہو جائیگا۔
یعنی شرح کنز الدقائق میں ہے:

لهما ای للصغیر والصغیرة خيار الفسخ بالبلوغ ای اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء افسخ لكن في غير الاب والجد عند ابی حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ۔ در مختار میں ہے۔ وبطل خيار البكر بالسكوت لو مختارة عالمة باصل النكاح ولا يمتد الى آخر المجلس۔ رد المحتار میں فتح القدیر سے ناقل ہیں۔ اذا بلغت وهي عالمة بالنكاح او علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ في حال البلوغ او العلم فلو سكنت ولو قليلا بطل خيارها ولو قبل تبدل المجلس۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المتخصص بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

(۶۶۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ
مسماة زابدہ کا عقد عرصہ کم و بیش چھ سال کا ہوا خالد کے ساتھ بحکم شرعیہ عمل میں آیا دو سال بعد دختر پیدا ہوئی جو بقضائے الہی فوت ہو گئی اسکے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا کہ جو بقید باحیات ہے خالد شوہر مسماة زابدہ کے عقد کے ڈھائی سال بعد دیوانہ ہو گیا۔ کوئی ذریعہ معاش بغیر محنت مزدوری و کاروبار کا شکار کی

خالد کے پاس موجود نہیں ہے مسماۃ زابدہ نے جس طرح ممکن ہو سکا اپنے والدین کے ذریعہ بچہ کی اور اپنی پرورش کی خالد بھی کوئی کام نہیں کرتا اور نہ بیوی اور نہ بچہ کی پرورش کرتا ہے اور نہ بظاہر اس قابل ہے کہ وہ ان کے لئے کھانے پینے یا دیگر اخراجات کا کفیل ہو سکے مسماۃ زابدہ کے کفیل خورد و نوش وغیرہ ہیں جسکے باعث خود ان کو ہی تکلیف ہوتی ہے خالد پاگل اور رائے کا علاقائی بھائی اور خسر کا علاقائی برادر باوجود مگر اس کی تقاضائے والدین مسماۃ زابدہ کو دیکر آزاد کرتے ہیں بدنامی کو مد نظر رکھ کر انکار کرتے ہیں مسماۃ اور بچہ اور ان کے والدین اس طرز عمل سے نہایت پریشان ہیں کیا ایسی صورت میں اگرچہ خالد شوہر جو کہ پاگل ہے اور بیوی بچہ کہ پرورش سے غافل ہے اور خسر اور جیٹھ ہی خبر گیری کرنے سے قاصر ہیں اور والدین ہیں زابدہ کے اس قدر قوت و طاقت نہیں کہ وہ اسکے بچہ کی اور اور اس کی پرورش کر سکے ایسی صورت میں کیا حکم شرع ہے کیا مسماۃ زابدہ پابندی عقد سے آزاد ہو کر دوسری جگہ اپنا عقد کر سکتی ہے۔ یا ضابطہ شرعی فتوے سے ایسی تحریر کی پشت پر مطلع فرمائے زیادہ حد ادب۔

دعا کو محفوظ سنبھل از چودہری سرائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب شوہر میں کسی قسم کا عیب جنون۔ جزام وغیرہ پیدا ہو تو اس کی عورت کو اپنے نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

ہدایہ میں ہے: نوذا كان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خيار لها عند ابى حنيفة وابى يوسف

تویر الابصار و در مختار میں ہے: ولا يتخير احد الزوجين بعيب الآخر ولو فاحشا كجنون وجذام وبرص۔

مجمع الانهر ملتقى البحر میں ہے: لا خيار لها ان وجدت المرأة بالزوج جنونا او جذاما وبرصا عند الشيخين۔

بدراستی میں ہے: ولا خيار لها اى للزوجة وجدت به عيبا ولو فاحشا جنونا او جذاما او برصا الخ۔

کنز الدقائق اور اس کی شرح للعلامة مصطفیٰ میں ہے: ولم يتخير احدهما اى الزوجين

بعيب فيالا خرو لو فاحشا كجنون وجذام وبرص رقق وقرن۔

(شرح کنز مصری ص ۷۷ ج ۱)

یعنی شرح کنز میں ہے: ولم يتخير احد اى الزوجين بعيب فى الآخر كالحنون والحذام والبرص ملحضا۔

(یعنی مصری ص ۷۷ ج ۱)

فتاویٰ عالمگیری اور کافی میں ہے: نوذا كان بالزوج جنون او برص او جزم فلا خيار لها كذا فى الكافى

(عالمگیری مجیدی ص ۱۳۴ ج ۲)

رد المحتار میں ہے: ليس لواحد من الزوجين خيار فسخ النكاح بعيب فى الآخر عند ابى حنيفة وابى يوسف وهو قول عطاء النخعي وعمر بن عبد العزيز ابن وابى قلابه دو ابى قلابه وابن ابى لبله والا وزاعى والثورى والخطابى وداود الظاهرى واتباعه فى المبسوط انه مذهب على وابن مسعود رضى الله عنهم۔

اب تیرہ کتابوں کی عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسماۃ زابدہ کو اپنے شوہر کے عیب جنون کی بنا پر اپنا نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں۔ لہذا مسماۃ زابدہ اپنا دوسرا عقد نہیں کر سکتی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۱۰ صفر المظفر ۱۳۶۸ھ۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقير الى الله عز وجل،
العبده محمد اجمل غفرل الاول، ناظم المدرسه اجمل العلوم فى بلدة سنبھل

(۶۶۱)

مسئلہ

کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید رمضان المبارک میں اپنی بیوی ہندہ کو روزہ رمضان اور نماز پنجگانہ سے روکتا ہے اور اس کا قول یہ ہے کہ اگر تو نماز پڑھے گی اور روزہ رکھے گی تو میں تیرے منہ میں پیشاب کر ڈالوں گا، اور اپنی بیوی ہندہ مذکورہ کو جب کبھی بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتا ہے تو ماں باپ کی مغلف گالیاں دیتا ہے اور سختی سے پیش آتا ہے۔ اسی طرح اپنی لڑکی کو بھی نماز فریضہ وغیرہ سے روکتا ہے۔ ایک مرتبہ جب اس کی لڑکی نماز فرض پڑھ رہی تھی تو اس کا باپ زید مذکور اپنی لڑکی مصلیہ کو مصلے پر سے نماز کی حالت میں ڈھکیل کر جائے نماز کھینچ لی اور مغلف گالیاں دیں، اور جب کبھی بھی ماں بیٹی مذکورہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتا تو گالیوں اور سختیوں سے پیش آتا ہے۔ زید مذکور کی بیوی ہندہ کو ان حرکات سے عاجز آ کر رمضان المبارک میں ہی

اپنے میکہ چلی گئی اور وہاں خورد و نوش میں پریشان حالی ہے۔ زید شوہر مذکور سے بلانے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ اسی شرط پر بلانے کے لئے تیار ہوا کہ وہ نماز وغیرہ نہ ادا کرے اور اگر ادا کرے گی تو میں طلاق دے دوں گا۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ زوجہ مذکورہ زید مذکور کے نکاح میں رہی یا نہ رہی اور زید مذکور کا اس شرط اور ان افعال سے ایمان باقی رہا یا نہ رہا؟۔ بیوا تو جروا

تفصیلی جواب سے مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کا فر ہو گیا کہ وہ دوسروں کو روزہ اور نماز سے روکتا ہے اور ان کے صوم و صلاۃ کی اہانت کرتا ہے بلکہ ان کے ساتھ استہزاء و استخفاف کرتا ہے۔

شرع فقہ اکبر میں ہے: من جحد فرضا مجمعا عليه كالصلاة والصوم والزكاة والغسل من الجنابة كفر۔

اسی میں ہے: من استخف بالقرآن او بالمسجد او نحوه مما يعظم في الشرع كفر "اقول ان استخفافه بل جعوده ظاهر من افعاله فكل واحد منهما كاف على كفره على انه خوفها وسبها على اداء الصلوة فمحرم اما انتها واشتراط سكنها والقول بطلاقها من جهة اداء الصلوة فهو ايضا كفر لان فيه اهانة الصلاة صريحة" اور جب زید کا کافر ہونا ثابت ہو گیا تو اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج ہو گئی۔

در مختار میں ہے: "ما يكو ن كفرا اتفاقا يطل النكاح واولاده اولاد ذنبا"

(شامی مصری ۳۰۸-۳۷۰)

۶ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المصنم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

(۶۶۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ کا نکاح زید سے تقریباً ۱۰ یا ۱۲ سال ہوئے اس وقت ہوا تھا اس وقت ہندہ نابالغ تھی لیکن یہ

نکاح ہندہ کے باپ نے کیا ہے بعد بلوغت ہندہ اپنے خاوند زید کے یہاں دوسرے گئی۔ دوسرے جانے کے بعد زید نے ہندہ کو بلانا چھوڑ دیا اور ہندہ کی تذلیل کرانے کی اسکیم کرنے لگا۔ اب ۹ سال سے ہندہ کو نہیں بلایا۔ چند روز پیشتر ہندہ اور اس کے باپ نے دو آدمیوں کو ایک نوٹس دیکر روانہ کیا۔ تو اس کا جواب زید نے دیا کہ نہ میرے پاس اتنا خرچہ ہے کہ میں اس کو کھلاؤں اور نہ اس کو بلانا چاہتا ہوں۔ ہندہ اس جواب سے بہت ناامید ہوئی اور اس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جبکہ ہندہ ۹ سال سے اپنے ماں باپ کے یہاں بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے زوج نے بلانے و نان و نفقہ دینے سے قطعاً منع کر دیا تو کیا ایسی صورت میں مذہب امام شافعی پر عمل کرتے ہوئے نکاح فسخ کر سکتے ہیں جس طرح زوج المفقود کے بارے میں مذہب امام مالک پر اکثر احناف فتویٰ دیتے ہیں۔ اسی طرح نان و نفقہ دینے کی صورت میں مسلک شافعی پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔ دونوں ضرورت ایک ہے۔

بیوا تو جروا اللہ نور ساکن سادڑی محلہ چھپان وایہ بالی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ ۷

میں ان زن و شوہر کے لئے ایک پنچایت ہو جس میں مسلمان دیندار بیچ مقرر ہوں اور اگر کوئی سنی عالم دین وہاں ہو تو اور زیادہ بہتر ہے۔ پھر وہ بیچ ان کے معاملہ کو سمجھے اور ثبوت و شہادت حاصل کر کے بہتر یہ کہ یوں فیصلہ کرائے کہ شوہر سے طلاق نامہ لکھوا کر اس کے دستخط یا نشان و انگوٹھا لگا کر مکمل کرے اور عورت سے مہر کا لادعویٰ کاغذ تیار کرالے اور ان کے معاملہ کو ختم کر دے ورنہ وہ بیچ شوہر کی موجودگی میں ان کے درمیان تفریق کر دے تو شرعیہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔

فان الحكم كالقاضي كل ماليس بحد ولا فود ولا دية على عاقلة كما نصوا عليه۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المصنم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

(۶۶۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل میں کہ م

کسی رضا حسین ولد نذر حسین ساکن سرائے ترین کی دو شادیاں ہوئیں بار اول مسماۃ اللہ دی بنت
حفظ محمد اسحاق حسین صاحب ساکن سرائے ترین سے جن کو عرصہ دو سال بعد طلاق دی گئی اس بنا پر کہ کسی
رضا حسین نامزد تھے یہ دوسرا نکاح کسی رضا حسین کا مسماۃ سکینہ بیگم بنت حافظ محمد دین صاحب ساکن
سرائے ترین سے ہوا جس کو عرصہ قریب دس (۱۰) سال کے ہو رہا ہے اس عرصہ میں قریب پانچ سال
مسماۃ سکینہ بیگم اپنے شوہر رضا حسین کے ساتھ رہیں اور اب پانچ سال سے مسماۃ سکینہ بیگم اپنے میکہ میں
ہے اس پانچ سال عرصہ میں چند مرتبہ پنچائیتیں ہوئیں مگر فیصلہ نہیں ہوا اب قریب دو ماہ سے ہم تین شخص
بحیثیت ثالث جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا مولوی عبدالسلام صاحب۔

(۲) قمر الدین صاحب۔

(۳) اختر محمود احمد ساکن سرائے ترین۔

اور ہم تینوں کا کسی رضا حسین مسماۃ سکینہ بیگم سے کوئی عزیز دار نہیں ہے لہذا بیان کسی رضا حسین
ومسماۃ سکینہ بیگم زوجہ رضا حسین ومسماۃ اللہ دی صاحبہ زوجہ رضا حسین ونیز اپنی تحقیقات سے مطلع کرتے
ہیں۔ کہ ایسی صورت میں کوئی دیندار مسلمان تفریق کرا سکتا ہے یا نہیں۔ جبکہ کسی رضا حسین رضامندی
سے طلاق دینے کو تیار نہیں۔ مسماۃ سکینہ بیگم موجودہ عدالت سے طلاق حاصل کر سکتی ہے یا نہیں مہربانی
کر کے ہر بیان ونیز ثالثان کی تحقیق پر غور کرنا کہ جو شرعی فیصلہ ہو بحوالہ کتب فقہ جواب مرحمت فرمایا جائے
۔ بینوا تو جزوا۔ محی الدین۔ فقیر محمد عبدالسلام۔ محمود احمد بقلم خود

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

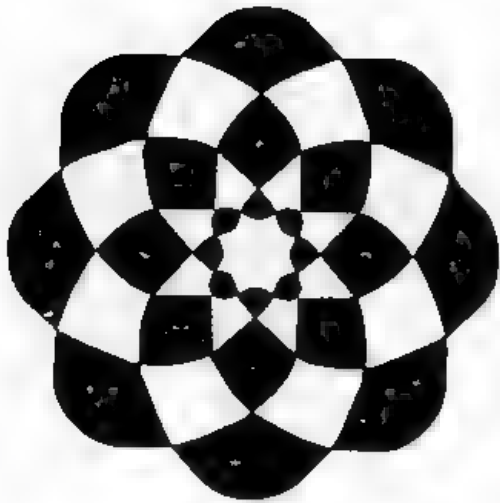
صورت مسئلہ میں جب رضا حسین کسی طرح طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تو پھر ایک
پنچایت مقرر کی جائے اور پنچ کسی ایسے دیندار عالم یا معزز کو مقرر کیا جائے جو احکام دین سے واقف ہو تو وہ
پنچ ان زن وشوہر کے معاملہ کو سنکر موجودگی رضا حسین کے ان کے مابین تفریق کر دے اور ان کا نکاح فسخ
کر دے تو شرعاً وہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔

فان الحكم كالفاضي في كل مالميس بحد ولا قود ولا دية على عاقلة كما نص

الفقهاء۔

پھر یہ سکینہ بیگم اس تفریق کے بعد عدت پوری کرے تو اپنا عقد کسی سے کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ
اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل



﴿۵۷﴾

باب الحضانة

(۶۶۴)

مسئله

بخدمت علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ ذیل کا جواب عنایت فرما کر داخل حسنت ہوں۔
میری شادی حسب شرع اہل سنت رواج قوم کے موافق احمد بخش ولد ملا جی سے ہوئی۔ احمد بخش کے صلب سے میرے تین بچیاں زندہ و سلامت ہیں احمد بخش نے قطعی بیجا اتہام لگا کر جلسہ عام میں بدنام کیا اور طلاق تحریری دے دیا۔ جب مہر مانگا گیا تو اسی جلسہ میں ہر سہ لڑکیاں احمد بخش نے مجھے سوئپ دی تھیں مجبوراً مہر معاف کر دیا، ہر سہ بچیوں کے بحیثیت حقیقی ماں ہونے ان کی پرورش کر رہی ہوں۔ اب میں ان بچیوں کی شادی کرنا چاہتی ہوں تو اب احمد بخش موصوف بیجا شہرت دیکر مجھے بیجا دھمکیاں دیتے ہیں کہ میں سیانی بچیوں کے شادی نکروں سوال یہ ہے۔

(۱) مہر کی طلبی پر بچیاں مجھے سوئپ دی گئیں اور مہر معاف کر لیا گیا تو کیا بچیوں پر کوئی حق احمد بخش کا قائم رہ سکتا ہے؟

(۲) تعلق زوجیت بیجا الزامات لگا کر طلاق دیا گیا طلبی مہر پر بچیاں سوئپ دی گئی اور ہر مفاد اسی جلسہ میں کرا لیا جا کر سب معاملہ طے کر لیا اب بیجا دھمکیاں دینا شریعت کے موافق جائز ہے؟

(۳) قبل بلوغیت کوئی کفالت نہ کرتے ہوئے بعد دست کشی حق قائم رہ سکتا ہے؟

(۴) بعد بلوغ کیا اہل سنت و جماعت کے نزدیک بچی حسب انتخاب شادی کرنے میں محتاج ہے؟

سائلہ:- مسماۃ بتول مطلقہ احمد بخش ۲۲ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ بروز سنہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) احمد بخش جب ان بچیوں کا باپ ہے تو اس کی پرورش شرعاً اس پر واجب تھی جس کے ادا نہ کرنے کی بنا پر وہ مجرم و گنہگار ہوا لیکن اس غلطی سے اس کا حق پداری باطل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) اگر ان لڑکیوں کی شادیاں قوم میں کفو اور اچھے چال چلن والے کمانے والے لوگوں سے کی جا رہی ہو تو پھر اس پر ایسے غیر مشفق باپ کا بیجا دھمکیاں دینا اور بلا وجہ ان کی مناسب شادیوں کا روکنا

خلاف شرع اور اس کے شفیق نہ ہونے کی مزید روشن دلیل ہے اور جب وہ لڑکیاں حد بلوغ کو پہنچ گئیں ہیں تو ان کی یہ سخت حق تلفی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) اگر فی الواقع احمد بخش نے ان بچیوں کی کسی طرح کی کفالت بالکل نہیں کی ہے۔ تو پھر ان کی شادیوں کے معاملات میں بھی اس کو اپنا حق نہیں جتاننا چاہئے کہ اس نے اپنی شفقت پداری کے خلاف ان کے ساتھ بہت برا معاملہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) لڑکی کے بالغہ ہونے کے بعد اس کی شادی و عقد کی اجازت ولی پر موقوف نہیں بلکہ اجازت میں وہی بالغہ خود مختار ہے۔ بالغہ کے لئے شفیق ولی صرف کفو اور ادائے حقوق زوجیت کی صلاحیت پر نظر کر کے فقط رشتہ کا انتخاب کیا کرتا ہے اور عقد بالغہ کی اجازت بغیر رضائے بالغہ کے شرعاً وہ خود نہیں دے سکتا کما هو مصرح فی کتب الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ

(۶۶۵)

مسئله

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
مسمی اقبال حسین و مسماۃ دلبری بیگم آپس میں شوہر و بیوی ہیں لیکن کسی وجہ سے زوجین میں ناچاقی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے مسماۃ دلبری بیگم عرصہ ڈیڑھ سال سے اپنے والد کے یہاں چلی گئی ہے۔ مسماۃ دلبری بیگم کے کطن سے ایک لڑکا مسمی آفتاب احمد ہے۔

مسمی آفتاب احمد کو اقبال حسین یہ چاہتا ہے کہ وہ میری ولایت میں رہے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے مسماۃ شہزادی بیگم جو کہ آفتاب احمد کی دادی ہوتی ہے اسے اندیشہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی بھی لڑکے کی ٹھیک طور پر پرورش نہیں کر سکتا۔

ایسے حالات میں لڑکے کو میری ولایت میں دے دیا جائے دیگر یہ کہ مسماۃ دلبری بیگم کی طرف سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرا لے۔ ایسے حالات میں لڑکے کی پرورش میں ضرر پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لہذا شرعاً لڑکا کس کی ولایت میں دیا جائے؟

مستفتی: محمد صدیق ولد کلن خان محلہ گولانج چندوی ہرآباد

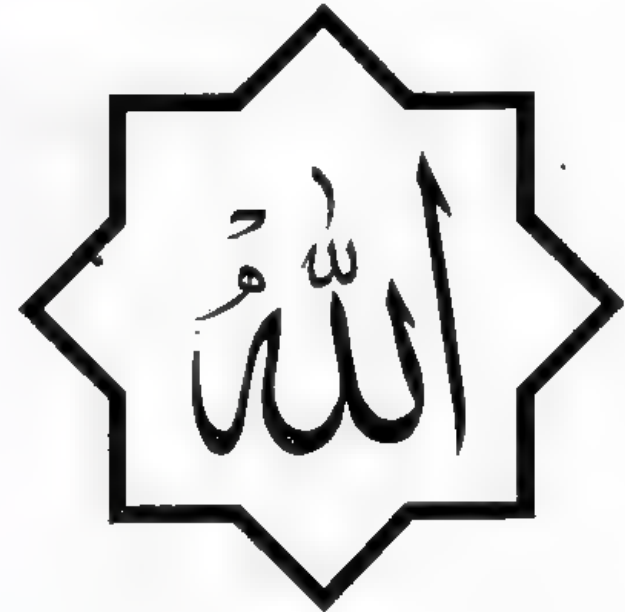
الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

آفتاب احمد کی پرورش کا حق اس کی والدہ مسماۃ دلبری بیگم کو ہے ہاں اگر وہ پرورش سے انکار کر دے تو پھر اس کے بعد مسماۃ شہزادی بیگم کو حق پرورش پہنچتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل



﴿۵۸﴾

باب حق الزوج والزوجة

مسئلہ

(۶۶۶)

از سنجل محلہ چودھری سرائے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک نابالغہ کا نکاح اس کے دادا نے اپنی ولایت سے بحالت نابالغی کر دیا تھا، اب بعد بلوغ جب وہ اپنے خاوند کے گھر پہنچی تو اس نے اس خاوند کو خاص حق زوجیت میں قاصر پایا۔ کچھ ایام گزار کر اپنے والدین کے گھر آئی۔ اب اس سے جب سسرال کے جانے کے لئے کہا گیا تو وہ اپنے خاوند کی ناقابلیت بیان کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ مجھے اپنی عصمت کا بہت زیادہ خیال ہے۔ اس لئے میں ہرگز وہاں جانا پسند نہیں کرتی۔ لہذا در یافت طلب یہ امر ہے کہ اب تاحیات یہ اس کے نکاح میں رہے گی؟ یا اس کی رہائی کی بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ اور اگر اسی کے نکاح میں رہے باوجود خوف عصمت کے یہ اس خاوند کے گھر رہ سکتی ہے یا نہیں؟ مینو اتوجروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر شوہر ابتدا سے عنین یعنی جماع پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو عورت کو حق مطالبہ ہے۔ یہاں تک کہ در مختار میں ہے: ولو وجدته عنینا او محبوبا ولم تخصم زما نا طویلا لم یطل حقها و کذا لو خاصمتہ ثم ترکته مدة فلها المطالبة۔

یعنی اگر عورت نے زوج کو عنین یا محبوب پایا اور مدت دراز تک اس سے جھگڑا نہ کیا تو اس تاخیر سے عورت کا حق باطل نہیں ہوتا اور اسی طرح اگر جھگڑا کر کے مدت تک چپ ہو رہی تو بھی اس کو مطالبہ کا اختیار ہے۔ لیکن اس وقت حاکم شرع نہیں ہے۔ لہذا عورت شوہر سے طلاق حاصل کرے اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو یا اس کو خلع پر تیار کر لے، یا دونوں زن شوہر برضا مندی کسی عالم یا فہیم کو اپنی طرف سے اس مقدمہ میں حکم مقرر کر کے اس کے روبرو پیش کریں اور وہ اگر عالم ہو تو خود موافق قواعد شرعیہ اور اگر عالم نہ ہو تو کسی عالم سے اس کا طریقہ دریافت کر کے اسی کے موافق دونوں میں تفریق کرادے۔

در مختار میں ہے: هو (التحكيم) توليته الخصمين حاكما يحكم بينهما وفيه فان حكم لزمهما ولا يتعدى الى غيرهما۔

اور بصورت عدم تفریق اگر اس کو سرال میں رہنے سے واقعی اپنی عصمت کا خوف ہے تو اس کا یہ عذر عند الشرع مسموع ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کافی حیلہ ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ اتقوا مواضع التهم او كما قال۔

یعنی تہمت کی جگہوں سے بچو۔ اور معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ لا طاعة في المعصية۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۸۷ھ

(۶۶۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

(الف) زید اپنے مکان سے ۳۰ میل کی دوری پر ایک کارخانہ میں ملازمت کرتا ہے اور اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ کمپنی کے کواٹر میں رہتا ہے۔ زید اتوار کے دن چھٹی میں اپنے مکان گیا۔ اس کے مکان میں زید کی بڑی ممانی اور چھوٹی ممانی کی قریب ۲۰ سالہ لڑکی ایک عرصہ کے بعد مہمان کے بطور اپنے دیس سے (تقریباً ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ) آئی ہوئی تھیں۔ زید نے اپنی ممانی اور اس کے نو سالہ لڑکی اور دوسرے رکشے میں زید کی ممانی اور میری بہن بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن آئے باقی سفر ریل سے ہوا۔ ایک ہفتہ بعد زید کی ممانی اور میری بہن اپنے دیس چلی گئیں۔ اب زید کے باپ سے زید کی بیوی نے شکایت کی زید اپنی میری بہن کے ساتھ ایک ہی رکشا میں اسٹیشن آئے تھے۔ اور زید کی ساس نے بھی یہی شکایت زید کے محلہ میں کر دی۔ لوگوں کے پوچھنے سے زید کی ساس اور بیوی نے کہا کہ زید کی لڑکی جو ساتھ میں آئی ہے وہی تو کہتی ہے یعنی زید کی لڑکی کو گواہ ٹہراتی ہیں۔ قریب دو ہفتہ بعد زید نے دو آدمیوں کے پاس فیصلہ کرایا اور لڑکی کی بات جھوٹی ہو گئی۔ مطلب کہ زید اپنی میری بہن کے ساتھ ایک ہی رکشا میں ہیں بیٹھا۔ اب زید اس ناحق شکایت پر اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنی میری بہن سے یا کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔

(ب) زید کی سگی بہن اسی جگہ بیاہی گئی ہے جہاں سے کہ زید کی ممانی اور زید کی میری بہن آئی

تھیں زید کے بہنوئی نے ایک خط زید کے پاس اپنی خیریت کے متعلق لکھا زید کی بیوی ان پڑھ ہے زید کی بیوی نے زید سے پوچھا کہ خط کہاں سے آیا ہے۔ زید نے کہا دیس سے اپنی اس جگہ سے جہاں زید کے بہنوئی اس کی بہن اور میری بہن رہتی ہیں۔ زید کی بیوی اور کچھ نہ پوچھی اور موقع پا کر اس خط کو چھپا لیا۔ زید کو معلوم ہوا تو اپنی بیوی کو قسم کھا کر یقین دلایا کہ یہ بہنوئی کا خط ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ مگر زید کی بیوی نے زید کے سامنے پھر اپنی ماں کے پاس شکایت کی کہ زید اپنی میری بہن سے خط و کتابت کرنا ہے۔ اس شکایت سے زید اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنی بہن سے یا اور کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

زید کی بیوی پانچ بچے کی ماں ہے اور تقریباً ۲۵ سال کی ہے اور اس کا شوہر ۳۰ سال کا تندرست آدمی ہے زید کی بیوی کی تندرستی برابر خراب جیسے دانت کی درد اعضاء کے جوڑوں میں درد کان کی شکایت اور جسم لاغر رہتا ہے زید کے گھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کھانے پینے کی کوئی کمی نہیں ہے زید کی بیوی کی تندرستی خراب رہنے کی وجہ سے زید کو زن و شوہر کے رشتے میں دل نہیں بھرتا زید اس حالت پر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

زید کے والدین اور زید کی بیوی کے والدین میں برابر چمک (جھگڑا) ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے زید اور زید کی بیوی میں ان بن رہتی ہے زید اور اس کی بیوی میں چمک ہونے سے دونوں کے والدین میں ان بن ہو جاتی ہے زید اس جھنجھٹ اور نا اتفاقی دیکھ کر اپنی بیوی کو طلاق دیکر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی ساتھ اس کے اپنے پانچوں کو دیدیئے اب اپنا بچوں کا حق زید کی جائداد پر قائم ہے یا نہیں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

محمد انور بن المونیم کمپنی لمیٹید ڈاکخانہ چوٹاری۔ رانچی (بہار)

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں بلا شک زید اپنی میری بہن یا اور کسی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ لیکن اس شادی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے خاص کر جب اس پہلی بیوی سے پانچ بچے موجود ہیں تو ان کی ماں کو طلاق دیدینے سے ان بچوں کی پرورش میں بہت دشواریاں پیدا ہو

جائگتی۔ لہذا ان وجوہ بالا کی بنا پر زید اپنی بیوی کو ہرگز ہرگز طلاق نہ دے پھر اگر وہ ہر دو بیبیوں کے حقوق مساوی طور پر ادا کر سکے تو اس کے لئے بلاشبہ کسی دوسری عورت سے نکاح کر لینا شرعاً جائز و روا ہے، اور بہر صورت ان بچوں کا اس کی جائداد حق ثابت قائم رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

کتبہ: ۱۔ لمختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۶۸)

مسئلہ

بخدمت شریف جناب قبلہ و کعبہ مولانا مولوی مفتی شاہ محمد اجمل صاحب دام مجدہ
کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی لڑکی عمرو کے نکاح میں دی جس کا عرصہ قریب دس سال کے ہوا عمرو ہر وقت اپنی زوجہ سے بد اخلاقی سے اور لڑائی و گالی گلوچ سے پیش آتا ہے نہ پورا نفقہ ادا کرتا ہے لڑکی تنگ آ کر باپ کے گھر آگئی تو زید نے چار بیچ مقرر کر کے عمرو کے گھر بھیج دی پھر بھی عمرو کا وہی حال ہے اور اب مہینہ قریب ہوا، مار پیٹ ادنیٰ ادنیٰ بات پر کرتا ہے، ایک روز بہت ماری، سر کو دیوار سے ٹکرا کر پیروں سے سکوں سے ماری، منہ سے خون گرا، دو عورتیں چھڑانے والی تھیں اور انہوں نے خون دیکھا، زید کو لڑکی نے بلایا زید جو پہنچا لڑکی نے باپ کے پیردبا ئے، پان لگا کر دیا تو عمرو کہتا ہے، تجھکو تیرے باپ کے ساتھ تعلق ہے، لڑکی نے زید سے کہا: زید نے کہا: بیٹی صبر کر، آخر بڑی مشکل سے زید روانہ ہونے لگا تو قریباً چار سال کا لڑکا عمرو نے چھین لیا، زید نے لڑکی کو روانہ کر کے آپ وہاں رک رہا کہ لڑکے کو لے جاؤں، ماں روتی ہوئی روانہ ہوگئی، آخر عمرو نے لڑکا نہ دیا اور زید کہتا ہے کہ تو اپنی لڑکی کے ساتھ کھاتا پیتا ہے، اتنا بڑا الزام لگایا خدا اس پر اپنا قہر غضب نازل کرے، اور الزام کے سننے والے ایک بار پانچ عورتیں ہیں، بعد میں زید اپنے گھر آ کر دو معزز آدمیوں سے کہا: انہوں نے لڑکے کو اس شرط پر منگایا کہ جب ہم کہیں گے لڑکی کو بھیجنا ہوگا، ایسے الزام کے ماتحت زید کو اپنی لڑکی کا خطرہ ہے، وہ کس طرح بھیجے اور لڑکے کے متعلق کیا ماں کا حق نہیں ہے جو ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا، اور زید بیچ دو دفعہ مقرر کر چکا ہے پھر بھی وہی حال ہے، کیا شریعت مطہرہ میں لڑکیوں کا کوئی حق نہیں، لڑکی نہ اچھا کھانے کو مانگتی ہے، کپڑا باپ کے گھر کا پہنتی ہے، اس کے ایک لڑکا ایک لڑکی دو بچے موجود ہیں، اللہ و رسول

کے حکم سے آگاہ کیجئے۔ بینو اتوجروا

مرسلہ نظام الدین صاحب محلہ چاندنا یوں کی ڈھل پالی ماروا ضلع جود پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

احادیث میں تو اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید اور ان کو بلا وجہ مارنے اور ان کی حق تلفی کرنے کی ممانعت وارد ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا والطفهم باهلہ۔

بیشک بلحاظ ایمان کے مسلمانوں کا کامل ترین زیادہ اچھے اخلاق والا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ زائد نرمی کرنے والا ہے۔

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا وغیار کم خیار کم نسائهم۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۸۲)

از روئے ایمان کے مسلمانوں کا کامل ترین شخص بہترین خلق والا ہے۔ اور تمہارا بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہو۔

ترمذی شریف و دارمی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر کم خیر کم لاهلہ وانا خیر کم لاهلی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۱)

تمہارا بہتر وہ ہے جو اپنی اہل کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی اہل کے لئے تم سے زیادہ بہتر ہوں۔ بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن زمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یجلد احدکم امرأۃ جلد العبد الخ۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۸۰)

تمہارا کوئی شخص اپنی عورت کو غلام کی طرح نہ مارے۔ ابو داؤد ابن ماجہ دارمی میں حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یضربوا آماء اللہ الحدیث۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۸۲)

تم اللہ کی باندیوں کو مت مارو (یعنی اپنی بیبیوں کو نہ مارو) ابو داؤد ابن ماجہ و مسند امام احمد میں حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے راوی

انہوں نے سرکار رسالت میں عرض کیا:

ما حق زوجة احدنا عليه قال ان تطعمها اذا اطعمت وتكسوها اذا اكسبت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تنهر الا في البيت۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۸)

یا رسول اللہ ہمارے اوپر بیوی کا کیا حق ہے، فرمایا جب تو کھائے تو بیوی کو بھی کھلا اور جب تو کپڑے پہنے تو بیوی کو بھی پہنا اور اس کے چہرے پر مت مار اس کو بدی کے ساتھ منسوب نہ کر۔ اور اس سے علحدگی نہ کر مگر خوابگاہ میں۔

ان احادیث شریفہ سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ کس قدر حسن معاشرت کا حکم دیا اور اس کو بلاوجہ مارنے کی کتنی ممانعت فرمائی۔ اور اس کا کھانا اور کپڑا ذمہ شوہر پر مقرر فرمایا اب جو شوہر اس کے خلاف عمل کرے یعنی اپنی بیوی سے بدخلقی اور بری معاشرت اختیار کرے اس کو بلاوجہ مارے اس کی حق تلفی کرے۔ اس کو کھانے پینے کو نہ دے تو وہ حقیقہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتا ہے لہذا اس عمر کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرے اس کو نہ مارے اس کی حق تلفی نہ کرے اور اپنی پہلی حرکات سے باز آئے۔

اب باقی رہا بچوں کی پرورش کا حق تو لڑکے کی سات برس کی عمر تک اور لڑکی کے بلوغ تک سب سے زائد اور پہلے ان کی ماں کو حق ہے اور ان کے بعد باپ کو ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

احق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح او بعد الفرقة الام والام والحدة احق بالغلام حتى يستغنى وقدر بسبع سنين و احق بالحارية حتى تحيض واذا بلغت الشهوة فالاب احق وهذا صحيح ملخصا۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ لڑکے کی ساتھ برس کی عمر تک اور لڑکی کی تا بلوغ پرورش کی حقدار ماں ہوتی ہے تو شرعاً باپ اس کے بعد پرورش کا حقدار بنتا ہے تو جب لڑکا چار برس کا ہے تو اس کی حقدار ماں ہے عمر کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنبھل

کتاب الطلاق

﴿۵۹﴾

باب الطلاق البائن

(۶۶۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے متعلق بہ نیت طلاق یہ کہا کہ میں نے اس کو آزاد کیا ایک مرتبہ۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟۔ بینواتو جروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اس عورت کو طلاق بائنہ ہوگئی۔ اب زید اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۸۰ھ

(۶۷۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی بیوی پر لوگوں نے تہمت لگائی کہ اس کا تعلق زید کے نوکر خالد سے ہے اس پر زید نے بلا کسی تحقیق کے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا اور مارا بھی بیوی غصہ ہو کر زید کے گھر سے چلی گئی زید اپنے ملازم کو جس کا نام خالد ہے ساتھ لیکر اس کی تلاش میں نکلا جستجو کے بعد بیوی ملی اور یہ سب لوگ تھانے میں گئے تھانے دار کے سامنے یہ سب واقعہ بیان کیا گیا بیوی نے کہا کہ مجھ پر یہ تہمت لگائی ہے اور جب یہ تہمت مجھ پر لگائی گئی ہے تو اب میں بھی زید کے پاس رہنا نہیں چاہتی میں اسی نوکر خالد ہی کیساتھ رہوں گی، زید نے بیوی سے گھر چلنے کے لئے کہا، اس نے انکار کر دیا۔ پولس افسر نے کہا کہ زید کی تمہاری بیوی تمہارے ساتھ راضی خوشی سے جاتی ہے تو لے جاؤ ورنہ اس کو چھوڑ دو۔ اس پر زید نے کچھ نہ کہا اور صبح کو اپنے بڑے بچے کو لیکر اپنے گاؤں چلا گیا اور زید کی بیوی نوکر کے ساتھ چلی گئی۔ اسی طرح زید کے بیوی اس کے نوکر

خالد کے پاس ڈھائی تین سال سے ہے، اس درمیان میں زید نے اس کے ملنے والوں سے کہا کہ تم نے اپنی بیوی کو بلایا ہوتا تو کہا: کہ اب وہ ہمارے کام کی نہیں رہی، نہ زید نے کوئی خط بھیجا اور نہ خرچہ بھیجا اور نہ کسی قسم کی خبر گیری کی۔ زید کا نوکر ہندو ہے وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہو کر اس سے نکاح ہی کر لوں تو اچھا ہے، حرام کام۔ سے تونج جاؤں گا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں یہ نکاح ہوا تو جائز ہوگا یا نہیں؟۔ اور تھانے دار کے کہنے سے کہ تمہاری بیوی رضا مندی سے تمہارے ساتھ جائے تو لے جاؤ زبردستی مت کرو۔ اس کو چھوڑ جاؤ تو زید کا چھوڑ جانا اور یہ کہنا کہ وہ میرے کام کی نہیں رہی اس سے طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں؟۔ اس مسئلہ کو جہاں تک ہو سکے جلدی روانہ کر دیں، کیونکہ زید کا نوکر مسلمان ہونے کے لئے بھی کہہ رہا ہے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ زید کی بیوی خدا نخواستہ مرتدہ نہ ہو جائے بلکہ زید کی بیوی کو مدت زیادہ ہوتی ہے قریب چار سال کے ہوئے ہیں لیکن زید کی طرف سے اب تک کوئی خبر نہیں آئی حالانکہ خالد کے نطفہ سے ایک بچہ بھی ہے۔ بینواتو جروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید کا یہ الفاظ کہنا کہ اب وہ میرے کام کی نہیں رہی اگر بہ نیت طلاق تھا تو یہ الفاظ کنایہ سے ہے اور ان سے ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائیگی۔
فتا، عالمگیری میں ہے:

او قال لم يبق بيني وبينك عمل ونوى يقع ولو قال لها: مرا تو کارے نیست وترابا من نے لا يقع بدون النية۔ (عالمگیری مصری ص ۶۷ ج ۲)

اگر شوہر نے کہا میرے اور تیرے درمیان کوئی کام باقی نہیں رہا اور نیت کی تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ اور اگر عورت سے کہا مجھے تجھ سے کوئی کام نہیں اور تجھ کو مجھ سے نہیں تو بلا نیت طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور زید کی مذکرہ طلاق یا غضب کی حالت تھی تو بلا نیت بھی طلاق واقع ہو جائیگی تو اسکا خالد سے اس کے اسلام کے بعد نکاح ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۸۰ھ

مسئلہ

(۶۷۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی جس کو عرصہ بائیس سال ہو رہے ہیں۔ بعدہ زید نے دوسرا نکاح کر لیا اور ہندہ کے ساتھ بدسلوکی کرنا شروع کر دیا، کپڑا وغیرہ بند کر دیا۔ آخر ہندہ نے مجبور ہو کر کپڑا طلب کیا۔ اس مطالبہ پر زید نے ہندہ کو زد و کوب کیا اور اپنے گھر سے نکال دیا اور کہا: کہ تمہارا کھانا کپڑا کچھ نہیں مل سکتا ہے، تیرا جہاں جی چاہے جا جسکو عرصہ گیارہ سال ہوتا ہے۔ اب ہندہ اپنی ماں کے پاس رہتی ہے ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور ہندہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینو اتو جروا۔ المستفتی۔ عبد اللہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں یہ کلمہ ”تیرا جہاں جی چاہے چلی جا“ الفاظ کنایات طلاق سے ہے۔ اگر شوہر نے بے نیت طلاق یہ الفاظ کہے تھے جب تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر یہ الفاظ بے نیت طلاق کہے ہیں تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

در مختار میں ہے: فالكنایات لا تطلق بها قضاء الابنية۔

تو یہ ہندہ صرف اس صورت میں اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۸ اشوال المکرم ۱۳۷۳ھ

کتبہ: المصمم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۷۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی اپنی زوجہ کو لکھے کہ آج سے میں اس رشتہ زوجیت کو ختم کرتا ہوں۔ اس جملہ کے لکھنے سے تین طلاقیں واقع ہوگی یا نہیں؟۔ نیز غصہ اور جادو کے دباؤ کو وجہ سے جو طلاق دی جاتی ہے وہ ٹھیک ہوتی یا نہیں؟۔ بینو ابالدلیل القوی وتوجروا عند اللہ بفضل اللہ تعالیٰ وتوسل تراب نعلین سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم۔

المستفتی منشی محمد اعجاز علی معرفت جناب محمد احمد صاحب وکیل محلہ خلیل غربی شاہجہاں پور

۸ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں شوہر کا اپنی بیوی سے یہ جملہ (میں آج سے اس رشتہ زوجیت کو ختم رہا ہوں) الفاظ کنایہ طلاق سے ہے۔ اگر اس شوہر نے اس جملہ کو بے نیت طلاق لکھا تو اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اور تین طلاقیں کی نیت بیان کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لو قال لها لا نکاح بینی و بینک او قال لم یبق بینی و بینک نکاح يقع الطلاق اذا

نوی۔

ہدایہ میں ہے: وبقيّة الكنايات اذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بآينة وان
نوى ثلثا كان ثلثا۔

لیکن شوہر نے جب یہ جملہ بذریعہ تحریر بھیجا ہے تو اس سے طلاق واقع ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ۔ یا تو اس خط کا شوہر کا ہونا بشہادت شرعی ثابت ہو جائے۔ یا خود شوہر اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے اس کو میں نے بھیجا ہے۔

ردالمحتار میں ہے ”بعث به اليها فاتها وقع ان اقر الزوج انه كتبها او قال للرجل ابعت به اليها او قال له اكتب نسخة وابعت بها اليها وان لم يقر انه كتبها به وان لم تقم بينة لکنه وصف الامر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة“

نیز شوہر یہ بھی اقرار کرے کہ یہ جملہ میں نے بے نیت طلاق لکھا ہے تو اس عورت پر طلاق واقع ہوگی۔ پھر اگر ایک طلاق کی نیت ظاہر کرے تو ایک ہوگی اور تین کی نیت بیان کرے تو تین ہوگی۔

بالجملہ جب یہ تمام شرائط پائے جائیں تو اس عورت پر طلاق واقع ہوگی ورنہ اس پر طلاق ہی واقع نہ ہوگی۔ جب غصہ اس قدر ہو کہ اپنی بیوی کو پہچان رہا ہے اور یہ بھی جان رہا ہے کہ طلاق سے عورت نکاح سے خارج ہو جاتی ہے اور پھر اس کو یہ بھی یاد ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اور ان الفاظ

میں وہی مراد ہے تو ایسے غصے سے طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ غصہ جس میں عقل بالکل جاتی رہے اور اپنے اقوال و افعال کو تک نہ سمجھے جو مدہوش کہلاتا ہے صرف اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے لیکن یہ بہت نادر الوجود ہے۔ اسی طرح اگر جادو سے عقل جاتی رہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے ورنہ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۷۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے ہندہ کو طلاق بائن دی اور ہندہ بالغہ بھی ہے اور طلاق دیے ہوئے عرصہ تین دن کا ہوا ہے اور نکاح کو کل دو ماہ کا عرصہ ہوا ہے اور ہندہ ہی سے زید کو خلوت صحیحہ بھی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ہندہ مذکورہ سے کب نکاح ہو سکتا ہے اور کے حیض گزرنے چاہئیں۔ اس کے جواب کو بحوالہ کتب فقہ مرحمت فرمائیے گا۔ بینوا و تو جزوا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر یہ بات صحیح ہے کہ ہندہ کی زید سے خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی تھی اور زید نے اس کو طلاق بائن دیدی ہے تو اس ہندہ پر عدت واجب نہیں۔ یہ فوراً اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: وكذا لا يجب عليها العدة لو طلقها قبل الخلوة
“فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اربع من النساء لا عدة عليهن المطلقة قبل الدخول الخ”
در مختار میں ہے: وسبب وجوبها (العدة) عقد النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه من موت او خلوة ای صحیحہ۔ واللہ اعلم بالصواب

۳ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۷۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عرض یہ ہے کہ میری شادی کو عرصہ ڈھائی سال کا ہوا میرے شوہر نے ایک ماہ بعد سے میری خیر گیری چھوڑ دی ہے اور مجھ کو کھانے وغیرہ کو بھی دینا بند کر دیا ہے میں سخت پریشان ہوئی مجبور ہو کر اپنے ماں کے گھر سنبھل چلی آئی۔ چند عرصہ کے بعد میرے والد نے پھر مجھ کو دہلی میرے شوہر کے پاس پہنچا دیا تو شوہر نے حسب عادت کھانے پینے کی تکلیف دینا شروع کر دی میں نے چند کنبے کے آدمیوں سے کہا کہ مجھ کو کھانے وغیرہ کو نہیں دیتے ہیں میں پردیس میں کیا کروں مجبور ہو کر میں نے پھر کھانے کو مانگا تو میرے شوہر نے مجھ کو مارا اور یہ کہہ کر مجھ کو اپنے مکان سے نکال دیا کہ میرے پاس کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں ہے میں یہ کہتا ہوں کہ تیرا جہاں دل چاہے تو چلی جا میں نے یہ کہا جب تم مجھ کو روٹی کپڑا نہیں دے سکتے ہو تو مجھ کو آزاد کر دو۔ یہ سکر میرے شوہر نے غصہ ہو کر کہا کہ جا میں نے تجھ کو علیحدہ کیا علیحدہ کیا علیحدہ کیا یہ کہنے کے بعد میں اپنے شوہر کے گھر سے فوراً اپنے رشتہ دار کے گھر چلی گئی جس کو عرصہ ڈیڑھ ماہ سے زیادہ گزر گیا ہے لہذا یہ مسئلہ پیش ہے شرعاً کیا صحیح ہے؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں عورت نے اپنی آزادی کا شوہر سے سول کیا اس کے جواب میں شوہر نے غصہ ہو کر یہ کہا کہ جا میں نے تجھ کو علیحدہ کیا علیحدہ کیا تو الفاظ جا اور چلی جا۔ اذہبی وانتقلی وانطلقی کے ترجمے اور یہ الفاظ ان کنایات سے ہیں جو رد جواب دونوں کیلئے ہیں اور میں نے تجھ کو علیحدہ کیا یہ “فارتقت” کا ترجمہ ہے اور یہ کنایہ کے ان الفاظ میں سے ہے جو فقط جواب کیلئے ہے اور اس میں مذاکرہ طلاق بھی پایا گیا اور حالت غضب کا ہونا خود سوال میں مذکور ہے۔ تو بحیثیت مجموعی ان الفاظ سے یقیناً بابتہ واقع ہوگی، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: قال فی حوالہ مذاکرہ الطلاق فارتقت او ابتنت او سرتحت يقع الطلاق وان قال لم اتو الطلاق لا يصدق قضاء۔ تو بلاشبہ اس عورت پر طلاق واقع ہوگئی۔ یہ عورت بعد عدت کے جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو مرتبہ طلاق دی، کیا زید کی بی بی، دو مرتبہ طلاق دینے سے کیا نکاح سے باہر ہوئی اگر نکاح سے باہر نہیں ہوتی ہے، تو کتنے ماہ کے بعد نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ فرض کیا کہ زید نے چاروپانچ ماہ تک اپنی بی بی کو اپنی طرف رجوع یا نکاح نہیں کیا، تو کیا ہندہ کو دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی ضرورت ہوگی؟۔

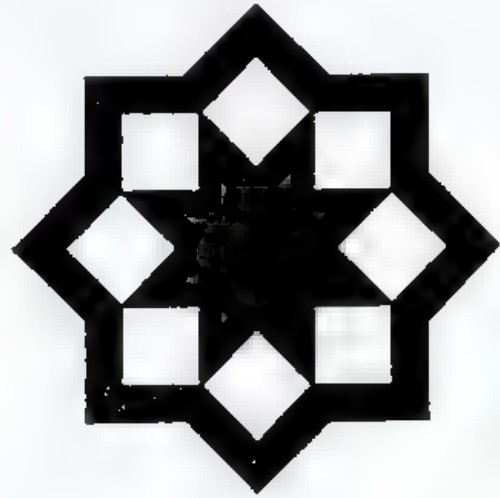
الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر شوہر نے صریح الفاظ میں اپنی بیوی کو طلاق رجعی دوبارہ دی ہے تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے، اور عدت گزر جانے کے بعد وہ اسکے نکاح سے باہر ہو جائے گی، اور وہ بلا حلالہ کیے اسی شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۵۰ھ



باب الطلاق المغلظہ

(۶۷۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی شادی مسماۃ ہندہ کے ساتھ تقریباً ۳ سال گزرے ہوئی۔ اور برابر ایک دوسرے کے تعلقات زن و شوہر کی طرح رہے عرصہ تقریباً ۳ ماہ کا ہو رہا ہے کہ زید اور ہندہ میں خانگی معاملہ کی بنا پر جھگڑا ہوا۔ زید نے غصہ کی حالت میں بلا کسی نیت اور خیال کے اپنی عورت سے کہنا شروع کیا کہ ہم نے طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا اور یہ الفاظ طلاق دیا طلاق دیا ایک ہی سانس میں مسلسل کہتا چلا گیا۔ جب کہہ چکا تو عورت کہنے لگی کہ میں طلاق نہیں چاہتی ہوں۔ میں ساری زندگی ساتھ نہیں چھوڑو گی جہاں رہو گے وہیں رہو گی۔ اس کے بعد جب اس کی شہرت ہوئی تو لوگوں کے سوال پر زید نے جواب دیا کہ جھگڑے اور غصہ کی حالت میں مجھ سے یہ کلمے نکل گئے ہیں۔ لیکن نہ تو میری نیت طلاق دینے کی تھی اور نہ عورت نے قبول کیا اور نہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں مجھے ہوش نہیں کہ میں نے دس بار یا پانچ بار یا بیس بار کتنے بار اپنے منہ سے طلاق دیا۔ طلاق دیا کہہ دیا ہے اس کے بعد سے دونوں ایک ہی گھر میں مقیم ہیں اور اپنے اس فعل پر تادم ہیں۔ لہذا سوال دریافت طلب یہ ہے کہ کس قسم کا طلاق واقع ہوا اور یہ دونوں اپنے تعلقات کس طرح قائم رکھیں۔ فقط

ڈھونڈوے ساکن نیپال منج ضلع بہرائچ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اس صورت مسئلہ میں مسماۃ ہندہ پر یقیناً طلاق واقع ہوگئی اور طلاق بھی طلاق مغلظہ ہوئی۔ اب باقی رہا یہ عذر کہ غصہ کے حال میں یہ الفاظ طلاق کہے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق اکثر و بیشتر غصہ ہی میں دی جاتی ہے۔ اور رضا مندی کے حال میں کون اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنے امور کو خراب کرتا ہے۔ تو طلاق کا سبب اکثر غصہ ہی ہوتا ہے اور شرعاً غصہ میں طلاق واقع ہو جاتی ہے رد المحتار میں ہے ”ویقع طلاق سن غضب“ اسی طرح اس کا یہ عذر کہ میں نے ان الفاظ طلاق سے نیت طلاق ہی نہیں کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب طلاق کے الفاظ صریح ہوں تو پھر اس میں نیت کی حاجت نہیں رد المحتار میں

ہے "الصريح لا يحتاج الى التوبة" تو صریح الفاظ طلاق میں بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور زید کے صریح الفاظ طلاق ہی ہیں۔ نیز یہ عذر بھی کارآمد نہیں کہ عورت نے اس طلاق کو قبول ہی نہیں کیا کہ وقوع طلاق کے لئے عورت کا قبول کوئی شئی نہیں ہاں اس صورت میں اس کی یہ بات باقی ہے کہ ان الفاظ طلاق میں عورت کی طرف نسبت و اضافت نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں طلاق کی عورت کی طرف نسبت صراحۃً تو مذکور نہیں لیکن زید یہ الفاظ عورت کو مخاطب بنا کر جواباً کہتا ہے اور عورت کو اس طرح مخاطب بنا کر کہنے سے بھی نسبت و اضافت طلاق حاصل ہو جاتی ہے۔ رد المحتار میں ہے "الاضافة الى المعنوية فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية" الحاصل صورت مسئلہ میں الفاظ مذکور سے طلاق مغلظہ واقع ہو گئی تو یہ اگر پھر اپنے آپس میں تعلقات پیدا کرنے چاہتے ہیں تو یہ بعد حلالہ شرعی کے نکاح کریں۔ اور اب ایک گھر میں یہ ہرگز مقیم نہ رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

مسئلہ

(۶۷۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی لڑکی ہندہ کی شادی بکر سے کر دی تھی، کچھ عرصہ کے بعد آپس میں نفاق پیدا ہو گیا، لڑکی اپنے باپ کے گھر آئی ہوئی ہے، ایک مرتبہ بکر اپنی سسرال گیا اور وہاں پر زید یعنی خسر سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا دوران جھگڑا میں بکر نے اپنے خسر زید سے کہا کہ اب یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی لڑکی کو طلاق دے دوں، زید نے جواب دیا کہ زید نے اسی موضوع پر چند بار ٹکرا رہی اور بکر غصہ کے ساتھ مکان سے باہر نکل آیا۔ دروازہ پر ایک شخص نے دریافت کیا کیوں براتے ہو کیا بات ہے، فوراً بکر نے جواب دیا میں سب قصہ ہی ختم کر آیا، اس کے بعد لوگوں میں چرچہ ہو گیا کہ بکر نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی، بہت برا ہوا۔ بکر سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ تو اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے آیا، بکر نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، اس کے خسر زید سے معلوم کیا زید نے جواب دیا کہ بکر نے میری لڑکی کو تین مرتبہ طلاق دے دی ہیں۔ موقع پر چند لوگ موجود تھے۔ چار اشخاص کا حلفیہ بیان ہے کہ بکر نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دی۔ یوں کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق

دی۔ پانچ اشخاص کا حلفیہ بیان ہے کہ بکر نے صرف اتنا کہا تھا کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی لڑکی کو طلاق دے دوں اس کے بعد پنجایت ہوئی پنجایت میں زید نے کہا کہ بکر خود ہی اپنے حلف سے کہہ دے کہ اس نے طلاق دی کہ نہیں، بکر نے قرآن اٹھا کر حلفیہ بیان دیا کہ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی لڑکی کو میں طلاق دے دوں، دو چار بار یہی کہا اور کچھ نہیں کہا خود ہی زید نے اور زید کے شاہدوں نے بکر کے حلف اٹھانے کو تسلیم نہیں کیا۔ اور کہا کہ میرے نزدیک یہ حلف جھوٹا اٹھایا، اور اگر اس نے جب نہیں دی تو اب دے دے۔ دریافت طلب یہ بات ہے کہ ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟۔ مع حوالہ حدیث جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) زید نے قرآن اٹھا کر بھی تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ میرے نزدیک جھوٹا حلف اٹھایا ہے شرعاً گنہگار ہوا کہ نہیں؟۔

(۲) شوہر کی طرف سے جو پانچ اشخاص نے گواہی دی ہے وہ شرعاً قابل قبول ہے کہ نہیں؟۔

بینوا تو جروا، نیاز محمد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید تین طلاق کا مدعی ہے اور اپنے اس دعوے پر چار شاہد پیش کرتا ہے۔ جن کا حلفیہ بیان یہ ہے کہ بکر نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دی اور یہ کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی، تو مدعی کا دعویٰ شرعاً ثابت ہو گیا،

صحیح حدیث شریف میں ہے: البينة على المدعى واليمين على من انكر۔ یعنی مدعی پر گواہوں کا پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ پر حلف اور قسم ہے۔ تو جب مدعی زید کے پاس گواہ موجود ہیں تو زید کا دعویٰ یعنی تین طلاقیں اسی گواہی سے ثابت ہو گئیں، بکر سے شرعاً حلف اس وقت لیا جاتا جب زید کے پاس گواہ موجود نہ ہوتے۔ اور جب زید مدعی کے گواہ موجود ہیں تو بکر مدعی علیہ سے حلف کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔ اس واقعہ میں زید کا بکر سے حلف لینا ہی غلط تھا۔ لیکن بکر کے حلف کے بعد بھی اعتبار بینہ مدعی کا ہے نہ بکر کے حلف کا۔ مجمع البحار میں ہے: لو حلف المدعى عليه فاقیمت البينة بعدها على خلاف ما حلف عليه كان الاعتبار بالبينة لا بالحلف۔ (مجمع البحار، ج ۱ ص ۱۳۱)

تو حاصل جواب یہ ہے کہ دختر زید یعنی زوجہ بکر پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اور وہ بکر کے نکاح

سے یقیناً خارج ہوگئی اور یہ بکر بغیر حلالہ کے اس مطلقہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ اور بکر کا حلف غیر معتبر ہے۔ اور اس کے گواہان مدعی کے گواہان کے مقابلے غیر مقبول ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المستصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

مسئلہ

(۶۸۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی بیوی ہمیشہ زید کی ماں سے سرخروئی جھگڑتی، زید اپنی بیوی سے بار بار یہ کہتا تھا کہ تم میری ماں سے ہرگز نہ جھگڑو اگر جھگڑو گی تو تم کو طلاق دیدونگا۔ باوجود ان باتوں کے زید کی بیوی اپنی دشاداسن سے جھگڑنے میں باز نہیں آئی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ زید اپنے کاروبار میں گئے ہوئے تھے ان کی بیوی ہندہ زید کی ماں سے سختی سے جھگڑی اثنائے جھگڑا زید اپنے مکان پہنچا۔ زید کی ماں زید سے کہنے لگی کہ ہم تم کو برابر کہتی ہوں کہ اگر تم ہماری بیوی ہم سے جھگڑا تکرار کرے گی تو ہم دودھ مادری کو کبھی معاف نہیں کرو گی اور آج بھی کہتی ہوں۔ اس بات کو زید اپنی ماں سے سکر فوراً کہنے لگا کہ بیوی ہم کو بہت ملے گی مگر ماں کا ملنا اور ماں کا قصور معاف کرنا دشوار۔ یہ کہہ کر اپنی ہندہ سے کہنے لگا ہم نے تم کو طلاق دی۔ میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی۔ تم نکل جاؤ غرض کہ اسی طرح سات مرتبہ کہا بعد کو جب کہ ان کی بیوی ہندہ گھر سے نہیں نکلی تو زید نے بیوی کے سر کے بال پکڑ کر ہاتھ گردن میں ڈال کر گھر سے نکال دیا۔ بعد کو لوگوں نے دونوں کو پکڑ کر پوچھنے لگے تو زید وہی مذکورہ بالا لوگوں کو سنانے لگا۔ ان کی باتوں کی چند گواہان یہ ہیں قاضی عثمان صاحب۔ قاضی محمد سکندر صاحب، شیخ محمد ابراہیم صاحب، صدر الدین صاحب، محمد امیر الدین صاحب۔ محمد مجید صاحب، محمد نظر علی صاحب، شیخ محمد مہر علی صاحب، محمد علیم الدین صاحب نیز ان سوالوں کو بڑے بڑے علمائے دین کے پاس بھیجا گیا ہے جواب طلاق مغلظ آیا تھا۔ بعد کو ان باتوں کو ٹھکرا کر ایک جھوٹ گواہ کو تیار کر کے اس کے سوال امارت شرعیہ بھیجا کہ زید اپنی بیوی کو دو مرتبہ کہا کہ میں نے دو مرتبہ طلاق دی یعنی یہ کہا کہ میں نے تم کو طلاق دی میں نے تم کو طلاق دی۔ تم گھر سے نکل جاؤ۔ اس کا جواب آیا کہ طلاق بائن واقع ہوئی عدت کے اندر رجعت کرلو۔ اس جواب پر ان کو رجعت کر لیا آج سترہ ماہ گزر رہے ہیں زید سے ہندہ حاملہ ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس حاملہ سے جو بچہ یا بچی پیدا ہوگی اس

پر کیا حکم شرعی ہوگا؟ وہ لڑکا یا لڑکی۔ مدلل کتب معتبرہ سے نقل حدیث اور ترجمہ تحریر فرمادیں کیونکہ ہم انجان کو سمجھ میں آجائے۔

المرسل جملہ گواہان مذکور عثمان و سکندر صاحبان وغیرہم۔ موضع منڈیل ڈاکخانہ بآس ضلع پورینہ بہار

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کی بیوی پر طلاق مغلظ واقع ہونے پر جب کثیر تعداد میں شرعی گواہ موجود ہیں تو اس کی زوجہ زید پر یقیناً طلاق مغلظ واقع ہوگئی اور یہ عورت اس پر حرام ہوگئی۔ اب زید اس سے رجعت کر سکتا ہے نہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے جب تک کہ حلالہ نہ ہو۔ یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح

باحسان۔

پھر اس کے بعد فرماتا ہے: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا ان ظنا ان يقبعا حدود الله۔ (سورہ بقرہ ۲۸۶) طلاق (رجعی) دوبار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے رجعت کر کے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ پھر تیسری طلاق اسے دے تو اب وہ عورت اسے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے خداوند کے پاس نہ رہے۔ پھر وہ دوسرا شوہر اگر طلاق دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں ملیں (دوبارہ نکاح کر سکیں) اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں بنائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہو گیا کہ دوبار تک صریح رجعی ہوتی ہے اور رجعی طلاقوں میں عدت کے اندر شوہر رجعت کر سکتا ہے اور عدت گزار جانے کے بعد رجعت نہیں کر سکتا ہے، ہاں اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ اور تیسری طلاق کے بعد بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے پھر اس سے نہ رجعت کر سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ ہاں جب وہ عورت بعد عدت دوسرے سے نکاح کر لے اور وہ دوسرا شوہر بعد صحبت کے اس کو طلاق دے پھر وہ عورت عدت گزارے اسے حلالہ کہتے ہیں۔ اس حلالہ کے بعد شوہر اول سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔

یہاں زوجہ زید کو تو نہ فقط تین طلاقیں بلکہ سات طلاقیں زید نے دیں۔ لہذا بحکم قرآن کریم یہ

عورت زید پر ایسی حرام ہوگئی کہ اس کا اس سے رجعت کرنا بھی غلط و باطل قرار پایا۔ اب بغیر حلالہ کیے زید اس سے دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ تو زید فوراً اس عورت سے جدا ہو جائے اور اپنے مکان سے علیحدہ کرے۔

امارت شرعیہ والوں کو اولاً تو سوال ہی جھوٹا اور خلاف واقعہ پہنچا۔ لہذا ان کا فتویٰ ہی اس واقعہ سے بالکل غیر متعلق۔ اور زید کے لئے ناقابل عمل ٹھہرا۔

ثانیاً انکا دو صریح طلاقوں کے سوال کا جواب دینا کہ طلاق بائن واقع ہوئی عدت کے اندر رجعت کرلو۔ یہ غلط و باطل ہے۔ اور قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہے کہ قرآن کریم تو ایسی صریح طلاقوں کو رجعی فرماتا ہے اور یہ مفتی امارت شرعیہ اس کے خلاف ایسی دو صریح طلاقوں کے بائن قرار دیتا ہے۔ نیز قرآن کریم تو طلاق رجعی ہی کو قابل رجعت قرار دیتا ہے۔ اور یہ نا اہل مفتی اس کے مقابل طلاق بائن کو بھی قابل رجعت ٹھہراتا ہے۔ تو اس قابل مفتی کا جواب قرآن کریم کے مخالف و مقابل ہوا۔ اور اس لاعلم کو بائن و رجعی کے معانی شرعیہ کا فرق معلوم نہیں۔

اس مفتی کی پہلی جہالت تو یہ ہے کہ یہ دو طلاق کے بائن یا رجعی ہونے کا امتیاز نہ کر سکا۔ دوسری جہالت یہ ہے کہ رجعی کو بائن قرار دیا۔ تیسری جہالت یہ ہے کہ طلاق بائن کو عدت کے اندر قابل رجعت ٹھہرایا باوجود کہ در مختار میں تصریح موجود ہے: فان ابانها فلا رجعة۔

چوتھی جہالت یہ ہے کہ اس مفتی کو بصورت طلاق بائن شوہر کی طرف واپسی کا طریقہ معلوم ہی نہیں حالانکہ کتب فقہ میں صاف لفظوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ طلاق بائن میں عدت یا بعد عدت بغیر حلالہ نکاح ہو سکتا ہے۔

لہذا عالمگیری میں ہے: اذا كان الطلاق بائناً دون الثلث فله ان يتزوجها في العدة وبعد انقضائها۔

تو جب امارت شرعیہ کا فتویٰ قرآن کریم کے حکم کے خلاف ثابت ہوا اور اس میں چار جہالتیں موجود ہیں تو ایسا غلط و باطل فتویٰ کس طرح لائق عمل ہو سکتا ہے اور زید کا یہ جانتے ہوئے کہ میں نے اپنی بیوی کو نہ فقط تین بلکہ سات طلاقیں دی ہیں اور جھوٹ بولکر دو طلاقیں کا اظہار کر کے غلط فتویٰ حاصل کیا گیا ہے اسے دلیری نہ کرنی چاہئے: تھی کہ سترہ ماہ حرام ہوتا رہا ہے۔

لہذا زید کو توبہ کرنی چاہئے اور جس نے جھوٹی گواہی دی ہے اس پر بھی توبہ و استغفار لازم و ضروری

اگرچہ اس کی بیوی نکاح سے تو خارج نہ ہوئی مگر آئندہ ایسی جرات نہ کرے۔ اب باقی رہا حمل کا اور بچہ کا ثبوت نسب تو اس بچہ کا نسب تو وہ اسی زید سے ہی مانا جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وکل امرأة و حبت علیها العدة فان نسب ولدھا یثبت من الزوج الا اذ علم یقیناً انه لیس منه و هو ان یحیی لا کثر من سنتین۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۳/ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

کتبہ: المحکم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۶۸۱)

محمد، و نصلی علی رسولہ الکریم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

لذ رش یہ ہے کہ میں نے چند حدیثیں اور امام اور صحابہ کے قول پڑھے جو تحریر کرتا ہوں۔ مازنی نے کتاب معالم میں لکھا ہے کہ امام محمد ابن مقاتل جو یہ لکھتے ہیں کہ طلاق ثلاثہ جو ایک ساتھ کی ہوں وہ ایک رجعی کے حکم میں ہیں اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا ایک قول ہے اور حضرت امام کا قول بھی یہی ہے۔ ابن تیمیہ کے ماشیہ بیضاوی پر یہ ہے۔ ای مدعة غیر مشروعة فيكون محرماً اذا اجتمع بان قال طالق طالق دفعه واحدة وقع عنده لكن يقع واحدة رجعية۔ اس سے تو بدعت اور خلاف شرع حرام ممنوع ثابت ہے تین طلاقیں ایک ساتھ دینا طلاق رجعی واقع ہوتی ہے یعنی ایک طلاق کے حکم میں ہے۔ پھر یہ عبارت کے تحریر کیجئے اور اگر کوئی حدیث ہے تو حدیث کا بھی حوالہ دیجئے۔

امیر حسن، محمود پور، پرگنہ سنجل

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ مسلمین امام فخری، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام احمد اور اکثر سلف و خلف رضوان اللہ علیہم اجمعین، کا یہی مسلک ہے کہ جس نے ایک مجلس میں ایک ساتھ تین طلاقیں دیں تو وہ تین ہی طلاقیں شمار ہوں گی اگرچہ وہ گناہگار ہوگا، لیکن اس کو کسی طرح حق رجعت نہیں ہے۔ اور جس نے اسکے خلاف کیا وہ مذہب مخالف جمہور اور سلف قرار پایا۔ چنانچہ حاشیہ بخاری شریف میں عینی سے نقل ہیں۔

ذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم النخعي والثوري وابو حنيفة واصحاب مالك والشافعي واصحابه واحمد واصحابه واسحاق وابو ثور وآخرون كثيرون على ان من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولكنه يائمه وقالوا من خلاف فيه فهو شاذ مخالف لا هل السنة وانما تعلق باهل البدع ومن لا يلتفت اليه لشذوذه عن الجماعة۔

(حاشیہ بخاری، ج ۱ ص ۷۹۱)

رد المحتار میں ہے۔ ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحاً بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماداً بعد الحق الا الضلال ملخصاً۔ اسی بنا پر اس مذہب جمہور کے خلاف گمراہ فرتے بھی ہیں۔ جیسے فرقہ امامیہ، ظاہریہ، فرقہ غیر مقلدین، پھر ان مخالفین میں جو بعض محدثین ہیں جیسے طاؤس، حجاج اور ابن ارقطہ، محمد بن اسحاق، ابن مقاتل۔ تو انہوں نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ احادیث متعاق ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکو ایک طلاق قرار دیا۔ اور رجوع کا حکم فرمایا۔ علامہ نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

اما الرواية التي رواه المخالفون ان ركائة طلق ثلاثا فجعلها واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين۔

(شرح مسلم۔ ج ۱ ص ۷۷۸)

لیکن وہ روایت جس کو مخالفین نے نقل کیا کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دیں تو انکو ایک طلاق قرار دیا تو یہ ضعیف روایت ہے جو مجہول زاویوں سے مروی ہے۔

دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض میں تین طلاقیں دیں اور پھر انہوں نے رجعت کر لی۔ تو یہی علامہ نووی اسی شرح مسلم شریف میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

اما حديث ابن عمر فالروايات الصحيحة التي ذكرها مسلم وغيره انه طلقها واحدة۔

(شرح ج ۱ ص ۷۷۸)

لیکن حضرت ابن عمر والی حدیث تو وہ بھی ضعیف ہے کہ ان سے صحیح روایت جن کو مسلم شریف اور کتب حدیث نے روایت کی وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تھی۔

تیسری حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ نبوی اور خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں دو سال تک تین طلاقیں کو ایک طلاق کا حکم دیا گیا پھر حضرت عمر نے انہیں تین طلاقیں کا حکم فرمایا۔

تو انہیں علامہ نووی نے شرح مسلم شریف میں اس پر طویل بحث کی اور آخر میں فرمایا۔

واما هذه الرواية التي لا يبي داود فضيفة رواه ايوب السخيتاني عن قوم مجهولين

عن طاؤس عن ابن عباس فلا يحتج بها۔

(ج ۱ ص ۷۸)

لیکن ابو داؤد کی یہ روایت ہے اس کو ایوب سختیانی نے مجہول راویوں سے روایت کی اور وہ طاؤس سے روکی اور حضرت ابن عباس سے راوی تو اس روایت کو حجت نہ بنایا جائے۔

لہذا یہ وہ احادیث ہیں جن سے مخالفین نے استدلال کیا ہے اور جب ان کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا تو پھر جن سے استدلال کرنا کس طرح قابل عمل ہو سکتا ہے۔ اور اب مذہب جمہور کی قوت اور حقانیت خود ہی ظاہر ہو گئی، ضرورت تو نہیں تھی کہ مذہب جمہور کے دلائل نقل کئے جائیں۔ لیکن اطمینان خاطر کیلئے چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه۔ لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرا۔

(سورہ طلاق، ج ۱ ص ۲۸)

جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھا، بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کئی نیا حکم بھیجے۔

امام مجدد الاسلام ابو بکر رازی تفسیر احکام القرآن میں تحت آیت کریمہ میں فرماتے ہیں۔

يدل على انه اذا طلق لغير السنة وقع طلاقه وكان ظالماً لنفسه بتعديه حدود الله لانه ذكر ذلك عقيب طلاق العدة فابان من طلق لغير العدة خطا قد وقع لا نه لولم يقع طلاقه لم يكن ظالماً لنفسه قوله تعالى لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرا) یعنی ان

يحدث له ندم فلا ينفعه لا نه قد طلق ثلاثا۔ (احکام القرآن۔ ج ۳ ص ۵۵۹)

آیت نے اس امر پر دلالت کی کہ جب طلاق بدعی دی تو اسکی طلاق واقع ہو گئی۔ اور وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے کی بنا پر اپنے نفس کے لئے ظالم ہوا کیونکہ اس کو طلاق عدت کے بعد ذکر کیا ہے تو ظاہر ہو گیا کہ جس نے وہ طلاق دی جس کی عدت ہے تو اسکی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ

طلاق واقع نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کے لئے ظالم نہ ہوتا اور اس امر پر دلالت کی کہ ظلم نفس کے ساتھ طلاق کے واقع ہونے کا ارادہ اس قول حق سے ہے کہ تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیج دے۔ یعنی اس کو ہدایت ہو پھر وہ اسکو کچھ نفع نہ دے سکے کیونکہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے۔

اس آیت اور اس کی تفسیر سے ظاہر ہو گیا کہ اگر طلاق بدعی یعنی تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں اور وہ رجعت کر سکتا تو اسکو ہدایت ہی کب حاصل ہوتی اور وہ اپنے نفس کے لئے ظالم ہی کیوں ہوتا۔ تو آیت کریمہ نے ظاہر فرمادیا کہ تین طلاقیں جو بدعی ہوں یعنی ایک ساتھ ہوں، واقع ہو جاتی ہیں اور پھر اگر اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے کہ وہ رجعت نہیں کر سکتا، تو وہ اپنے نفس کے لئے ظالم ٹھہرتا ہے۔

تو آیت کریمہ نے ایک ساتھ تین طلاقیں کو واقع قرار دیا اور انکے بعد رجعت کی اجازت نہیں دی۔ لہذا جمہور کے مذہب پر یہ تو آیت کریمہ سے استدلال ہوا۔ اب چند احادیث بھی پیش کر دی جاتی ہیں۔

بیہقی شریف میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

حدیث۔ اذا طلق الرجل امراته ثلاثا فی مجلس واحد، فقد بانت منه ولا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (بیہقی۔ ج ۷۔ ص ۳۴)

جب آدمی نے بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دین تو وہ عورت اس سے جدا ہوگئی اور وہ اس کے لئے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

حدیث۔ بیہقی میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی وہ اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی انہوں نے بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

ایما رجلا طلق امراته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبہمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (بیہقی ص ۳۳۶ ج ۷)

جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ہر طہر میں دیں، یا تین مبہم دیں تو وہ عورت اس کو حلال نہ ہوگی، جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

بیہقی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے۔

حدیث۔ قال رجل طلق امراته ثلاثا وهو فی مجلس قال اثم برہ وحرمت علیہ امراته۔ (بیہقی۔ ج ۷۔ ص ۳۴۴)

انہوں نے فرمایا کسی شخص نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو فرمایا وہ اپنے رب کا مجرم ہوا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ (یعنی حرمت غلیظہ ہوگئی) بیہقی میں حضرت مانع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی:

كان عبد الله اذا سئل عن ذلك قال لا حد هم امانت لو طلقت امراتك مرة او مرتين فان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم امرني هذا وان كنت طلقته ثلاثا فقد حرمت عليك حتى تنکح زوجا غیرك و عصبت الله فیما امرک به من طلاق امراتک۔ (بیہقی، ج ۳۔ ص ۳۳۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب طلاق کا مسئلہ دریافت کی جاتا تو فرماتے اگر تو نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں تک کے لئے مجھے رجعت کا حکم دیا۔ اور اگر اس کو تو نے تین طلاقیں دے دیں، تو وہ تجھ پر حرام ہوگئی۔ یہاں تک کہ دوسرے خاوند کے پاس رہے۔ اور تو نے اللہ کے حکم کی اپنی عورت کو طلاق دینے میں نافرمانی کی۔

بیہقی میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ مسلمہ احمسی نے کہا:

حدیث۔ قلت لجعفر بن محمد ان قوما یزعمون ان من طلق ثلاثا بحجها لہ رد الی السنة یجعلونها واحدة یردونہا عنکم قال معاذ اللہ ما هذا من قولنا من طلق ثلاثا فہو کما قال (و فی رواہ فقد بانت منه)

کہ میں نے حضرت جعفر بن محمد سے دریافت کیا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ جس نے نادانی سے تین طلاقیں دین تو وہ سنت کی طرف لوٹ آئیں گے کہ انکو ایک طلاق مانا جائے گا۔ اور آپ اہل بیت سے اسکی روایت کرتے ہیں۔ فرمایا معاذ اللہ یہ ہمارا قول نہیں جس نے تین طلاقیں دین وہ تین ہی ہیں، اور وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔

بیہقی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الرجل یطلق امرأة ثلاثة قبل ان یدخل بها قال ہی ثلاث لا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔

(بیہقی۔ ج ۷۔ ص ۳۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے لئے فرمایا: جس نے صحبت سے پہلے اپنی بیوی کو

تین طلاقیں دیں تو حکم دیا کہ وہ تین ہی طلاقیں ہیں وہ عورت اسکو حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

بیہقی میں حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیمن طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص کے حق میں روایت ہے جس نے جماع سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں فرمایا وہ عورت اسکو حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

بیہقی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل ان یدخل لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔

جب مرد نے اپنی بیوی کو جماع سے قبل تین طلاقیں دیں تو وہ عورت اسکو حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

موطا امام محمد میں حضرت ابن کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

قال طلق رجل امرأة ثلاثا قبل ان یدخل بها ثم بدء له ان ینکحها فجاء یستفتی قال فذهبت معه فسأل ابا هريرة و ابن عباس فقالا لا ینکحها حتی تنکح زوجا غیرہ فقال انما کان طلاقا اباهما واحدة قال ابن عباس ارسلت من یدک ما کان لك من فضل قال محمد وبهذانا خذوه قول ابی حنیفة والعامۃ من فقہائنا لا نه طلقها ثلاثا حمیعا فوقعن علیہا جمیعا معا۔ (موطا امام محمد ص ۳۰۳)

انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے جماع سے پہلے بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس کو اس سے نکاح کرنے کی حاجت ہوئی تو وہ فتویٰ دریافت کرتا ہوا آیا۔ ابن کبیر نے کہا کہ میں اسکے ساتھ چلا اور حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا، انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ تو اس شخص نے کہا، اس پر میری ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ تو نے تو تین طلاقیں دے ڈالیں۔ تو تیرے پاس کچھ باقی نہ رہا۔

امام محمد نے فرمایا۔ ہم اس حکم کو اخذ کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ اور ہمارے فقہاء کا مذہب ہے اس لئے کہ اس کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی، تو وہ سب اس پر ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت کریمہ، اور ان دس احادیث شریفہ سے آفتاب کی طرح ثابت ہو گیا کہ جب شوہر اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو بلا شک اس عورت پر تین ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ نہ ان تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جائے گا۔ نہ مرد کو رجعت کا حق حاصل ہوگا۔ بلکہ یہ عورت ایسی حرام ہو جائے گی کہ اس سے بغیر حلالہ کئے پھر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اس عورت پر طلاق رجعی نہیں۔ بلکہ طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔ اگرچہ یہ شخص طلاق بدعی واقع کرنے کی بنا پر گنہگار ضرور ہوگا۔ تو یہ مذہب قرآن اور احادیث سے ثابت ہوا۔ اور جمہور صحابہ و تابعین، ائمہ مسلمین ائمہ اربعہ مجتہدین اور سلف و خلف صالحین کا یہی مذہب ہے۔ سائل نے جو اسکے خلاف حضرت امام ابو حنیفہ کا قول تحریر کیا ہے وہ غلط اور باطل ہے جس کا بطلان ابھی دسویں حدیث موطا سے ظاہر ہو چکا۔

باقی رہا سوال میں محمد ابن مقاتل کے قول کا ضعف ذکر تو اس قول کا ضعف اور اس کے دلائل کا ضعف ہمارے جواب کی ابتدائی اجاث سے ظاہر ہو چکا۔ اور جب وہ جمہور کے خلاف ہے تو شاذ ہوا۔ جو خود ہی ناقابل عمل قرار پایا۔ یہی حاشیہ بیضاوی کی عبارت تو یہ حاشیہ ہم کو دستیاب نہیں ہو سکا جس سے صحت نقل معلوم ہوتی۔ مگر پھر بھی باوجود اسکے اس عبارت میں (وقع عندہ) کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب محمد ابن مقاتل کا ذکر ہوگا۔ جو مذہب ناقابل عمل ہے۔ پھر جب ائمہ اربعہ ہی اس مذہب کے خلاف ہیں، تو انکے مقلدین میں سے کوئی مفسر یا محشی اپنے امام کے خلاف کیسے کہہ سکتا ہے۔ بالجللہ ہم نے مسئلہ کی کما حقہ تحقیق کر دی، اور مذہب حق کا ثبوت قرآن و حدیث سے پیش کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ قبول حق کی توفیق دے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۱ رمضان المبارک ۷۷۵ھ

کتبہ: المقتضی بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۸۲ھ

(۶۸۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ

لقمان نامی ایک شخص اور اس کی بیوی میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ عورت اپنے تین چھوٹے بچوں کو لے کر میکے روانہ ہوئی۔ اور بستی سے کچھ دور چلی گئی۔ لقمان وہاں پہنچ کر زرد کو ب کر کے واپس لے آیا۔

گھر میں چھوڑ کر وہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ کام سے فراغت پانے کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ گھر کا دروازہ اندر سے بند ہے، اور عورت رکن کا ایک پھندہ لگا کر خودکشی کرنا چاہتی ہے۔ یہ معلوم کر کے لقمان غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ مشکلوں سے عورت نے دروازہ کھولا، لقمان کی بستی والوں کا کہنا ہے کہ لقمان اس وقت اپنے آپے میں نہ تھا بلکہ اس کی حالت اور کیفیت بالکل دیوانہ اور پاگل جیسی تھی۔ اسی حالت میں لقمان نے بیوی کو طلاق دیا۔ اور لفظ طلاق کو ٹیکڑوں بار استعمال کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ از روئے شرع شریف کے جواب باصواب سے مطلع کیا جائے۔ فقط والسلام،

نوٹ۔ لقمان کا بیان ہے کہ میں اپنے ہوش میں نہ تھا، نہ طلاق کا خیال یا دوسوہ میرے دل میں گزرا۔ اب وہ نہایت نادم و پشیمان ہے۔

المستفتی۔ ابو ظفر محمد ناظم حیدری، امام مسجد نوری جٹکشن، ۱۱/۱۱/۱۴۵۵ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اس طرح تو ہر طلاق کا دینے والا سوال میں یہی لکھتا ہے کہ میں نے غصہ میں طلاق دی ہے۔ لوگوں نے طلاق کے واقع نہ ہونے کا یہ ایک زبردست حیلہ بنا رکھا ہے۔ باوجود کہ طلاق رضامندی میں اور بغیر غصہ کے کون دیتا ہے۔ اور اپنے امور خانہ داری جانتے ہوئے طلاق دیکر کون بگاڑتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ طلاق اکثر و بیشتر تو غصہ ہی کے حال میں دی جاتی ہے۔ اور اسی پر طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ طلاق کا دینے والا غصہ کی حالت میں بھی طلاق دیتے وقت اس قدر عقل تو رکھتا ہی ہے کہ یہ میری بیوی ہے۔ اور میں اس کا شوہر ہوں، اور میں اس وقت رشتہ زوجیت کو ختم کرنا چاہتا ہوں، اس رشتہ زوجیت کو ختم کرنے والی چیز طلاق ہے۔ اور میں نے اسکو طلاق دے دی اور یہ الفاظ طلاق کہے اور اتنی بار کہے اور فلاں جگہ کہے۔ لہذا جب یہ سب کچھ جانتے ہوئے طلاق دیتا ہے۔ تو وہ اپنے آپے سے باہر کب ہوا۔ اور یہ دیوانگی اور پاگل پن کا حال کب ہے۔ تو صورت مسئلہ میں اگر لقمان کا یہ حال تھا جب تو اسکی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور وہ اس پر حرام ہو گئی، اور ۹۷ لغو و بیکار ہوئیں۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے یہی فتوے دیا ہے۔

بیہقی میں ہے۔ حضرت قیس بن حازم اس کے راوی

سأل رجل المغيرة بن شعبة وانا شاهد عن رجل طلق امرأة قال ثلاث تحرم و سبع وتسعون فضيل،

کہ ایک شخص نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا اور میں اس وقت حاضر تھا۔ کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو سوطلاقیں دیں تو فرمایا وہ عورت تین سے حرام ہو گئی، ۹۷ طلاقیں لغو ہوئیں۔

لہذا اس صورت میں زوجہ لقمان پر طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے۔ اور یہ لقمان بغیر حلالہ کے پھر اس عورت سے نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر فی الواقع لقمان کا غصہ اسقدر بدحواسی اور دیوانگی تک پہنچ گیا تھا کہ نہ اس کو یہ خبر کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اور کس سے کہہ رہا ہوں۔ اور میں نے کیا الفاظ طلاق کہے۔ اور کتنی بار کہے۔ اور کہے بھی یا نہیں۔ اور اس وقت کون موجود تھا۔ اور کون نہیں۔ اور میں کس مقام پر کہہ رہا تھا۔ اور اس وقت کھڑا تھا یا بیٹھا تھا۔ اور الفاظ طلاق یہ سمجھ کر کہہ رہا ہے کہ اس سے رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے۔ تو جب اس دیوانگی اور پاگل پن پر کوئی شہادت شرعی موجود ہو تو ایسے انتہائی غصہ کی طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن اس میں محض لقمان کا بیان کافی اور قابل اعتماد نہیں۔ بستی والے جب اس کی دیوانگی کی شرعی شہادت دیں تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، چاہیں اس نے سو نہیں بلکہ ہزار طلاقیں دی ہوں۔ اس کی دیوانگی کی شرعی شہادت دیں تو اسکی طلاق واقع نہ ہوگی، اس کے حکم پر عمل کیا جائے۔ اس کی پوری پوری ذمہ داری اور حرام کاری کا باران بستی والوں پر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۵۵ھ

مسئلہ (۶۸۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر ایک آدمی کو بخار اور چچک نکلنے کی حالت میں اور غصہ میں آکر اپنی بی بی کو تین طلاقیں دے دیا ہے۔ پھر اس وقت میاں بیوی خوشی کے ساتھ نکاح کرنے چاہتے ہیں۔ کہ جناب مہربانی کر کے اس معاملہ کی فتویٰ کیا کہتے ہیں۔ برائے مہربانی کر کے بھیج دیجئے گا۔ عین شفقت پدر ہوگی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں یہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ اور اس پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ یہ شوہر اس عورت سے حلالہ کر لینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ بغیر حلالہ کے انکے مابین نکاح کی کوئی صورت متصور نہیں۔ طلاق اکثر و بیشتر غصہ ہی کے حالت میں واقع ہوا کرتی ہے۔ رضامندی میں کیا کوئی طلاق دیا کرتا ہے۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

(۶۸۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید و ہندہ میاں بیوی ہیں۔ تقریباً ساٹھ کے ہوں گی دونوں میں جھگڑا ہوا بات بڑھ گئی، ہندہ نے بدزبانی شروع کی، زید نے کہا کہ بدزبانی بند کرو ورنہ تجھے طلاق دے دوں گا۔ اس پر ہندہ نے بدزبانی متواتر کی۔ کئی مرتبہ کہا کہ تو اپنی ماں سے زنا کرے کہ نہ مجھے طلاق دے دے۔ حالانکہ زید نے ڈرانے کی غرض سے کیا تھا، مگر جب اس نے قسم دے دیا تو زید نے ہندہ کو تین طلاق کہا۔ آیا یہ کہ طلاق ہوگئی یا نہیں۔ ہندہ اب گھر سے نہیں جاتی، کہتی ہے میں کہاں جاؤں میرا کہیں ٹھکانہ نہیں نہ میکہ ہے، نہ ماں باپ ہے نہ کوئی میرا عزیز ہے۔ سو آپ لوگوں کے۔ زید ہندہ دونوں ماموں زاد بھائی بہن تھے، اور واقعہ صحیح ہے کہ ہندہ کے میکہ میں کوئی نہیں۔ گھر وغیرہ سب تباہ و برباد ہو گیا۔ زید مذکور کے دو بیویاں ہیں۔ لہذا بڑی بیوی کہتی ہے کہ وہ کہاں جائے گی، اس عمر میں چنانچہ وہ میرے ساتھ بحیثیت نندہ کے رہے گی، جیسے پہلے نندگی میں اس کی دیکھ بھال کروں گی۔ اب اگر زید ہندہ کو رجوع کرنا چاہے تو کیا صورت ہے۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ زید اس سے ہرگز ہرگز رجوع نہیں کر سکتا۔ البتہ شرعی طور پر حلالہ کر لینے کے بعد زید اس ہندہ سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیہما ان یتراجعا ان طنا ان یقیما حدود اللہ۔ (سورہ بقرہ)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دیدی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ پھر وہ دوسرا اگر طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں، کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

اگر سمجھتے ہوں اللہ کی حدیں نباہیں گے۔

اب باقی رہا اس مطلقہ ہندہ کا بغرض پرورش گھر میں رکھ لینا تو اس کے خورد و نوش وغیرہ کی اس طرح کفالت کر سکتا ہے جیسے غیر اجنبی عورت کی کفالت کر لی جاتی ہے، اور جب اس کا اور کوئی عزیز اور ٹھکانہ نہیں ہے تو اسکی پرورش پر اس کو اجر و ثواب ملے گا لیکن یہ عورت اس سے پردہ کرے گی، اور زید اس سے صحبت وغیرہ کسی طرح کا اختلاط خاص نہ کر سکے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

(۶۸۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

زید اور زید کی بیوی کی آپس میں تکرار ہوئی بحالت روزہ۔ اس تکرار میں زید کہتا ہے کہ میرے یہاں سے چلی جاؤ جو اب اس کی بیوی کہتی ہے کہ کہاں، زید پھر کہتا ہے کہ جہاں جی چاہے جاؤ۔ اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس طرح نہیں جاؤں گی بلکہ طلاق دے دے۔ پہلی مرتبہ زید ٹال دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس وقت تو جاؤ یہاں سے اور اس کے بعد ٹالنے کی غرض سے دوسرا جملہ یہ کہتا ہے کہ اس وقت تو جاؤ یہاں سے اور اس کے ساتھ ٹالنے کی غرض سے دوسرا جملہ یہ کہتا ہے کہ طلاق تمہارے باپ کے پاس تحریری صورت میں بھیج دی جائے گی۔ اس واقعہ کے کچھ دیر بعد پھر یہی تکرار ہوتی ہے اور اسکی یہی بات جاری رہتی ہے جو کہ شروع کی تین لائنوں میں سوال و جواب قلمبند ہیں گویا تکرار کا حاصل پھر وہیں آ رہا ہے کہ زید کی بیوی کہتی ہے طلاق دے دے۔ زید یہ سمجھتے ہوئے کہ زید کی بیوی زید کو مرعوب کرنا چاہتی ہے، اور یہ خیال کرنے کے بعد کہ کیوں نہ اس کو لفظ طلاق سے مرعوب کیا جائے، زید اپنی بیوی کے پیہم تقاضے پر کہتا ہے، مگر کہنے سے قبل ایک ڈیڑھ منٹ کے توقف کرتا ہے کہ کیا کہا جائے۔ کہ اسے طلاق بھی نہ ہو۔ اور اس کی بیوی مرعوب بھی رہے۔ چنانچہ ڈیڑھ منٹ کے توقف کے بعد کہتا ہے کہ طلاق دی۔ اس پر زید کی بیوی کہتی ہے کہ تین مرتبہ کہہ، زید طلاق دی، طلاق دی، تین مرتبہ کہتا ہے مگر جذبہ وہی کارفرما ہے جو کہ بارہویں لائن سے ظاہر ہے۔ یہ طلاق ہوگئی یا نہیں۔ فقط۔

دٹ۔ ڈیڑھ منٹ کے وقفہ کی غور و فکر زید کی یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس تکرار میں چھ گز کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا چنانچہ اس طرف سے منہ پھیر کر اور آنکھیں بند کر کے، اور یہ نیت کرتے ہوئے کہ میں

ہوا کو طلاق دے رہا ہوں، الفاظ کہتا ہے، زید کا ڈیڑھ منٹ کا توقف صرف اس لئے تھا کہ بیوی کو مرعوب بھی کر دو اور مرعوب کرنے کے لئے ان لفظوں کو ہوا سے منسلک کرادو۔ گویا مخاطب زید کا ہوا سے تھا، زید کی بیوی فوراً اپنے تایا زاد بھائی کے ہمراہ جو کہ اس تکرار کے موقع پر موجود تھا، اپنے تایا مرزا رضابیک کے یہاں چلی جاتی ہے۔ واقعہ کے کئی گھنٹہ کے بعد زید کی بیوی کے تایا زید کے پاس آتے ہیں اور واقعات پوچھتے ہیں۔ زید گزرے ہوئے واقعات سنانے کی ساتھ ساتھ غصہ میں بھر جاتا ہے، اسی دوران میں زید کی بیوی کے تایا نے سوال کیا کہ تو نے طلاق کیوں دی۔ زید یہ خیال کرتے ہو کہ زید کی بیوی کہہ تائے ہیں، اور انہی کے یہاں اس کی بیوی مقیم بھی ہے چنانچہ ان کے سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ طلاق بہ ہوش و حواس غصہ کہا گیا ہے لیکن انہیں اس خیال کے ماتحت کہ تایا ہیں وہاں ذکر کریں گے اصل نیت سے آگاہی نہیں دیتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ زید کی بیوی کا مرعوبیت کا پہلو ختم نہ ہو جائے اس لئے لفظ طلاق کا جملہ ان سے کہا یہ نہیں کہ یہ میں اپنی بیوی کو بہ ہوش کہا۔ زید خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ بیان حلفی دے رہا ہے۔ فرمائیے طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کی بیوی پر بلاشبہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اگرچہ الفاظ طلاق میں عورت کی طرف سے صراحت اضافت نہیں ہے لیکن چونکہ یہ طلاق عورت کے مطالبہ پر اور اسکے بار بار اصرار کے بعد دی گئیں ہیں اور مخاطب ہوا۔ زید ان الفاظ سے بیوی کو مرعوب کرنا چاہتا ہے تو اضافت طلاق بیوی کی طرف صراحت نہ سہی اشارۃ مراد ضرور ہوگی، تو ان ہر سہ طلاق کے واقع ہو جانے میں اب کوئی عذر باقی نہ رہا۔ رہا یہ عذر کہ مخاطب ہوا سے تھا نیت میں بیوی مراد نہیں تھی تو یہاں صریح طلاق ہے یہ عذر شرعاً مستحکم نہیں۔ بالجملہ اب زید اس عورت سے شرعی طور پر حلالہ کر لینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ کہ اس عورت پر تین طلاقیں واقع ہو چکیں۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبید محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدۃ سنجل

(۶۸۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دیا، بعدہ ایک میاں جی نے اس کا نکاح پڑھا، کر دونوں کو ملا دیا، میاں جی کا یہ کہنا ہے، کہ حیض کی حالت میں طلاق دیا تھا، اس لئے طلاق واقع نہ ہوا اور میاں جی نے پہلے سکھلا دیا کہ تم کہو ہم نے حیض کی حالت میں طلاق دیا تھا۔ کیا واقعی حالت حیض میں طلاق نہیں ہوتا۔ میاں جی نے جو کچھ کیا روپیہ کی لالچ میں کیا ہے۔ کیا ایسے میاں جی کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے۔ ایسے میاں جی کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) ابراہیم نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ لکھا، ۱۰۰ سکو لیکر مسجد میں پہنچا اس کے چچا نے دریافت کیا کہ کیا ہے ابراہیم نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ لکھا ہے، اس کے چچا نے طلاق نامہ لے کر پھاڑ دیا۔ اس نے بیوی سے طلاق کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ لڑکی بالغ نہیں ہے۔ اس لڑکی کو ابراہیم ابھی تک اپنے گھر میں رکھے ہوئے ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ ابراہیم کو اس سے جدا ہو جانا چاہیے یا نہیں۔

ابوظفر محمد ناظم حیدری۔ امام مسجد موری جنتکشن ۱۴ جون ۵۶ عیسوی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع میاں جی نے ایسا کیا تو وہ غلط اور باطل ہے یقیناً حیض میں طلاق واقع ہو جاتی ہے،

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ والبدعی من حیث الوقت ان یطلق المدخول بها وھی من ذوات الاقراء فی حالة الحيض او فی طهر جا معها فیه وکان الطلاق واقعا۔ اور جب حالت حیض میں طلاق واقع ہوگئی، تو اگر وہ طلاق رجعی یا بائنہ ہوتی تو رجعت کرنا یا دوبارہ نکاح کر لینا کافی ہو جاتا۔ لیکن صورت مسئلہ میں تو طلاق مغلظہ واقع ہوئی ہے۔ تو بلا حلالہ کے انکے مابین نکاح کرنا، باطل و حرام ہے۔ لہذا اس میاں جی کا فعل شرعاً مذموم و فسق ہے تو ایسے میاں جی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ اور انکو سخت تنبیہ کی جائے کم از کم ان کا حقہ پانی بند کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب؛

(۲) ابراہیم نے طلاق نامہ میں اپنی بیوی کو رجعی یا بائنہ ایک یا دو طلاقیں دی ہیں جب تو وہ اس سے رجعت یا نکاح دوبارہ کر سکتا تھا، اور اگر طلاق مغلظہ دی ہے، تو وہ ابراہیم اس سے بلا حلالہ کے دوبارہ

نکاح نہیں کر سکتا۔ اور وہ عورت اس سے جدا رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۸۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو لڑائی جھگڑے کے درمیان تین چار مرتبہ لفظ طلاق سے پکارا یعنی یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی وغیرہ زید کی بیوی ہندہ اسی مکان میں رہی شوہر نے دوسرے دن صبح تک کوئی گفتگو ہندہ سے زید نے نہیں کی زید کے والد نے اپنے لڑکے سے کہا جب اس عورت کو تو نے طلاق دیدی تو پھر یہاں سے نکالا کیوں نہیں زید پھر غصہ مین بھر کر ہندہ کی طرف بڑھا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی میں نے تجھے طلاق دیدی طلاق دیدی تو یہاں سے چلی جا ہندہ بحالت مجبوری اسی مکان میں ایک ہفتہ تک رہی اس درمیان میں اس کا شوہر نہ اس کے پاس آیا نہ اس سے گفتگو کی ہندہ کا بھائی وہاں پہنچ گیا وہ اس کے ہمراہ اپنے باپ کے یہاں واپس آ گئی تین سال کی مدت کے رہنے کے بعد زید ہندہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے یہ جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی جبکہ اس طلاق کی شہرت ہو چکی ہے دو چار آدمیوں سے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے غصہ کی حالت میں طلاق دیدی تھی اس واقعہ کے متعلق شرعاً جو حکم ہو صادر فرمائیے۔ واثق امید کا حامل ہوں کہ آپ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہو گئی اور اس پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اب اس ہندہ سے زید کا عقد ثانی بغیر حلالہ کے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۸۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میرے بھانجے عبدالستار خاں ساکن کٹائی کے لڑکے شریف کا نکاح عزیز خاں ساکن کٹائی کی لڑکی سے ہوا تھا اس وقت شریف کو عارضہ سستی کا تھا اور اس نے علاج شروع کر دیا اور عزیز خاں نے لڑکی کو اپنے گھر بلا لیا شریف علاج سے ٹھیک ہو گیا اسی دوران میں خوف ہو گیا لڑکی کے درختان کو تسلی نہیں ہوئی اور طلاق کا کاغذ لکھوا کر اس پر شریف کا انگوٹھا لگوایا شریف نے اپنی زبان سے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا ہے تو اس کی بابت شرع کیا اجازت دیتی ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں مفصل جواب مشکور فرمائیں۔

نوٹ۔ لڑکے شریف خاں کو لڑکی والوں نے اپنے مکان پر بلوایا چونکہ لڑکے کا زیور کی قسم جیسا وہاں سامان موجود تھا لڑکے نے اسکو حاصل کرنے کی وجہ سے طلاق نامہ پر اور دیگر کاغذ پر جو لڑکی والوں نے پہلے سے تحریر کر رکھے تھے انگوٹھا لگا دیا مگر انگوٹھا لگاتے وقت پیشتر یا بعد میں لڑکے کی کوئی نیت طلاق کی نہیں تھی اور نہ اب ہے لڑکے نے کوئی لفظ طلاق کے بارے میں اپنی زبان سے ادا نہیں کیا لڑکا ان حالات سے از حد پریشان ہے ان تمام صورتوں میں جو درج ہیں طلاق واقع ہوئی یا نہیں جواب معہ دلائل شرعیہ معہ صفحہ کتب ارسال کیا جاوے لڑکا پڑھا لکھا نہیں ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ظاہر ہے کہ اس طلاق نامہ پر انگوٹھا لگانے میں کسی جبر شرعی کا پایا جانا سوال میں مذکور نہیں تو شوہر کا اس طلاق نامہ پر انگوٹھا لگانا کسی شرعی مجبوری کی بنا پر نہیں ہوا۔ پھر بھی اگرچہ اس نے اپنی زبان سے لفظ طلاق ادا نہیں کیا ہے مگر اس نے طلاق نامہ سمجھتے ہوئے قصد اس پر انگوٹھا لگایا تو اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی۔ اور اس میں نیت طلاق کی حاجت نہیں۔

شامی میں ہے: ولا يحتاج الى النية في المستبين المرسوم۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وان كانت (الكتابة مستبينة) مرسومة يقع الطلاق نوى اولم

یو۔

تو اگر طلاق نامہ میں ایک یا دو مرقوم ہیں تو رجعت ہو سکتی اگر عدت نہ گذری ہو ورنہ عقد ثانی ان کے درمیان کیا جاسکتا ہے اور طلاق نامہ میں اگر تین طلاقیں ہوں تو بغیر حلالہ کے ان کے مابین عقد ثانی ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ

(۶۸۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں
زید کی بی بی ہندہ سے زید کی ماں سے جھگڑا ہوا ہندہ نے زید کی ماں کو فحش الفاظ میں گالیاں دیں
جس پر زید نے اپنی بی بی کو حالت غصہ میں دو تین عورتوں کے سامنے کہا کہ ہم اب اس کو نہیں رکھیں گے
جواب دیتے ہیں ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بلفظ ایسے ہی کہا اس کے بعد سکوت اختیار کیا اب زید بھی
اس کو رکھنا چاہتا ہے اور ہندہ بھی زید سے جدا ہونا نہیں چاہتی ہے تو ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ
ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کونسی طلاق ہوئی کیا زید کا نکاح پھر دوبارہ بغیر حلالہ کے ہوگا
یا حلالہ کی ضرورت ہوگی مع حوالہ عام فہم جواب عنایت فرمایا جاوے۔ بینوا تو جر و زیادہ والسلام نیز یہ کہ
ہندہ حاملہ ہے۔

المستفتی محمد جمیل احمد ساکن کیا پٹی پوسٹ باجپٹی ضلع مظفر پور مورخہ ۱۰ رذیقہ ۱۳۷۸ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کی بی بی ہندہ پر یقیناً طلاق واقع ہوگئی اور جب تین طلاق کا لفظ موجود
ہے تو یہ طلاق مغلطہ ہوگئی لہذا زید کا اس ہندہ کے ساتھ نکاح ثانی بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا جیسا کہ۔
شامی میں ہے: تمتی قرن بالعدد كالوقوع به۔

ہدایہ میں ہے: ان كان الطلاق ثلاثاً في الحرة او اثنين في الامه لا تحل له حتى تنكح
زوجاً غيره۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ زید نے تین طلاقیں دی ہیں تو اب بغیر حلالہ کے اس کا نکاح نہیں
ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المقتضی بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدۃ سنبل

﴿۶۲﴾

باب طلاق المغلطہ والسكران والغضبان والمکترہ

(۶۹۰)

مسئلہ

جس کا نام شرافت اللہ ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۱ء بروز بدھ شرافت
اللہ بازار کو چند مرتبہ گیا اور راستہ میں لوٹ لوٹ آیا، اس روز اس کی آنکھیں بھی سرخ تھیں، دوپہر کو
شرافت نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ مرغ کے کیس کا ٹکڑا اس کے ڈاڑھی لگائی جاوے اور کتیا کی پونج
کاٹ کر چٹیا لگائی جاوے اور گدھے پر سوار کر کے اس کو بازار کو نکالا جائے، تو کیا اچھی معلوم ہوگی۔
شرافت کی بیوی اس بات پر ناراض ہوئی اور کہا کہ ایسی باتیں نہ کرو اس پر شرافت نے اسکو بہت سخت
ست کہا جس پر اس کی بیوی نے بھی جواب دیا۔ پھر شرافت بلا سبب ہنسا اور ایک مرتبہ یہ کہہ کر کہ میں نے
تجھے طلاق دی باہر کو بھاگ گیا جس کو جتنی مستورات اس مکان میں رہتی ہیں اس کی بہن بھانج وغیرہ
سب نے سنا۔ شرافت پھر باہر سے لوٹ کر آیا اور تین مرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی۔ اس وقت اس
کے بہنوئی انتظام علی بھی موجود تھے جب شرافت سے معلوم کیا گیا کہ تم نے یہ الفاظ کیوں کہے تو اس نے
کہا کہ مجھے اس قدر غصہ تھا کہ میں بالکل بیہوش تھا نہیں بتلا سکتا کہ میں نے کیا کہا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعہ یہی ہے جو درج سوال ہے اور وقت طلاق تک یہی مدہوشی اور انتہائی غیظ و غضب کی
حالت رہی اور وہ غلبہ ہدیان سے بے عقلی اور دیوانگی کی باتیں کرتا رہا تو یہ طلاق لغو اور اس کی بیوی نکاح
سے خارج نہ ہوگی کہ اس وقت ادراک صحیح معدوم ہے۔

شامی میں طلاق غضبان کی منجملہ اور دیگر احوال کے ایک یہ حالت بھی مذکور ہے۔

الثانی ان يبلغ (الغضب) النهاية فلا يعلم ما يقول ولا يريد فلهذا لا ريب انه لا ينفذ
شيء من اقواله۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:

وكذا المعتوه لا يقع طلاقه ايضا وهو من كان مختلط الكلام بعض كلامه مثل

کلام العقلاء وبعضہ مثل کلام المجانین وهذا اذا كان في حالة العتہ۔

اور اگر واقعہ اس کے خلاف ہے یا اس کی یہ حالت وقت طلاق نہیں تھی تو یقیناً حتماً جزائیہ طلاق مغلطہ واقع ہوگئی اور اس کی یہ بیوی نکاح سے خارج ہوئی۔

بالجملہ مسئلہ کا جواب تو یہ ہے لیکن انتظام علی صاحب اور شرافت علی کے بھائی اس واقعہ کے بعد جو میرے پاس تشریف لائے ان کے زبانی بیان اور اس تحریری بیان میں تفاوت ہے۔ لہذا جواب کو واقعہ سے مطابق کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کا سارا بار سائل کی گردن پر ہے ہم مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کا اظہار کر کے سبکدوش ہو گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۹۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے جو ایک نہایت غصہ دار اور جنونی شخص ہے اگرچہ دیوانہ نہیں ہے اپنی بیوی کو اسی حالت جنونی میں تین طلاق دیدی اور کئی مرتبہ زید اسی حالت جنون پن میں گرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے لیکن دیگر شخصوں نے بچا لیا اور کئی مرتبہ زید نے اپنی لڑکیوں کو اسی حالت جنون میں زمین پر دے دے مارا ہے اور لڑکیوں کے بہت خون نکلتا ہے اور کئی مرتبہ زید نے اپنے ماں باپ پر لاٹھی اور چاقو سے حملہ کیا ہے اور گالیاں دیتا ہے اور اپنے دیگر بھائیوں پر بھی حملہ کیا ہے اور گالیاں دیتا ہے، لیکن اسی حالت جنون سے ایک گھنٹہ کے بعد زید کی حالت بہت درست ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زید سے زیادہ کوئی شریف نہیں ہے اور زید نے کئی مرتبہ اپنے اور اپنے بچوں کے کپڑے سپرد آگ کر دیئے ہیں اور زید نے کئی مرتبہ حالت جنون میں روٹی ہانڈی سڑک پر پھینک دی ہے اور بلا وجہ برتن توڑنا اور بچوں کو مارنا توڑنا کرتا ہے اور پھر ہوش میں آنے کے بعد پچھتا تا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کیا کر دیا اور زید کی شادی سے پہلے ہی سے ایسی حالت ہے کئی مرتبہ جنون میں اپنے مکانوں کو گرانے کا راہہ کیا ہے اور پھاوڑے سے گرا بھی دیا ہے لیکن دیگر شخصوں نے دور کیا ہوش میں آنے کے بعد ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ چاہے کوئی دس گالیاں دے جائے اکثر زید کوئی چیز خورد و نوش کی بازار سے لاتا ہے اگر کسی نے ناقص بتلا دی تو فوراً سڑک پر پھینک دیتا ہے چاہے کتنا ہی نقصان ہو جائے کچھ پرواہ نہیں کرتا غصہ بہت

جلد بات بات پر آ جاتا ہے۔ بیٹو اتو جروا

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

اگر واقعی وہ وقت طلاق مدہوش ہو گیا تھا اور انتہائی غیظ وغضب میں تھا اور غلبہ ہذیان سے بے عقلی اور دیوانگی سے طلاق دیتا رہا تو یہ طلاقیں واقع نہیں ہوئیں اور اس کی بی بی نکاح سے خارج نہیں ہوئی کہ اس وقت اور اک صحیح معدوم ہے۔

شامی میں ہے:

الثانی ان يبلغ الغضب النهاية فلا يعلم ما يقول ولا يريد فلهذا لا ريب انه لا ينفذ شيء من اقواله (وفيه ايضا) والذي يظهر لي ان كلام من المدهوش والغضبان لا يلزم فيه ان يكون بحيث لا يعلم ما يقول بل يكتفى بغلبة الهذيان واختلاط الجذبا لهنذل كما هو المفتى به في السكران۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۹۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید بہت غضبناک شخص ہے اسے بات بات پر غصہ آ جاتا ہے اور اس غصہ میں بہت سے برے کام کر جاتا ہے اسی غصہ کی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ لیکن وہ اس وقت یہ جانتا تھا کہ میری بیوی ہے اور میں اس کو طلاق دے رہا ہوں اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے پھر غصہ کی حالت دور ہونے کے بعد اس پر بہت ناوم ہوا اور رویا لیکن یہ خوب یاد ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا زید کی یہ طلاقیں واقع ہوئیں یا نہیں اور اس کی بیوی نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟۔

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کا غصہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ عقل جاتی رہے اور وہ اپنے اقوال وافعال

کو نہ سمجھے جو مدہوش کا حکم ہے۔ بلکہ اس کو اور اک صحیح حاصل ہے کہ اپنی زوجہ کو پہچان رہا ہے اور اس کو یہ جانتے ہوئے طلاق دے رہا ہے کہ طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے پھر اسے غصہ دور ہونے کے بعد یہ بات بھی خود یاد ہے کہ میں نے طلاقیں دیں اور وہ بھی تین دیں۔ لہذا زید کی یہ طلاقیں واقع ہو گئیں اور اس کی زوجہ نکاح سے خارج ہو گئی۔

شامی میں ہے:

احدها ان يحصل له مبادى الغضب بحيث لا يتغير عقله ويعلم ما يقول ويقصده

وهذا لا اشكال فيه - والله تعالى اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۹۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں روزہ کی حالت میں نوکری سے آیا دو پہر کا وقت تھا چونکہ میں حقہ کا بھی عادی ہوں کچھ خمار حقہ کا تھا، جب مکان پہنچا تو میں حقہ کی وجہ سے اپنے لڑکے پر خفا ہو رہا تھا، اس درمیان میں میری اہلیہ نے کچھ کہا، میں بحالت غصہ وجنون میں تھا اور بالکل بہوش تھا میری اہلیہ سے اس سے پہلے کوئی جھگڑا لڑائی نہیں تھی، مجھے اپنی اہلیہ سے بہت زیادہ محبت تھی، میں ایسی صورت میں اپنی اہلیہ سے جو بے قصور ہے نہ معلوم کتنی دفعہ طلاق کے لفظ ادا کر گیا، اس کے بعد فوراً ہی میری آنکھیں کھلیں اور رونے لگا اور کہنے لگا کہ یہ کیا ہوا میری اہلیہ بالکل ان الفاظ کے لائق نہیں ہے، میں اپنے ایمان سے صحیح طور سے عرض کرتا ہوں کہ میں اپنی صحیح حالت میں نہ تھا اور نہ بتلا سکتا ہوں کہ اس وقت میری اہلیہ نے مجھ سے کیا کہا تھا، جس کے جواب میں میں نے طلاق کے الفاظ منہ سے ادا کئے، میں حلفیہ ان واقعات کی تحریر کرتا ہوں مجھے اس وقت کچھ تمیز نہ تھی یہاں تک کہ مجھے اپنے پرانے کی پہچان نہ تھی۔ فقط والسلام

محکمہ کبریٰ ہر اے بلد سنجل ضلع مراد آباد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر اس وقت اس قدر اور اک تھا کہ سائل نے اپنی زوجہ کو پہچان لیا اور یہ

جانتے ہوئے طلاق دی کہ زوجہ طلاق دینے سے نکاح سے نکل جاتی ہے اور غصہ دور ہونے کے بعد یہ بات یاد رہی کہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاقیں دی تھیں اور چند مرتبہ الفاظ طلاق کہے تھے تو اس صورت میں یہ غصہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ بالکل عقل جاتی رہی ہو اور اپنے اقوال افعال کی معرفت معدوم ہو گئی ہو لہذا یہ طلاقیں واقع ہو گئیں۔

شامی میں ہے: احدها ان يحصل له مبادى الغضب بحيث لا يتغير عقله ويعلم ما يقول ويقصده وهذا لا اشكال فيه -

پھر اگر شہادت شرعی سے یا شوہر کے ظن غالب سے ان الفاظ طلاق کا تین مرتبہ ادا ہونا ثابت ہو جائے تو یہ طلاق مغفلہ ہو جائے گی اور اس عورت سے اس شوہر کا بغیر حلالہ کے نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۶۹۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید اتفاق سے ایک روز نشہ پی کر گھر آیا، زید کی بیوی مسماۃ فلدانی کو زید کے نشہ پینے سے ناگوار معلوم ہوا اس نے اپنے شوہر زید کو کہی کہ آپ نے نشہ پینے سے توبہ کیا تھا اور پھر بھی آج نشہ پی کر آئے ہیں، آپ کی توبہ کا کیا اعتبار ہے ایسا حرکت آپ کا ہے کرتے ہیں، زید نے کہا کہ ہم نشہ نہیں پیا ہے، مسماۃ نے کہا کہ آپ ضرور پیا ہے، نشہ پینے سے بدبو منہ سے آرہی ہے، اتنے میں زید نے اپنی بیوی فلدانی کو ایک دو تین طلاق دے دیا، اسی درمیان ٹولہ محلہ کے لوگ اور جمع ہو گئے پھر بھی دوبارہ اس نے بارہ گواہ رکھ کر طلاق دیدیا بیوی حمل سے تھی بتایا جائے کہ زید کا طلاق واقع ہوا یا نہیں جواب کا امیدوار ہوں۔ معین الدین احمد انصاری انجمن سکریٹری موضع جالنگھ پوسٹ ہر بدکنڈیر ضلع ہزاری باغ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید نے نشہ کی حالت میں جو طلاق دی تو شرعاً وہ طلاق واقع ہو گئی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”طلاق السکر واقع“ اور جب اس نے تین طلاقیں دیں تو وہ

طلاق مغلط بھی ہوگی اس صورت میں جب وضع حمل ہو جائیگا اس کی عدت پوری ہو جائیگی فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

یکم رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہجل

(۶۹۵)

مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

زید پر علماء نے فتویٰ دیدیا کہ یہ اپنی عورت پر ظلم کرتا ہے اس لئے یہ ظالم ہے اس سے زبردستی طلاق حاصل کر لینی چاہئے۔ چنانچہ دو آدمیوں نے زید کو ڈرا دھمکا کر اس سے طلاق لکھ والی اور زبان سے بھی طلاق کے الفاظ کہلوائے اس طلاق نامہ پر زید کے ساتھ طلاق حاصل کرنے والوں کے بھی دستخط ہیں۔ اب امن میں آ جانے کے بعد زید انکار کرتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، نہ یہ میرے دستخط ہیں حالانکہ یہ دستخط اس کے دوسرے دستخطوں سے ملتے ہیں۔ یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟۔ جواب مدلل عنایت فرمائیں۔ ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ طلاق اکراہ معلق واقع ہوئی، مگر ہاں بفتح من میں آنے کے بعد اقرار کرے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ صحیح راہ کیا ہے تحریر فرمائی جاوے۔ مذکورہ بالا طلاق کا مکرہ بن کے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہے۔ مکرہ بن بطور گواہ کافی ہیں یا نہیں؟۔ بیوقوف تو جروا

المستفتی، احقر ظہور الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ باسنی ناگور راجستھان

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید نے اگر ان دو آدمیوں کے ڈرانے دھمکانے ہی سے الفاظ طلاق زبان سے بھی کہے اور تحریر طلاق نامہ پر بھی دستخط کر دیئے ہیں تو وہ طلاق ہوگئی فتاویٰ عالمگیری میں ہے

”ولو اكره على طلاق او عتاق فاعتق او طلق وقع العتق والطلاق“

(جلد ۳ صفحہ ۵۹۳)

یعنی اور اگر جبر کیا گیا طلاق دینے پر یا غلام کے آزاد کرنے پر تو اس نے غلام کو آزاد کر دیا یا طلاق دیدی تو اس کی طلاق اور عتق واقع ہو گیا تو اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ طلاق بالجبر واقع ہو جاتی ہے اسی میں دوسری جگہ فرمایا۔

والاصل ان تصرفات المکرہ کلھا قولا منعقدة عندنا الا ان ما یحتمل الفسخ منه کالبيع والاحارة یفسخ وما لا یحتمل الفسخ منه کالطلاق والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاء والنذر فهو لازم کذا فی الکافی۔

(جلد ۳ صفحہ ۵۹۰)

یعنی ہمارے نزدیک مجبور کے ہر قوی تصرفات منعقد ہوتے ہیں مگر جو احتمال فسخ کا رکھتے ہوں مثل بیع اور اجارہ کے تو وہ فسخ ہو سکتے ہیں۔ اور جو احتمال فسخ کا نہ رکھتے ہوں مثل طلاق کے اور غلام آزاد کرنے کے اور نکاح کے اور مدبر بنانے کے اور ام ولد بنانے کے اور نذر ماننے کے پس وہ لازم ہیں اور فسخ نہیں ہوتے۔ اور شامی کے کتاب الاکراہ میں فرمایا ہے

(جلد ۵ صفحہ ۸۹)

”صح نکاحه و طلاقه و عتقه“

یعنی مکرہ کا نکاح کرنا اور اس کی طلاق دینا اور اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے۔

تو ان عبارات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ طلاق بالجبر واقع ہو جاتی ہے اور پھر جب مکرہ بن دیندار و متشرع شخص ہیں تو ان کی گواہی کافی ہے اور زید کا انکار غیر معتبر ہے اور حکم شہادت پر جو حجت تامہ شرعیہ ہے دیا جائیگا۔ اور ان عالم صاحب کا قول جب ان تصریحات کتب کے خلاف ہے تو ناقابل التفات ہے۔ انہیں اپنے قول سے رجوع لازم اور مولیٰ تعالیٰ قبول حق کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولینا الحاج محمد اجمل نائب

مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنہجل

الجواب صحیح محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل ۱۲ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

(۶۹۶)

مسئلہ

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بکر اپنی عورت عارفہ کو نان نفقہ کچھ نہیں دیتا اور ظلم اتنا کرتا ہے کہ انسانی برداشت سے باہر ہے کبھی مار کر بہوش کر دیتا ہے کبھی بیل گاڑی کے پیچھے باندھ کر کتوں کی طرح گھسنتا ہے۔ ہمارے یہاں قومی جماعت ہے جس میں سب معزز آدمی ممبر ہیں یہ جماعت شرعی فتویٰ حاصل کر کے اس کے مطابق فیصلہ دیتی ہے۔ اس جماعت نے بکر کو بلا کر سمجھایا کہ اپنے تعلقات سدھار دیا طلاق دیدو۔ بکر دونوں میں،

سے ایک بھی کرنے کو تیار نہ ہوا۔ تو جماعت نے اس سے مقاطعہ شروع کر دیا۔ اس پر بھی نہ مانا اب سوال یہ ہے کہ جماعت موصوفہ بکر کا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر ظہور الدین بانی ناگور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جماعت مذکورہ کو بکر کے نکاح کے فسخ کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں۔ ہاں اس ظلم کے دفع کرنے کی غرض سے بکر سے مقاطعہ کیا جاسکتا ہے وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو ایسے ظالم سے یہ جماعت بالجبر طلاق زبانی طور پر ہی حاصل کر سکتی ہے اور مظلومہ عارفہ کو اس کے ظلم سے نجات دلوا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ:- المتوسل بالنسبى الممدنى المرسل العبد لارذل محمد اول ابن

المفتى مولينا محمد اجمل نائب مفتى مدرسه اجمل العلوم سنبھل

الجواب صحيح محمد اجمل غفر له الله عز وجل مفتى مدرسه اجمل العلوم

سنبھل

مسئلہ

(۶۹۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں کہ

زید اور ہندہ کی شادی کو کچھ عرصہ ہوا۔ دونوں چچا زاد بھائی بہن ہیں۔ اس طرح کچھ دنوں سے آپس میں نا اتفاقی رہا کرتی تھی۔ ہندہ کچھ دنوں کے واسطے باجائز زید اپنے میکہ جو کہ پڑوس میں ہی واقع ہے چلی گئی۔ ہندہ اپنے میکہ میں ہی تھی کہ ایک روز شام کے وقت زید کی والدہ نے ہندہ کو کچھ تحفہ تحائف کی چیزیں پکانے کیلئے بلایا۔ ہندہ پکا رہی تھی کہ زید جو کہ تاڑی پٹے ہوئے تھا یا ہر سے آیا اور اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ اس کو کس نے بلایا اور یہاں کیوں آئی۔ زید کی والدہ نے جواب دیا کہ میں نے بلایا ہے اور ہندہ نے کہا کہ میرا گھر ہے میں کیوں نہیں آتی۔ اس پر زید نے ہندہ سے کہا کہ تم

خاموش رہو میں تمہاری شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا اور جب بات بڑھ گئی تو زید نے کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ اس پر ہندہ کی بھابی نے جو وہاں موجود تھی اور ہندہ کے ساتھ ہی آئی تھی کہا کہ یہ کیا کر رہے ہیں اس طرح بیوی کا شکل دیکھنا حرام ہو جاتا ہے۔ تو زید نے کہا کہ میں اس کی

پرواہ نہیں کرتا۔ اور پھر تین مرتبہ اسی طلاق کے لفظ کو دہرایا۔ اس کے بعد ہندہ پھر میکہ واپس چلی آئی۔ اس حالت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اب اگر رجعت کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بینوا محمد علی مرتضیٰ بن محمد خلیل غفر لہ ۲۳ جولائی ۱۵۱۲ء ذکر یا اسٹریٹ کلکتہ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگرچہ زید تاڑی پٹے ہوئے تھا لیکن سوال سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اس قدر بیہوش نہیں تھا کہ اسے ہندہ کی معرفت نہ ہو۔ اور طلاق دینے کا احساس نہ کرتا ہو۔ اور دوسروں کی گفتگو سمجھ کر اس کا جواب نہ دیتا ہو تو زید کی یہ ہر سہ طلاقیں بلا شک ہندہ پر واقع ہو گئیں اور شرعاً یہ مغلطہ طلاق ہوئی جس سے ہندہ یقیناً اس کے نکاح سے خارج ہو گئی اس صورت میں زید ہندہ سے ہرگز ہرگز رجعت نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم میں ہے:

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔

یعنی پھر اگر تیسری طلاق بھی دیدے تو اب وہ عورت اسے حلال نہیں جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ لہذا بلا حلالہ کے اب زید اس ہندہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہندہ بعد عدت کے کسی سے نکاح کرے اور وہ اس کو بعد صحبت کے طلاق دیدے تو اب یہ ہندہ عدت گزار جانے کے بعد شوہر اول زید سے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۳۰ رذیقعدہ الحرام ۱۳۷۳ھ

کتبہ: المستصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفر له الاول، ناظم المدرسه اجمل العلوم فی بلدة سنبھل

(۶۹۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ۔

مسمی جلال محمد کی شادی مسماۃ صابرہ سے ہوئی تھی۔ جلال محمد کی بیوہ بہن جلال محمد کے ساتھ رہتی تھیں مگر مسماۃ صابرہ اور بیوہ میں ہر وقت ان بن رہتی تھی۔ اور مسماۃ صابرہ کے والد اور رشتہ دار چاہتے تھے کہ جلال محمد کی بیوہ بہن گھر سے نکال دی جائے اور گھر میں پورا اقتدار صابرہ کا رہے، ورنہ جلال محمد صابرہ

کو طلاق دے۔ چنانچہ ایک روز جلال محمد بحالت نشہ میں صابرہ کے والد اور رشتہ دار سے ملا تو انھوں نے جلال محمد کو کہا کہ یا تم اپنی بہن کو نکال دو یا صابرہ کو طلاق دیدو۔ جلال محمد نشہ میں تھا اس لئے اس نے دباؤ میں آ کر محض یہ تحریر لکھ دی کہ میں نے طلاق۔ چونکہ طلاق کی کوئی تشریح نہیں تھی اور یہ طلاق نامہ رشتہ داران صابرہ کے پاس کھویا بھی گیا۔ اس کے بعد تحریر طلاق اس طلاق کو رجعی طلاق یا جائز قرار دیتے ہوئے فریقین کے درمیان پھر صلح ہو گئی اور جلال محمد دو تین روز بعد صابرہ کے ساتھ آ گیا اور صابرہ کو بحیثیت بیوی کے رکھنے لگا۔ عرصہ برابر آٹھ سال ہو گئی، مگر ہر برادری کی نظر میں صابرہ اب تک مطلقہ ہے اور برادری کے بعض بچے بھی مصر ہیں کہ علمائے کرام سے فتویٰ لیا جائے۔ لہذا ان حالات میں من وعن استفسار کیا جاتا ہے کہ کیا صابرہ مطلقہ ہے اور جلال محمد کے ساتھ رہنے کی حقدار نہیں؟

واضح رائے عالی ہو کہ جب طلاق کے دو تین روز بعد جلال محمد صابرہ کے پاس چلا گیا تو جلال محمد کے حق میں صابرہ کے رشتہ داروں نے ایک تحریر لکھ دی کہ ہم نے تمہیں نشہ کی حالت میں طلاق نامہ لکھ دیا تھا، اگر وہ طے ہو تو رہے۔ حالت مستفسرہ میں جواب سے مطلع فرمایا جائے۔

المستفتی جلال محمد ٹھکانہ برول چوک بچہ گلی جودھ پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر جلال محمد نے اپنی بیوی صابرہ کو اگرچہ نشہ کی حالت میں سہی ایک یا دو صریح طلاقیں دی تھیں تو ان کے باہمی زن و شوہر کے خاص تعلقات و اختلاط کے بعد رجعت صحیح ہو گئی۔ فتاویٰ انگیری میں ہے:

كما ثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطى واللمس عن الشهوة كذا

فی النہایۃ۔

لہذا اس رجعت کے بعد جلال محمد کی شرعاً اسی طرح بیوی ہو گئی جیسے کہ پہلے تھی۔ برادری کے لوگوں کو اب ان کے تعلقات کو ناجائز ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے۔ اور اگر جلال محمد نے صابرہ کو اس طلاق نامہ میں تین طلاقیں دی تھیں تو وہ رجعت شرعاً رجعت ہی نہیں ہے۔ اور اس صورت میں ان کے یہ تعلقات ناجائز و حرام ہیں اور جلال محمد اس صابرہ سے بعد حلالہ اور اس کے بعد عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔

قرآن کریم میں اس کا صاف حکم موجود ہے: حتی تنكح زوجاً غیرہ۔

بالجملہ جلال محمد نے جس قدر صابرہ کو طلاقیں دی ہوں ان کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے جیسا واقعہ ہوا اسی کے مطابق حکم لکھ کر عمل کیا جائے کہ سوال میں تعداد طلاق کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۰ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۳۵ھ

مسئلہ (۶۹۹)

بسم الله الرحمن الرحيم

قبلہ محترم مولانا مولوی اجمل شاہ صاحب مفتی اعظم سنہ ۱۳۳۵ھ مدظلہ السلام علیکم مزاج مبارک عرض خدمت اقدس میں یہ ہے کہ مجھ کو حسب ذیل مسئلہ پر فتویٰ ارشاد فرمائیے گا ممنون احسان ہوؤنگا۔

عرفانی بیگ ساکن سنہ ۱۳۳۵ھ محلہ میاں سرائے۔ ۱۱ اگست ۵۹ء

کہ زید اور اس کی زوجہ میں عرصہ سے ایک مشکوکی واقع ہو گئی تھی۔ اسی مشکوکی کے سلسلہ میں بارہا آپس میں فساد ہوتا رہتا تھا۔ زید نے اس مشکوکی کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن زید کی زوجہ کسی طرح سے مشکوکی رفع نہ کر سکی۔ آخر میں آ کر عرصہ دو ماہ کا ہوا زید نے کلام اللہ شریف کو درمیان میں رکھ کر اطمینان دلایا کہ اس کے خیالات غلط ہیں اور قسم بھی کھائی۔ مگر زید کی زوجہ کو یقین کامل نہ ہوا۔ اسی سلسلہ میں بتاریخ ۱۱ اگست ۵۹ء کو پھر آپس میں فساد ہوا۔ چونکہ زید غصہ کی حالت میں اس قدر مغلوب الغضب ہو جاتا ہے کہ زید کو زمین آسمان کا پتہ نہیں رہتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں۔ ایسی حالت میں اس وقت زید کی زبان سے ایک فقرہ میں زوجہ کے لئے یہ الفاظ نکل گئے کہ تیری جنتی پر طلاق۔ تیری صورت پر سات طلاق۔ اور نہیں معلوم کیا کہا جو زید کو بعد میں معلوم ہوا۔ یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور ہوئی تو کس طرح کی؟ زید کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی اور نہ ہے۔ زید کے چار لڑکے اور ایک لڑکی جو دو سال کی ہے۔ نقطہ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع زید اسی قدر مغلوب الغضب ہو گیا تھا کہ اسکو زمین آسمان کا پتہ نہ رہا یہ بھی پتہ نہ رہا کہ میں کہاں ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں اور یہ میری بیوی اور میں اس کو طلاق دے رہا ہوں اور طلاق سے عورت نکاح سے خارج ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر غصہ اس حد تک نہیں پہنچا تھا اور وہ اپنی بیوی کو پہچانتا تھا اور یہ سمجھ کر طلاق کے یہ الفاظ کہے تو ان الفاظ سے طلاق مغلطہ واقع ہو جائے گی۔ کہ غصہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ لفظ صریح طور پر موجود ہے کہ اس میں نیت کی ضرورت نہیں۔ اب اس صورت میں بلا حلالہ کے ان کے درمیان نکاح حلالی نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کے دونوں پہلو ظاہر کر دیئے گئے اب سائل پر لازم ہے کہ جیسا واقعہ ہو اسی پر عمل کرے اسکی ذمہ داری سائل پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۶ صفر المظفر ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدہ سنجل



﴿۶۳﴾

باب الفاظ الطلاق

(۷۰۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو گھر پر چھوڑا اور خود باہر کسی کام سے چلا گیا۔ اس شخص کی زوجہ بلا اجازت اس کی کہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ جب شوہر بلائے گیا تو اس کے والدین نے نہیں بھیجا۔ لہذا شوہر پھر سفر میں باہر چلا گیا اور وہاں سے بذریعہ خط کے اس نے تحریر کیا۔ اگر میری زوجہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام کرے گی تو میں اس کو طلاق دیدونگا چنانچہ وہ خط زوجہ کے والدین نے پڑھوایا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ میں نے تین مرتبہ طلاق دی، مگر جب شوہر اس کو پھر بلائے گیا تو اس کے والدین نے یہ کہا کہ تو تو ہماری لڑکی کو طلاق دے چکا ہے اب بلائے کیوں آیا ہے، تو شوہر نے یہ جواب دیا کہ میں نے طلاق تو نہیں دی البتہ یہ کہا ہے کہ اگر میری بیوی میرے خلاف چلے گی تو میں طلاق دیدوں گا مگر میں نے دی تو نہیں۔ انہوں نے کہا کیا تو قرآن شریف کی قسم کھاتا ہے تو اس نے کہا تم ہو کیا چیز جو لوگ نائب رسول ہیں ان کے سامنے بھی کھا سکتا ہوں کہ قسم کلام پاک کی میں نے نہ تو طلاق دی نہ لکھوائی۔ تو انہوں نے خط منگوا کر پڑھوایا تو خط کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تحریر بھی دوسری ہے اور قلم بھی دوسرا ہے اور شوہر خود لکھنا نہیں جانتا ہے ایسی صورت میں فرمائیے طلاق جائز ہے یا ناجائز؟۔ فقط

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اس عورت پر قطعاً یقیناً طلاق نہیں ہوئی۔ یہ الفاظ بلا تحریر کے بھی اگر خود شوہر اپنی زوجہ کو مخاطب کر کے کہے کہ میں تجھ کو طلاق دیدونگا تو صرف ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کما هو مصرح فی عامۃ الکتاب۔

اور اگر یہی الفاظ تحریر میں بھی لکھے یا لکھوائے اور ان کا اقرار بھی کرے یا ان پر شہادت بھی گزارے جب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اب باقی رہے یہ الفاظ کہ میں نے تین مرتبہ طلاق دی تو ان الفاظ پر نہ شوہر کا اقرار ہے، نہ سوال

میں شہادت شرعی کا اظہار ہے۔ لہذا ان الفاظ سے طلاق کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تحریر طلاق ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ شوہر اس کا اقرار کرے یا اس پر شہادت شرعی گزرے۔ شامی میں ہے:

قال الرجل ابعث به اليها اوقال اكتب نسخة وابعث بها اليها ان لم يقرأ انه كتب ولم تقم بينه لكنه وصف الامر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب يخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقرأ انه كتابه۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۷۰۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زاد اللہ برکاتہم صورت مسئلہ میں کہ

مسماۃ ہندہ کو اس کے شوہر زید نے جو پردیس میں ہے خط لکھا کہ تم کو تکلیف ہے تو تم اپنا انتظام کرو زید دہلی میں بیکار تھا اور مسماۃ ہندہ اپنے بھائی کے پاس۔ زید واپس آیا اور مسماۃ ہندہ کے یہاں ایک سال تک رہا بعد میں زید اور ہندہ میں ناراضگی ہوئی زید اپنے مکان چلا آیا اور ہندہ کو بھی مکان لانا پڑا نہیں آئی زید نے مکان سے خط لکھا کہ اگر تم نہیں آتی ہو ہمارے یہاں تو تم ہماری چیزیں دید و ہم خوشی سے جواب دینگے مسماۃ ہندہ اب ان الفاظ کو پکڑ کر کہ (اگر تم کو تکلیف ہے تو تم اپنا انتظام کرو اور تم ہماری چیزیں دید و ہم خوشی سے جواب دینگے) کہتی ہے کہ طلاق واقع ہوگئی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں از روئے شریعت حقہ کے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ بینا تو جروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ہندہ مطلقہ نہیں ہوئی، پہلے الفاظ (اگر تم کو تکلیف ہے تو تم اپنا انتظام کرو) کو اگر بالفرض کتنا یہ بھی تسلیم کر لیا جائے جب بھی ان سے بلا نیت طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔

جو ہرہ نیرہ میں ہے: ویقع الطلاق بالكتاب اوقال نويت به الطلاق وهو صواب لان الكتابيات هي التي تفتقر الى النية۔

اور دوسرے الفاظ (تم ہماری چیزیں دید و ہم خوشی سے جواب دینگے) سے طلاق واقع نہ ہوئی

بلکہ ان میں ضمناً آئندہ طلاق دینے کی دھمکی دی جا رہی ہے بہر صورت ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۶

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۷۰۲)

اسلام علیکم مزاج شریف نہایت ادب سے دست بستہ عرض ہے کہ یہاں پر ایک مسئلہ بہت زبردست پیش ہے اور میں غریب ہوں بجز ذات باری تعالیٰ کوئی حامی و مددگار نہیں ہے اس واسطے عرض ہے آپ نائب رسول ہیں موافق شرع شریف میرے سوالوں کے جواب مرحمت فرمایا گا اور میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف پڑھا ہوں اور یہ خوب جانتا ہوں کہ قرآن مجید میرا اور تمام مسلمانوں کا دین ایمان ہے سوالات حسب ذیل ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھ مسکنی رستم خان ولد عبدالرحمن خاں کا عقد و نکاح ساتھ مسماۃ بیدل بیوہ حرمت خان بنت شریفاً عرف لاڈلی سے عرصہ پانچ سال سے زائد ہوا قبل از نکاح مسماۃ مذکورہ میری منگنی میرے ماموں کی لڑکی سے ہو رہی تھی مگر یہ لڑکی نابالغ تھی اب عرصہ پانچ ماہ کے قریب ہوئے کہ میرے ماموں صاحب کا انتقال ہو گیا اور یہ لڑکی بھی بالغ ہوگئی بعد ختم عدت ماموں صاحب مرحوم میری ممانی صاحبہ نے میرے والدین سے فرمایا کہ لڑکی اب سیانی ہوگئی ہے اور تمہارے لڑکے کو منگنی ہے۔ لہذا تم لوگ تیار ہو جاؤ میں شادی کرونگی۔ لہذا میرے والدین نے میری ممانی صاحبہ سے تمام معاملات لین دین کے میرے ایماء سے طے کر لئے اور میری بیوی موجودہ سے بھی دریافت کیا کہ تمہاری منشاء ہو تو رستم خان کی شادی کر لیں کیونکہ پہلے اس کی منگنی ہوئی ہے اس میری بیوی نے منظور کر لیا لہذا تاریخ مقرر ہوئی تمام کام خوشی بخوشی میری بیوی موجودہ کرتی رہی بارات دلہن کے مکان پر پہونچی اور قاضی صاحب وغیرہ تشریف لے آئے جس وقت نکاح پڑھایا جائیگا ہوتا ہے فوراً ایک شخص مکان دلہن سے آکر کہتا ہے کہ دلہن کی والدہ کی مرضی ہے کہ ایک کاغذ لکھ دو اس وقت میرے والد صاحب اور چچا جواب دیتے ہیں کہ یہ موقع رات کا ہے کاغذ دستیاب ہونا غیر ممکن ہے صبح ایک نہیں دو لکھ دیں گے گو یہ معاملہ ٹھیرا نہیں ہے مگر ہم وعدہ کرتے ہیں یقین کرو یہ خبر جب دلہن کی والدہ کے پاس پہونچی ہے تو یہ کہلا کر بھیجتی ہیں کہ اچھا ہم کو کچھ اور نہیں کرانا صرف ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پہلی عورت یعنی موجودہ

بیوی کو طلاق دیدو بس یہ جملہ میں نے سنا کہ یہ کیا معاملہ ہے فوراً شادی کی اچکن و کرتا اوتار کر رکھ دیا اور کہہ دیا کہ ہم کو ہرگز منظور نہیں اور نہ ہمارا یہ ٹھرا ہے، اگر ایسا کرنا تھا تو ہم کو پیشتر ظاہر کرتے چنانچہ میرے والد اور دیگر بزرگوں نے کہا کہ طلاق دیدو میں نے بہت منع کیا مگر وہ آمادہ زد و کوب ہوئے اور سخت کلامی سے پیش آئے اور بڑی بڑی خوف آمیز باتیں سنائیں اس وقت میں نے ڈر و خوف سے لفظ طلاق پانچ سات مرتبہ حالت غصہ میں اور ان کے ڈر و خوف سے بیدلی سے کہہ دیئے مگر از روئے ایمان و خدا رسول کو حاضر و ناظر جان کر یہ تحریر واسطے طلب فتویٰ پیش خدمت اقدس کرتا ہوں کہ میں نے طلاق دل سے نہیں دی ایسی صورت میں ارقام فرمایا کہ حکم خداوندی کیا ہے

رستم خان خیاط مہتر درواریہ باہر ریاست بھرپور

سوال نمبر ۲

یہ کہ میرا نکاح پڑھا دیا گیا اور میں نے ساتھ خوشی ایجاب قبول کر لیا اب جو صبح کو ملتا ہے کہتا ہے تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ اس سے یہی میں جواب دیتا ہوں کہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے اچکن و سہرا اتار کر رکھ دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ یہ امر ہم سے ہی ہوا تھا کہ طلاق دینا ہو گا یا کاغذ لکھنا ہو گا۔ لہذا میں نے اپنے والد صاحب و چچا صاحب و دیگر بزرگوں کے ڈر و خوف دلانے سے اوپر دل سے کہہ دیا تھا اور نہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اس وقت وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق دل سے نہیں دی تو نکاح بھی تم نے دل سے منظور نہیں کیا ہو گا مگر میں بخدا نکاح میں نے دل سے ایجاب قبول کیا ہے کیونکہ پیشتر ہی تیار ہو کر گیا ہے اور طلاق کا معاملہ فوری کیا گیا تھا ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ فقط رستم خاں

سوال نمبر ۳

یہ کہ میں نے تو مسماۃ بیدن زوجہ کو طلاق دیا نہیں مگر اس کے والدین اس کو میرے مکان سے اپنے مکان پر لے گئے اور وہاں سے معلوم ہوا ہے کہ کسی دوسرے شہر میں لے گئے ہیں اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم مہر کارو پیہ اور تین ماہ کا کھانا دو میں نے یہ جواب چاہا کہ اگر تم نے میری بیوی کو بہکا دیا ہے کہ تجھ کو رستم خاں نے طلاق دیدی ہے تو اس کو میرے مقابل کرنا کہ وہ خود مجھ سے طلب مہر اور کھانا کرے ورنہ میں نے اسکو طلاق نہیں دی اور علاوہ اگر بالفرض تم لوگ دروغ گوئی سے طلاق دینا ثابت کرتے ہو تو میعاد عدت میرے مکان پر کاٹتی کیونکہ میں نے شریعت میں ایسا ہی سنا ہے اس وقت کھانے کو مل سکتا تھا

اور میرا مکان آدمیوں سے بھرا ہے میرے پھوپھا اور پھوپھی اور میری ماں اور باپ میں بھائی و جدید ساس و سالہ و بیوی ہر وقت رہتے ہیں اور اول تو میں حلفیہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے۔ فقط رستم خاں خیاط میزادرواریہ باہر ریاست بھرپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئلہ میں جب شوہر نے اپنی پہلی منکوحہ کو مطالبہ طلاق پر پانچ سات مرتبہ طلاق دی اور پہلی منکوحہ اس کی موجود ہے تو یہ طلاق مغلطہ یقیناً حتماً واقع ہو گئی۔ اور اگر غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور وہ عورت اسکے نکاح سے خارج ہو گئی۔ اب اس شوہر کا یہ عذر بیکار ہے کہ میں نے دل سے طلاق نہیں دی ہے کیونکہ اس نے طلاق کا صریح لفظ کہا اور لفظ صریح میں نیت و قصد کی حاجت نہیں۔

جوہر نیرہ میں ہے: ولا يفتقر الى النية يعنى الصريح بغلبة الاستعمال۔

اور ابو داؤد و ترمذی شریف میں ہے:

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال ثلث جدھن جد وھزلھن جد، النکاح و الطلاق و الرجعة۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۴)

یعنی شرح کنز میں ہے: ولو قال انت طالق ثلاثا من هذا العمل طلقت ثلاثا ولا يصدق قضاء انه لم ينو الطلاق۔ (یعنی مصری ج ۱ ص ۱۴۱) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) جواب اول سے ثابت ہو چکا کہ یہ طلاق یقیناً واقع ہو گئی اور جس طرح یہ عذر بیکار ہے کہ میں نے دل سے طلاق نہیں دی تھی ایسے ہی یہ بات بھی لغو ہے کہ والد اور چچا وغیرہ کے خوف و ڈر سے طلاق دی ہے کہ ایسا خوف و ڈر طلاق واقع ہونے سے مانع نہیں۔

جوہر نیرہ میں ہے: يقع طلاق كل زوج اذا كان بالغاً عاقلاً سواء كان حراً او عبداً طائعاً او مكرهاً لازلاً او جاداً۔

(۳) ان دونوں جوابوں سے طلاق تو ثابت ہو چکی تو یہ طلاق خلوت صحیحہ کے بعد دی تو شوہر پر مہر کامل واجب ہو گیا البتہ یہ عورت اپنی عدت شوہر کے مکان پر پوری کر لے گی اس کو شوہر کے مکان سے نکلنا جائز نہیں۔

جو ہر نیرہ و قدوری میں ہے: لا یحوز للمطلقة الرجعية والمبتوتة الخروج من بیتها لیلاً او نہارا۔ (ج ۲ ص ۱۳۲)

اور شوہر کے ذمہ اس عورت کو زمانہ عدت میں مکان اور کپڑے اور کھانا دینا ضروری ہے۔

جو ہر نیرہ میں ہے: واذا طلق الرجل امراته فلها النفقة والسكنی فی عدتها رجعیاً کان الطلاق او بائناً وكذا الكسوة ایضاً۔ (ص ۱۳۸) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۳

(۷۰۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت مسئلہ ذیل میں

زید نے چند اشخاص کے سامنے اپنی زوجہ کو کہا کہ تو آج سے میری ماں اور بہن ہے۔ اور مجھے تیری ضرورت نہیں۔ اور تو میرے گھر سے نکل جا۔ کیا زید کے ان الفاظ سے عورت کو طلاق پڑے گی۔ اگر ہوتی ہے تو ایک یا دو یا تین۔ اور نہیں تو کفارہ لازم آئیگا بحوالہ کتب ارقام فرمایا جائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید کے الفاظ اولیٰ ”تو آج سے میری ماں اور بہن ہے“ سے ظہار ثابت نہیں ہوتا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لو قال لها انت امی لا یكون مظاهروا ینبغی ان یكون مکروها۔

پھر اس کے ظہار نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ظہار کے لئے صراحتہ حرف تشبیہ کا ہونا شرعاً ضروری ہے۔ رد المحتار میں ہے۔

فعلم انه لا بد فی كونه ظهاراً من التصريح باداة التشبيه شرعاً۔

اور ظاہر ہے کہ زید کے ان الفاظ میں حرف تشبیہ صراحتہ مذکور نہیں تو ان الفاظ زید سے ظہار ثابت

نہ ہوا۔

زید کے الفاظ ثانیہ ”مجھے تیری ضرورت نہیں“ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”ولو قال لا حاجة لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق“ بلکہ

یہ الفاظ طلاق کے الفاظ کنایات ہی سے نہیں ہیں کہ نہ تو ان میں انشاء طلاق ہے نہ اخبار طلاق۔ پھر یہ تعریف کنایہ ہی صادق نہیں آئی۔ لہذا اس بنا پر ان سے طلاق ہی واقع نہیں ہوتی۔ رد المحتار میں ہے:

ما ذکرہ فی تعریف کنایہ (ما احتمل الطلاق وغیرہ) لیس علی اطلاقہ بل ہو مقید بلفظ یصح خطابہا بہ ویصلح لا نشاء الطلاق الذی واضمرہ او للاخبار بانہ واقعہ ولا بد من ثالث ہو کون اللفظ سبباً عن الطلاق وناشأ عنه ملخصاً۔
توان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوئی۔

زید کے الفاظ ثالثہ ”تو میرے گھر سے نکل جا“ تو یہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں کہ ان پر تعریف کنایہ صادق آرہی ہے اور ان کا محتمل طلاق ہونا اور ان کا اخبار طلاق پر دال ہونا۔ بلکہ ”ان کا ناشی عن الطلاق“ ہونا ظاہر ہے۔

رد المحتار میں ہے: ونحو اخرجی واذہبی وقومی ای من هذا المكان لیقع الشرفیکون رداً اولاً انه طلقها فیکون جواباً۔

پھر جب ان الفاظ کا کنایہ طلاق ہونا ثابت ہو چکا تو اگر ان کو بہ نیت طلاق کہا ہے تو ان سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

تو زید کے الفاظ ثانیہ اور الفاظ ثالثہ کا فرق اسی مختصر تقریر سے ظاہر ہو گیا اور زید کے الفاظ اولیٰ جب ظہار ہی نہیں تو کفارہ کس بنا پر لازم ہو۔ نیز وجہ ظہار کے بیان ”تو میری بہن ہے اور تو میری ماں بہن کی مثل ہے“ ان کے مابین فرق کا حال بھی ظاہر ہو گیا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۳

(۷۰۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی زید کا قول ہے کہ شادی سے قبل ہندہ کے والد نے یہ کہا تھا کہ بعد شادی کے میں کچھ زمیں اور سائیکل زید کو دوں گا لیکن شادی کے بعد یہ وعدہ پورا نہیں ہوا اور زید شادی

کے تقریباً سال بھر بعد بمبئی چلا گیا اور وہاں سے اپنے والد کو خط لکھا کہ چونکہ ہندہ کے والد نے شادی سے قبل جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا اس لئے میں اس کو نہیں رکھوں گا وہ اپنی لڑکی واپس کر لیں تو بہتر ہے مجھ کو نہیں چاہئے میں خرچ وغیرہ نہیں دوں گا میری طرف سے اجازت ہے وہ اپنی لڑکی کی شادی کر دیں۔ یہ اپنے والد کو لکھا اور اسی مضمون کا ایک خط ہندہ کے والد کو بھی لکھا جس پر ہندہ کے والد نے مع سامان کے ہندہ کو اپنے گھر بلا لیا اس واقعہ کو تقریباً تین سال ہو گئے اس اثنا میں ہندہ نہ کبھی زید کے گھر گئی اور نہ کبھی وہ خود گھر آیا اور نہ کوئی تلاش کیا نہ خرچ وغیرہ دیا اب زید بمبئی سے آیا ہے تو خواستگار ہے کہتا ہے کہ ہندہ میری بیوی ہے چونکہ ہندہ کے والد نے جو زمین اور سائیکل دینے کا وعدہ کیا وہ پورا نہیں کیا اس لئے حالت غصہ میں خط کے اندر الفاظ مذکورہ میں نے لکھے ورنہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی۔ تو کیا ایسی صورت میں نکاح باقی رہا یا طلاق واقع ہو گئی اگر طلاق واقع ہو گئی تو کونسی طلاق ہوئی کیا زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ بغیر حلالہ کے ہو سکتا ہے یا نہیں معہ حوالہ کتب عام فہم اردو میں جواب مرحمت فرمایا جاوے۔ بنو اوتو جروا فقط والسلام المستفتی محمد عبداللہ مورخہ ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کے یہ پہلے الفاظ میں اس کو نہیں رکھوں گا اس میں طلاق صریح کا تو کوئی لفظ ہی نہیں ہے اور اگر اس سے بھی قطع نظر کیجئے تو اس میں خود ایقاع طلاق ہی نہیں پایا گیا بلکہ اس میں وہ آئندہ اپنے ارادہ کا اظہار کر رہا ہے اور ارادہ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے "لو قال اردت طلاقك لا تطلق وان نوى۔"

اب رہا ان کا الفاظ کتایہ طلاق سے ہونا تو یہ الفاظ ان کنایات سے نہیں جو ناشی عن الطلاق سے ہیں۔ رد المحتار میں ہے:

"نقل عن البحر عدم الوقوع بلا احبك لا اشتبهك۔ لا رغبة لی فیک وان نوى
وزجه ان معانی هذه الالفاظ لیست ناشية عن الطلاق الخ

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو قال لا حاجة لی فیک بنوی الطلاق فلیس بطلاق واذا قال لا اريدك او لا احبك او لا اشتبهك او لا رغبة لی فیک فانه لا يقع وان نوى فی قول ابی حنیفة رحمة الله

علیہ۔

تو زید کے یہ الفاظ انہیں الفاظ عبارات کے ہم معنی وہم مفہوم ہیں لہذا ان الفاظ زید سے بھی طلاق واقع نہیں ہوئی اب باقی رہے زید کے یہ تیسرے الفاظ "میری طرف سے اجازت ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی کر دیں"۔ تو زید کے یہ وہ الفاظ کتایہ ہیں جن سے اگر نیت طلاق کی جائے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: روى الحسن عن ابی حنیفة انه اذا قال وهبتك لا هلك اولاً بیک اولاً صك اوللاً زواج فهو طلاق اذا نوى۔

اسی میں ہے: و بابتخی الزواج تقع واحدة بائنہ ان نواھا

تو زید کے یہ تیسرے الفاظ ان عبارات کے ہم معنی وہم مفہوم ہیں۔ تو اب زید اگر مختلف شرعی اقرار کر لے کہ ان الفاظ سے میری طلاق کی نیت مقصود نہیں تھی جب تو اس ہندہ کے مطلقہ ہونے کا حکم ہی نہیں دیا جاسکتا لیکن پھر بھی احتیاط کا موقع ہے کہ بغیر حلالہ کے ان کے مابین تجدید نکاح کر دیا جائے۔ اور اگر زید جھوٹ بول رہا ہے یا حلف شرعی سے انکار کرے تو ان الفاظ سے اس ہندہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے اور طلاق بائنہ میں بھی بغیر حلالہ کے ان کے مابین نکاح کر دینا کافی ہو جاتا ہے تو بہر صورت ان کے مابین حلالہ کی حاجت نہیں بلکہ صرف نکاح کر دینا کافی ہے "کما هو مصرح فی کتب الفقہ۔" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۶ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المقصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۰۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ زید ۱۸ شعبان ۱۳۷۶ھ روز پنجشنبہ بعد نماز ظہر اپنے گھر سے نکل کر سسرال اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے وہاں چند اشخاص مرد و عورت موجود تھے جن کے سامنے زید اپنی بیوی سے ناراضی بات چیت کرتے ہوئے پہلے اس کے منہ پر طمانچہ مارا پھر یہ کہا کہ ہم آج اسکا فیصلہ کر کے جائینگے اور ہم کسی قیمت سے رکھیں گے نہیں طلاق دیدینگے پھر وہاں سے زید اٹھکر اپنے گھر چلا جاتا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی کہ نہیں۔ اگر طلاق ہوئی تو کس قسم کی عند الشرع جو حکم ہو اس سے

آگاہ کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ المستفتی، ظہیر الدین محلہ مہاکری بارہ درہ مسجد تھپوری سیٹی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے کہ ہم آج اس کا فیصلہ کر کے جائینگے اور ہم کسی قیمت سے رکھیں گے نہیں طلاق دیدیں گے۔ ان الفاظ میں شوہر اپنے آئندہ طلاق دینے کے قصد اور ارادہ کا اظہار کر رہا ہے اور نہ اس وقت وہ ایقاع طلاق کر رہا ہے نہ اس کی خبر دے رہا ہے محض قصد و ارادہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لو قال نويت طلاقك او اردت طلاقك لا تطلق وان نوى "لہذا اگر اس شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے ہیں تو ان الفاظ سے طلاق ہی واقع نہیں ہوتی ہے۔ پھر جب طلاق ہی واقع نہیں تو وہ عورت اس کی بیوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنبھل

مسئلہ

(۷۰۶)

سوال یہ ہے کہ غلام نبی نامی ایک شخص نے چار پانچ شخصوں کے سامنے اپنی عورت کے متعلق اپنے سر سے کہا کہ میں نے تیری لڑکی کو طلاق دی تیری لڑکی کو طلاق دی تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص کے رو برو کہا کہ میں نے اپنی عورت کو چھوڑ دی اس واقعہ کو تین ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے اب یہی شخص کہتا ہے کہ میں نے تو دو مرتبہ طلاق دی ہے لہذا جواب باصواب عنایت کیا جائے۔ بینا تو جروا۔
المستفتی، محمد ہاشم محمد قاسم خیرانی بانسی قریب ناگپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع غلام نبی خود یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو صرف دو مرتبہ طلاق دی ہے اور جن آدمیوں کے سامنے کہا ہے وہ بھی شہادت دیتے ہیں کہ غلام نبی نے اپنی بیوی کو صرف دو طلاقیں دی ہیں اور عدت پوری ہو گئی ہے تو یہ دونوں بلا حلالہ کئے اپنے آپس میں نکاح کر سکتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں شرعاً صرف دو طلاقیں ہی واقع ہوئی ہیں باقی غلام نبی کا دوسرے شخصوں سے اس واقعہ کے بعد بار بار

یہ کہنا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دیدی ہے اور اس کو چھوڑ دیا ہے تو یہ کوئی نئی طلاق دینا نہیں ہے۔ بلکہ اسی پہلے واقعہ کی حکایت اور خبر دینا ہے لہذا صورت مسئلہ میں اگر یہ دونوں آپس میں دوبارہ نکاح کرنے پر رضامند ہوں اور آئندہ حقوق طرفین کے ملحوظ رکھنے کا وعدہ کریں تو ان کے درمیان باقاعدہ نکاح کر دینا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنبھل

مسئلہ

(۷۰۷)

باسمہ سبحانہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین حسب ذیل مسائل میں

(۱) زید نے اپنی بیوی کو حالت علالت و کمزور دماغ اپنی خوشدامن سے لڑائی کی اور کہا کہ میں اپنی بیوی اپنے ساتھ لے جاؤنگا۔ زید کی خوشدامن نے کہا کہ اپنے والد کو بھیج دو وہ اپنے ہمراہ لے جائینگے زید نے بحالت غصہ اپنی خوشدامن سے کہا کہ اگر نہ ہمراہ روانہ کرو گی تو میں طلاق دے دوںگا۔

(۲) زید کی بیوی حاملہ تھی۔ ہفتہ یوم میں وضع حمل ہوا۔ بعد وضع حمل زید کے والد گئے اور اپنی بہو کو اپنے ہمراہ لے آئے۔

(۳) زید کے والد نے اپنی بہو سے دریافت کیا کہ کیا زید نے تم کو طلاق دی ہے۔ زید کی بیوی نے جواب دیا جھکوا نہیں معلوم نہ میں نے لفظ طلاق سنا ہے۔ جس وقت کہ میری والدہ سے ان سے جھگڑا ہو رہا تھا میں اپنے ہی گھر میں موجود تھی۔ مجھ کو پیٹ کی درد ہو رہی تھی۔ مگر میں نے تمام لڑائی سنی میں نے چلتے وقت اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ آپ جارہے ہیں انہوں نے کہا ہاں میں جارہا ہوں۔ والد کو روانہ کرونگا وہ تم کو آکر لیجا ئینگے۔ اسی درمیان میں میرے لڑکا پیدا ہوا آپ گئے اور میں چلے آئی۔

(۴) موضع کے لوگوں نے کہا اس نے غصہ میں طلاق دی ہے لہذا جب تک کہ فتویٰ نہ منگوا لو اس کو گھر میں نہ رکھو لہذا زید اپنی دوکان پر رہتا ہے اور اپنی بیوی سے علیحدہ ہے۔

(۵) بوایسی ڈاک براہ کرم فتویٰ واپس فرمائیں۔ کہ آیا طلاق ہو گئی۔ اگر ہو گئی ہے تو کس قسم کی رجعت ہو سکتی ہو۔ یا حلالہ کرنا پڑیگا۔

(نوٹ) زید نے دریافت کرنے پر بتلایا کہ اس وقت ہم بہت کمزور تھے اور بیماری سے اٹھے

تھے میری ساس بلا وجہ جھگڑا کرتی تھی تو میں نے یہ کہا تھا کہ طلاق طلاق طلاق دیدینگے مگر ہماری دلی خواہش نہ تھی کہ اپنی بیوی کو طلاق دیں۔ اور ہم نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم کو طلاق دی ہے یا دیدینگے غلط لفافہ کے ٹکٹ جواب کے لئے ارسال خدمت ہیں۔ جواب مکمل صاف روانہ فرما کر مشکور فرمائیں۔ نوٹ جواب جلد سے جلد عنایت فرمائیں تاخیر جواب میں الجھن پڑ گئی۔

راقم حروف احقر العباد محمد افضل خاں قاضی حاشی عفی عنہ
موضع گنیش پور ڈاکخانہ بابا گنج ضلع بہرائچ شریف

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ زید نے اپنی بیوی سے یہ نہیں کہا ہے کہ میں نے تم کو طلاق دیدی ہے بلکہ اس نے محض اپنے ارادہ طلاق کا اظہار اس طرح کیا کہ میں طلاق دیدونگا اور اس نے فی الواقع کوئی طلاق دی نہیں۔ اور زید کے طلاق دینے کے دو شرعی شاہد موجود نہیں تو اس زید سے اس طرح حلفیہ بیان لیا جائے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے۔ بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ میں اس کو طلاق دوں گا۔ تو محض ارادہ طلاق کے اظہار سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولو قال هويت طلاقك او احببت طلاقك او رضيت طلاقك او ازدت طلاقك لا تطلق وان نوى هكذا في الخلاصة۔

لہذا یہ آپس میں میاں بیوی ہیں ان کا نکاح باقی ہے ان میں زن و شوہر کے تعلقات جاری ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۴ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المتخصص بذیل سید کل ثبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۷ھ

(۷۰۸)

مسئلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین ان مسائل میں

کہ سراج الدین اپنی دوکان سے کھانا کھانے کے لئے اپنے مکان کو آیا ہے جب کھانا کھا چکے اب سراج الدین نے دوکان سے تین کچیاں خرید کر کے لایا تھا ایک کچی اپنے لئے رکھ کے باقی دو کچیاں

بڑے بھائی کی بیوی یعنی بھابھی کو دیدیا۔ تب سراج الدین کی ماں نے کہا کہ تم کیوں بھابی کو کچی دیدیا یہ بات کہتے ہی ماں نے اپنے بیٹا سراج الدین کو گالی دینا شروع کیا۔ اس وقت سراج الدین نے کہا کہ پیچھے خرید کر لاؤں گا۔ لیکن ماں ہرگز نہ مانی تب سراج الدین غصہ ہو کے ماں کو کہا کہ تم مجھے گالیاں مت دو یہ بات کہ کر واپسی کھانے سے باہر کو آیا اور میرے ساتھ ماں بھی باہر کو نکل آئی اور گالیاں بکتی رہی اور میرے سر اور ساس کے متعلق گالی دینے لگی اور کہا تو اپنی بیوی کی بات مانتے حکم سنتے اور میری بات کو نہیں مانتے۔ حکم کو عدول کر دیتے ہو تب ہی میں نے ماں کو کہا کہ چھوڑ دوں گا یہ بات کہتے ہی میں دوکان کو چلا گیا۔ سات آٹھ منٹ کے بعد ایک کپڑا لینے گھر کو واپس آیا اور میں اپنی ماں سے کوئی بات چیت نہیں کیا لیکن ماں گالی دینا بند نہ کی گالی دیتے ہی رہی اس وقت میرے دماغ میں بہت غصہ ہوا کہ ماں کو مار دینے کے واسطے ایک پھاوڑا اٹھا لیا تھا تب ماں نے اشارہ سے ہاتھ اوپر کو اٹھایا تب میں نے اپنے ہاتھ سے پھاوڑے کو زمین پر پھینک دیا اور ماں کو کہا کہ میں ناظرہ کو ایک طلاق دیا۔ تب ماں نے خرابی زبان سے جھگڑا کہا کہ میری کیا ہوگی۔ پھر میں غصہ ہو کے دو طلاق تین طلاق کہا آج بھی ماں نے جھگڑا بھلا برا کچھ نہ کہا تب میں کچھ دیر کے بعد ناظرہ یعنی طلاق دینے والا سراج الدین کی بی بی کو بہن کہہ کر رونے لگا۔ لیکن میاں اور بی بی سے کوئی جھگڑا فساد نہیں ہوا۔ طلاق دینے کے وقت صرف دو عورت موجود تھے (یعنی گواہ) طلاق دینے والا محمد سراج الدین اور مطلقہ ناظرہ اس کے بیوی موجود تھے کیل سراج الدین کی بیوی ناظرہ پر طلاق ہوگی یا نہ ہوگی بیوہ تو جو رہا

استفتیٰ محمد عابد الرحمن

پیش امام مسجد اسلام پتی گوبائی اوجان بازار ڈاکخانہ گوبائی ضلع دروپ ملک آسام

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں یہ تو ظاہر ہے کہ ان میاں بیوی کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ لیکن طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ زن و شوہر میں کوئی جھگڑا بھی ہو بلکہ طلاق کے واقع ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ شوہر عاقل و بالغ اپنی بیوی کو الفاظ طلاق کہہ دے۔ اور الفاظ طلاق کا غصہ کے حال میں کہنا خود اس کی نیت اور ارادہ طلاق کی علامت ہے۔ سراج الدین نے جب اپنی بیوی کے لئے اپنی ماں کے مطالبہ طلاق کے بعد پہلے تو یہ لفظ کہے کہ چھوڑ دوں گا، تو اس کلمہ سے تو طلاق واقع نہیں ہوئی کہ اس میں طلاق کا صرف وعدہ ہے اور اس وقت وہ طلاق نہیں واقع کرتا ہے۔ پھر اس نے واپس آ کر ماں کی

گالیوں پر جو اسی مطالبہ کے بعد طلاق نہ دینے کی بنا پر نہیں یہ کہا کہ میں ناظرہ کو ایک طلاق دیا تو ان الفاظ سے یقیناً ایک طلاق واقع ہوگئی۔ پھر سراج الدین نے اس ایک طلاق کے بعد جب اس کی ماں اس پر بھی راضی نہیں ہوئی، تو غصہ ہو کر دو طلاق تین طلاق کہا تو اس کے بعد ماں نے اس کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا۔ لہذا جب سراج الدین نے صاف الفاظ میں اپنی ماں کے مطالبہ طلاق کے جواب میں تین طلاقیں کہا۔ تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور سراج الدین کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو گئی اور چونکہ اس پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوئیں اس بنا پر اس سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۰ صفر المظفر ۱۳۵۵ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۷۰۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں بینا تو جروا
ایک صاحب نے اپنی بیوی سے طلاق طلاق دومرتبہ کہا۔ اب عرض یہ ہے کہ اس لکھنے سے بیوی پر طلاق کا اثر ہوا یا نہیں اگر طلاق واقع ہوئی تو جائز ہونے کے لئے کیا کرنا چاہئے آپ کا کشف بردار محمد عبد
اللہ نعیمی رضوی کھیری محلہ ڈیہہ پور ۲ جنوری

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

[اگر شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے ہیں اور عورت کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی تو ان سے طلاق واقع نہیں ہوئی کہ ان الفاظ میں عورت کی طرف نسبت و اضافت نہیں۔

چنانچہ در مختار میں ہے: لم يقع لتركه الاضافة اليها:

رد المحتار میں ہے: قوله لتركه الاضافة اى المعنوية فانها الشرط والخطاب من

الاضافه المعنوية وكذا الاشارة نحو هذه طالق

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ

(۷۱۰)

بسم الله الرحمن الرحيم : نحمده و نصلى على رسوله الكريم۔

حضور والا شان محقق اسلام و مفتی شریعت خیر الانام مولانا مولوی محمد اجمل صاحب دام اقبالہ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئلہ مرتومہ ذیل کا جواب باصواب بہ نظر دقیق و فکر دقیق با دلائل قوی و برہان قاطعہ جلدی عطا فرما کر مشکور فرمایا جائے صورت مسئلہ تاکہ جواب الجواب کا سلسلہ پیش نہ آئے مسماۃ راج بھری دختر محمد علی قوم گوجر عرصہ تیس ۳۰ سال سے مسکی پیر اندنا ولد حیات محمد قوم گوجر سکناے روپو والی نکاح میں منکوحہ شرعیہ کے مطابق آچکی ہوئی ہے پیر اندنا کے نطفہ سے مسماۃ مذکورہ کے لطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ہیں جو فی الحال موجود ہیں، اب عرصہ بارہ سال کا گزر چکا ہے کہ مسکی پیر اندنا نے مسماۃ کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ میرے گھر سے نکل جا میں تم کو نہیں رکھتا اور نہ رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد مسماۃ مذکورہ نے بارہا مسکی مذکور کے پاس مقررین لوگوں کا میلہ بنا کر لیا کھڑا ہے اور مقیرین نے بارہا کہا ہے کہ تو اس کو اپنے پاس رکھ اور آباد کر اس کو اور اپنی لڑکیوں کو خرچ دے مگر مسکی پیر اندنا مذکور نے جواب بارہا دیا ہے کہ میں مسماۃ مذکورہ کو رکھ نہیں سکتا اور نہ رکھتا ہے اور نہ آباد کرتا ہے اور نہ خرچ دیتا ہے اور ساتھ ہی مقیرین نے یہ بھی کہا ہے کہ تو اس کو طلاق دیدے اس کے جواب میں ہر دفعہ یہ کہتا ہے کہ اس کو تحریری طلاق نہیں دوں گا اب مسماۃ مذکورہ کو از روئے شریعت محمدیہ کیا حکم ہے اب مسماۃ مذکورہ کا نکاح فسخ ہو چکا ہے جدید نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بصورت دیگر وہ کیا کرے مفصل جواب تحریر فرما کر جلدی ممنون فرمایا

جاوے والسلام علی من اتبع الهدی؛

مسماۃ راج بھری مذکورہ معرفت مولوی فضل احمد غنی عنہ مقام ڈاک خانہ حاجی والہ تحصیل و ضلع گجرات ۱۸.۲.۷۷ بقلم مولوی فضل احمد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع مسکی پیر اندنا نے اپنی زوجہ مسماۃ راج بھری سے یہ الفاظ (تو میرے گھر سے نکل جا میں تم کو نہیں رکھتا) کہے تو یہ طلاق کنایہ کے الفاظ ہیں جو اپنے معنی وقوع طلاق کیلئے متعین نہیں اب مسکی پیر اندنا سے دریافت کرنا ضروری ہے اگر وہ یہ کہے کہ میں نے الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی تو بلا شک

ان الفاظ سے طلاق بائندہ واقع ہو جائیگی۔

در مختار و رد المحتار میں ہے: قوله فخرجوا اخرجی واذہبی وقومی ای من هن المکان لینقطع الشر فیکون ردا او لا نه طلقها فیکون جوابا۔

ہدایہ میں ہے: اخرجی واذہبی وقومی لا نه تحتل الطلاق وغیرہ فلا بد من النیۃ شامی میں ہے: والحاصل ان الاول (ای قوله اخرجی واذہبی) یتوقف علی النیۃ فی حالة الرضاء والغضب والمذاکرۃ۔

اب باقی رہا اسکا کہنا کہ میں اس کو تحریری طلاق نہیں دوں گا تو طلاق کے لئے تحریر ضروری نہیں بلکہ ان سے الفاظ طلاق ادا کرنا اصل ہے اور تحریر کو بعد الحاجت زبانی عبارت کا قائم مقام کیا گیا ہے۔

قاضی خاں میں ہے:.. الکتابۃ اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجۃ:

حاصل جواب یہ ہے کہ اگر کسی پیرا نہ تائید اقرار کرے کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے تھے مسماۃ راج بھری پر طلاق بائندہ واقع ہوگئی اور وہ بعد عدت گذر جانے کے اپنا جدید نکاح کر سکتی ہے اور بصورت عدم اقرار رسمی پیرا نہ تائید اگر مسماۃ مذکورہ کو صرف زبانی طلاق دینے کیلئے تیار ہے تو زبانی طلاق سے مسماۃ مذکورہ یقیناً مطلقہ ہو جائیگی (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔

کتبہ: المستصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

(۷۱۱)

مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

بخدمت والا عظمت جناب مولانا مولوی محمد اجمل صاحب مفتی مدرسہ اہلسنت اجمل العلوم

وامت برکاتہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہر دو صورت مرقومہ ذیل کا جواب باصورت مدلل و مستحکم عطا فرما کر

جلد مشکور فرمائیں۔

مسماۃ راج بھری دختر محمد علی قوم گوجر عرصہ تیس سال سے مسکی پیرا نہ تاولد حیات محمد قوم گوجر ساکن اوپوالی کی منکوحہ شرعیہ ہے۔ مسکی پیرا نہ تائید مذکور کے نطفے سے مسماۃ مذکور کے شکم سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جواب زندہ موجود ہیں اب عرصہ بارہ سال کا گزر گیا ہے کہ پیرا نہ تائید مذکور مسماۃ مذکور کو اپنے گھر سے نکال دیا

ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے تو میرے گھر سے نکل جائیں کچھ کو نہیں رکھتا اور نہ رکھنا چاہتا ہوں اس کے بعد مسماۃ مذکور نے کئی بار معتبر لوگوں کو مسکی مذکور کے گھر کھڑا کیا اور انھوں نے بار بار کہا کہ تو مسماۃ راج بھری کو اپنے پاس رکھ اور آباد کر اس کو اور اپنی لڑکیوں کو خرچ دے مگر پیرا نہ تائید مذکور نے ہر بار یہی جواب دیا ہے کہ میں مسماۃ کو نہیں رکھوں گا اور نہ رکھتا ہے اور نہ آباد کرتا ہے اور نہ خرچ دیتا ہے۔ جب لوگوں نے مسکی مذکور کے مرقومہ ملفوظہ بالا فقرے سنے تو ہر ایک نے کہا کہ یہ تو طلاق ہوئی مسکی پیرا نہ تائید مذکور نے کہا کہ طلاق سمجھ لو اس وقت معتبرین کی تعداد (۶) عدد پر مشتمل تھی یہی عام مجلس میں مکالمہ ہوا اور بات مشہور ہوگئی۔ اب کچھ قرصہ کے بعد مسکی پیرا نہ تائید مذکور اپنے الفاظ ملفوظہ سے انحراف و انکار کرتا ہے اور معتبرین عام طور پر شہادت دیتے ہیں کہ مسکی مذکور نے ہمارے رو برو کہا تھا کہ تم طلاق سمجھ لو۔ اب صورت مذکور الصدر میں طلاق شرعاً واقع ہوگئی ہے یا نہ جواب سے جلدی مشکور فرمایا جائے۔

بنوا تو جردا بقلم خود فضل احمد

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

اس سوال کا مکمل جواب تو تحریر کر دیا گیا ہے اس میں صرف اتنی بات زائد ہے کہ مسکی پیرا نہ تائید کے الفاظ کتایہ طلاق سے نیت طلاق کا مراد ہونا متعین ہو گیا لہذا مسماۃ مذکورہ پر ایک طلاق بائندہ واقع ہوگئی اور وہ اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اب باقی رہا اس کا ان الفاظ سے انحراف کرنا تو جب شہادت شرعی موجود ہے تو اس کا انکار و انحراف کوئی قابل لحاظ چیز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المستصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

(۷۱۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے ایک پرچہ اپنے سرال والوں کے نام پاکستان سے اس مضمون کا لکھا کہ عبدالرحمن کی طرف سے معلوم ہو کہ میں مدینہ منورہ جا رہا ہوں اور واپس نہیں آؤں گا، میں عورت کو (طلاق) دے رہا ہوں بچے اپنے ساتھ لے جاسکتی ہے۔ زیادہ سلام۔

اس کے بعد وہ دو تار روانہ کرتا ہے کہ میرے بیوی اور بچوں کو فوراً روانہ کر دو میں کھوکھرا پارہ ملوں گا، پھر چار لفافہ آتے ہیں جسکی قریب قریب سبھی ایک سی عبارت ہے جو نقل کی جاتی ہے لکھتا ہے۔ کہ میں نے ایک غلطی کر لی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے پاکستان میں دوسری شادی کر لی تھی اور اس کو میں واپس جواب دیدیا ہوں مگر غلطی سے پالی خط لکھ دئے احمد کریم کو اور سلطان حسین کو۔ لکھتے کہ کہاں اور لکھ دئے کہاں۔ پالی میں جو عورت اس کو تھاک (یہ اسی کا لفظ ہے) نہیں دی ہے آپ کو معلوم ہو اور وہ جو خط لکھے تھے اس میں نہ تو کوئی نام ہے اور نہ کوئی بات ہے آپ خطوں کو پڑھنا۔ پالی میں جو رت ہے اس کو جواب نہیں دیا ہے یہ خط آپ کو اس لئے دیا ہے کہ وہ کچھ غلط نہ سمجھ لے اس لئے دوبارہ خط لکھا ہے آپ (عثمان غنی کو) جو کہ زید کا بھائی ہے بال بچوں کو پاکستان جلد روانہ کرائے۔ رحمت کو طلاق نہیں دی ہے یہ عبارت بعد میں لکھ کر روانہ کئے۔ عرض کرنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی؟۔ جواب مرحمت فرمائیں۔ اللہ اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید نے اگر دلیل شرعی سے یہ ثابت کر دیا کہ اس کی دوسری بیوی پاکستان میں اس کلمہ (میں عورت کو طلاق دے رہا ہوں) کہنے کے وقت موجود تھی جب تو زید کا یہ کہنا کہ میں نے پاکستانی عورت اس طلاق سے مراد لی ہے شرعاً صحیح ہے۔ لہذا اس صورت میں وہ پاکستانی عورت صرف مطلقہ ہو جائیگی۔ اور اگر اس وقت بدلیل شرعی سے پاکستانی عورت کو ثابت نہ کر سکا تو اس کی پالی والی رت پر ایک طلاق رجعی ہو جائے گی اگرچہ زید نے کسی کا نام نہیں لیا ہے کہ اس کا بیوی ہونا معلوم و مشہور ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”رجل قال لامرأته طالق ولم يسم وله امرأة معروفة طلق امرأة استحسانا قال قال لى امرأة اخرى واياها عنيت لا يقبل قوله الا ان يقيم البينة“

اب باقی رہا یہ امر کہ طلاق بالتحریر ہے تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی اگر زوج اپنی تحریک اقرار کرے اور اس کے بعد زید کے دوبارہ چار لفافے بھیجنا اس کی کافی دلیل ہے۔ اور املا میں تھاک لکھا تو اس لفظ سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے درمختار میں ہے: ”ويقع بهذه اللفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاق وطلاغ وطلاق طلاك او طلق۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ

(۷۱۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع تین اس مسئلہ میں

(۱) کہ ایک شخص سنت جماعت باعمل بیماری حالت نازک پر اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ ایسی عورت طلاق کے قابل ہے۔ چند بار یہی الفاظ کہے کیا اس کہنے پر طلاق ہوگئی؟ اس مسئلہ کا جواب جلد عطا فرمایا جائے۔

(۲) خالص طلاق طلاق کہنے سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟ اور موقع پر بیوی موجود نہ ہو اس مسئلہ کا کیا جواب ہے؟۔

(۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا میں نے طلاق دیا صرف ایک مرتبہ کہا اس کہنے پر طلاق ہوگئی اگر بیوی گھر پر موجود نہ ہو یا موجود ہوا استفتاء کا جواب مع مہر و دستخط کے آنا چاہئے؟۔
المستفتی الہی بخش خاں پردہ خان ہر دلی ضلع باندہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے صرف یہی الفاظ کہے کہ ایسی عورت طلاق کے قابل ہے تو ان الفاظ سے واقع نہیں ہوئی کہ ان میں آئندہ طلاق دینے کا قصد و ارادہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ ایقاع طلاق کا فعل اس سے صادر ہوا ہے۔ تو صرف ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۲) صرف لفظ طلاق طلاق اگر کسی مطالبہ کے جواب میں نہ ہو اور زوجہ کی طرف اشارہ کر کے نہ ہو اور ان الفاظ سے عورت کو طلاق دینے کی نیت بھی نہ ہو تو ان سے طلاق واقع نہ ہوگی اس میں بیوی کی طرف کسی طرح کی نسبت اور اشارہ نہ پایا گیا۔

درمختار میں ہے: لم يقع لتركه الا ضافة اليها۔

ردالمحتار میں ہے: قوله لتركه الا ضافة الى المعنوية فانها الشرط قول فكذا ترك الا ضافة في الصورة المستولة فلم يقع الطلاق۔

اگر طلاق کی نیت سے کہا اور عورت اس کی مدخولہ ہے تو دو طلاق رجعی واقع ہوگی، عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے اور بعد عدت عورت کی رضا سے نکاح جدید بھی کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) جب شوہر نے اپنی بیوی کی طرف کسی طرح کی نسبت کر کے کہا کہ میں نے طلاق دی اور

یہ الفاظ صرف ایک مرتبہ کہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ اب بیوی گھر میں موجود ہو یا نہ ہو۔ اگر بیوی کی طرف کسی طرح کی نسبت و اشارہ ہی نہ ہو تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی چاہے وہ زوجہ گھر میں موجود ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۴ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

کتبہ: المتعصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۷۱۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسماۃ غفوری دختر نصیر خاں کی شادی بمقام جود پور پھر دو یا ڈھائی سال رفیق خان کے ساتھ ہوئی جب کہ دولہا بھی نابالغ تھا۔ اس کی شادی کا ایجاب وقبول زوجین کے والدین کی طرف سے ہوا۔ بعد شادی کچھ عرصہ بعد مسکمی رفیق خاں پاکستان چلا گیا اور زوجین کے درمیان کبھی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ لڑکی نے بعد بلوغت و طہر اپنے حق خیار البلوغ کو کام لئے ہوئے شادی کو فسخ کر دی اور اظہار سرسری سے اظہار ناراضگی میں کر دیا کیونکہ اس کا شوہر اس کی نظر میں نیک نہ تھا اور آپس داری میں ایک دوسرے کو پیغام محبت دینے کے لئے خط بھیج چکا تھا اس قسم کی معصیت کو لڑکی کیلئے سوہان روح تھی۔

جب ماہ فروری میں ۱۹۵۴ء میں زوج پاکستان سے لوٹا تو لڑکی نے اس کی موجودگی میں اپنے حق خیار البلوغ والدین فریقین کے درمیان آپس میں رشتہ داری ہے اور مسماۃ غفوری سالہ کی چچا زاد بہن زوج کے بڑے چند بزرگوں اور معزز لوگوں کی ایک مجلس قائم ہوئی اور قرار پایا کہ دونوں بھائی دونوں بہنوں کو طلاق دیدیں۔ چنانچہ رفیق خاں زوج اور اس کے بھائی فخر الدین نے طلاق دینے کے آمادگی ظاہر کی چنانچہ رفیق کے اظہار آمادگی طلاق پر منشی ظفر علی نے حسب ہدایت وکیل حفیظ اللہ ایک تحریر بنا کر طلاق اور دوسری تحریر بتا صلح نامہ تحریر کرائی گئی تاکہ کسی فریق کی طرف کوئی مطالبہ باقی نہ رہے۔ اس دربار میں یہ دونوں تحریرات ختم ہوئیں اور رفیق خاں سے طلاق کی تائید میں اس پر دستخط کیلئے رشتہ دار کو بھیج دیا۔ کہ اس کے درمیان کسی ثالث نے فخر الدین کو سمجھایا کہ رفیق کا طلاق دینا تو واجب ہے اس لئے کہ وہ ہم سب کے سامنے اظہار طلاق بائن کر چکا ہے۔ مگر تم بلا وجہ اپنی بیوی کو کیوں طلاق دیتے ہو۔ اس واسطے کہ حضور کا فرمان ہے۔ (ابغض الحلال طلاق) چونکہ تم نے اب تک طلاق نہیں دی ہے تو تم کو ارادہ بدل دینا چاہئے اس کی تائید رفیق خاں نے بھی کی کہ میں طلاق دینے دیتا ہوں تم طلاق مت دو۔ ورنہ

تمام عمر میرے ذمہ یہ الزام رہے گا کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی وجہ سے بیوی کو چھوڑ دیا مگر فخر الدین مصر رہا اور کہتا رہا کہ تو طلاق دیتا ہے تو مجھے بھی طلاق دینی پڑے گی۔ حدیث بحث میں رات کا ایک بجے تک مجلس شوری ختم ہوئی اور طلاق نامہ و صلح نامہ زوجین کے دستخط نہیں ہو سکے حالانکہ وہ طلاق کی تائید میں لکھے گئے تھے مسماۃ غفوری کی طرف سے جو انفساخ نکاح کا دعویٰ ہوا تھا وہ اب شہادت کے مر حلہ پر آ گیا ہے اور اس کو یہ امور ثابت کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ زوجین کے درمیان خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔

(۲) یہ کہ وہ چندرہ اور اٹھارہ برس کے درمیان اپنے اپنے معصیت کو شکی خاوند نکاح فسخ کر چکی تھی۔

(۳) یہ کہ مجلس شوریٰ میں اس کا خاوند طلاق دیکر اس کی تائید میں تحریرات لکھ چکا تھا۔ اندروں حالات دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا واقعات مذکورہ بالا کی روشنی میں کیا مسماۃ غفوری کو طلاق ہو چکی ہے یا نہیں؟ براہ کرام قرآن و احادیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ مشکور ہوگا۔ بیٹو اتو جروا۔

فقط والسلام حمید خاں

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعہ یہی ہے اور اس کے الفاظ میں کوئی رد و بدل نہیں ہے تو اس واقعہ میں رفیق خاں اور فخر الدین کی صرف آمادگی و ارادہ طلاق کا ذکر ہے۔ لیکن کسی کے طلاق واقع کرانے اور اپنی بیوی کی طرف نسبت کر کے الفاظ طلاق وارو کر نیکاً ذکر نہیں تو فقط آمادگی و ارادہ کے اظہار سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو مسماۃ غفوری پر صرف اس قدر واقعہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ باقی رہا غفوری کا فسخ نکاح کا دعویٰ وہ غلط ہے کہ شرعاً والد کے کئے نکاح کو یہ خیار بلوغت سے ہرگز فسخ نہ کر سکتی ہے۔ اور تیسرا نمبر بھی غلط ہے کہ مجلس شوریٰ میں نہ طلاق نامہ پر دستخط ہوئے ہیں نہ الفاظ طلاق رفیق خاں نے ادا کئے صرف طلاق نامہ لکھا جانا کوئی بات نہیں رکھتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

(۷۱۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں ایک لڑکی بنام رقیہ کے شوہر ڈاکٹر حسین کے مابین باہمی تنازع تھا جسکی بنا پر لڑکی کے والد نے ڈاکٹر حسین سے کہا کہ تمہارے باہمی تنازع رہتا ہے اس لئے تم میری لڑکی کو طلاق دیدو جس پر ڈاکٹر حسین نے کہا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں اس کو ہرگز نہیں رکھنا چاہتا۔ عرصہ تین سال سے میرے گھر پر بیٹھی ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جب ڈاکٹر حسین نے اپنی زوجہ کے والد کے مطالبہ طلاق کے جواب میں اپنی زوجہ کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں ہے تو یہ الفاظ طلاق کے ہیں۔ چنانچہ قاضی خان میں ہے: ”ولو قال لم يبق بيني وبينك عمل يوقع الطلاق اذا نوى“ (قاضی خاں مصطفائی ص ۷۴۷ ج ۷)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ”وفى الفتاوى لم يبق بيني وبينك عمل وبوى يقع كذا فى العتايه۔“ (از عالمگیری مجیدی ص ۳۷ ج ۲)

ظاہر ہے کہ ان الفاظ عربی کے تحت میں ڈاکٹر حسین کے الفاظ بھی داخل ہیں اور بلاشبہ وہ قول اس قول پر مشتمل ہے تو جس طرح اس قول سے طلاق واقع ہوگئی اسی طرح اس قول ڈاکٹر حسین سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

اب باقی رہا یہ فرق کہ اس قول میں شوہر سے نیت دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ وہاں نہ پہلے طلاق کا صراحت ذکر تھا نہ وہ قول مطالبہ طلاق کے جواب میں ہے تو اس قول سے پہلے مذاکرہ طلاق صراحت پایا گیا۔ اور جو الفاظ کنایہ سوال طلاق کے جواب میں کہے جائیں گے تو ان سے مذاکرہ طلاق کی بنا پر طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ ”اما اذا تكلمت بسؤال الطلاق فقد حصلت المذاكرة وفيها لا تتوقف على النية۔“

(ردالمحتار مصری ص ۷۷ ج ۲)

یہ الفاظ کنایہ کی تیسری قسم جواب فقط میں داخل ہیں اور حالت مذاکرہ طلاق کی ہے تو ان الفاظ سے طلاق بلا نیت کے بھی واقع ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے: ”والسلب يتوقف عليها فى حالة الرضاء فقط ويقع فى حالة الغضب والمذاكرة بنية۔“ (ردالمحتار ص ۷۸ ج ۲)

تو اب ان عبارات سے ثابت ہو کہ اس ڈاکٹر حسین کے ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی اور اس صورت خاص میں اس سے نیت دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور پھر جب ان الفاظ کو کہے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں اور اس مدت میں وہ عورت اپنی عدت کے پورے ہو جانے کا اقرار بھی کرتی ہے تو یہ عورت اب جس سے چاہے اپنا نکاح بھی کر سکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ومبندء العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور وتنقضى العدة وان جهلت المرأة بها اى بالطلاق والموت لانها رجل فلا يشترط العلم بمضيه سواء اعترف بالطلاق او انكر۔

والله تعالى اعلم بالصواب

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

(۷۱۶)

مسئلہ

کہہ فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید کی زوجہ کے متعلق بیوی کے چچا سے زید کی سخت کلامی ہو رہی تھی، اسی دوران میں زید نے اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے۔ (جب نہ دی اب دی چھوڑ دیا چھوڑ دیا) تو ان الفاظ کے کہنے سے زید کی بیوی کا کیا حکم ہے۔ آیا اس کے نکاح میں رہی یا نکاح سے باہر ہوئی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں زید کے جب صرف یہی الفاظ ہیں جب نہ دی اب دی چھوڑ دیا چھوڑ دیا چھوڑ دیا، تو ان الفاظ میں زوجہ کے لئے نہ ضمیر خطاب نہ ضمیر غائب نہ اسکی طرف اشارہ ہے نہ اسکے نام وغیرہ کی کوئی نسبت ہے نیز سوال میں نہ زید سے مطالبہ طلاق کا بیان ہے جس کے جواب میں اس نے یہ الفاظ کہیں ہوں، نہ اس سلسلہ گفتگو میں زوجہ کی موجودگی کا ذکر ہے تو ان الفاظ میں زوجہ زید کی طرف کسی طرح کی نسبت و اضافت ہی نہیں پائی گئی اور وقوع طلاق کے لئے زوجہ کی طرف اضافت کا وقوع شرط اور ضروری ہے۔

ردالمحتار میں ہے: لم يقع لتركه الاضافه اليها۔

ردالمحتار میں ہے: عدم الوقوع اصلا لفقد شرط الاضافة مع انه لو اراد طلاقها تكون

الاضافۃ موجودہ۔ لہذا صورت مسئلہ میں ان الفاظ سے طلاق دینے کی نیت نہ کی تو زوجہ زید پر طلاق واقع نہیں ہوگی وہ عورت اس زید ہی کی زوجہ ہے۔ اور اگر یہ الفاظ اپنی زوجہ کو طلاق دینے کی نیت سے کہے تو طلاق مغلطہ واقع ہوگئی، بلا اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المقصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۸۱ھ



﴿۶۴﴾

باب اقرار الطلاق

(۷۱۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسی مرزا اقبال احمد نے عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا ایک خط مجھ کو یعنی سید احمد عین کو بابت طلاق کے کھنڈہ سے لکھا اور اسی خط میں ایک رقعہ اپنی زوجہ عزیز بیگم کو بھی لکھا جو کہ میری دختر ہے اور ایک خط قاضی سید ابوالخیرات صاحب کو لکھا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے نکاح پڑھایا تھا۔ خط لکھنے کے دوسرے روز صبح کو قاضی سید ابوالخیرات صاحب کی خدمت میں مرزا اقبال احمد حاضر ہوا اور چند شخصوں کے رو برو کہا: میں کل کھنڈہ سے ایک خط آپ کو لکھا ہوں وہ خط ابھی آپ کو بذریعہ ڈاک ملے گا آپ پڑھ لینا: اور سید احمد علی صاحب کو بھی دکھلا دینا اور ان کو بھی میں نے خط لکھا ہوں۔ اس گفتگو پر سید ابوالخیرات صاحب نے فرمایا کہ تم خود موجود ہو بیان کرو کہ کیا لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ موثر تیار ہے جھکو اسکول کی حاضری دینا ہے۔ اب میں جاتا ہوں آپ خط دیکھ لینا اور رخصت ہو گیا۔ دو گھنٹہ کے بعد خط آیا، دیکھا گیا تو اس میں یہ مضمون تھا کہ میں نے اپنی زوجہ عزیز بیگم کو تین مرتبہ طلاق دیتا ہوں۔ بہر حال یہ سہ خطوط کی نقل بجنسہ اس استفتا کے ہمراہ ارسال خدمت ہے ملاحظہ فرما کر از روئے شرع شریف حکم صادر فرمائیے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی ہے تو کس قسم کی طلاق ہوئی؟۔ بینوا تو جروا

مرسلہ خادم الفقیر سید احمد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں مسماۃ عزیز بیگم کو یقیناً طلاق واقع ہوگئی۔ خط کے ذریعہ سے طلاق واقع ہونے کی جو شرط فقہائے کرام نے تحریر فرمائی ہے کہ شوہر اپنے خط کا اقرار کرے کہ یہ میں نے لکھا ہے وہ شرط یہاں پر باحسن وجہ پائی جاتی ہے۔ اقبال احمد نے قاضی صاحب کے رو برو اپنے خط کا اقرار کر لیا لہذا وقوع طلاق میں کوئی شبہ ہی باقی نہیں رہا۔ شامی میں ہے۔

بعث (ای الزوج) به (الكتاب) اليها (ای الى الزوجة) فاتاها وقع ان اقر الزوج۔

(ج ۲ ص ۴۴)

یعنی بیوی کی طرف خط خاوند نے بھیجا اور وہ اس کو ملتا تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر خاوند اس بات کا اقرار کرے کہ یہ اسی کا خط ہے اور چونکہ اس نے ایک دم تین طلاقیں دی ہیں تو یہ طلاق مغلطہ ہوئی اور اس کو طلاق بدعت بھی کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسة اجمل العلوم فی بلدة سنجل

شرط یہاں پر باحسن وجہ پائی جاتی ہے۔ اقبال احمد نے قاضی صاحب کے رو برو اپنے خط کا اقرار کر لیا لہذا وقوع طلاق میں کوئی شبہ ہی باقی نہیں رہا۔ شامی میں ہے۔

بعث (ای الزوج) به (الكتاب) اليها (ای الى الزوجة) فاتاها وقع ان اقر الزوج۔

(ج ۲ ص ۴۴)

یعنی بیوی کی طرف خط خاوند نے بھیجا اور وہ اس کو ملتا تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر خاوند اس بات کا اقرار کرے کہ یہ اسی کا خط ہے اور چونکہ اس نے ایک دم تین طلاقیں دی ہیں تو یہ طلاق مغلطہ ہوئی اور اس کو طلاق بدعت بھی کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۷۱۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

ایک شوہر سبکی زید کو اس کے ماموں خسر نے ایک تحریر پر دستخط کرنے کو کہا زید نے بغیر پڑھے دستخط کر دیئے بعد کو خسر نے یہ کہا کہ یہ طلاق نامہ تھا کہ جس پر تم نے دستخط کئے ہیں زید کہتا ہے کہ نہ میں نے طلاق دی ہے اور نہ اس کا تصور کیا تو اس طرح طلاق ہو جائے گی مگر خسر کہتے ہیں کہ طلاق ہو گئی تو اب فرمائیے کہ اس صورت میں طلاق ہو جاوے گی یا نہیں۔

احقر محمد عبدالقیوم ولد منی سراج الدین مرحوم قوم شیخ سکیند زبلند دروازہ محلہ رولیا پانہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اس دستاویز کے بعد عدم وقوع طلاق کی یہ چند وجوہ سمجھ میں آتی ہیں (۱) دستاویز میں جس واقعہ کو

لکھا گیا ہے اگر یہ واقعہ نہیں گذرا اور خسر نے یہ تحریر خلاف واقعہ محض اپنی طرف سے گڈھ کر لکھی ہے اور یہ بات بھی سچ ہو کہ شوہر نے بغیر پڑھے دستخط کر دیئے ہیں اور یہ بھی صحیح ہو کہ شوہر اس تحریر کے مضمون طلاق کا ابتدا ہی سے منکر ہے تو ہرگز طلاق واقع نہ ہوئی۔

شامی اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملہ بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ۔

(ص ۴۴۰)

(۲) دستاویز کا واقعہ تو ضرور وجود میں آیا اور خسر نے اس واقعہ کے موافق یہ تحریر لکھی کہ شوہر نے اپنی بیوی کی طرف بغیر خطاب و اضافت اور اشارہ کے تین بار صرف لفظ طلاق طلاق طلاق کہا اور یہ تحریر شوہر ہی کی تسلیم بھی کر لی جائے تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوئی کہ طلاق صریح کے واقع ہونے کے لئے لفظ طلاق کی عورت کی طرف کسی طرح کی اضافت ضروری ہے مثلاً یوں کہے کہ میری عورت کو طلاق ہے یا فلائی عورت کو طلاق ہے یا عورت کو مخاطب بنا کر کہے تجھے طلاق ہے یا عورت کی طرف اشارہ کر کے کہے اس کو یا اسے طلاق ہے اور اس دستاویز میں عورت کی طرف کوئی اضافت مذکور نہیں ہے اور نہ عورت کو طلاق دینے کی نیت ہے۔ لہذا اس دستاویز کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوئی۔ درمختار میں ہے۔

(ج ۲ ص ۴۴۰)

لم یقع لتركه الاضافة اليها۔

رد المحتار میں ہے: ان الصريح لا يحتاج الى الية ولكن لا يدفى وقوعه قضاءً وديانة من

(ج ۲ ص ۴۴۲)

قصداً لفظ الطلاق اليها عالم بمعناه۔

(۳) شوہر نے جب اس تحریر پر بغیر پڑھے دستخط کر دیئے اور اس کا طلاق دینے کا قصد و تصور نہ تھا تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوئی شامی میں فتح القدیر اور نہر سے ناقل ہیں۔

لو كرر مسائل الطلاق بحضورها او كتب ناقلاً من كتاب امراتى طالق مع التلفظ او

حكى بيمين غيره فانه لا يقع اصلاً مالم يقصد زوجته وعمالو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به

غير عالم بمعناه فلا يقع اصلاً على ما افتي به مشايخ اوز جند صيانة عن التلبیس۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں یقیناً طلاق واقع نہیں ہوئی مولوی مفتی سید اعظم شاہ

صاحب کا فتویٰ بالکل صحیح ہے اور مفتی مظہر اللہ صاحب اور مفتی کفایت صاحب کا فتویٰ صحیح نہیں خلاف

تصریحات فقہاء ہیں اور ممکن ہے کہ یہ لوگ بھی اس سوال کا جواب لکھتے تو خلاف نہ لکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۹۰ھ

(۷۱۹)

مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا ومصليا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص اپنی زوجہ منکوحہ کو بذریعہ خط طلاق لکھ کر بھیج دیتا ہے جب کہ عرصہ سات ماہ سے زیادہ ہو گیا اس عرصہ سات ماہ میں اس شخص نے اپنی زوجہ کی نان ونفقہ وغیرہ کی بھی خبر نہ لی اور نہ کچھ خرچ بھیجا آیا طلاق ہوگئی یا نہیں۔

المستفتی صوفی محمد ضمیر خان ادریس بمقام شہر مرٹھ کوٹھی جنت نشان

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

خط سے طلاق واقع ہونے کیلئے فقہائے کرام نے یہ شرط تحریر فرمائی ہے کہ یا تو اس خط پر شوہر کی طرف سے ہونے پر شہادت شرعی گذرے یا خود شوہر یہ اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے۔

ردالمحتار میں ہے: بعث (ای الزوج) به (ای الكتاب) اليها (ای الى الزوجة) فاتاها وقع (الطلاق) ان اقر الزوج انه كتابه او قال للرجل ابعث به اليها او قال له اكتب نسخة وابعث بها اليها وان لم يقر انه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الامر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة۔ (شامی مصری ص ۲۳۰)

لہذا صرف ان دو صورتوں میں خط سے عورت پر طلاق واقع ہوتی ہے اور محض شوہر کے خط اور دستخط کا پچھانا۔ یا عورت کا صرف یہ تصدیق کرنا کہ یہ میرے شوہر ہی کا خط ہے یا دیگر خطوط کو شاید بنانا یا شوہر کا نان ونفقہ کو بند کر دینا۔ یا پہلی ناراضی کو اس خط کی صحت کے لئے قرینہ بنالینا یہ سب امور اس خط کے لئے ایسے شاہد نہیں جن سے بلا اقرار شوہر شہادت شرعی کے فقط اس خط سے طلاق واقع ہو سکے۔

بالجملہ خط سے صرف اسی صورت میں طلاق واقع ہوتی ہے کہ یا خود شوہر اس خط کا اقرار کرے یا

اس کا شوہر کا خط ہونا شہادت شرعی سے ثابت ہو یہ تمام حکم تو اس صورت میں ہیں جب شوہر نے صرف خط کے ذریعہ سے طلاق دی ہو اور اگر وہ اس عورت سے بارہا یہ کہہ چکا ہے کہ میں تجھے طلاق دے چکا تو اس بارہا کی تعداد اگر تین طلاق تک پہنچ گئی تو یہ عورت اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اس کے بعد خط کی طلاق کا سوال ہی بیکار ہے جیسا کہ اس استفتاء کے ساتھ جو دوسرا پرچہ آیا اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔

الحاصل اگر یہ واقعہ ہے کہ وہ اس خط سے قبل بارہا طلاق دے چکا ہے تو وہ عورت مطلقہ ہوگئی اور اگر ایک دو مرتبہ طلاق دیکر رجعت کر چکا ہے اور یہ تیسری مرتبہ یا پہلی ہی مرتبہ بذریعہ خط کے طلاق دیتا ہے تو خط کی طلاق کا حکم اوپر مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۹۰ھ

(۷۲۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک صاحب نے اپنے خسر کے نام حسب ذیل عبارت لکھ کر خط روانہ کیا بابت طلاق اب دونوں میں بیوی پھر آپس میں رضامند ہیں اور تعلقات رکھنا چاہتے ہیں ہنوز شریعت مطہرہ کی رو سے کیا حکم ہے آپ اپنے رشتہ سے محروم کیجئے میں نے اسے آزاد کر دیا اب لے جانا یا نہ لے جانا آپ کے اختیار میں ہے بہر حال میری طرف سے اسے فارخطی ہے فارخطی ہے۔ اور آگے آپ جانے آ پ کا کام فقط المستفتی محمد عبداللہ رضوی کبیری محلہ ڈیہہ پور ضلع وپوسٹ آفس کبیری ٹاؤن

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر وہ خط جس میں یہ طلاق کے الفاظ لکھے ہیں اس کے شوہر کی طرف سے ہونے پر کوئی شہادت شرعی موجود ہو یا خود شوہر ہی اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے تو اس خط کے ان الفاظ میں نے اسے آزاد کر دیا ہے میری طرف سے اسے فارخطی ہے فارخطی ہے اس عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں۔ اس صورت میں ان کے آپس میں بغیر حلالہ کیے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر شوہر کے خط پر شہادت موجود نہ ہو اور نہ وہ اقرار کرتا ہوں تو اس خط سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ ردالمحتار میں ہے ”بعث (ای الزوج) به (الكتاب) اليها (ای الى الزوجة) فاتاها وقع

(الطلاق) ان اقرار الزوج انه كتابه او قال للرجل ابعث به اليها او قال له اكتب نسخة وابعث بها اليها وان لم يقرانه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الامر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة“ (از شامی مصری جلد ۲ صفحہ ۲۴۰) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

کتبہ: ۱: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

(۷۲۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید خفیہ طریقہ سے پاکستان کو چلا گیا اپنی منکوحہ چھوڑ کر۔ بعد کچھ کم یا زیادہ ایک ماہ اپنی مقام موجودگی کی خبر اپنی منکوحہ کو دے دیتا ہے بذریعہ خط بذریعہ آدمی۔ اس کے بعد مدتوں تک خط و کتابت رضا مندی کی کرتا رہتا ہے اور ارادہ اپنے آنے کا ظاہر کرتا ہے اور نہ آنے کی معذوری بھی ظاہر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اگر کوئی ذریعہ تمہارے پاس مرے پاس آنے کا ہو تو تم مرے پاس آ جاؤ۔ زید کی منکوحہ کو ذریعہ بھی اس کے پاس جانے کا ملتا ہے لیکن وہ نہیں گئی۔ کچھ روز بعد منکوحہ کو ایک خط موصول ہوتا ہے شوہر کی طرف سے جس میں طلاق لکھی ہوئی ہے۔ منکوحہ اپنی آپکو مطلقہ سمجھ کر دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہے۔ پھر معلوم ہوتا ہے کہ بذریعہ خط اس کے شوہر کے عزیزوں کو اور موجودہ شوہر کو بھی کہ اس نے کوئی خط طلاق کا نہیں لکھا اور نہ میں نے طلاق دی اور سابق شوہر نے اپنے عزیزوں کو لکھا کہ یہ کیا بات ہے کہ جو میری منکوحہ نے عقد کیا اس کے سابقہ شوہر کے عزیزوں کے بسبب پریشانی کے اس معاملہ کو ایسے ہی چھوڑ دیا اور خط کتابت بند کر دی۔

آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں اور شوہر ثانی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور شوہر ثانی کے مددگار عزیز دار کے ارد گرد مددگاروں سے پیچھے بھی نماز درست ہے یا نہیں؟۔ جواب مدلل بالصواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

محض شوہر کے طلاق کے خط سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ ہاں جب شوہر اس خط کا اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے تو اس کو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ شامی میں ہے: وقع (طلاق) ان اقرار

الزوج انه كتابه۔ اور صورت مسئلہ میں زوج اپنے اس خط طلاق کا انکار کر رہا ہے۔ تو اس صورت میں عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور جب اس پر طلاق ہی واقع نہیں ہوئی تو وہ عورت شوہر والی قرار پائی۔ اور شوہر والی عورت کے ساتھ نکاح کی حرمت قرآن کریم میں موجود ہے۔

والمحصنت النساء۔

یعنی تم پر شوہر والی عورتیں حرام ہیں۔

تو اس آیت کریمہ سے اس نام نہاد شوہر ثانی کے ساتھ شرعاً اس عورت کا نکاح ناجائز و حرام ہے۔ لہذا اگر یہ شخص اس عورت کو فوراً چھوڑ دے اور اس سے علیحدہ ہو جائے اور پھر وہ توبہ بھی کرے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے اور اگر اس عورت کو نہ چھوڑے نہ اس سے علیحدہ ہو، تو پھر وہ کھلا ہوا مرتکب حرام ہے اور اس معاملہ میں جو اس کے معاون و مددگار ہیں وہ بھی اعانت حرام کی بنا پر گنہگار ہوئے تو ان سب کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتیاط لازم ہے۔ لانہم فساق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: ۱: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

(۷۲۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ

مسی عبد الحکیم نے اپنی زوجہ کو طلاق نامہ رجسٹری روانہ کر دیا جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ تم میری مرضی کے خلاف میکے چلی گئی ہو میں نے تم کو نوٹس بھی دیا ہے مگر تم نے نوٹس کی کوئی سماعت نہیں کی اور تقریباً ایک ہزار روپیہ کا زیور لیکر چلی گئی ہو۔ اب میری ہر طرح سے بدنامی اور بربادی ہو چکی ہے۔ لہذا میں رو برو گواہان بخوشی خود تین مرتبہ ٹھہر ٹھہر کر طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے تم کو علیحدہ کرتا ہوں اور آزاد کرتا ہوں اور ختم عدت کے جہاں چاہو نکاح کر لو مجھ کو تم سے اور بچوں سے کوئی سروکار نہیں۔ آج سے تم میری زوجیت میں نہیں رہی آزاد ہو۔

لہذا یہ طلاق نامہ بذریعہ رجسٹری روانہ کر رہا ہوں۔ فقط عبد الحکیم معہ گواہان دونوں گواہوں کے اس کے بعد عبد الحکیم ایک عورت غیر مطلقہ کا اغوا کر کے پاکستان چلا گیا۔ عدت گزر جانے کے بعد جب اس مغویہ عورت سے بگاڑ ہو جاتی ہے اس کو پاکستان چھوڑ کر چلا آیا۔ اب کہتا ہے کہ طلاق نامہ پر میرے دستخط دھوکہ سے کرائے گئے ہیں۔ میں نے عبارت طلاق نامہ کی نہیں لکھوائی ہے بلکہ دوسرے لوگوں نے

بولی ہے اور نوٹس کے بہانے سے میری دستخط کرائے اور ایک گواہ غیر متشرع بھی یہی کہتا ہے مگر کتاب طلاق نامہ جو کہ بظاہر ایک دین دار بزرگ ہیں صوم و صلوة کے پابند ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے بلکہ عبدالحکیم نے عبارت بولی ہے اور خوشی دستخط کئے ہیں دوسرا گواہ بھی یہی کہتا ہے اور عبدالحکیم کہتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ میرے دستخط کسی سے کرائے گئے ہیں میں طلاق پر راضی نہیں تھا۔ کیا اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہونگی یا نہیں، اب اگر دونوں نکاح پر راضی ہو جائیں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نکاح کرنے کی کیا صورت ہے؟ بینو اتوجروا

المستفتی تمیزن مطلقہ عبدالحکیم شہر میرٹھ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں یہ ظاہر ہے کہ صرف طلاق نامہ کا بذریعہ رجسٹری عورت کے پاس پہنچنا بالکتابت طلاق دینا ہے۔ اور طلاق بالکتابت کے لئے یہ شرط ہے کہ شوہر یہ اقرار کرے کہ یہ خط یا طلاق نامہ میں نے خود لکھا ہے یا اس کو میں نے لکھوایا ہے یا اس طلاق نامہ کو مجھے پڑھ کر سنایا گیا تو میں نے اس پر دستخط کئے ہیں یا نشانی انگوٹھا لگا دیا ہے یا اس کو میں نے عورت کی طرف بھیجایا بھجوا دیا ہے جب تو اس طلاق نامہ کی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: رجل استكتب من رجل آخر الى امرأته كتابا لطلاقها وقرأ على الزوج فاخذوه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به الى امرأته فانها هاجت الكتاب وقرأ الزوج انه كتابه فان الطلاق يقع عليها وكذا لك لو قال لك الرجل ابعث بهذا الكتاب اليها او قال له اكتب نسخة وابعث بها اليها۔

اور سوال سے ظاہر ہے کہ عبدالحکیم شوہر نہ اس طلاق نامہ کو اپنا مانتا ہے نہ عبارت طلاق نامہ کیلئے یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے اس کو لکھایا لکھوایا ہے نہ طلاق نامہ سمجھ کر اس پر دستخط کرنے کا اقرار کرتا ہے بلکہ اس کو نوٹس سمجھ کر اس پر دستخط کرنا بتاتا ہے نہ اس طلاق نامہ کو عورت کی طرف خود بھیجے یا بھجوانے کا اعتراف کرتا ہے۔ تو اس طلاق نامہ کی طلاقیں مسماۃ تمیزن پر کسی طرح واقع نہیں ہوں گی۔

رد المحتار میں ہے: نو كذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يفع الطلاق ما لم يقر انه كتابه۔ اور شوہر کے بقسم اقرار کی صورت میں اگر مرد گواہان شرعی عادل ثقہ کی شہادت شرعی

سے ثابت ہو جائے کہ یہ طلاق نامہ عبدالحکیم ہی کا ہے اور اس نے اس پر طلاق نامہ ہی سمجھ کر برضا و خوشی خود دستخط کئے ہیں اور عبارت طلاق نامہ اس نے خود بولی ہے اور پھر اس کو خود رجسٹری کر کے بھیجایا بھجوا دیا ہے۔ جب بھی طلاق نامہ کی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ سوال میں ایک گواہ کا غیر متشرع ہونا خود مذکور ہے اور دوسرے کا کوئی حال مذکور نہیں۔ اگر وہ گواہ بھی غیر متشرع ہی ہے تو شہادت شرعی کا وجود متحقق نہ ہوا تو اس طلاق نامہ سے مسماۃ تمیزن کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

عالمگیری میں ہے: وان لم تقم عليه البينة ولم يقرانه كتابا به لكنه وصف الا مرقا على وجهه فانه لا يلزمه الطلاق في القضاء ولا ما بينه وبين الله تعالى۔

اب باقی رہا صرف کاتب کا قول تو وہ اگر ایسا عادل وثقہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہے اور اس کا صلاح و صواب اس کے فساد و خطا سے زائد ہے۔ تو پھر یہ ایک گواہ ہی تو ہوا اور اس سے شہادت شرعی کا نصاب پورا نہ ہو سکا تو تنہا کاتب کا قول نہ حجت شرعی نہ طلاق کا ثابت ہو سکے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ دوسرا کوئی ایسا ہی عادل وثقہ ایسا ہی اوصاف والا متبع شرع گواہ مل گیا جب تو نصاب شہادت کامل ہو جائے گا اور اس طلاق نامہ سے مسماۃ تمیزن پر طلاق مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔ اور جب طلاق مغلظہ ثابت ہوگئی تو یہ عورت بلا حلالہ کے عبدالحکیم کی طرف رجوع نہیں کر سکتی، حاصل جواب یہ ہے کہ جن صورتوں میں طلاق واقع ہوگی تو وہ مغلظہ ہی واقع ہوگی، ان میں بلا حلالہ کے عبدالحکیم کے اس عورت کا نکاح جائز نہیں اور جن صورتوں میں طلاق واقع ہی نہیں ہوئی پہلا نکاح ہی باقی ہے اب انکے مابین کسی جدید نکاح کی بالکل حاجت نہیں، اسی بنا پر جواب میں تمام صورتوں کو پیش کر دیا ہے تو جو صورت مطابق واقعہ ہو اس پر عمل کیا جائے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

(۷۲۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید گھر سے دور ہی دور تھا۔ زید سے دو شخصوں نے مذاق کیا اور سمجھایا کہ تم اپنی ماں کو مارتا ہے۔ تمہارا باپ آئے گا تو چھری سے مارے گا۔ اس کے بعد ہی زید گھر آیا، اور اپنی ماں کو بلایا پھر ماں کے سامنے کلثوم کی طرف اشارہ کر کے ایک جملہ میں تین طلاق دیا۔ اور کہا کہ کہاں ہے، گالی دیکر کہا گھر سے نکل جا۔ اس کے بعد ایک پڑوسی عورت سے زید کی ماں نے کہا، اسی وقت کہ زید کلثوم کو ایک دو تین طلاق

دے دیا۔ وہ پڑوسی عورت اور زید کی ماں بروز یکشنبہ مطابق انگریزی تاریخ ۲۳/۷/۵۵ کے شب میں حلفیں اس طلاق کے الفاظ بولنے کی شہادت برسر پناخت دے دی ہیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر زید اپنی زوجہ کلثوم کو تین طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے تو کلثوم پر تین طلاقیں واقع ہو کر طلاق مغلظہ ہو جائیں گی اور یقیناً کلثوم زید کے نکاح سے خارج ہو جائے گی اور اگر زید طلاق مغلظہ دینے اور پھر اس کے بعد یہ کہنے کا کہ تو گھر سے نکل جا، اقرار نہیں کرتا تو صرف عورتوں کی شہادت سے اور وہ بھی دو عورتوں کی شہادت سے پھر اس میں بھی صرف واقعہ کی ایک ہی شاہدہ ہو تو ایسی شہادت سے ہرگز ہرگز طلاق ثابت نہیں ہو سکتی کہ یہ تو دو عورتیں ہیں شرع میں تو بغیر مرد کے چار عورتوں کی شہادت بھی معتبر نہیں۔

ہدایہ میں ہے، ولا تقبل شهادة الاربع منهن وحدهن۔

در مختار میں ہے: ولا تقبل شهادة اربع بلا رجل۔

تو بغیر مرد کے صرف ان عورتوں کی شہادت سے طلاق ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور یہ کلثوم زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: ائمتہ سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۴ھ

(۷۲۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص نے اپنی حقیقی والدہ کی موجودگی میں اپنی زوجہ کو تین بار طلاق دی اور اب منکر ہو گیا۔

اور حلف اٹھانے کو تیار ہے۔ کہ میں نے طلاق نہیں دی، اس کے برعکس زوجہ حلف اٹھانے کو تیار ہے کہ

زوج نے مجھے تین بار طلاق دی۔ اس واقعہ کی صرف زوج کی والدہ گواہ ہے۔ جو طلاق کی تصدیق کرتی

ہے۔ اور اپنی شہادت کی تین آدمیوں کی موجودگی میں تحریر بھی دے چکی ہے۔ اس واقعہ کو چار ماہ گزر چکے

ہیں۔ اس وقت زوجہ آٹھ ماہ کی حاملہ تھی اب بچے کی ماں ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ثبوت طلاق کے لئے حجت شرعی کا ہونا ضروری ہے۔ سوال سے ظاہر ہے کہ نصاب شہادت

کامل موجود نہیں۔ گواہ صرف ایک عورت جس کی شہادت ثبوت طلاق کے لئے کافی نہیں۔ شوہر طلاق کا

مقرر نہیں، تو طلاق کا ثبوت دلیل شرعی سے کس طرح ثابت ہوا۔ لہذا یہ عورت شرعاً مطلقہ نہیں۔ اب باقی رہا

عورت کا طلاق کی خبر دینا۔ یا حلف کے لئے تیار ہو جانا، تو اس سے طلاق ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں احتیاط کا

تقاضہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ کہ وہ اس سے صحبت نہ کر سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ائمتہ سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۴ھ

(۷۲۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک پرچہ لکھ کر دیا کہ میں نے تم کو طلاق دی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں جب شوہر یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا ہی پرچہ ہے تو ان الفاظ سے طلاق رجعی

واقع ہو گئی۔ لہذا یہ زن و شوہر اگر دوبارہ تعلق زوجیت رکھنا چاہتے ہیں تو یا تو زبان سے اس عورت پر

دو گواہوں کے رو برو یہ کہے کہ میں نے اپنی عورت سے رجوع کیا ورنہ بوسہ وغیرہ جماع کر لے تو رجعت

ہو جائے گی اس میں نکاح ثانی کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

(۷۲۶)

مسئلہ

نوٹس از غلام محمد ولد ابراہیم چوگر ساکن بیکانیر محلہ چوگران

شریمتی حلیمہ بنت احمد بخش ذات چوگر ساکن بیکانیر محلہ چوگران۔ جو کہ میری اور آپ کی شادی

شرع محمدی کی رو سے ہوئی تھی اور میرے نطفہ سے آپ کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں آپ میرے

بچوں کی ٹھیک ذہنگ سے پرورش نہیں کرتیں اور نہ میری خدمت اور گھر کا کام کاج کرتیں اور میرا روپیہ

پیسہ میری عدم موجودگی میں نکال کر برباد کرتی تھیں تمہیں سمجھنے پر لڑائی جھگڑا کرتیں اور اپنے پتا اور بھائیوں کا ڈر بتاتیں جس سے میں نے تمہاری جرأت سے تنگ آ کر تمہیں شرع محمدی کی رو سے رو برو دو گواہان زبانی طلاق دیدیا۔ جس طلاق کو تم نے قبول کر لیا اور میرا گھر چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر چلی گئیں اور مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ قریب ایک ماہ ہوا میری عدم موجودگی میں میرے لڑکے انیس احمد اور دونوں لڑکیوں شکیلہ اور مدینہ بانو کو میرے گھر سے تم اپنے پاس لے گئیں۔ ان بچوں کو واپس کرنے کو کئی بار کہلایا مگر تم تالقی رہیں۔ اب تنگ آ کر یہ نوٹس دیا جاتا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر مجھے میرے بچے واپس کر دو۔ ورنہ آپ کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی جس کے خرچہ و رچہ کی آپ ذمہ دار ہوگی۔

(غلام محمد قادری)

یہ نوٹس ایک خاوند نے اپنی عورت کو دیا ہے جس کی عبارت سے عورت مذکورہ کو بالکل انکار ہے اور وہ کہتی ہے کہ میرے ساتھ زندگی میں کبھی اس قسم کا معاملہ پیش نہیں آیا کہ میرے خاوند نے کسی دو گواہان کے سامنے مجھے طلاق دی ہو اب آپ شریعت کی رو سے فرمائیے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

غلام قادر۔ ۲۲ اگست ۵۹ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں شوہر اس بات کا مقرر ہے کہ میں نے طلاق دیدی اور نوٹس میں تحریری طلاق کا اقرار کرتا ہے تو اس صورت پر ایک طلاق رجعی ہوئی عدت گزرنے سے پہلے یہ اس عورت سے رجعت کر سکتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد اس مرد سے دوبارہ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

باب المتارکۃ (۷۲۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو مار پیٹ کر اپنے باپ کو دیدیا کہ تو اس سے اپنا کام نکال۔ تو بڑھا تجھے عورت نہیں ملے گی اور میں دوسری کر لوں گا۔ اور زید کے باپ نے زبردستی اپنی بہو سے برا کام کیا تو ایسی صورت میں اس عورت کا نکاح زید کے ساتھ باقی رہا یا ٹوٹ گیا اگر نکاح ٹوٹ گیا تو اس وقت سے عرصہ چھ ماہ کا گزرنے کے بعد وہ عورت دوسرا نکاح کر سکتی یا نہیں؟

الجواب

للمم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر باپ کا زید کی بیوی سے زنا کرنا شہادت شرعیہ سے ثابت ہے۔ یا زید اس کی تصدیق کرتا ہے تو وہ عورت زید اور اس کے باپ دونوں پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

رد المحتار میں ہے: تحريم موطوءة آباءه واجداده وان علوا ولوبزنا والمعقودات لهم بعقد صحيح وموطوءة ابناءه وابناء اولاده وان سفلوا۔

مگر وہ عورت زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی اور سوال میں اس عورت کو بظاہر زید کا طلاق دینا مذکور نہیں۔ لہذا زید پر یہ فرض ہے کہ اسے چھوڑے اور یہ کہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ یا جدا کیا، پھر بعد گزر جانے عدت کے وہ عورت کسی تیسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور ان دونوں باپ بیٹوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

در مختار میں ہے: بحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الابعد المتاركة وانقضاء العدة۔

اور اس چھ ماہ کے عرصہ کا گزرنا عدت میں شمار نہیں ہو سکتا اور عدت کی ابتداء زید کے چھوڑ دینے کی بعد شروع ہوگی۔

شامی میں ہے: قوله الا بعد المتاركة اي وان مضى عليها السنون۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

(۷۲۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسائل

ایک شخص رنڈوا ہے اس نے اپنے لڑکے کی بیوی سے کہا کہ تجھے مسان کی بیماری ہے اور مجھے اس کا علاج آتا ہے، بہن پیس کر رکھ لے جب رات ہوئی تو شخص مذکور یعنی خسر بالکل برہنہ اور اپنے بیٹے کی بیوی سے کہا کہ تو اپنا سر میرے ہاتھ پر رکھ کر لیٹ جا، اس نے انکار کیا پھر شخص مذکور نے اس کی چھاتی پکڑ لی تو عورت مذکورہ نے اپنے خسر کے لات ماری پس قصہ ختم ہوا۔ زنا سرزد نہ ہوا۔ صبح کو عورت نے اپنے خاوند سے کہا تو اس نے اپنے محلہ والوں سے تذکرہ کیا۔ اور لڑکی نے بھی اپنی والدہ سے کہا تو اس شخص کو بلوایا گیا اور لڑکی نے اپنی والدہ اور دو آدمیوں کے روبرو خود اپنے خسر سے کہا تم نے مجھے اپنے ہاتھ پر لیٹ نے کو کہا اور میری چھاتی پکڑ لی تو اس شخص نے کہا واقعی میرا قصور ہوا اب معاف کرو اس وقت لڑکی کی والدہ بھی موجود تھی لیکن اب وہ شخص بہت ایسے آدمیوں کے روبرو انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تہمت لگائی جاتی ہے۔

لہذا اس عورت کا عقد باقی رہا یا نہیں؟، کیونکہ خسر نے بد نیتی سے اپنے لڑکے کی بیوی کو ہاتھ لگایا۔ فقط

المرسل حکیم صوفی عبدالحمید قصبہ سوار ریاست رپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعی ایسی صورت پیش آئی تو اس سے بشہوت چھونا پایا گیا اور بہشوت چھونا حرامت مصاہرت ثابت کر دیتا ہے۔ شامی صفحہ ۲۸۹ میں بزاویہ سے ناقل ہیں: لا لمس بشهوة ثبت حرمة المصاهرة اور ثبوت شہوت کیلئے یہ ضروری نہیں کہ جائین سے ہو پھر ایک جانب سے پایا جانا کافی ہے۔

در مختار میں ہے: وتكفي الشهوة من احدهما۔ (شامی صفحہ ۲۹۰)

لہذا یہ مس شہوة حکم میں زنا کا قائم مقام ہے۔

شامی ہدایہ سے ناقل ہیں: لا ان المس والنظر سبب دائم للوطی فیقام مقامہ فی موضع الاحتیاط۔

(شامی صفحہ ۲۸۷)

لیکن اس کے ثبوت کے لئے عورت کا بیان کافی نہیں، لا ان الحرمة ليست اليها كما نص عليه۔

البتہ اگر شوہر اس بیان کی تصدیق کرے اور اس کے قلب پر ان کا صدق جتنا ہو تو یہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شوہر پر حرام ہو جائے گی کسی طرح اس شوہر اور خسر پر حلال نہیں ہو سکتی مگر یہ عورت اب تک نکاح سے خارج نہیں ہوئی شوہر کو یہ ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دے اور یہ کہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا یا میں نے تجھے جدا کیا اس چھوڑنے کے بعد عورت پر عدت گزارنا ضروری ہے پھر بعد گزر جانے عدت وہ عورت کسی تیسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

در مختار میں ہے: وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج باخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۲۹۰)

اور اگر اس واقعہ پر نہ تو دو عادل شاہد موجود ہوں نہ خود شوہر کے قلب پر ان کے بیان کا صدق جتنا ہو تو یہ عورت اس پر حرام نہیں ہوئی۔ لا بد بول الفاسق معتبر لذا وقعت تحری علی صدقہ والا فلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

(۷۲۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کا ناجائز تعلق اپنی دوسری بیوی کے بیٹے کے ساتھ اپنی آنکھ سے دیکھنے کا الزام اقام لگا کر کہ تو میرے بیٹے سے ناجائز تعلق رکھتی ہے جو میں نے دیکھ لیا ہے اس لئے میں تجھ کو ہرگز نہیں رکھوں گا۔ اور مار پیٹ کر کے گھر سے نکال دیا جس کو عرصہ تین سال ہو گیا۔ اس کے بعد ہندہ نے عدالت میں دعویٰ کیا اس پر عدالت نے تاریخ ۱۹ جولائی ۱۹۶۵ء کو طلاق طے کر دیا اس کے ایک ماہ بعد ہندہ نے نکاح ثانی کر لیا تو کیا ہندہ کا یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں عدت کا سوال رہتا ہے یا نہیں۔ مقدمہ میں جو بیانات ہوئے ہندہ کے اور اسکے گواہان کے ان کی نقولات واسطے ملاحظہ ہمارا ارسال ہیں برائے

کرم جواب سے جلد مطلع فرمادیں۔ المرقوم: ۱۱- اگست ۱۹۵۶ء

المستفتی، حسین بخش چودھری بنگلہ والالوہار پورہ ناگور ضلع جودھ پورہ راجستھان۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

خود زید جب اس بات کا مقرر ہے کہ اس کی بیوی ہندہ کا اس کے بیٹے سے ناجائز تعلق ہے اور اس کو میں نے دیکھ بھی لیا ہے۔ تو یہ ہندہ زید پر حرام ہوگئی، پھر جب زید نے اس سے زبان سے یہ بھی کہہ دیا کہ میں تجھ کو ہرگز نہ رکھوں گا اسے مار پیٹ کر گھر سے بھی نکال دیا پھر اس کو نکالے ہوئے عرصہ تین سال کا بھی گزر چکا۔ تو اس صورت میں حرمت مصاہرت اور بھی متحقق ہوئی۔ اور اس کے بعد متارکہ بھی پایا گیا اور بعد متارکہ عدت بھی گزر چکی۔ تو اس صورت مسئلہ میں ہندہ زید کے نکاح سے بھی خارج ہو چکی اور اس کی عدت بھی پوری ہوگئی۔ تو ہندہ کا یہ نکاح ثانی جائز ہو گیا۔ درمختار میں ہے:

وبحرمة المصاهرة لا يرفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة - واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۷ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہل

مسئلہ

(۷۳۰)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین بیچ مسئلہ کے کہ

میرے خسر نے رات کو تقریباً ایک ڈیڑھ بجے بری نیت سے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھایا، میری چیخ نکل گئی، میرے خسر نے مجھے کہا خاموش اور کوئی نہیں ہے میں ہوں، میں سمجھ کر میرے خسر ہیں میں نے شور مچا دیا، شور سن کر میری ساس آگئی انہوں نے مجھ کو خاموش کر دیا اور میرے خسر نے میرے سامنے میری تسلی کے لئے قرآن شریف اٹھوایا آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ اب مجھ کو اللہ کے واسطے معاف کر دے۔ میں نے کہہ دیا اچھا، اب میں بغیر طلاق کے لئے کہیں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہوں یا نہیں؟ فقط سیکندہ بیگم بنت نعمت اللہ سرائے منڈی عرف منڈی سرائے سنہل

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر شوہر بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتا ہے تو یہ عورت اس شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی لیکن شوہر پر ضرور ہے کہ وہ اس سے متارکہ کرے یعنی یہ کہے کہ میں نے اس کو چھوڑا۔ بغیر اس کے اور عدت کے وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور اگر شوہر کو وہ بات ہی تسلیم نہ ہو تو صرف عورت کا کہنا ثبوت نہیں اس صورت میں وہ کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ وہ اسی شوہر کی بیوی ہے اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔ درمختار میں ہے "وبحرمة المصاهرة لا ترفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہل

مسئلہ

(۷۳۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین صورت ذیل میں۔

(۱) کہ ہندہ اپنے خسر کے متعلق بیان دیتی ہے کہ ایک روز رات کو میں مکان کے اندر نیند سے سو رہی تھی، میرے خسر آئے اور میرے پستان پر ہاتھ رکھا جس کے وجہ سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نیند سے بیدار ہوئی۔

(۲) دوسرا واقعہ بیان کرتی ہے کہ ایک دن میں اپنے گھریلو کام میں مشغول تھی میرے خسر دروازہ بند کر کے میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کے زبردستی زنا کیا ہندہ مذکورہ بالا واقعات کو باحلف بیان کرتی ہے۔ ہندہ کا خسر مذکور بالا واقعات سے انکار کرتا ہے۔ اقرار صرف اتنی بات کا کرتا ہے کہ ایک روز رات کو جبکہ تنہا وہ گھر میں سو رہتی تھی میں اپنے لینے گیا، اگلے اس کے اوپر گر پڑا اور وہ جاگ پڑی، اس وقت میں شوہر گھر نہیں تھا۔ اس واقعہ یعنی زبردستی زنا کرنے کی تصدیق ہندہ کی ساس بھی بیان کرتی ہے اور ہندہ کے کہنے کے مطابق اس کا شوہر بھی بیان کرتا ہے اور اس واقعہ (باپ کے اس کی زوجہ سے زنا کرنے) کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا اور یافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے یا نہیں۔ بیوا تو جروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب .

صورت مسئلہ میں نہ تو صرف ہندہ کا بیان قابل سماعت۔ لان الحرمة ليست اليها كما قال الفقهاء ”اور نہ اس کی ساس کی تصدیق حجت کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولا يقبل شهادة النساء وحدهن۔ لیکن جب اسکا شوہر بھی تصدیق کرتا ہے اور مانتا ہے کہ واقعہ ایسا ہوا تو اس ہندہ کا نکاح تو زائل نہیں ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: النكاح لا يرتفع بحرمة المصاحرة۔ مگر یہ ہندہ خسر اور شوہر دونوں پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی اور کسی حیلہ سے اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی، اب شوہر پر فرض ہے کہ متارکہ کرے۔ یعنی مثلاً کہے کہ میں نے تجھے چھوڑا، تو وہ بعد عدت کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ درمختار میں ہے۔ وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة (شامی ص ۲۹۰ ج ۲)

اور اگر شوہر اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتا ہو تو نہ صرف عورت کے بیان سے ثابت ہو سکتا نہ فقط اس کی ساس کی شہادت سے۔ بلکہ ہندہ اس کی عورت ہے اور ان کے مابین نکاح باقی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ان كذا بها (الزوج) فهي امرأة كذا في الظهيرية والله تعالى اعلم بالصواب محرم الحرام۔ ۱۳۶۹ھ۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۳۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
بکر کے والد عمر نے بکر کی بیوی سے زنا کیا اس کے بعد اس واقعہ کو بکر کی بیوی نے دو عورتوں سے کہا جنہوں نے اس بات کو سب گاؤں میں مشہور کر دیا اور سب گاؤں والوں کو معلوم ہو گیا۔ جب سب گاؤں میں یہ بات مشہور ہوگئی تو بکر کی بیوی یہ کہتی ہے کہ یہ بات غلط ہے، مجھ سے میرے خسر نے ایسا نہیں کیا بلکہ گھر ایک بات پر جھگو گالیان دیں اور لٹھ سے مارا اسکے خسر کا بھی یہی بیان ہے کہ میں نے اس کو گھر کی بات پر مارا ہے۔ گاؤں والوں نے ان تینوں کا حقہ پانی بند کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں جانا۔ بات چیت کرنا۔ گاؤں کی دوکانوں سے انکا سودا خریدنا بھی بند کر دیا ہے۔ اس واقعہ سے مولوی

محمد اسماعیل صاحب دیوبندی ہیں انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ عمر کو ایک گڑھے میں ڈال کر چالیس آدمی پتھر ماریں اور ہر آدمی دو پتھر مارے اور سر کو تاک کر مارے اگر زندہ رہا تو اچھا ہے۔ اور گاؤں کی پنچائت کے آدمی یہ کہتے ہیں کہ تین سو روپیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا اس پہ کیا فتویٰ ہے۔ فقط سائل محمد ابراہیم ساکن ترقو ضلع کلہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب .

اگر اس عمر کا اپنے بیٹے کی بیوی سے یہ ناجائز تعلق اور زنا دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے تو وہ عورت بکر و عمر دونوں پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائیگی اور بکر پر ضروری اور فرض ہوگا کہ اس سے متارکہ کرے اور اسے چھوڑ دے۔ لیکن صورت مسئلہ میں تو اس واقعہ کی کوئی شہادت شرعی موجود نہیں ہے۔ رہا عورتوں کا کہنا تو اول تو حدود میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں، پھر وہ بھی واقعہ کی گواہ نہیں۔ نیز صرف عورتوں کی شہادت شرعی شہادت نہیں البتہ اگر بکر اس زنا کی تصدیق کرے اور اسکے قلب پر اس کا صدق جتا ہو تو یہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بکر و عمر دونوں پر حرام ہو جائیگی اور یہ بکر اس عورت سے یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ پھر وہ عورت اسکے نکاح سے خارج ہو جائیگی۔

مولوی اسماعیل دیوبندی نے اگر یہ فتویٰ دیا ہے تو بالکل غلط و باطل ہے۔ کہ سنگسار کرنا، حد کا قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ و ركن الحد اقامة الامام او نائبه في الاقامة۔ یہاں تک کہ بعد مباشرت حرام کے بھی غیر حاکم کو تعزیر کا حق حاصل نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ لكل مسلم اقامة التعزير حال مباشرة المعصية واما بعد المباشرة فليس ذلك لغیر الحاكم۔ تو جب بعد مباشرت معصیت غیر حاکم کو تعزیر کرنے کا حق حاصل نہیں تو غیر حاکم کے لئے حد قائم کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ امام نے اگر سنگسار کرنے کا حکم دیدیا ہے لیکن امام یا حاکم خود سب سے پہلے زانی کے پتھر مارنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو عام لوگوں کو اسکا سنگسار کرنا حلال نہیں۔

درمختار میں ہے۔ ویبدأ الامام لو مقرامقتضاه انه لو امتنع لم يحل للقوم رحمه وان امر هم لفوت شرطه۔

مگر اس جاہل مفتی بلکہ خطی نے یہ فتویٰ محض اپنے دل اور فقط اپنی رائے ناقص سے دیا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو اس غلط و باطل فتویٰ پر ہرگز ہرگز عمل جائز نہیں۔ اس طرح گاؤں کی پنچائت کا تین سو روپے کا

حکم۔ تو یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔

ردالمحتار میں شرح معانی الآثار سے ناقل ہیں۔ التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: والحاصل ان المذهب عدم التعزیر باخذ المال۔

تو یہ پختائت میں جرمانہ بھی شرعاً ناجائز و ناروا ہے۔ ہاں اس عمر کیلئے حقہ پانی وغیرہ بند کرنیکی سزا کافی ہے اور بغیر ثبوت شرعی کے کسی کو سزا کا مستحق قرار دینا نامناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۴ صفر المظفر ۱۳۷۲ھ

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۳۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع اس بارے میں کہ

صفیہ کہتی ہے کہ میرے خسر نے میرے ساتھ جبراً زنا کیا اس کا خسر قسمیہ کہتا ہے کہ میں نے ہرگز ہرگز زنا نہیں کیا۔ ایک شخص نے صفیہ کو اس کے خسر کے بستر میں سے نکلتے ہوئے بھی دیکھا۔ صفیہ کے خسر کی زنا کاری کی ایک دو وارداتیں پہلے بھی مشہور ہو چکی ہیں۔ اور اس کی بے عزتی کی جا چکی ہے، ایک فتویٰ منگایا گیا تھا، جس میں زنا کے ثبوت کے لئے چار آدمیوں کی گواہی کی ضرورت تھی کہ انہوں نے پچشم خود دیکھا ہو۔ غرض چار شخصوں کا ثبوت نہیں ہے، فتویٰ میں یہ بھی تحریر تھا کہ اگر زنا ہوا ہے اور گواہ بھی نہیں تو صفیہ اپنے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ ایسی صورت میں صفیہ اپنے شوہر پر حرام ہے۔ صفیہ کے شوہر کے طرفداروں نے بھی ایک فتویٰ منگایا تھا جس کے جواب میں سنا گیا ہے کہ اگر صفیہ کا شوہر تصدیق کرے کہ اس کے باپ نے زنا کیا ہے تب بھی صفیہ اس پر حرام ہوگئی، صفیہ کے شوہر سے معلوم ہوا کہ جب فتویٰ آیا تھا مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ تجھے شک ہے کہ تیرے باپ نے زنا کیا ہوگا، تو میں نے کہا تھا کہ میرے دل میں یہ بابت جمی ہے شک تو معلوم ہوتا ہے۔ یہ بیان کئی آدمیوں نے فرداً فرداً اور کچھ نے ایک ساتھ، صفیہ کے شوہر اور اس کے طرفداروں کی زبانی سنا۔ اس واقعہ کو کچھ کم وبیش چھ ماہ گزر گئے صفیہ اپنے والد کے گھر ہے، ایسی صورت میں کیا صفیہ اپنی مرضی کے موافق نکاح جدید کر سکتی ہے؟۔ بیوا تو جروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں صرف صفیہ کا بیان حجت نہیں جب تک کہ شوہر اس کی تصدیق نہ کر لے، اور جب شوہر نے اسکی تصدیق کر دی تو اس شوہر پر یہ عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، لہذا شوہر پر واجب ہے کہ اس کو اپنے اوپر حرام جانے، اور متار کہ کرے اور متار کہ یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے میں نے تجھے چھوڑا اس کے بعد عدت گزر جائے تو وہ عورت اپنا دوسرا نکاح کسی اور سے کر سکتی ہے، اور متار کہ کی عدت سے قبل نکاح جائز نہیں۔

درمختار میں ہے: بحرمة المصاهرة لا يرفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الاعد المتاركة و انقضاء العدة۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

اللہ اعلم

﴿ ۶۶ ﴾

باب الظہار

(۷۳۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ

زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری ماں اور میں تمہارا بیٹا۔ اور اس جملہ کو اس نے دوسرے کہا کیا ان الفاظ کے استعمال سے زید کی بیوی مطلقہ ہوگئی اور وہ اس کی زوجیت سے نکل گئی؟ اگر نہیں تو زن و شوہر کے درمیان باہمی میل و موافقت کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ زید کی بیوی چند بچوں کی ماں ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے اسی طرح زید بھی اپنی زوجہ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اس مسئلہ کی وضاحت کتب دینیہ شرعیہ سے فرما کر ممنون کر فرمائیں۔ بینواتو جرواد السلام مع الکرام فقط المستفتی، محمد عبدالغفور سزدار محلہ پورب دروازہ پنشنی

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع زید نے اپنی بیوی سے ایسے مکروہ الفاظ کہے ہیں تو ایسا کہنا شرعاً مکروہ ہے لیکن ان الفاظ سے نہ تو طلاق واقع ہوئی نہ ظہار ہی ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری قیومی میں ہے ”ولو قال لها انت امی لا یکون مظاهراً وینبغی ان یکون مکروها“ (عالمگیری قیومی جلد ۲ صفحہ ۱۲۶) درمختار میں ہے ”ویکروہ قوله انت امی“ رد المحتار میں ہے ”نحو انت امی بلا تشبیہ فانہ باطل و ان نوى“ (رد المحتار مصری ۵۸۹-۵۹۰ ج ۲)

ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ زید کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تم میری ماں ہو لغو و باطل ہے پھر اس کے بعد یہ کہنا کہ میں تمہارا بیٹا ہوں۔ یہ بھی اسی پہلے کلام پر مبنی ہے تو یہ بھی لغو و باطل ہی قرار پایا۔ بالجملہ زید کے ان مکروہ و نامناسب الفاظ سے اس کی بیوی اس کی زوجیت سے خارج نہیں ہوئی یقیناً یہ دونوں اپنے عقد پر باقی ہیں مگر آئندہ ایسے الفاظ کے استعمال سے زید اجتناب و احتراز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۷ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عز و جل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

(۷۳۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ

ایک دن کا واقعہ ہے کہ مجھ سے اور میری اہلیہ میں دونوں میں کچھ ناراضگی ہو رہی تھی۔ ہوتے ہوئے طرفین کے خیالات میں گرمی پیدا ہوگئی اور اسی گرمی کے جوش میں اور غصہ کے قائم یہ دو کلمہ میری زبان سے نکل پڑے بلکہ دو اشخاص موجود تھے وہ دونوں کو گواہی میں رکھ اس کلمہ کو کہا۔ آج سے تم ہماری ماں اور میں تمہارا بیٹا تم ہماری ماں اور میں تمہارا بیٹا تم میرے لئے حرام ہو گئیں۔ آگے کچھ اور بحث نہ ہوئی۔ ہم گھر سے اٹھ کر باہر روڈ پر چلے گئے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اس کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تم ہماری ماں اور میں تمہارا بیٹا صرف مکروہ تھا اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی لیکن اس کے یہ (تم میرے لئے حرام ہو گئیں۔) کہنے سے عورت پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔

رد المحتار میں ہے: وافتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلا نیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

اللہ اعلم
بالحق



باب اللعان

(۷۳۷)

مسئلہ

(۱) کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ ایک شوہر نے اپنی زوجہ کو زنا کی تہمت لگائی اور پھر اس اتہام کے غلط ہونے کا خود ہی اعتراف کیا تو آیا صرف زنا کی تہمت لگانے ہی سے اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں یا نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں؟

(۲) اگر شوہر بیوی کے مال یا جائیداد کو بلا اس کی مرضی کے صرف کرے تو آیا شوہر کے اس فعل سے اس عورت کو طلاق یا فسخ نکاح کا حق حاصل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) جب شوہر اپنی زوجہ کو صرف زنا کی تہمت لگائے تو فقط اتہام سے نہ عورت پر طلاق واقع ہوتی ہے نہ نکاح فسخ ہوتا ہے بلکہ اتہام کے بعد جب عورت قاضی کے یہاں شوہر پر دعویٰ کرے اور قاضی تمام شرائط اللعان کو مد نظر رکھتے ہوئے زوجین و لعان کا حکم دے اور وہ دونوں شرعی طور پر لعان بھی کر لیں تو صرف لعان سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ۔

رد المحتار میں ہے: ولا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفريق الحاكم۔

(شامی مصری ج ۲ ص ۶۰۵)

حاکم کی تفریق سے پہلے خود لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی۔

اسی رد المحتار میں ہے: مفادہ لا تحصل حرمة الوطی قبل التفريق۔

(شامی مصری ج ۲ ص ۶۰۵)

مراد یہ ہے کہ تفریق سے پہلے وطی کی حرمت حاصل نہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: وما يفرق القاضي بينهما فهي امراته ولها النفقة عندنا۔

(فتاویٰ قاضی خاں ج ۲ ص ۲۶۲)

جب تک قاضی ان دونوں میں تفریق نہ کرے تو وہ اس کی بی بی ہے اور ہمارے نزدیک اس کو

نفقہ کا حق حاصل ہے۔

بلکہ لعان کے بعد خود شوہر طلاق دینے سے اور اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کرے تو قاضی کی تفریق سے مطلقہ ہو جائے گی۔

چنانچہ جوہرہ نیرہ میں ہے:

ولا تقع الفرقة حتى يقضى بالفرقة على الزوج فيمارقها بالطلاق فان امتنع من ذلك فرق القاضي بينهما وقبل ان يفرق الحاكم لا تقع الفرقة والزوجة قائمة يقع طلاق الزوج عليها وظهاره وابلغته وتحري التوارث بينهما اذا مات احدهما۔

(جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۱۳۳)

عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی یہاں تک کہ شوہر کو جدا کرنے کا حکم دیا جائے گا تو شوہر اسے طلاق دے کر جدا کرے پس اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی زوجین میں تفریق کر دے اور حاکم اسلام کی تفریق سے پہلے وہ عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی بلکہ تعلق زوجیت باقی رہتا ہے کہ شوہر کی طلاق اور ظہار و ایلا واقع ہو سکتے ہیں اور جب ایک مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا۔

کنز الدقائق ودر مختار میں ہے:

بانت بتفريق الحاكم فيتوارثان قبل تفريقه۔ (شامی ج ۲ ص ۶۰۵)

حاکم اسلام کی تفریق کرنے سے عورت مطلقہ بائنہ ہوتی ہے اور تفریق سے پہلے وہ آپس میں وارث ہوں گے۔

شامی میں ہے: فيتوارثان قبل تفريقه لانها امراته يفرق القاضي بينهما۔

(شامی مصری ج ۲ ص ۶۰۵)

تفریق سے پہلے زوجین آپس میں وارث ہوں گے اس لئے کہ جب تک قاضی ان میں تفریق نہیں کریگا وہ اس کی عورت ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: اذا فرغا من الملاعنة فرق القاضي بينهما ان ابيا التفريق فيكون

تطبيقه بائنة وقبل التفريق كانت الزوجية باقية۔ (فتاویٰ سراجیہ ص ۴۶)

جب زوجین لعان سے فارغ ہو جائیں تو قاضی ان میں تفریق کرے اگر وہ تفریق سے انکار کریں تو وہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی اور تفریق سے پہلے تعلق زوجیت باقی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب لعان سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی تو صرف زنا کی تہمت لگانے سے کس طرح طلاق واقع ہو سکتی ہے اور کس طرح نکاح فسخ ہو سکتا ہے اور یہ ساری گفتگو بھی اس صورت میں ہے کہ جب شوہر اتہام پر برقرار رہے اور جب وہ اتہام کے غلط ہونے کا اعتراف کرے تو بقائے نکاح میں کوئی شک ہی نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: ولو اكدب نفسه حل له الوطى من غير تجديد النكاح۔

(ردالمحتار مصری ج ۲ ص ۶۰۵)

اگر شوہر نے تہمت زنا کو خود ہی جھٹلایا تو بغیر تجدید نکاح شوہر کے لئے اس سے وطی کرنا حلال ہے جو ہرہ نیرہ میں ہے: اما اذا كذب نفسه لم يبق التلاعن بعد الا كذاب۔

(جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۱۳۳)

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اس عورت پر صرف تہمت زنا کی بنا پر طلاق واقع ہوئی نہ نکاح فسخ ہوا بلکہ وہی نکاح باقی ہے اور جب شوہر نے اس اتہام کے غلط ہونے کا اعتراف کر لیا تو اب لعان کا حق بھی ساقط ہو گیا جیسا کہ ابھی جوہرہ نیرہ کی عبارت سے ظاہر ہو گیا۔

(۲) صورت مسئلہ میں عورت کو نہ اپنے آپ کو طلاق کا حق ہے نہ فسخ نکاح کرانے کا حق ہے۔

درمختار میں ہے: ولا يفرق بينهما بعجزه عنها بانواعها الثلاثة وهي ما كول وملبوس وسكن۔

(شامی ج ۲ ص ۶۷۳)

عورت کے نان و نفقہ اور لباس و مکان سے شوہر کے عاجز ہونے کی صورت میں ان میں تفریق نہیں ہو سکتی۔

تو صورت مسئلہ میں کس طرح تفریق واقع ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل



﴿۲۸﴾

باب التعلیق

(۷۳۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

کیا اس شرط پر نکاح درست ہے کہ ”ان امرها يكون دائما بیدھا“ اور اس شرط سے نکاح ہونے کے بعد وہ عورت جب چاہے اپنے گھر بیٹھ جائے اور اس کا نام طلاق سمجھ لیا جائے جب کہ (امرھا) مطلق ہے۔ اس میں لفظ طلاق نہیں ہے لہذا بحوالہ عبارت و نام کتاب فتاویٰ جواب مرحمت ہو۔ المستفتی، محبوب احمد محلہ درگاہ پر شاو متصل سٹی کائنواں پبلی، بھیت

الجواب

الھم ہدایۃ الحق والصواب

اگر بوقت عقد یہ شرط کی اور ایجاب عورت یا اس کے وکیل کی طرف سے اس طرح ہوا کہ میں نے اپنے نفس کو یا فلاں موکلہ کو اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا اور مرد نے کہا کہ میں نے اس شرط کو قبول کیا تو نکاح درست ہے اور شرط صحیح ہے اور عورت کو اپنے نفس کو طلاق دیدینے کا اختیار حاصل ہے اور اگر ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور عورت قبول کرے تو نکاح تو درست ہو جائیگا مگر وہ شرط صحیح نہ ہوگی اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل نہ ہوگا ردالمحتار صفحہ ۴۹۷ و درمختار میں ہے ”نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح مقیداً بما اذا ابتدئت امرأة فقاتل زوجت نفسی منك علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا (وفیہ ایضاً) ولو قال لها تزوجتك علی ان امرک بیدک فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملک او مضافاً لیه ولم یوجد و احدهما بخلاف ما مر فان الامر صار بیدھا مقارناً لصیور رتھا منکوحۃ والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأة لا اذا ابتدأ الرجل ولكن الفرق خفی“ (ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۵۵۵)

اب باقی رہا یہ امر کہ جس پہلی صورت میں عورت کو اختیار حاصل ہے تو اس میں صرف گھر بیٹھ

جانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ وہ عورت ان جملوں میں سے کوئی جملہ کہے تو مجھ پر حرام ہے یا میں تجھ پر حرام ہوئی۔ یا میں تجھ سے جدا ہوں، یا تو مجھ سے جدا ہے میں نے اپنے نفس کو طلاق دی وغیرہ۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”رجل جعل ان امرأته بیدها فقلت للزوج انت علی

حرام او انت منی بائن او انا علیک حرام او انا منک بائن فهذا کله طلاق“ در مختار میں ہے

”فلو قالت انا طالق طلقت نفسی وقع“ تو وہ عورت بصورت اختیار اگر ان جملوں میں سے کوئی جملہ

کہتی ہے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ محض گھر بیٹھ جانے سے ہرگز طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب

یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المحترم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۸ھ

(۷۳۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی دو بی بی ہیں زابدہ اور خالدہ۔ زید اپنے کام سے کسی دوسری جگہ گیا تھا اور واپس مکان آیا تو

خالدہ کو روتی ہوئی اور زابدہ کو کھانا پکاتے ہوئے پایا۔ زید نے سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں بی

بی زابدہ اور خالدہ کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے۔ زید نے یہ بات معلوم کر کے غصہ میں آ کر دونوں کی طرف

مخاطب ہو کر کہا کہ تم دونوں گھر سے نکل جاؤ اگر نہیں نکلو گی تو تم دونوں پر طلاق۔ ایک طلاق کیا بلکہ تین طلا

ق۔ زید یہ کہہ کر کہیں باہر چلا گیا دونوں بی بی زید کے نکل جانے پر گھر سے نکل کر بستی میں چلی گئیں تھوڑی

دیر کے بعد دونوں عورت زید کے گھر میں واپس آ گئیں۔ دونوں رات و دن زید کے گھر میں ٹھہری رہیں۔

بعد تیسرے روز دونوں کے ورثاء لوگ آ کر دونوں کو میسے لیکر چلے گئے۔ جب زید چوتھے روز مکان پہنچا

تو دونوں بی بی کو نہیں پایا۔ ہاتھ مسل کر رہ گیا۔ مذکورہ بالا سوالوں کے متعلق پھلواری شریف کو لکھا گیا تھا جوا

ب آ گیا کہ وہ طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ اس جواب کے ملتے ہی زید اور زید کے والد بی بی کو لینے گئے۔

عورت کے ورثاء نے کہا چند آدمی بلا کر لاؤ جب رخصتی دیجائیگی ورنہ نہیں۔ زید کے والد نے کسی کو بلا کر

نہیں لے گیا نہ رخصتی اب تک دی گئی ہے نہ وہ لے گیا۔ اب عرصہ پندرہ ماہ گزر رہے ہیں خالدہ کا قول ہے

کہ طلاق واقع ہو گئی ہے جس کی بنا پر لڑکی ابھی میکے میں ہے حالت اہتر ہے عرض زید کا ہے اس کا خلاصہ

نہیں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتی شیخ منکلو موضع منڈیل ڈاکخانہ پائس ضلع پورنیہ بہار۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر واقعہ اسی طرح ہوا اور وہ دونوں عورتیں اسی وقت زید مذکور کے مکان سے

نکل گئیں چاہے تھوڑی دیر بعد واپس آ گئیں ہوں تو اس صورت میں تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر وہ اس

وقت تو مکان زید سے نہ نکلیں اور نہ انھوں نے نکلنے کی کسی طرح کی تیاری کی تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع

ہوگئی۔ پھر پھلواری شریف کا فتویٰ پہلی صورت میں تو صحیح ہے کہ وہ دونوں اسی وقت مکان زید سے نکل

گئیں ہوں۔ رہی دوسری صورت کہ وہ مکان زید سے نہ اس وقت نکلیں نہ نکلنے کی تیاری ظاہر کی تو اس صو

رت میں پھلواری شریف کا فتویٰ صحیح نہیں۔ اور شرعاً اس پر عمل کرنا غلط ہے کہ اس واقعہ میں حقیقتہً یقین فور

ہے اور یقین فور کا حکم تمام کتب فقہ میں تفصیل سے ہے۔ اگر پھلواری شریف کا فتویٰ بلفظ منقول ہوتا تو اسکا

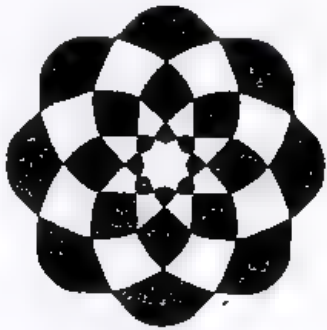
کامل ذکر کر دیا جاتا ہم نے جواب میں ہر صورت کا حکم بیان کر دیا ہے جو صورت واقعہ کی ہو اس پر عمل کیا

جائے۔ لہذا اب ساری ذمہ داری سائل کی گردن پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۲ جم

ادی الاول ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المحترم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۸ھ



﴿ ۶۹ ﴾

باب المفقود

(۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین زاد اللہ برکاتہم مسائل ذیل میں

(۱) زید اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر پردیش چلا گیا تقریباً سات آٹھ سال سے مفقود الخیر ہے معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مر گیا عورت مذکور فقر و فاقہ کا شکار ہے نہ کوئی ذریعہ معاش نہ جائیداد و میراث ہے جس سے گذر بسر کر سکے ایسی صورت میں کوئی حیلہ شرعی پیدا ہو سکتا ہے کہ جس سے وہ اپنا عقد ثانی کر کے گذر بسر کر سکے۔ بینوا تو جروا۔

(۲) مسماۃ ہندہ زوجہ میران بخش کا نکاح بوجہ ارتداد جب ٹوٹ گیا اور پانچ سال تک مرتد رہنے کے بعد جب پھر مسلمان ہوئی تو اب وہ میران بخش کے ساتھ اپنا نکاح کرنا کسی طرح پسند و منظور نہیں کرتی تو اس کا نکاح کسی دوسرے مسلمان سے کر دیا جائے یا نہیں۔ فقط

(۳) زید نے اس وقت یعنی اساڑھ میں بکر کو دس روپیہ کا غلہ دھان حسب نرخ بازار دس سیر کے حساب سے اودھار دیا اور کہا کہ اگھن میں جو بھاؤ لگے گا اس بھاؤ سے دس روپیہ کا دھان لوں گا چنانچہ اگھن میں پانچ سیر کا دھان بکا اسی حساب سے بکر سے زید نے لیا اس کو یہاں بکانا کہتے ہیں از روئے شرع شریف کے یہ جائز ہے یا ناجائز۔ فقط بینوا تو جروا

المستفتی عبدالوہاب عفی عنہ پکسران ضلع رائے بریلی

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

(۱) زوجہ مفقود کے لئے ہمارا مذہب مفتی یہ ہے کہ شوہر کی ولادت کو جب ستر (۷۰) سال گزر جائیں یعنی اس کی عمر ستر برس کی ہو جائے تو اس کی موت کا حکم کیا جائے اور اس کی زوجہ وفات کی عدت گزارے۔

رد المحتار میں ہے:

واختار ابن الہمام سبعین لقولہ علیہ السلام اعماراً متی مایین الستین الی السبعین

فكانت المنتہی غالباً۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۴۱)

ایسی ضرورت کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتی کتنی وہ عورتیں ہیں جنکے شوہران۔ ناراض ہو کر ان کے خوردنوش کی خبر نہیں لیتے اور وہ فقر و فاقہ کا شکار رہتی ہیں نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش ہوتا ہے تو کیا انہیں عقد ثانی کی اجازت دی جاسکتی ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں لہذا یہ ضرورت عقد ثانی کو مباح نہیں کر سکتی اسے چاہئے کہ اپنی عصمت کو محفوظ رکھتے ہوئے اور احکام شرع کی پابندی کرتے ہوئے کوئی حلال کسب یا ملازمت کرے اور اپنی ضروریات کو پورا کرے اور اعمال مجربہ سے کسی عمل کو پرہیز انشاء اللہ تعالیٰ اس کا شوہر واپس آ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) ہرگز نہیں بلکہ ہندہ کا جبراً میران بخش ہی سے نکاح کیا جائے گا ہاں اگر خود میران بخش اس کے ساتھ نکاح سے سکوت کر لے یا صاف الفاظ میں انکار کرے تو مسماۃ ہندہ کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) صورت مسئلہ میں جب بکر نے زید سے دو من ۲۰ سیر دھان اودھار لئے تھے تو اگھن کے مہینہ میں بھی بکر زید کو صرف ۲ من ۲۰ سیر ادا کرے کہ قرض میں وزن کے برابر ہونے کا اعتبار ہے بھاؤ کے سستے ہونے کا اعتبار نہیں۔

در مختار میں ہے: کل ما یکال ویوزن لما انہ مضمون بمثلہ فلا عبرۃ بغلامہ و رخصہ۔

(شامی ج ۴ ص ۱۸۰)

اور اگر زید نے اپنی شرط کی بنا پر بکر سے اگھن میں بجائے ۲ من ۲۰ سیر کے فی روپیہ ۱۵ حساب سے ۳ من ۳۰ سیر وصول کئے تو اس میں ایک من ۱۰ اما جو قرض سے زائد لئے وہ حرام و سود ہے۔

لانه يستوفى دينه كما ملافتبقى له المنفعة فضلاً فتكون ربا قال فى الدر المختارنا قلا عن الاشباه كل قرض جر نفعاً حرام وقال فى جواهر الفتاوى اذا كان مشروطاً صار قرضاً فيه منفعة وهو ربا هذا كله فى رد المحتار۔

بالجملہ ایسے قرض کا معاملہ کرنا اور اس میں منفعت کی ایسی شرط لگانا ناجائز و حرام ہے اور کھلا ہوا سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۱۰ھ

مسئلہ

(۷۴۳)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(ہندہ) کی شادی بزمانہ نابالغی زوج (زید) کے ساتھ فریقین کے والدین نے کی۔ (زید) بعد شادی مفقود و الخیر سارہا۔ اور زوجین کے درمیان کی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور نہ ہونے کے واقعات و عمرتھی جب ہندہ سن بلوغ کو پہنچنے کے قریب ہوئی تو خبریں ملیں کہ گوزید بالغ ہو گیا ہے مگر کسی جرم میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے روپوش ہے۔ اور اس نے کسی دیگر عورت سے شادی بھی کر لی ہے کچھ عرصہ بعد جب ہندہ کو معلوم ہوا کہ زید کی زوجیت میں رہنا اس کی آئندہ سواہان روح ہے تو اپنے ولی اپنے باپ سے شکایت کی۔ باپ نے یہ احساس کرتے ہوئے کہ اس نے بیٹی کے حق میں کانٹے بوئے اب کیا کرنا چاہئے۔ اہل علم سے مشورہ کیا۔ اہل علم نے سوال کیا کہ تم نے شادی بحیثیت ولی منعقد کی یا کس طرح۔ باپ نے جواب دیا کہ چونکہ میرے سدھی نے میری لڑکی کے بدلے اپنی لڑکی میرے لڑکے کو دینے کا اقرار کیا تھا اور یہ اقرار درمیان مستورات طے ہوا تھا۔ اس لئے میں نے اپنی بیوی کی خواہش پر ہندہ کی شادی زید کے ساتھ کرنے کے رضامندی ظاہر کی تھی۔ اپنے حق ولایت کو کام میں نہیں لیا تھا۔ یہ سکر و کلاء صاحبان کی رائے ہوئی۔ کہ کلکتہ ہائی کورٹ سے ۱۷۴۱ انڈین کیس صفحہ ۶۳۲ پر قرار دیا ہے۔ اگر باپ محض رضامندی دے اور حق ولایت کو کام نہ لے تو لڑکی کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ حق خیار البلوغ کا مطالبہ کرے۔ اس کی تائید میں بحوالہ رد المحتار جلد دوم صفحہ ۴۸۴ یہ بھی بتایا گیا کہ باپ یا ولی جائز کے فرائض اویس میں ہے کہ وہ زوج ایسا تلاش کرے جو مریض، احمق، بدشعار نہ ہو۔ فتاویٰ عالمگیری۔ و کتاب الابن و غیرہ کے حوالہ جات سے یہ بھی بتایا گیا کہ اگر والد احمقانہ یا غافلانہ طریق پر شادی کرتا ہے وہ جائز نہیں ہے جسٹس امیر علی جنہوں نے شرع محمدی انگریزی زبان میں شرعی کتب کے حوالہ سے تدوین کی ہے۔ ۱۹/ انڈین لار پورٹ کے صفحہ ۷۹ پر رقمطراز ہیں کہ اگر کوئی لڑکی حق خیار البلوغ کا استعمال کرتے ہوئے بلا قضاے قاضی یا عدالت دوسری شادی کرے تو وہ ازدواج ناجائز کی مرتکب نہیں ہے۔ کیونکہ قضاے قاضی و توسل عدالت حق خیار البلوغ کے لئے چنداں ضروری نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ولی جائز کی احمقانہ یا غافلانہ غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے حق خیار البلوغ کا زمانہ تاسن شعور باقی رہتا ہے۔ ان واقعات کے ماتحت لڑکی کے باپ نے اپنے حقوق ولایت سے دست بردار ہوئے جب لڑکی کو پہلا طہر ہوا اجازت دی کہ چاہے وہ شادی منظور کرے یا حق بلوغ کو کام میں لیتے ہوئے فسخ کر دے چونکہ مہر

متعینہ بھی حسب قاعدہ نہ تھا نیز لڑکے کی شوریہ پشتی مشہور بھی لڑکی نے حق خیار البلوغ کو کام میں لیتے ہوئے زید کی زوجہ بننے سے رو بردار چند اشخاص قطعی انکار کر دیا۔ بحیثیت وکیل لڑکی کی طرف سے کچھ لوگ میرے پاس آئے کہ قانونی روشنی میں ایک اطلاع خاوند اس کے باپ کو بطور نوٹس دیدیا جائے میں نے کتب قانونی کا مطالعہ کیا تو شرعی محمدی کی روشنی میں کئی ہائی کورٹوں کے فیصلہ لڑکی کے حق میں طے اور نظائر محلہ بالا درست پائے گئے مگر اپنی شرعی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے قبل اجراء نوٹس مذکورہ میں نے مناسب سمجھا کہ معاملہ علماء و مفتی صاحبان کی طرف رجوع کیا جائے۔ لہذا مستفسر ہوں کہ صورت مسئلہ میں کیا لڑکی کی بلا قضاے قاضی یا توسل عدالت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ انگریزی کتب میں مجھے حضرات شیخین میں سے مجھے امام محمد کی رائے ملی ہے کہ لڑکی اگر دو شخصوں کے سامنے انفساخ نکاح کر دے تو بلا توسل عدالت انفساخ نکاح ہے۔ یہ لڑکی ایسا کر چکی ہے یہ کہاں تک صحیح ہے براہ کرم تحقیقی نگاہ ڈال کر مفصل جواب سے مستفیض فرمادیں۔ اور عند اللہ ماجور ہوں بیواؤ تو جروا

المستفتی، حکیم وکیل قاضی محمد حفیظ اللہ صدیقی بکس نزد اسٹیڈیم سینما جو دھور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں ہندہ کا یہ نکاح نہ قابل فسخ ہے اور نہ ان کو خیار بلوغ حاصل ہے۔

اولاً: جب اس ہندہ کا نکاح بحالت نابالغی کے باپ نے کیا ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح نہ قابل فسخ ہوتا نہ خیار بلوغ کا حق حاصل ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”فان زوجہما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما“ (عالمگیری قیومی جلد ۲ صفحہ ۱۰)

ثانیاً: ولی کا سکوت تو شرعاً رضائیں ہوتا اور جب وہ صراحتہ اپنی رضامندی کا اظہار کرے اور خود عقد نکاح کر لے تو اسی کا نام حق ولایت کو کام میں لینا ہے اور یہی بحیثیت ولی نکاح کا منعقد کرنا

کہلاتا ہے۔ در مختار میں ہے ”فلو زوج الا بعد حاقا قیام الا قرب توقف علی اجازتہ“

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں ”فلا يجوز سكوته اجازة لنكاح الا بعد وان كان حاضراً فی مجلس العقد ما لم یرض صریحاً و دلالة“ (رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۳۲۳)

تو ہندہ بالغہ کا باپ اس کے نکاح سے جب اپنی صراحتہ رضا ظاہر کرتا ہے اور خود برات کو بلاتا ہے

اور اس کا انتظام کرتا ہے اپنی اجازت سے عقد کرتا ہے تو یہ اس کا حق ولایت کو کام میں لینا نہیں ہے تو اور کیا ہے لہذا ہندہ کے نکاح سے اسکے والد کی رضا صراحتہ و دلالت ہر طرح ثابت ہو گئی۔ اور اگر اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو اس ہندہ کے عقد کرانے کی نسبت کس کی طرف کی جائے گی۔ ظاہر ہے اس وقت ہندہ تو نابالغ تھی تو اس کی طرف تو نسبت ہو نہیں سکتی۔ اسی طرح کسی ولی البعد کی طرف بھی نسبت نہیں کی جا سکتی کہ اس کا ولی اقرب باپ موجود ہے و ولی اقرب کی موجودگی میں بلا اس کی رضا کے ولی البعد نابالغ کا نکاح کر نہیں سکتا۔ اور اگر ولی البعد ہی نے نکاح کیا اور مجلس میں ولی اقرب باپ بھی موجود تھا اور وہ اس نکاح سے اپنی رضا مندی کا اظہار کر چکا ہے تو عقد کرانے کی نسبت حقیقتہً ولی البعد کی طرف نہیں ہوگی بلکہ اس ولی اقرب باپ کی طرف ہوگی۔ بہر صورت اس ہندہ کے عقد کرانے کی نسبت اس کے باپ کی طرف ہوگی تو ثابت ہو گیا کہ یہ عقد نکاح اسی کی حق ولایت سے وجود میں آیا اور بحیثیت ولی ہونے کے وہی اس کا منعقد کرنے والا قرار پایا اور یہ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ باپ کا کیا ہوا نکاح نہ قابل فسخ ہے نہ اس میں خیار بلوغ کا حق حاصل ہے۔

ثالثاً: جب باپ اولاد کے حق میں غیر شفیق ہو اور وہ لڑکیوں کے ساتھ سوء اختیار اور طمع کا معاملہ کرنے میں مشہور و معروف ہو کہ وہ اس نکاح سے پہلے کسی لڑکی کو غیر کفو میں یا فسق سے کچھ دام لیکر نکاح کر چکا ہو تو ایسے باب کا دوسری لڑکی کا نکاح صحیح و نافذ نہیں ہوتا۔

ردالمحتار میں ہے ”لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفہہ او لطمعہ لا يجوز عقدها۔ اجماعاً۔ (وفیہ ایضاً والحاصل ان المانع هو كون الاب مشهور بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهوراً بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سیئ الاختیار قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله“

(ردالمحتار مصری جلد ۲ صفحہ ۳۱۲)

اور سوال میں اس ہندہ کے باپ کا نہ غیر شفیق ہونا مذکور نہ اس کے سوء اختیار کے مشہور و معروف ہونے کا بیان تو اس نکاح پر عدم صحت کا حکم تو ہو نہیں سکتا بلکہ یہ نکاح لازم قرار پایا۔

تویر الابصار متن در مختار میں ہے:

ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان الولی ابا او جد الم

(ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۳۱۲)

يعرف منهم سوء الاختیار

تو اس ہندہ کا نکاح نہ قابل فسخ ہی ہے اور نہ اس کو اس میں خیار بلوغ حاصل ہے۔
رابعاً: عورت کو خیار فسخ خود اسی وقت ہے جب وہ بالغ ہو۔ لہذا وہ اسی وقت کسی کو گواہ بنائے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں اور اگر اس میں کچھ بھی وقفہ کر دیا تو فسخ کا اختیار جاتا رہا۔

ردالمحتار میں ہے ”اذ بلغت وھی عالمة بالنکاح او علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ فی حال البلوغ او العلم فلو سکت ولو قليلاً بطل اختیارها“
(ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۳۱۸)

اس سوال سے ظاہر ہے کہ ہندہ کو نکاح کا علم تو پہلے ہی سے تھا۔ لیکن اس کا خود بوقت علم بلوغ کسی کو گواہ بنانا اور اپنے نفس کا اختیار کرنا سوال میں نہیں ہے بلکہ اس قدر طویل وقفہ مذکور ہے کہ اس نے بالغ ہو کر عرصہ کے بعد یہ سوچا کہ مجھے اس کی زوجیت میں زندگی گزارنی دشوار ہے تو اس نے اپنے باپ سے شکایت کی باپ نے بھی فوراً جواب نہیں دیا بلکہ اہل علم سے مشورہ کر کے نہ معلوم کتنے عرصہ کے بعد اس کو فسخ نکاح کی اجازت دی تو ہندہ نے بوقت عم بلوغ نہیں بلکہ نہ معلوم کس قدر عرصہ کے بعد فسخ نکاح کا اس وقت ارادہ کیا جب اس کا خیار فسخ و خیار بلوغ باطل ہو چکا ہے تو اس کا فسخ نکاح کرنا شرعاً فسخ نہیں ہے۔

خامساً: خیار بلوغ میں نکاح اس وقت فسخ ہوتا ہے جب قاضی فسخ نکاح کا حکم دے کہ حکم قاضی فسخ کے لئے شرط و ضروری ہے۔

ردالمحتار میں ہے ”لا ینبت الفسخ الا بشرط القضاء“۔

مجمع الانہر شرح ملتقى الاہل میں ہے ”وشرط القضاء للفسخ فی اختیار البلوغ من صغیر او صغیرۃ فلا یبطل العقد ما لم یقض القاضی لان هذا العقد کان نافذا فلا یبطل بمجرد الرد ما لم یتأكد بالقضاء“
(مجمع الانہر جلد ۱ صفحہ ۳۳۷)

لہذا ہندہ کا نکاح بغیر حکم قاضی فسخ نہیں ہو سکتا۔ الحاصل اس ہندہ کا فسخ نہیں ثابت ہو سکتا۔ مسئلہ کے سمجھنے کے لئے پانچ وجوہ بہت کافی ہیں۔ انگریزی کتابیں یا ہائی کورٹ کے فیصلے حکم شرعی کو نہیں بدل سکتے۔ میں اس وقت عدیم القریٰ ہوں اس لئے زائد تفصیل نہ کر سکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول ۱۲/ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

(۷۲۵)

مسئلہ

مکرم و محترم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم
ذیل میں مفقود کے متعلق ایک سوال اور اسکا جواب درج ہے براہ کرم از روئے شرع مطہر وفقہ
حنفی تحریر فرمائیں۔ کہ کیا ایک مفتی کا بحیثیت حنفی ہونے کے یہ جواب صحیح ہے۔

سوال: سائلہ اپنے شوہر سے جلال الدین کے ہاں عرصہ پندرہ سال آباد رہی۔ بعد ازاں سے
مذکورہ اپنی عورت کو نکال کر کہیں چلا گیا اور اک عرصہ گرچکا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کا کچھ پتہ نہیں۔
سائلہ کے پاس نہ کوئی جائداد ہے نہ کوئی رشتہ دار جو اس کی خبر گیری نان و نفقہ کرے۔ ایسی حالت میں
سائلہ مجبور ہو رہی ہے۔ نو جوان ہے یوں بھی وہ خطرہ میں ہے۔ سائلہ کی درخواست پر مسمیاں تھو اور روشن
دین گواہ اور انجمن کی تصدیق ثبت ہے،

الجواب:۔۔ بعون الوہاب۔ قرآن کریم کا جامع مانع حکم ہے کہ عورتوں کو حسن سلوک سے رکھا
کرو یا اچھی طرح سے چھوڑ دو۔ کما قال اللہ تعالیٰ فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔
(سورہ بقرہ)

حضور شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اسلام میں ضرر رسانی جائز نہیں بلکہ یہ ایک قبیح
فعل ہے۔ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام الحدیث۔

لہذا جو شخص مفقود الخیر (گم ہو جائے) اور اس کی زندگی اور موت کی خبر باوجود تلاش نہ ملے تو گم
شدگی کی حالت یا عدم ایفاء حوائج ضروریہ نان و نفقہ وغیرہ سے جو تکلیف و ضرر زوجہ مفقود الخیر کیلئے ہے
اس کی برابر اور کوئی ضرر عورت کیلئے نہیں ہے۔ اور انہیں وجوہات پر خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ
عنه نے زوجہ مفقود الخیر کی نسبت حکم جاری کر دیا کہ زوجہ مفقود الخیر چار سال تک انتظار رکھ کر پھر مزید چار
ماہ دس یوم عدت و فوات گزرا کر نکاح ثانی کر لے جس پر ایک جم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اور
مسلم مالکیہ کا فیصلہ و انحصار بھی اسی مسئلہ میں اس حکم اور اجماع صحابہ پر ہے جسے موطا امام الک میں
روایت فرمایا گیا ہے۔

ان عمر بن الخطاب قال ایما امرأة فقدت زوجها فلم تدر این هو الخ۔ (موطا)
اور خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان۔ ابن عمر۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتوے ہے۔
(تفصیل)

اور پھر جماعت تابعین رضی اللہ عنہم نے اپنے عصر میں اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کی۔

(زر قائی شرح موطا)

لیکن ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال اس مسئلہ میں مختلف ہیں مگر عورت کی مجبوری
و مشکلات مد نظر رکھتے ہوئے بالا ائمہ موصوف رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی عند الضرورة الشدیدہ یعنی بوجہ عدم
ایفاء نان و نفقہ وغیرہ خوف واقع ہونے مسلک مالکیہ پر فتویٰ دینا درست اور جائز قرار دیا جیسا
کہ در مختار میں ہے۔

لا باس بالتقلید عند الضرورة۔ (در مختار)

علاوہ بریں ہندوستان و پنجاب کے مستند علمائے احناف نے بھی انہیں احکام کے ماتحت فتویٰ دیا
ہے۔ (دیکھو فتاویٰ لکھنوی جلد اول و فتاویٰ گنگوہی جلد دوم)

مگر اختیار فسخ و اجازت نکاح ثانی قاضی اسلام کو ہے جیسا کہ کتب فقہ میں صراحت ہے۔
لا یتبث الفسخ الا بشرط القضاء۔ (شامی)

چونکہ موجودہ دور حکومت غیر اسلامی میں قاضی کا وجود معدوم ہے اور اختیارات قاضی اسلام
عدالت مجاز کو ہیں یا پھر بصورت معذوری جماعت عدول مسلمین کو اختیارات ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر
عدالت کی چارہ جوئی میں معذوری و مجبوری و دشواری ہو تو پھر چند دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت مرتب
کی جائے اور اس کے سامنے تمام حالات و شہادت پیش کر کے فسخ نکاح کا حکم و اجازت نکاح ثانی کی لی جا
ئے۔ کیونکہ پھر یہ جماعت حسب احکام شرعیہ حکم فسخ و اجازت نکاح ثانی دینے کی مجاز ہوگی۔ پس اتباع
احکام شرعیہ و بشرط صدق قول مستفتی مصدقہ گواہان زوجہ مفقود الخیر نکاح کر نیکی مجاز و مختار ہوگی۔ فقط واللہ
تعالیٰ اعلم و احکم۔

المستفتی مولوی محمد مختار صاحب خطیب مسجد تالاب کھیل، جموں توی۔

الجواب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ اما بعد۔

زوجہ مفقود کے متعلق یہ فتوے دیکھ کر از حد حیرت ہوئی۔ اگر عجیب غیر مقلد ہے تو پھر تو اسے احکام
شرع کا کمال لحاظ، جو خیال خام آیا لکھ دیا، جو مونہہ میں آیا کہہ دیا، جس آیت و حدیث کو چاہا دلیل بنا کر پیش
کر دیا، پھر چاہے اسے مسئلہ سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہ ہو۔ غیر مقلد کو جب قرآن و حدیث کا صحیح طور پر سمجھنا

ہی نصیب نہیں ہوتا تو وہ مسائل کے سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ لہذا اس کا فتویٰ مقلدین ہی کیا غیر مقلدین کیلئے بھی نہ حجت نہ دلیل نہ قابل عمل نہ اسکا کوئی حکم لائق اعتماد۔ نہ اسکا کوئی حوالہ قابل اعتبار۔ تو اس کے فتوے کو فتویٰ ہی کہنا باطل محض ہے۔

اور اگر مجیب حنفی مقلد ہونے کا مدعی ہے تو اسے فقہ احناف کی کسی معتبر کتاب سے ایسے مفتی بقول کی عبارت پیش کرنی کافی تھی جس کا یہ مضمون ہوتا کہ زن مفقود چار سال کے بعد عدت و فوات گزار کر اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن مجیب نے ایسی تو کوئی عبارت نقل نہیں کی بلکہ اس مدعی کے اثبات میں خود اجتہاد کرنے کی ناپاک سعی کی اور اپنی فقہیت اور قابلیت کے جوہر دکھائے۔

تو پہلے مجیب قرآن کریم سے اجتہاد فرما کہ اس طرح استدلال کرتا ہے۔

قرآن کریم کا جامع مانع حکم ہے کہ عورتوں کو جس سلوک سے رکھا کرو، یا اچھی طرح سے چھوڑ دو۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ فامساک بمعروف و تسریح باحسان (سورہ بقرہ)

مجیب نے اس آیت کو پہلے کسی تفسیر ہی میں دیکھ لیا ہوتا کہ یہ آیت زن مفقود کے متعلق بھی ہے یا نہیں۔ میں پہلے آپ کو یہ چیز ہی دکھا دوں کہ اس آیت سے علماء نے کس چیز پر استدلال کیا ہے۔ احکام کی مشہور و معروف تفسیر یعنی تفسیر احمدی میں تحت آیت ہے:

نزل قوله تعالى: الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان، یعنی ان الطلاق الرجعی الی الذی یتعلق به الرجعة مرتان ای اثنا ان لا زائد فان فبعد ذلك امساكها بمعروف او تسريحها كذلك۔ (تفسیر احمدی مطبوعہ دہلی ص ۷۷ ج ۱)

اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔ الطلاق مرتان فامساك بمعروف الا یہ۔ یعنی بیشک طلاق رجعی جس سے رجعت متعلق ہے دو مرتبہ ہے نہ دو مرتبوں سے زائد۔ تو اس کے بعد عورت کو بھلائی کے ساتھ یا تو روک لینا ہے یا چھوڑ دینا ہے۔

تو مفسر نے اس آیت سے طلاق رجعی پر استدلال کیا اور مجیب نے اس آیت سے نکاح زن مفقود پر استدلال کی اپنی قابلیت اجتہاد کا نمونہ دکھایا۔ اولاً آیت میں طلاق رجعی کے بعد بھلائی کے ساتھ روک لینے یا چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ مجیب نے اس آیت سے زن مفقود کیلئے چار سال کے بعد نکاح کا جواز کس طرح نکالا؟

ثانیاً: اس آیت سے چار سال کے بعد زن مفقود کے نکاح کا جواز کس امام و فقیہ نے لکھا۔

ثالثاً: آیت میں امساک و تسریح کا خطاب شوہر سے ہے یا غیر شوہر سے۔ اگر غیر شوہر سے ہے تو اس کو بدلیل ثابت کیجئے۔ اور اگر شوہر سے ہے تو زن مفقود میں شوہر خود ہی مفقود ہے۔ تو اب تسریح و امساک کا خطاب کس سے ہوگا۔

رابعاً: اور اگر بزعم مجیب آیت میں زن مفقود کا حکم ہے تو یہ چار سال کی قید کس لیے زائد ہوئی ہے اور کس نے زائد کی۔ کب زائد ہوئی؟

اس آیت کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد مجیب حدیث سے اس طرح استدلال کرتا ہے۔ اور حضور شارع علیہ الصلا والسلام کا فرمان ہے کہ اسلام میں ضرر رسانی جائز نہیں بلکہ یہ ایک قبیح فعل ہے۔ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔

مجیب نے حدیث تو پیش کی لیکن نہ اس میں راوی کا نام لکھا نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ یہ کیا دیانت ہے۔

اولاً: یہ حدیث اگر زن مفقود کے حق میں خاص طور پر وارد ہوئی تو مجیب اس کو ثابت کرے۔ ثانیاً: مضمون حدیث تو مسلم ہے لیکن حدیث میں یہ کہاں ہے کہ ضرر رسانی سے عورت شوہر ضرر کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے اور اسے دوسرے سے نکاح کر نیکاح حاصل ہو جاتا ہے۔

ثالثاً: مجیب جب اس حدیث سے استدلال کر رہا ہے تو اس میں ضرر کی کوئی مدت تو بیان نہیں فرمائی گئی۔ تو مجیب نے زن مفقود کیلئے چار سال کی مدت کہاں سے معین کر دی باوجودیکہ زن مفقود چار سال سے قبل بھی ضرر پاتی ہے۔

رابعاً: اقسام ضرر سے کون کون سے ایسے ضرر ہیں جن سے عورت کو پہلے نکاح کے فسخ کرنے اور نکاح ثانی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے؟

خامساً: جس عورت کا شوہر اس سے ناراض ہو اور اس کی خورد و نوش تک کی بھی خبر نہ لیتا ہو تو کیا یہ عورت بھی اس کی ضرر رسانی سے اس حدیث کی بنا پر پہلے نکاح کے فسخ کرنے اور نکاح ثانی کر لینے کا حق رکھتی ہے۔

اس کے بعد مجیب لکھتے ہیں: لہذا جو شخص مفقود الخمر (گم ہو جائے) اور اس کی زندگی و موت کی خبر باوجود تلاش نہ ملے تو گم شدگی کی حالت یا عدم ایفاء حوائج ضروریہ نان و نفقہ وغیرہ سے جو تکلیف و ضرر زوجہ مفقود الخمر کیلئے ہے

اس کی برابر اور کوئی ضرر عورت کیلئے نہیں۔

مجیب نے آیت وحدیث تولکھدی اور دیکھا کہ ان سے زن مفقود کا حکم تو ثابت نہیں ہوتا پھر اپنا اجتہاد ہی پیش کرنا شروع کر دیا۔

اقول اولاً: یہ تسلیم ہے کہ شوہر کی گم شدگی میں زوجہ کو نان ونفقہ وغیرہ کی تکلیف اور ضرر پہنچتا ہے لیکن اس کی برابر بلکہ اس سے زیادہ ضرر و تکلیف اس وقت بھی ہوتی ہے کہ جب شوہر سامنے موجود ہے اور ایسا ناراض اور برگشتہ ہے کہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ حوائج ضروریہ کا لحاظ رکھتا ہے۔ نہ نان ونفقہ وغیرہ کی خبر لیتا ہے۔ تو مجیب جب اسی علت کی بنا پر زن مفقود کو نکاح ثانی کی اجازت دے رہا ہے یہی علت یہاں بھی موجود ہے تو کیا مجیب اس عورت کو بھی نکاح ثانی کی اجازت دیگا؟

ثانیاً: مجیب کا یہ کہنا (کہ عورت کیلئے نان ونفقہ کے نہ ہونے کی برابر اور کوئی ضرر نہیں) مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ بعض شوہر بد مزاج مغلوب الغضب بات پر سڑی سڑی گالیاں دیتے ہیں۔ زد و کوب کرتے ہیں اور نان ونفقہ وغیرہ کی تکلیف نہیں دیتے۔ تو شریف زادیوں کو جتنا ضرر اور تکلیف ان گالیوں اور مار پیٹ سے ہوتی ہے اتنی نان ونفقہ کی کمی سے نہیں ہوتی اور اسی قسم کی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لہذا مجیب کا یہ قول ہر جگہ صحیح نہیں ہوتا۔

ثالثاً: مجیب نے جو حدیث پیش کی تھی اس میں مطلق ضرر کا ذکر ہے۔ اب مجیب اس میں تخصیص کے کیوں درپے ہے اور بڑے ضرر کو کیوں خاص کرتا ہے بلکہ دلیری سے اسے حدیث کے موافق یہ فتوے صادر کرنا چاہیے کہ عورت شوہر کی ہر ضرر و تکلیف دینے پر اس شوہر کو چھوڑ دے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ پھر مجیب اپنے دعوے پر ایک واقعہ پیش کرتا ہے۔

انہیں وجوہات پر خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زوجہ مفقود الخمر کی نسبت حکم جاری کر دیا تھا کہ زوجہ مفقود الخمر چار سال تک انتظار رکھ کر پھر مزید چار ماہ دس یوم عدت وقات گزار کر نکاح ثانی کر لے جس پر ایک جم غفیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مسلک مالکیہ کا فیصلہ اور انحصار بھی اسی مسئلہ میں اسی حکم اور اجماع صحابہ پر ہے جسے موطا امام مالکؒ میں روایت فرمایا گیا۔ ان عمر بن الخطاب قال ایما امرأة فقدت زوجها فلم تدر این هو الح۔ (موطا)

مجیب کی ماسیہ ناز و دلیل یہی ہے اور مسلک مالکیہ کا دار و مدار بھی اس حدیث پر ہے۔

اولاً: مجیب کے ذمہ یہ لازم تھا کہ اس حدیث کی محدثانہ طریقہ پر بحث کرتا اور محدثین نے اس پر

جو جرح کی ہے اس کے جواب دیتا اور جب اس میں سے کوئی بات پیش نہیں کر سکا تو اس کو دلیل بنا کر کیوں پیش کرتا ہے؟

ثانیاً: امام المحمد ثین ابو بکر احمد حسین بیہقی شریف میں اس حدیث کے متعلق حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ جیسے محدث اعظم کا قول پیش کرتے ہیں:

قال الشافعی فقد رأینا من ینکر قضیۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کلھا فی المفقود ویقول هذا لا یشبه ان ینکح من قضاء عمر رضی اللہ عنہ۔ (بیہقی ص ۳۴۶ ج ۲)

امام شافعی نے فرمایا ہم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو مفقود کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کل فیصلہ ہی کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے ایسا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہو سکتا۔

ثالثاً: موطا کی روایت میں جتنے الفاظ حضرت امام مالک کی نظر میں معتمد تھے تحریر فرمائے ورنہ یہ حدیث بطرق کثیرہ مروی ہے اور حضرت ابن ابی لیلیٰ اور حضرت سعید بن مسیب کی روایت میں یہ الفاظ اور زائد ہیں۔

فجاء زوجها ینخاصم فی ذلک الی عمر رضی اللہ عنہ فخبیرہ عمر رضی اللہ عنہ بین الصداق و بین امراتہ فاختر الصداق۔ (بیہقی ص ۳۴۶ ج ۲)

چار سال کے بعد اس کا شوہر آیا اور اس معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محاصمت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مہر لینے یا عورت کے واپس کرنے میں اختیار فرما دیا تو اس نے مہر کو اختیار کیا۔

حدیث کے ان الفاظ کا حکم تو خود حضرت امام مالک کا مذہب بھی نہیں۔ تو اب مجیب کو تقلید امام مالک کرنا بھی مفید نہیں۔ لہذا مجیب اب اس حدیث پر عمل کریگا یا مسلک مالکیہ پر؟

رابعاً: موطا میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان الفاظ حدیث کا انکار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قال مالک واد رکت بعض الناس ینکرون الذی قال بعض الناس علی عمر بن الخطاب انه قال ینخیر زوجها الاول اذا جاء فی صداقھا او فی امراتہ۔

(موطا امام مالک ص ۱۵۱)

امام مالک نے فرمایا کہ میں نے بعض لوگوں کو ان الفاظ کا انکار کرتے ہوئے پایا جن کو بعض

لوگوں نے حضرت رضی اللہ عنہ کے الفاظ بتائے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ اسکا پہلا شوہر جب لوٹ آئے تو اسے اختیار دیا جائیگا اس کے مہر لینے کا یا عورت کے واپس لینے کا۔

اور امام مالک کے اس انکار کا رد بھی حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا جس کو حضرت امام بیہقی نے بیہقی میں نقل کیا ہے۔

کیف جاز ان یروی الثقات عن عمر حدیثا واحدا فناخذ ببعضہ وندع بعضا۔

(بیہقی شریف ص ۴۲۶ ج ۷)

یہ کیسے جائز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث کی ثقہ راوی روایت کریں تو ہم اس حدیث کا بعض حصہ لیں اور بعض کو چھوڑ دیں۔

اب مجیب صاحب بتائیں کہ اب ان کی پیش کردہ حدیث کس حیثیت کی قرار پائی۔ اور اب اس سے کیا استدلال کیا جائیگا۔

خامسا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے انکار فرمایا بیہقی شریف حضرت حنشل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال علی رضی اللہ عنہ لیس الذی قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بشئ یعنی فی امراة المفقود ہی امراة الغائب حتی یا تیہا یقین موته او طلاقها ولہا الصداق من ہذا بما استحل من فرجہا ونکاحہ باطل (وفی رواية سعید بن جبیر عن علی) قال ہی امراة الاول دخل بها الاخر اولم یدخل)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زن مفقود میں وہ حکم نہیں ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بلکہ وہ زوجہ غائب ہے یہاں تک کہ اس کی موت یقینی طور پر یا طلاق کی خبر آئے۔ اور اپنے دوسرے نکاح کا مہر یہ عورت اپنی شرم گاہ کے حلال کرنے کے عوض میں وصول کرے اور دوسرا نکاح باطل ہے اور جو روایت حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے اس میں حضرت علی نے فرمایا کہ یہ عورت پہلے شوہر کی بیوی ہے دوسرے شوہر نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (بیہقی ص ۴۲۴ ج ۱)

اب مجیب صاحب اپنی پیش کردہ حدیث شریف کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

سادسا: مجیب یہ بھی ثابت کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب یہ معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے چار سال کی مقدار شوہر کی گم شدگی سے لی یا وقت حکم سے چار سال گزارنے کا حکم دیا؟۔

سابعا: مجیب کے پیش کردہ مستند عالم مولوی عبدالحی لکھنوی حاشیہ ہدایہ میں فتح القدیر سے ناقل قولہ عمر رجع الی قول علی وهو ما ذکر عبد الرحمن بن ابی لیلی ثلث فضیات

رجع فیہا عمر الی قول علی امراة المفقود وامراة ابی کنف والمرأة اللتی تزوجت۔

(حاشیہ ہدایہ ص ۶۰۳ ج ۲)

ہدایہ کا یہ قول کہ حضرت عمر نے قول عام کے طرف رجوع فرمایا اسے عبد الرحمن ابی لیلی نے اس طرح ذکر کیا کہ تین فیصلے ہیں جن میں حضرت عمر نے حضرت علی کے قول کے طرف رجوع فرمایا۔

ایک زن مفقود کا فیصلہ۔ دوسرا ابو کنف کی بیوی کا فیصلہ۔ تیسرا اس عورت کا فیصلہ جس نے شوہر کے موت سن کر نکاح کر لیا تھا۔

مجیب بتائے کہ اب اس حدیث سے کس طرح استدلال صحیح ہو سکتا ہے اور خلیفہ سوم کا یہ حکم کیسے جہت بن سکتا ہے۔ اور مسلک مالکیہ کی بنیاد اس فیصلہ پر کیونکر درست ہو سکتی ہے؟۔

ثامنا: مجیب یہ بھی ظاہر کرے کہ حضرت امام مالک کا مذہب کیا ہے اور وہ چار برس کی مقدار کب سے شمار کرتے ہیں؟۔

تاسعا: زن مفقود کے چار سال کے بعد نکاح کر لینے پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمع ہونا کس کتاب میں ہے۔ مجیب نے اس کے ثبوت میں نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا نہ کوئی عبارت نقل کی۔ اگر مجیب کے نظر میں کوئی حوالہ تھا تو اس کو کیوں نہیں نقل کیا؟۔

عاشرا: جب اس مسئلہ میں حضرت علی سے بطریق کثیرہ اور بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمع سے احادیث مروی ہیں حتیٰ کہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے جس کو امام بیہقی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند روایت کی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امراة المفقود امراته حتی یا تیہا البیان (بیہقی شریف ص ۴۲۵ ج ۷)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زن مفقود اسی کی بیوی ہے یہاں تک کہ اسکے پاں بیان آجائے (یعنی شوہر کے موت یا طلاق کی خبر آجائے۔

تو مجیب بتائے کہ باوجود ان احادیث کے ان کے خلاف پر کیسے اجماع منعقد ہوا۔

حادی عشر: حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مخالفت کیا

اجماع کی قیادح ہے یا نہیں؟۔

ثانی عشر: مسلک مالکیہ کا انحصار اور فیصلہ اس مسئلہ میں اجماع صحابہ پر ہے۔ یہ کس کتاب میں ہے اور کس عبارت کس ترجمہ کا مفہوم ہے۔ یہ موطا امام مالک میں تو نہیں ہے۔ اگر درحقیقت کہیں ہے تو مجیب پیش کرے۔ اس کے بعد مجیب صاحب تحریر کرتے ہیں۔

اور خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان و ابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتوے ہے۔
اولا: مجیب نے اسکا بھی نہ کوئی حوالہ دیا نہ کوئی عبارت پیش کی۔ مجیب کا عبارت کو پیش نہ کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے؟۔

ثانیاً: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس حکم کی نسبت غلط ہے۔
تیسری شریف میں حضرت امام بیہقی نے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا:

قال ابو نصر یعنی عبد الوہاب بن عطاء سألت سعید عن المفقود فاخبرنا عن قنادة عن الملیح الهذلی انه قال بعثنی الحکم بن ایوب الی سہمیة بنت عمیر الشیبانیة سالها فحدثتني ان زوجها صیفی بن قتیل نعی لها من قنابل فتزوجت بعده العباس بن القیس ثم ان زوجها الاول قدم فأتينا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وهو محصور فا شرف علينا فقال کیف اقصی بینکم وانا علی هذا الحال فقلنا قدرضینا بقولک فقصی ان یخیر الزوج الاول بین الصداق و بین امرأته ثم قتل عثمان رضی اللہ عنہ الحدیث۔

(بیہقی شریف ص ۴۴۷ ج ۷)

ابو نصر عبد الوہاب بن عطاء نے کہا میں نے مفقود کے متعلق سعید سے دریافت کیا تو انہوں نے قتادہ سے خبر دی وہ ملیح ہذلی سے راوی۔ ملیح نے کہا مجھے حکم بن ایوب نے سہمیہ بنت عمیر شیبانیہ کی طرف بھیجا میں نے ان سے دریافت کیا تو سہمیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے شوہر صیفی بن قتیل کی خبر موت قنابل سے آئی تو میں نے اس کے بعد عباس بن طرف قیس سے نکاح کر لیا پھر پہلا شوہر صیفی آگیا تو ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسوقت وہ اپنے مکان میں مقید تھے۔ انہوں نے ہمیں مکان کے اوپر سے ملاحظہ کر کے فرمایا کہ میں اپنے اس حال میں تمہارا کس طرح فیصلہ کروں۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ کے زبانی فیصلہ پر راضی ہیں۔ تو انہوں نے یہ حکم فرمایا کہ شوہر اول کو مہر لینے یا اپنی عورت سہمیہ سے لینے کا اختیار حاصل ہے پھر حضرت عثمان شہید کر دئے گئے۔

اب مجیب بتائے کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فتوے اور فیصلہ اس واقعہ میں زن مفقود کیلئے کہاں ہے۔

ثالثاً: یہ روایت بھی مجروح ہے۔ امام بیہقی اس روایت کو نقل فرما کر یہ جرح فرماتے ہیں۔
هذه المرأة لم تعرف بما ثبت به روايتها هذه۔ یعنی یہ عورت ایسی معروف نہیں کہ یہ اس کی روایت اس سے ثابت ہو سکے۔ مجیب ایسی غیر ثابت روایت سے استناد کرتا ہے۔
رابعاً: امام بیہقی نے اس پر دوسری جرح یہ کی فرماتے ہیں۔

فان هذه الرواية ان ذلك كان في امرأة نعی لها زوجها۔

(بیہقی ص ۴۴۷ ج ۷)

اگر اسی طرح پر ہو تو اس عورت کے متعلق ہے جسکے شوہر کے مرئی کی خبر آچکی تھی۔
کہنے مجیب صاحب جس عورت کے شوہر کے مرئی کی خبر آچکی ہے کیا آپ اسی کو زن مفقود قرار دے رہے ہیں یا نہیں؟ آپ تو خود اس کے خلاف لکھ چکے ہیں تو خلیفہ سوم کا فیصلہ زن مفقود کیلئے کس طرح حجت بن گیا۔ یہ ہے مجیب کا دجل و فریب لعنة الله على الكاذبين۔

خامساً: اس واقعہ میں خلیفہ سوم کے مقرر کردہ چار سال کی مقدار کہاں ہے؟۔
سادساً: جب آپ کے پیش کردہ خلیفہ دوم و خلیفہ سوم کے احکام و فتاویٰ آپ کے دعوے کی تائید نہ کر سکے اور آپ نے مکرو و فریب سے ان کی طرف نسبت کر دی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا فتویٰ بھی بہت ممکن ہے کہ آپ کی دلیل نہ ہو اور یہ نسبت بھی غلط ہو۔ لہذا آپ اس کی پوری عبارت مع نام کتاب اور صفحہ کے پیش کریں اسکا بھی مکمل جواب دیدیا جائیگا؟۔

سابعاً: مجیب کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا بھی صریح کذب و افتراء ہے۔
مولوی احمد علی صاحب حاشیہ بخاری شریف میں ناقل ہیں، حاشیہ ص ۷۹ ج ۲۔

وجاء عن علی اذ فقدت المرأة زوجها لا تتزوج حتی یقدم او یموت قال عبدالرازق بلغنی عن ابن مسعود انه وافق علیا فی انها تنتظر ابد اوروی عن طریق النخعی لا تتزوج حتی یستبین امره وهو قول فقهاء الکوفة والشافعی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت آئی کہ جب عورت اپنے شوہر کو گم پائے تو نکاح ٹکرے یہاں تک کہ وہ آجائے یا مرجائے۔ عبدالرزاق نے کہا کہ مجھے حضرت ابن سعد سے یہ روایت پہنچی کہ

انہوں نے حضرت علی کی موافقت اس طور پر کی کہ عورت ہمیشہ انتظار کرے۔ اور امام بخاری کی سند سے مروی کہ وہ عورت نکاح نہ کرے یہاں تک کہ شوہر کا حال ظاہر ہو جائے اور یہی کوفہ کے فقہاء اور امام شافعی کا قول ہے۔

اب مجیب صاحب دیکھئے کہ حضرت ابن مسعود کا مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مذہب کے موافق ہے۔ اب اگر مجیب اپنی بات کا پکا اور قول کا سچا ہے تو دکھائے کہ حضرت ابن مسعود کا وہ فتوے کہاں ہے۔ ورنہ اپنے اوپر لعنت اللہ علی الکاذبین پڑھ کر دم کر لے۔ پھر مجیب اسکے بعد تحریر کرتے ہیں۔ اور پھر جماعت تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے عصر میں اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کی جیسا کہ زرقانی میں ہے۔

مجبیب نے اس میں کتاب کا نام تو لکھ دیا زرقانی میں ہے لیکن عبارت پھر بھی پیش نہیں کی۔

اولا: مجیب کا عبارت نہ پیش کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے جسکی پردہ داری ہے۔

ثانیا: وہ کون کون سے تابعی ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کی؟۔ مجیب ان کے اساتذہ پیش کریں اور اسماء کے ساتھ ان کے اقوال بھی کسی معتبر کتاب سے نقل کریں۔ اسکا بھی مکمل جواب دیا جائے گا۔

ثالثا: مجیب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ جماعت تابعین نے اس مسئلہ کی اپنے عصر میں مخالفت نہیں کی۔ اگر مجیب کی احادیث پر نظر ہوتی تو ایسا غلط دعوے نہ کرتا۔ واقعہ یہ ہے ایک جماعت تابعین نے اس مسئلہ کے خلاف اور فقہاء حنفیہ کی موافقت میں احادیث کی بھی روایت کی اور اپنے مذہب کو بھی ظاہر کیا ہے۔ ان میں طبقہ رابعہ کے حضرات بھی ہیں اور طبقہ ثانیہ کے اجلہ تابعین بھی ہیں۔ اس وقت بطور نمونہ کے دس تابعین کے اسماء شمار کر ائے جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ حضرت سعید بن مسیب۔ حضرت شعبی۔ حضرت سعید بن جبیر۔ حضرت مسروق۔ حضرت ابراہیم نخعی۔ حضرت حکم بن حنیہ۔ حضرت محمد بن شریکل۔ حضرت حنش۔ حضرت عباد بن عبداللہ الاسدی رضون اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ان میں اکثر کبرائے تابعین سے ہیں۔ کما ذکرہ الامام البیہقی۔ اور اس کے بعد مجیب نے کہا۔

لیکن ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال اس مسئلہ میں مختلف ہیں مگر عورت کی مجبوری و مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان ائمہ موصوف رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی عند الضرورة الشدید یعنی بوجہ عدم ایفاء نان

ونفقة وغیرہ و بخوف وقوع حرام مسلک مالکیہ پر فتوے دینا درست اور جائز قرار دیا۔

مجیب کی یہ بات بھی عجیب ہے کہ ائمہ حنفیہ کے اقوال اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔

اولا: مجیب صاحب کیا جس مسئلہ میں اختلاف اقوال ہیں اسکو ناقابل عمل قرار دیا جائے گا؟۔

ثانیا: بکثرت احکام میں اختلاف اقوال ہیں تو انہیں بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا جائیگا اور دوسرے امام کا مذہب اختیار کر لیا جائیگا؟۔

ثالثا: مجیب نے خبر اختلاف اقوال سے ڈر کر مذہب مالکی کو اختیار کیا تھا تو خود مذہب مالکی میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف اقوال ہیں کہ بعض مالکی کہتے ہیں کہ چار سال وقت گم شدگی سے لئے جائیں گے۔ بعض نے کہا حاکم کے رجوع کرنے سے پہلے کتنی ہی مدت گذر جائے خواہ وہ بیس سال ہوں انکا اعتبار نہیں۔ بلکہ حاکم کے یہاں معاملہ پیش کرنے کے بعد چار سال اور انتظار کے دئے جائیں گے۔ دیکھو مذہب مالکی کی کتاب المدونہ۔ کہئے مجیب صاحب اب آپ کیا کریں گے؟۔ اگر آپ شافعی یا حنبلی مذہب کو اختیار کرتے ہیں تو پھر اختلاف اقوال سے خالی نہیں؟۔

رابعاً: عورت کی مجبوری اور مشکلات نان و نفقہ کا احتیاج اور حرام میں ملوث ہونے کا خوف یہ اگر حرام کو حلال کر دیتے ہیں تو اس وقت ہزاروں ایسی جوان عورتیں ہیں جن کے شوہر زندہ ہیں اور موجود ہیں مگر وہ ان کی طرف سے ایسے برگشتہ ہیں کہ نہ ان کے نان و نفقہ کی خبر لیں۔ نہ ان کے قریب جائیں۔ نہ ان سے کسی طرح کی بات کریں۔ تو کیا مجیب ایسی عورتوں کو بھی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے بعد مجیب تحریر کرتے ہیں۔

در مختار میں ہے۔ لا باس بالتقلید عند الضرورة۔

در مختار میں یہ عبارت کتاب المفقود میں تو ہے نہیں۔

اولا: مجیب نے یہ عبارت کہاں سے نقل کی اور ممکن ہے کہ یہ عبارت بھی پہلی عبارتوں اور حوالوں کی طرح بے محل اور بے تعلق ہو۔

ثانیا: مجیب نے اس عبارت کو کیا سمجھ کر نقل کیا۔ اس عبارت میں تقلید سے آیا مطلق تقلید مراد ہے یا معین؟۔ اگر مطلق مراد ہے تو وہ اس وقت زیر بحث نہیں۔ اور اگر معین مراد ہے تو وہ واجب ہے اس کو لا باس سے ذکر کر نیکا کیا فائدہ ہے۔ پھر عند الضرورة کا اضافہ کس افادہ معنی کیلئے ہے؟۔

ثالثا: مجیب نے اس عبارت سے زن مفقود کیلئے کیا استدلال کیا۔ اسکا ذکر ہی نہیں کیا۔ اب یا تو

استدلال کا فائدہ لکھنا بھول گیا۔ یا عبارت تو لکھدی اور لکھنے کے بعد سمجھ میں نہیں آئی۔ یا اس کے لکھنے کی غرض صرف عبارات کی شمار کو زائد دکھانا ہے۔ پھر مجیب نے کہا:

علاوہ بریں ہندوستان و پنجاب کے مستند اعلیٰ احناف نے بھی انہیں احکام کے ماتحت فتوے دیا۔ مجیب کا پنجاب اور ہندوستان کے علماء کا حوالہ بھی غالباً ایسا ہی ہوگا جیسے اوپر صحابہ کا اجماع اور تابعین کا اتفاق غلط اور بے اصل تھا اور ان کے فتوے بھی شاید ایسے ہی مخالفت ہوں جیسے خلیفہ سوم حضرت عثمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتوے مخالف ثابت ہوئے۔

یہ جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے وہ مجیب کے حوالے نقل کرنیکی عادت کی بنا پر الزام کہا جا رہا ہے۔ یا یوں کہیے کہ جب پہلے حوالوں کی حقیقت واضح ہو چکی ہے تو ان کو بھی اسی پر قیاس کیا جا رہا ہے۔ ورنہ جو چیز نظر کے سامنے نہیں اس کے متعلق غلطی یا صحت کا حکم کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد مجیب نے کہا۔ دیکھو فتاویٰ لکھنویہ جلد اول و فتاویٰ گنگوہی جلد دوم۔

مجیب کا پہلا جملہ مبہم تھا اور اس بات کا متقاضی تھا کہ ان مستند علماء کے نام بھی پیش کر دے جائیں تو مجیب نے اس ابہام کو بھی رفع کر دیا اور ان مستند علماء میں سے جو چوٹی کے لکھنوی اور گنگوہی تھے ان کے نام طہ ہر کئے۔ مجیب نے غالباً لکھنوی سے مولوی عبدالحی لکھنوی اور گنگوہی سے مولوی رشید احمد گنگوہی مراد لیے ہیں اور فتاویٰ سے ان کے وہ فتاویٰ مراد ہیں جو اس وقت عام طور مطبوعہ ملتے ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم میں گنگوہی صاحب کا فتویٰ دیکھا جس کا سوال و جواب یہ ہے۔ استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت جو خاوند اسکا عرصہ بیس اکیس سال سے مفقود الخیر ہے اور نکاح ثانی ایسی کا اسی صورت پر کسی شخص نے کر دیا تو جائز ہے یا نہیں اور جو حمل ہے اسکا کیا حکم ہے؟۔

الجواب :- اس صورت میں جب کہ شوہر کو مفقود الخیر ہوئے بیس سال سے زائد ہو گئے ہیں تو اسکا نکاح دوسرے شخص سے حسب مذہب امام مالک جس پر حنفیہ نے بھی بوجہ ضرورت فتوے دیدیا ہے درست ہو گیا اور اولاد جو شوہر دوم سے ہوئی ہے اسکا نسب ثابت ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۵ ج ۴)

اسی فتاویٰ گنگوہی میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتوے بھی اسی سول کے جواب میں ان الفاظ میں ہے۔

هو المصوب۔ عند الضرورت حنفیہ کے نزدیک تقلید مذہب غیر درست ہے اور اس مسئلہ میں بھی حنفیہ تصریح کرتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے:

قال مالك والاوزاعي الى اربع سنين فينكح عرسه بعد ما كفا في النظم فلو افتى به في موضع الضرورة ينفى ان لا باس به على ما اظن انتهى۔ اور رد المحتار حاشیہ در مختار میں ہے۔ ذکر ابن وهبان في منظومة انه لو افتى بقول مالك في الضرورة يجوز انتهى والله اعلم۔

حرره محمد عبد الحی تحا وز الله عن ذنبه الحلبي والخفي،

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۷ ج ۲)

ان دونوں فتاویٰ میں نہ تو نان و نفقہ کی ضرورت کا ذکر ہے۔ نہ وقوع حرام کے خوف کا بیان۔ نہ چار سال کے بعد نکاح کرنیکی اجازت کی الفاظ میں۔ تو مجیب کی جو پیش کردہ وجوہ ہیں نہ ان پر فتویٰ ہے تو یہ مجیب کو کیا مفید؟۔

ثانیاً: گنگوہی و لکھنوی صاحبان نے مجیب کی طرح نہ کسی آیت سے استدلال کیا۔ نہ کسی حدیث سے استفاد کیا۔ نہ ان فتوؤں میں اپنی شان اجتہاد پیش کی۔ بلکہ قہستانی اور رد المحتار کی صرف عبارات پیش کیں تو ان سے زائدہ مواخذہ بھی نہیں کیا جائیگا۔ مجیب بھی اگر ایسا ہی کرتا تو اس پر بھی ہم زیادہ مواخذہ نہیں کرتے۔ لیکن اس نے اپنی مجتہدانہ شان پیش کی اسلئے اس سے زائد مواخذات کئے گئے۔

ثالثاً: گنگوہی و لکھنوی صاحبان بھی آپ کی طرح بے قید ہیں۔ ان کو آپ مستند علماء میں شمار کرتے ہوں گے۔ ہمارے نزدیک تو ان سے بھی بہت فحش غلطیاں صادر ہوئی ہیں۔ اور گنگوہی سے تو کفر تک واقع ہوا ہے، تو ہم نے ان پر بھی مواخذات کئے اور رد ابطال کے احکام دیئے۔

رابعاً: انہوں نے جن بعض فقہائے حنفیہ پر اعتماد کر کے مذہب مالکی کا فتوے دیا یہ خود قابل اعتراض ہے۔

علامہ شامی نے اسی جامع الرموز سے قہستانی کی عبارت کو نقل کر کے اس کی موافقت میں فتاویٰ بزازیہ کی عبارت پیش کی۔ لکھتے ہیں:

قال في البزازية الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدی كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة۔ (رد المحتار ص ۳۱۴ ج ۳)

بزازیہ میں کہا کہ ہمارے زمانہ میں فتوے قول امام مالک پر ہے اور زاہدی نے کہا کہ ہمارے بعض اصحاب بوجہ ضرورت کے اسی پر فتوے دیتے تھے۔

قہستانی۔ فتاویٰ بزازیہ۔ اور زاہدی کے یہ اقوال ہیں، جنکو ہر مخالف پیش کیا کرتا ہے اور انہیں کو مفتی بہ قول جانتا ہے۔ لیکن ان پر فقہاء کا اعتراض ہے۔ علامہ شامی اس کے بعد ناقل ہیں:

واعترضه النهر وغيره بانه لا داعي الى الافتاء بمذهب الغير۔

(رد المحتار ص ۳۴۱ ج ۳)

اور اس قہستانی و بزازیہ وغیرہ پر نہر اور دیگر کتب نے اعتراض ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کا کوئی داعی نہیں۔

لکھنوی صاحب کی پیش کردہ قہستانی یعنی جامع الرموز کی عبارت پر فقہاء کے اعتراضات ہیں اسی طرح انکی پیش کردہ ابن وہبان کی عبارت پر فقہاء کے اعتراضات ہیں۔ اسی رد المحتار میں ہے:

لكنه اعترض على الناظم بانه لا حاجة للحنفي الى ذلك اي لا ن ذلك خلاف مذهبنا۔ (ص ۳۴۰)

شارح ابن شحنہ نے ابن وہبان ناظم پر یہ اعتراض کیا کہ حنفی کے لئے قول مالک کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں کیوں کہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔

لہذا یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مخالف جن عبارات کتب پر اعتماد کر کے فتوے دیتا ہے ان عبارات پر خود فقہائے کرام کے اعتراضات ہیں تو ایسی عبارات کا نقل کرنا خود دیانت کے خلاف ہے۔

خامسا: فتاویٰ بزازیہ اور ققیہ للزاہدی فتاویٰ میں سے ہیں اور جامع الرموز قہستانی شروح میں سے ہیں اور متون نے اس قول کو اخذ نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف تصریح کی تو بقاعدہ فقہاء عمل اور فتوے متون پر ہوگا۔

لہذا اب لکھنوی صاحب کا متون بلکہ ظاہر الرادیت کے مخالف قول کو مفتی بہ قرار دینا فقہ سے ناواقفی کی بین دلیل ہے اس کی عبارات وجہ چہار میں آئے گی۔

سادسا: قہستانی اور ققیہ کا بلا منقول عنہ کے کسی قول کو مفتی بہ قرار دینا غیر معتمد ہے جیسا کہ وجہ چہارم میں عبارت آتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب یہ قول اصحاب مذہب حنفی اور متقدمین و متاخرین فقہاء

کے خلاف ہے تو قہستانی اور ققیہ کو اس قول کا منقول عنہ نہیں مل سکا۔ تو اب لکھنوی صاحب کا ان پر فتوے دیدینا اور معتمد قرار دینا غلط ہے۔

سابعا: ابن وہبان نے اپنی منظوم میں صرف مذہب مالک کا ذکر کیا ہے کہ اس کو مذہب حنفی قرار دیا چہ جائیکہ اسے حنفیہ کا قول مفتی بہ ٹھہرائیں۔ پھر بھی اس پر شارح نے یہ اعتراض کر دیا۔

ان ذلك خلاف مذهبنا فحذفه اولی۔ (رد المحتار ص ۳۴۰ ج ۳)

یعنی بیشک یہ (یعنی قول مالک کا ذکر کرنا) ہمارے مذہب کے خلاف ہے تو اسکا نہ ذکر کرنا اولیٰ ہے۔ تو ابن وہبان لکھنوی صاحب کے موافق کس طرح ہوئے۔ اس کے بعد عجیب لکھتے ہیں:

مگر اختیار فسخ و اجازت نکاح ثانی کی قاضی اسلام کو ہے جیسا کہ کتب فقہ میں صراحت ہے۔

لا يثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ شامی۔ چونکہ موجودہ دور حکومت غیر اسلامی میں قاضی کا وجود معدوم ہے اور اختیارات قاضی اسلام عدالت مجاز کو ہیں پھر بصورت معذوری جماعت عدول مسلمین کو اختیارات ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر عدالت کی چارہ جوئی میں معذوری و مجبوری اور دشواری ہو تو پھر چند دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت مرتب کی جائے اور اس کے سامنے تمام حالات و شہادات پیش کر کے فسخ نکاح کا حکم و اجازت نکاح ثانی کی لی جائے۔ کیونکہ پھر جماعت جب احکام شرعیہ حکم فسخ و اجازت نکاح ثانی دینے کی مجاز ہوگی۔

عجیب نے اس عبارت میں دو باتیں پیش کیں۔ ایک فسخ و اجازت نکاح کا اختیار قاضی اسلام کو ہے یہ تو مسلم ہے۔ دوسری بات چند دیندار مسلمانوں کی جماعت حکم فسخ و اجازت نکاح کی مجاز ہوگی۔ اس پر عجیب نے نہ تو کسی کتاب کا حوالہ کیا نہ کوئی عبارت پیش کی۔ لہذا عجیب پر لازم ہے کہ اس پر پہلے کوئی عبارت نقل کرے اور نیز یہ ثابت کرے کہ اس جماعت میں اہل علم کی بھی قید نہیں ہے تو اسکا قول قابل قبول ہوگا۔ ورنہ خود رائی کی جرات مسائل دین میں گمراہی کا سرچشمہ ہے۔ پھر عجیب ان الفاظ پر اپنا فتویٰ ختم کرتا ہے۔

پس اتباع احکام شرعیہ و بشرط صدق قول مستفتی مصدقہ گواہان زوجہ مفقود الخیر نکاح کر نیکی مجاز و مختار ہوگی فقط واللہ تعالیٰ اعلم و احکم۔

عجیب نے اس عبارت کو اپنی غلط تحقیقات پر مرتب کیا اور اپنی ناقص تحقیق کو احکام شرعیہ قرار دیا ہم اسی رد کے ضمن میں اس کے بہت سے اغلاط اور جہالات ثابت کر چکے اور اس پر کافی سوالات قائم

کر چکے اور اس کے استدلال و اجتہاد کا ابطال کر چکے۔ تو اس کی تحقیق اب حکم شرعی ثابت نہیں ہوئی اور جب وہ حکم شرعی نہیں ہے تو اس کا اتباع غیر لازم ہوا۔ لہذا زن مفقود چار سال کے بعد مذہب مالکی کی بنا پر نزدیک محققین حنفیہ کے ہرگز نکاح کرنے کی مجاز و مختار نہیں۔ یہ تو مجیب کے فتویٰ کا مختصر رد تھا لیکن اسی رد کے ضمن میں حق خود واضح ہو گیا کہ جب مجیب کا استدلال غلط اور باطل ہے تو اس کا حکم کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ تو اب اس سوال کا جواب جو محققین حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ ہے بطور اختصار کے پیش کرتا ہوں وباللہ التوفیق فاقول وبحولہ اجول۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

والمحصنات من النساء۔ (سورہ نساء۔)

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت آیہ فرماتے ہیں:

حرم علیہم نکاح المنکوحات ای اللاتی لهن ازواج۔

(مدارک مصری ص ۷۰ ج ۱)

تم پر منکوحہ عورتوں کا نکاح کرنا حرام کیا گیا یعنی ان عورتوں سے جنکے شوہر موجود ہوں۔

علامہ احمد جیون تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے معنی بیان فرماتے ہیں:

المعنی و حرم علیکم ذوات الازواج ما دامت ذوات الازواج۔

(احمدی ص ۱۵۱ ج ۱)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم پر شوہر والی عورتیں جب تک کہ وہ شوہر والی عورتیں ہیں حرام کی گئیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ زن مفقود و منکوحہ ہے اور شوہر والی ہے۔ لہذا یہ جب تک شوہر والی ہے اس کا دوسرا

نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہوا جس کو نبیہتی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے

روایت کیا:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم امرأة المفقود امراته حتى ياتيها البيان

(دارقطنی و بیہقی ص ۲۳۵ ج ۷)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زن مفقود اس کی اس وقت تک بی بی ہے جب

تک کوئی بیان آئے۔

اس آیت اور حدیث سے اتنا مسئلہ تو نہایت واضح ہو گیا کہ زن مفقود بھی شوہر والی عورت ہے اور

جب وہ شوہر والی ہے تو اس سے نکاح ہونا بحکم آیت حرام ثابت ہوا۔ اب حدیث شریف نے اس حرمت کی یہ حد بیان فرمائی۔ حتی یا تہا البیان۔ یہاں تک کہازن مفقود کے پاس بیان آجائے۔ اب ان کلمات میں لفظ بیان مجمل ہے تو اس لفظ بیان کا بیان وارد ہونا ضروری تھا۔ لہذا اس لفظ کا بیان وہ فرماتے ہیں جن کے لئے خود آقائے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا مدینة العلم و علی بابها۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

تو حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

ہی امرأة ابتليت فلتصير موت او طلاق۔ (رواہ عبد الرزاق والامام

البیہقی رواہ بطرق كثيرة فی الفاظ مختلفة)

زن مفقود ایسی عورت ہے جسکی آزمائش کی گئی تو وہ صبر کرے یہاں تک کہ شوہر کا مرنا یا طلاق دینا

ظاہر ہو جائے۔

ان احادیث نے زن مفقود کو نکاح کرنے کی اس وقت اجازت دی کہ شوہر کی موت یا طلاق دینے

کی خبر موصول ہو جائے تو وہ بعد عدت نکاح کر سکتی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول کی

موافقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کی۔ چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر نے درایہ میں روایت کی:

قال عبد الرزاق اخبرني ابن جريج بلغني ان ابن مسعود وافق عليا علي انها تنتظر

(درایہ ص ۹۶۰)

ابدا۔

عبد الرزاق نے کہا کہ ہمیں ابن جریج نے خبر دی کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ حضرت ابن مسعود نے

حضرت علی کی اس بات پر موافقت کی کہ زن مفقود اپنے شوہر کا ہمیشہ انتظار کرے۔

مجیب کے پیش کردہ مستند عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے حاشیہ شرح وقایہ اور حاشیہ ہدایہ

میں نقل کیا۔

اخرج ابن ابی شیبہ عن ابی قلابہ وجا بر بن زید والشعبي والنخعي كلهم

(ہدایہ ص ۶۰۳ ج ۲)

قالوا ليس لها ان تتزوج حتى يستبين موته۔

ابو شیبہ نے حضرت ابو قلابہ اور جابر بن زید اور شعبی اور نخعی سے روایت کی کہ ان سب تابعین نے

کہا زن مفقود کو نکاح کرنا حق نہیں یہاں تک کہ اس کے شوہر کی موت ظاہر ہو جائے۔

حضرت امام بیہقی نے بیہقی شریف میں فرمایا:

وہو قول النخعی والحکم بن عتیہ وغیرہما۔ (نہجی ص ۴۴۴ ج ۷)

یہی قول امام نخعی اور حکم بن عتیہ اور ان کے علاوہ کا ہے۔

بالجملہ اجلہ تابعین کا یہی قول ہے کہ زن مفقود کو قبل موت شوہر کے اپنے نکاح کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی لئے فقہائے حنفیہ نے آیت کریمہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کو سند قرار دیتے ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کو حجت ٹھراتے ہوئے اور تابعین کے اقوال کا لحاظ کرتے ہوئے مفقود کیلئے موت کا حکم مقرر کرنے میں کمال احتیاط کی اور حضرت امام مالک کے قول کو ان چند وجوہ سے قابل عمل نہیں قرار دیا۔

وجہ اول:۔ امام مالک کا قول خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث مرفوعہ کے خلاف ہے جب کہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں مذہب حنفیہ کی دلیل پیش کی۔

ولنا قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی امرأۃ المفقود انہا امراتہ حتی یتہا البیان۔ (ہدایہ اولین ص ۶۰۴)

اور ہم حنفیوں کی دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث ہے زن مفقود کے متعلق کہ وہ اس مفقود کی بی بی ہے یہاں تک کہ اس کے پاس بیان آجائے۔

تو حنفیوں نے اس حدیث کو دلیل قرار دیا اور امام مالک کے مسلک کی دلیل کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے۔

وجہ دوم: احناف کی دلیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی فرمان ہے۔ ہدایہ میں اس کو حنفیوں کی دوسری دلیل بتا کر اسی حدیث کے بعد متصل تحریر فرمایا۔

ولنا قول علی رضی اللہ عنہ فیہا ہی امرأۃ ابتلیت فلتصبر حتی تستبین موت او طلاق۔ (ہدایہ اولین ص ۶۰۴)

اور ہم حنفیوں کی دوسری دلیل زن مفقود کے متعلق حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا قول ہے کہ وہ ایسی عورت ہے جس کی آزمائش کی گئی تو وہ یہاں تک صبر کرے کہ شوہر کی موت یا طلاق واقع ہو جائے۔ تو حنفیوں نے تو اسی قول علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی دلیل بنایا اور امام مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کو دلیل قرار دیا جس کا رد کے ضمن میں مفصل ذکر ہوا کہ محدثین نے اس واقعہ ہی کا انکار کیا اور خود حضرت امام مالک نے اس حدیث کے بعض حصے کو قابل عمل قرار دیا اور بعض کو ترک فرمایا تو اس پر امام

شافعی نے اعتراض کیا۔

نیز حضرت عمر کے اس حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہما نے انکار فرمایا۔ پھر سب سے زائد قابل لحاظ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس حکم سے رجوع فرمایا۔ ہدایہ میں ہے۔

وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجع الی قول علی رضی اللہ عنہ (ہدایہ ص ۶۴۰)
اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرف رجوع فرمایا۔
یعنی شرح کنز الدقائق میں ہے۔

وعمر رضی اللہ عنہ رجع عن هذا (یعنی مصری ص ۴۷۰ ج ۲)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا۔

جو ہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے:

وصح رجوع عمر الی قول علی رضی اللہ عنہما (جو ہرہ ص ۴۴)

اور قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع فرمانا صحیح ہے۔

لہذا جب حنفیوں کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کی طرف رجوع فرمانا بطریق صحت ثابت ہو چکا تو فقہاء حنفیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر کس طرح فتویٰ دے سکتے ہیں اسی بنا پر جو ہرہ نیرہ شرح قدوری میں صاف طور مسئلہ تحریر فرمایا۔

ولو قضی فی امرأۃ المفقود علی قول عمر لا ینفذ لا نہ قد صح رجوع عمر الی قول علی رضی اللہ عنہما۔ (جو ہرہ ص ۴۴ ج ۲)

اگر زن مفقود میں قاضی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر حکم کیا تو نافذ نہ ہوگا اسلئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنا صحیح ہے۔

اسی لئے فقہائے حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کو دلیل قرار دیا اور اسی کو اپنا مذہب ٹھرایا

شریفہ شرح سراجیہ میں ہے:

ولا تزوج امراتہ عندنا وهو مذهب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شریفہ ص ۱۵۱)

اور ہم حنفیوں کے نزدیک مفقود کی بی بی سے نکاح نہ کیا جائے اور یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امام مالک کے مذہب کی ساری بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول

پر ہے ورفقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ قول قابل عمل نہیں کہ انکار جوع فرمانا ثابت ہو چکا تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے قول کو مذہب قرار دیا۔

وجہ سوم: حنفیوں کے نزدیک فتوے اکثر ظاہر الروایت پر ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ان ما اتفق علیہ اصحابنا فی الروایات الظاہرۃ یفتی بہ قطعاً۔ (درمختار ص ۴۹ ج ۱)

جس پر ہمارے اصحاب متفق ہو جائیں روایات ظاہرہ میں تو یقیناً اسی پر فتوے دیا جائے۔ اور مفقود پر موت کا حکم دینے کے لئے ظاہر الروایت میں یہ حد بیان فرمائی گئی ہے۔

جو ہر نیرہ شرح قدوری میں ہے:

وفی ظاہر الروایۃ یقدر بموت الاقران۔ (جوہر ص ۴۳ ج ۴)

* ظاہر الروایات میں ہے کہ مفقود کی موت کا حکم اس کے ہم زمانہ لوگوں کی موت سے کیا جائے۔

سراجیہ اور اس کی شرح شریفیہ میں ہے:

وخی ظاہر الروایۃ انه ادائم یبق احد من اقرانه حکم بموتہ فقیل المعتبر اقرانه فی

بدنہ وقیل جمیع البلدان والاولی الاصح۔ (شریفیہ ص ۱۵۱)

ظاہر الروایت میں ہے کہ جب مفقود کے ہم عصر لوگوں میں سے کوئی باقی نہ رہے تو اس کی موت کا حکم کیا جائے بعض نے کہا اس کے شہر کے ہم عصروں کا اعتبار کیا جائے۔ اور بعض نے کہا تمام شہروں کے اور پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ لہذا فقہائے حنفیہ امام مالک کے چار برس کے قول پر ظاہر الروایات کے خلاف کس طرح فتوے دے سکتے ہیں۔

وجہ چہارم: فقہاء فرماتے ہیں کہ مفتی بہ قول اور معتمد مذہب کے بیان کے لئے متون ہیں پھر شروع پھر فتاوے۔ لہذا جب فتاوے اور شروع میں اختلاف ہو تو فتاوے پر شروع کو ترجیح دیجائیں اور جب شرح و متون میں اختلاف ہو تو شروع پر متون کو مقدم کیا جائے گا۔ اور متون ہی پر فتوے دیا جائیگا ردالمحتار میں ہے:

اذا اختلف التصحیح والفتویٰ فالعمل بما وافق المتون اولیٰ وکذا لو کان احدهما فی الشروح والاحرفی الفتاویٰ مما صرحوا بہ من ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح وما فی الشروح مقدم علی ما فی الفتاویٰ۔ (وفیہ ایضاً) التزام المتون ذکر ما هو الصحیح فی المذہب۔ (ردالمحتار ص ۵۱)

جب صحیح اور فتوے میں اختلاف ہو تو عمل اس پر اوالے ہے جو متون کے موافق ہو۔ اور ایسے ہی اگر ان میں سے ایک شروع میں ہو اور دوسرا فتاوے میں۔ کہ فقہانے اس کی تصریح کی کہ جو متون میں ہو وہ اس پر مقدم ہے جو شروع میں ہے۔ اور جو شروع میں ہو اس پر مقدم ہے جو فتاوے میں ہے۔ متون کا التزام اس کے ذکر کے لئے ہے جو مذہب میں صحیح ہے۔

اب دیکھو متون میں زن مفقود کے لئے کیا تحریر فرماتے ہیں۔ قدوری میں ہے:

ولا یفرق بینہ وبين امراته واذاتم له مائة وعشرون سنة من یوم ولد حکمنا بموتہ واعتدت امراته۔ (جوہر ص ۴۳ ج ۴)

مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق نہ کی جائے۔ اور جب اس کی پیدائش کو ایک سو بیس برس پورے ہو جائیں تو اب اس کی موت کا حکم کرینگے اور اس کی بی بی عدت گزارے گی۔ کنز الدقائق میں ہے:

ولا یفرق بینہ وبينها وحکم بموتہ بعد تسعین سنة وتعتد امراته۔

(از عینی ص ۷۰)

اور مفقود اور اس کی زوجہ میں تفریق نہ کی جائے اور مفقود کی موت کا حکم نوے سال کے بعد کیا جائے اور اس کی زوجہ عدت گزارے۔ وقایہ میں ہے:

فلا تنکح عرسہ الی تسعین سنة وبعدھا بحکم بموتہ فتعتد عرسہ لموت (مختصاً)

نوے سال تک مفقود کی بی بی کا نکاح نہ کیا جائے اور اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے پھر انکی بیوی موت کی عدت گزارے۔

ہدایہ میں ہے: ولا یفرق بینہ وبين امراته واذاتم له مائة وعشرون سنة من یوم ولد حکمنا بموتہ واعتدت امراته۔ (از ہدایہ ص ۶۰۲)

اور مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ اور جب اس کی پیدائش کو ایک سو بیس برس پورے ہو جائیں تو ہم اس کی موت کا حکم دینگے اور اس کی بیوی عدت گزارے گی۔ ملتقى الابحار میں ہے:

ولا تنكح امراته الى ان يحكم بموته وان مضى عن عمره ما لا يعيش اقرانه وقيل تسعون سنة وقيل مائة وعشرون سنة حكم بموته وتعتد زوجه عند ذلك (ملخصا)
اور مفقود کی عورت کا نکاح اس کی موت کے حکم دینے تک نہ کیا جائے۔ اور جب اس کی آئی گزر جائے کہ اس کے ہم عصر بھی باقی نہ رہیں اور بعض نے کہا نوے سال اور بعض نے ایک سو بیس سال اس کی موت کا حکم کیا جائے اور اس کی عورت اس وقت عدت گزارے۔
تنویر الابصار میں ہے:

ولا ينكح عرسه غيره ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد اربع سنين الى موت اقرانه في بلدته على المذهب وبعده يحكم بموته فتعتد عرس للموت (ملخصا)
زن مفقود کا کسی غیر سے نکاح نہ کیا جائے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان چار سال کے بعد بھی تفریق نہ کی جائے یہاں تک کہ صحیح مذہب کی بنا پر اس کے شہر کے ہم زمانہ لوگوں کی موت واقع ہو جائے۔ اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے تو پھر اس کی بیوی موت کی عدت گزارے۔
یہ چند متون کی عبارات نقل کیں۔ ان میں حضرت امام مالک کے چار برس کے قول کا نہ کلمہ ذکر ہے۔ نہ اس پر فتویٰ دیا بلکہ اس کے مخالف اقوال پر اعتماد کیا۔ بلکہ تنویر الابصار میں تو صریح طور پر چار برس کے قول کا رد کیا۔ لہذا اب اگر کسی شرح یا فتاویٰ میں ان متون کے خلاف فتوے دیں تو وہ معتبر نہ ہو گا۔ اب متون کے بعد شروح مشہورہ کی عبارات بھی سنیں۔ ہدایہ شرح بدایہ اور جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں بالفاظ مختلف یہ عبارت ہے۔

ولا يفرق بينه وبين امراته۔ قال مالك رحمه الله تعالى اذ مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه وبين امراته وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج من شاءت۔ لان عمر هكذا قضى في الذي استهواه الجن بالمدينة وكفى به اماما ولا نه منع حقها بالغيبه فيفرق القاضي بينهما بعد ما مضى مدة اعتبارا بالايلاء والعنة وبعد هذا الاعتبار واخذ المقدار منهما الاربع من الايلاء والسنين من العنة عملا بالشبهين۔ لنا قول له صلى الله تعالى عليه وسلم في امرأة المفقود انه امراته حتى ياتها البيان وقول على فيها هي امرأة ابتليت فلتصبر حتى تستبين موت او طلاق خرج يينا لنا للبيان المذكور في المرفوع ولان النكاح عرف ثبوته والغيبه لا توجب الفرقة والموت في حيز الاحتمال۔ فلا يزال النكاح بالشك وعمر

رجع الى قول على۔ ولو قضى في امرأة المفقود على قول عمر لا ينفذ لانه قد صح رجوع عمر الى قول على رضى الله عنهما۔ ولا يعتبر بالايلاء لانه كان طلاقا معجلا فاغنى في الشرع موحلا وكان موجبا للفرقة۔ قوله فاذا تم له مائة وعشرون سنة من يوم ولد حكمنا بموته واعتدت امراته هذا رواية الحسن عن ابي حنيفة وفي ظاهر الرواية بقدر موت الاقران۔ وفي المروى عن ابي يوسف بمائة سنة وقدره بعض هم بتسعين سنة فاذا حكم بموته وجب على امراته عدة الوفاة من وقت الحكم بموته۔

شرح كنز الدقائق للعلامة المصطفى الطائفي میں ہے:

ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد مضى اربع سنين (و حكم) القاضي (بموته بعد تسعين سنة) من يوم ولد وعليه الفتوى وفي ظاهر الرواية يقدر بموت اقرانه من اهل بلده على المذهب۔

یعنی شرح كنز الدقائق میں ہے: (ولا يفرق) القاضي (بينه) اي بين المفقود (وبينها) اي بين امراته وقال مالك اذ مضى اربع سنين يفرق بينهما وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج ان شاءت وبه قال الشافعي في قول واحمد في رواية لان عمر رضى الله عنه فعل كذلك في الذي استهوته الجن في المدينة ولنا قوله عليه السلام في امرأة المفقود انها امراته حتى ياتها البيان وعمر رضى الله عنه رجوع عن هذا (و حكم بموته) اي بموت المفقود (بعد تسعين سنة) لان الغالب لا يعيش اكثر من ذلك وبه قال احمد والشافعي في قول وابو يوسف قدره بمائة سنة وروى الحسن عن ابي حنيفة انه قدره بمائة وعشرين سنة وفي ظاهر الرواية مقدر بموت الاقران في بلدته والمختار انه يفوض الى رأي الامام لانه يختلف باختلاف البلاد والطبائع (وفيه ايضا) وقال المتأخرون من مشائخنا انها ستون سنة رفقا بالناس ودفعوا للخرج عنهم۔

در مختار شرح تنویر الابصار میں ہے (ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد مضى اربع سنين) خلافا لما لك۔

ان شروح کی عبارات میں حضرت امام مالک کے قول کا دلائل عقلی و نقلی سیر و فرما کر ظاہر الروایت کے قول پر فتوے دیا۔ لہذا اب مخالفین کا متون و شروح مشہورہ کے مقابل فتاویٰ سے فتاویٰ بڑا زیادہ اور

فتیہ سے اور شروح غیر مشہورہ جامع الرموز قہستانی اور شرح ملا مسکین سے چار برس کے قول امام مالک پر فتوے دینا غیر معتمد و غیر معتبر اور ناقابل عمل ہے۔ علاوہ بریں ان کتابوں کی حیثیت یہ ہے۔
رد المحتار میں ہے:

شرح الكنز لملا مسکین و شرح النقایہ للقهستانی اول نقل الاقوال الضعیفة فیہا کالقنبۃ للزہدی فلا یجوز الافتاء من ہذہ الا اذا علم المقول عنہ و اخذہ منہ۔

(رد المحتار ص ۵۰ ج ۱)

بالجملہ چار برس کے قول کو مفتی بہ کہتا مخالفین کی ناواقفی ہے اور خفیوں کیلئے خلاف مذہب خفی مذہب غیر پر فتوے دیتا ہے اور اپنے مذہب سے بلاوجہ انحراف کرنا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان چار وجوہ کی بنا پر حضرت امام مالک کا قول ہمارے نزدیک قابل عمل نہیں۔

اب یہاں یہ بحث اور باقی رہی کہ زن مفقود کے متعلق فقہائے احناف کے اقوال خود مختلف ہیں تو اب کس کو قابل عمل اور مفتی بہ قرار دیا جائے۔ اس کی مختصر تحقیق یہ ہے۔ وجہ سوم میں یہ بحث گزر چکی کہ خفیوں کے نزدیک اکثر فتویٰ ظاہر الروایات پر ہوتا ہے اور زن مفقود کیلئے ظاہر الروایت میں یہ ہے کہ مفقود کے شہر کے ہم عصر لوگوں میں سے جب کوئی باقی نہ رہے تو قاضی اس مفقود کی موت کا حکم کرے۔ تو فقہاء نے موت اقران کی برسوں کی مقدار میں تعین کی۔ لہذا اس کے ایک سو بیس۔ ایک سو۔ نوے۔ ستر۔ ساٹھ۔ مقرر کئے۔ بعض فقہاء نے انتہائی عمر طبعی کا لحاظ کیا تو انہوں نے ایک سو بیس فرمایا۔ اور بعض نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے دیکھا کہ لوگوں کی عمر سو سے تجاوز نہیں ہوتی تو انہوں نے سو کو منہجائے عمر قرار دیا۔ بعض نے تجربہ کیا کہ ہمارے زمانہ میں شاذ و نادر ہی کسی کی عمر نوے سے زائد ہوتی ہے اور احکام شرعیہ کا مدار اغلب پر ہے تو انہوں نے نوے کی عمر متعین کی۔ بعض نے غور کیا کہ اکثر لوگ ساٹھ اور ستر کے درمیان نہ مرتے ہیں اور نیز اس امت کی عمر حدیث شریف میں یہی وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف وابن ماجہ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعمار امتی ما بین ستین الی السبعین و اقلہم من یجوز ذلک۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۰)

یعنی میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں اور ان کے کم تر لوگ اس سے تجاوز کریں گے۔ اب بعض نے سہولت اور دفع حرج کا لحاظ کرتے ہوئے کمی کی حد یعنی ساٹھ کی عمر کو مقرر کیا اور بعض نے احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے ستر کی عمر متعین کی۔

بالجملہ یہ فقہاء کے تخمینے ظاہر الروایت کے قول کے مخالف نہیں ہیں بلکہ اسی قول ظاہر الروایت کی تفسیریں ہیں۔ اور موت اقران کی تحدید ہے۔ اب ان تخمینوں میں جو اختلاف ہے وہ محض اپنے اپنے نظر پر اور رائے کا اختلاف ہے مقصد اصلی سب کا وہی قول ظاہر الروایت ہے۔ اب ان تخمینوں میں زیادہ بہتر ستر برس کا قول ہے اسی کو صاحب فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن ہمام نے اختیار کیا۔

رد المحتار میں ہے: واختار ابن الہمام سبعین لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین فکانت المنتہی غالباً۔ (رد المحتار ص ۳۳۱ ج ۳)
لہذا اب قابل عمل اور لائق اختیار یہی ستر کا قول ہے۔ اور یہ ستر کا قول اکثر لوگوں کی عمروں کی منتہی ہے اور ظن غائب یہ ہے کہ اقران اس وقت تک اکثر زندہ نہیں رہتے۔

ثانیاً: ستر کا منہجائے عمر ہونا خود حدیث شریف سے ثابت تو یہ حدیث اسی قول کی مرجح ہوگئی۔
ثالثاً: اس ستر کے قول کو امام محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے مختار قرار دیا جو اہل ترجیح سے ہیں اور بعض نے انہیں اہل اجتہاد سے شمار کیا۔

رابعاً: اور فقہانے بھی اس ستر کے قول کو مفتی بہ قول کہا۔ چنانچہ جواہر اخلاطی میں ہے:

یحکم بموتہ بعد سبعین سنۃ و علیہ الفتویٰ۔

یعنی ستر سال کے بعد مفقود کی موت کا حکم دیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

لہذا ان اقوال میں ستر برس کی عمر کا قول سہل ترین اور رائج تر قرار پایا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک کسی مفتی خفی کو زن مفقود کیلئے قول حضرت امام مالک پر یعنی چار برس کے بعد نکاح ثانی کرنے کا فتوے ہرگز نہیں دینا چاہیے بلکہ زن مفقود پر لازم ہے کہ صبر اور انتظار کرے یہاں تک کہ اس کی شوہر کی ولادت کو ستر برس گزر جائیں اس کے بعد قاضی اس کی موت کا حکم کرے اور اس وقت سے زن مفقود چار مہینہ دس دن کی عدت گزار کر اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل



باب العدة

(۷۴۷، ۷۴۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام و مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلوں میں

(۱) زید جو اپنے مسلمان اور پابند شرع ہونے کا وعیدار ہے اس نے اپنے ایک مرض سے تنگ آکر ایک برہمن سے اوجھائی کرائی اور خود بھی ہندؤں کے تہوار ہوئی کی رات میں برہمن ہو کر ٹوٹکے کے طور پر آگ کے جلتے میں کچھ چیزیں ڈالیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے اور احکام اسلام کی رو سے زید کس گناہ کا مرتکب ہوا؟۔

(۲) ہندہ جو لاعلمی کے باعث وہابی کے نکاح میں پہنچ گئی اور کچھ دنوں کے بعد اس کے شوہر کا وہابی ہونا ثابت ہوا تو پڑھے لکھے لوگوں نے ہندہ کو اسکے شوہر کے گھر جانے سے روکا اور کہا کہ جب ہندہ کا شوہر وہابی تھا تو ہندہ کا نکاح ہی نہیں ہونا چنانچہ اس مسئلہ شرعی کے پیش نظر طلاق کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن دفع شرع و مصلحت کی وجہ سے ہندہ کے شوہر سے باقاعدہ طلاق ہی حاصل کر لی لیکن نکاح ثانی کے لئے عدت اس لئے نہیں گزرنے دی کہ اول تو ہندہ کا شوہر وہابی تھا دوسرے ہندہ سے اس کے شوہر نے قربت بھی نہیں کی تھی مگر گاؤں کے کچھ شریف قسم کے لوگوں نے شوہر کو یہاں کہہ دیکھو بغیر عدت کے دن گزرے ہوئے دوسرا نکاح کرادیا اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیا جس نے مسئلہ شرعی پر مکمل طور پر عمل کیا براہ کرم دونوں مسئلوں کے جواب قرآن و سنت کے مطابق اور تسلی بخش مرحمت فرما کر ممنون کریں۔

المستفتی چودھری امام علی سکندر پور ضلع بستی ۲۸ مای ۱۹۵۷ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئلہ میں زید پر ان ناپاک حرکات کی بنا پر توبہ اور تجدید ایمان ضروری ہے پھر اگر وہ بلا علان توبہ کر کے تجدید ایمان کر لے تو اس کے ساتھ سارے اسلامی معاملات کرنے درست ہیں۔ اور اگر وہ معاذ اللہ توبہ ہی نہ کرے تو پھر اس کے ساتھ میل جول سلام و کلام اور تمام اسلامی تعلقات ترک

کر دینے چاہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) جب ہندہ کو شوہر سے قربت اور خلوت صحیحہ تک بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ اس کو طلاق دیدی گئی تو پھر بعد طلاق کے عدت واجب نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا انْكِحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَةٍ تَعْتَدُونَهَا۔ (سورہ احزاب ۵۷)

یعنی اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بے ہاتھ لگائے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کچھ عدت نہیں جسے گنو۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ جب عورت کو قبل قربت کے طلاق دیدی جائے تو اس پر عدت واجب نہیں۔ لہذا اس ہندہ کا بغیر عدت گزارے جو نکاح ثانی کر دیا گیا وہ بالکل صحیح اور مطابق حکم قرآنی ہے، تو جس نے اس کے خلاف شور مچایا اور اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی وہ اس حکم قرآنی سے ناواقف ہے اس کے بعد اس کو چاہئے کہ وہ اپنی حرکات سے باز آئے اور اس کے خلاف کوئی کلمہ نہ کہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۴۸)

مسئلہ

بمختور مفتی صاحب دارالافتاء مدرسہ عالیہ اجمل العلوم سنجل و امت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم

مندرجہ سوالوں کا جواب مرحمت فرما کر شکر یہ کا موقع دیکر عند اللہ ماجور و ممنون ہوں ہندہ کا نکاح ثانی عمرو سے ایسی حالت میں ہوا کہ نکاح اول کی طلاق کے ایام عدت نہ گزرے تھے لیکن ہندہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ شوہر اول نے میرے ساتھ نہ خلوة صحیح کی اور نہ وہ میرے ساتھ اپنی خواہشات پوری کیا۔ ایسی حالت میں یہ جو نکاح مذکور ہندہ کے ساتھ واقع ہوا ہے یہ نکاح ظاہر شرع میں صحیح ہے کہ نہیں۔

ایسی چیزوں میں عورت کا دعویٰ قابل سماعت ہے کہ نہیں اگرچہ خلاف واقع اور حقیقت ہو۔

سائل محمد قاسم صدر کمیٹی مجلس عالمہ مدرسہ رضویہ اہل سنت و جماعت کیستھون ضلع کوئٹہ راجستھان

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر شوہر اول کی ہندہ کے ساتھ خلوة صحیحہ اور جماع کے ہونے پر کوئی شہادت شرعی موجود ہو۔ پھر عدت کے ایام نہ گزرے نے پر بھی شہادت شرعی قائم ہو جب تو ہندہ کا معتدہ ہونا ثابت ہو جائیگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی معتدہ کا نکاح غیر سے جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ولا يجوز نكاح منكوبة الغير و معتدة الغير عند الكل۔

(قاضی خاں مصطفائی ۱/۱۳۹)

اس صورت میں تو ہندہ کا عمر سے ایام عدت گزرنے سے پہلے جو نکاح ثانی ہوا وہ باطل و حرام ہے۔ لہذا یہ ہندہ اس عمر سے فوراً جدا ہو جائے۔ اور اگر ان امور مذکورہ پر کوئی شرعی شہادت موجود نہیں ہے تو ہندہ کا یہ قول (کہ شوہر اول نے میرے ساتھ نہ خلوت صحیحہ کی اور نہ میرے ساتھ اس نے اپنی خواہشات پوری کی) شرعاً معتبر صحیح ہے کہ ہندہ شوہر اول سے خلوت صحیحہ و جماع کی منکر ہے اور قواعد کے اعتبار سے قول منکر ہی معتبر ہوتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: وجهه ماش على القواعد لان القول للمنكر۔

(ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۳۵۴)

بلکہ قاضی خاں میں اس کی تصریح موجود ہے:

قالت تزوجت ولم يدخل بي كان القول قولها۔ (قاضی خاں جلد ۳ صفحہ ۷۹)

اس صورت میں ہندہ کا عمر سے جو نکاح ثانی ہوا وہ جائز صحیح ہے کہ اس صورت میں ہندہ پر عدت ہی واجب نہیں تھی تو پھر اس نکاح ثانی کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۷ھ

(۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱)

مسئلہ

حضرت سیدی و مرشدی وغوثی و مقبول بارگاہ سبحانی مخزن اسرار معقول و منقول کاشف استار فروغ و اصول فاضل بے بدل مصدر احسان مفتی اعظم مولانا مولوی قاری شاہ محمد اجمل صاحب دامت برکاتہم

العالیہ

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ

(۱) ہندہ نے سکھا سے نکاح کیا اور تھوڑی مدت اس کے پاس بھی رہی جس سے مباشرت اچھی طرح سے ہوئی، بعد تھوڑی سی مدت کے آپس میں کچھ کشیدگی ہو گئی، اس کشیدگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندہ نے جھکن سے نکاح کر لیا سکھا نے اس کو طلاق بھی نہیں دی تھی اور نہ کبھی صراحہ و کنایہ سکھا کی زبان سے ایسا کلمہ نکلا جو کہ طلاق پر مبنی ہو، اب جبکہ ہندہ کے ۶۔ بچے پیدا ہو گئے اس کے پاس رہتے ہوئے بھی تقریباً اٹھارہ برس گزر گئے تو سکھا نے ہندہ کو طلاق دی۔ لہذا دریافت طلب یہ امور ہیں کہ

نمبر (۱) ہندہ طلاق کی عدت پوری کرے گی یا نہیں؟

نمبر (۲) عدت پوری کرے گی تو عدت کی تعریف کیا ہوئی؟

نمبر (۳) اور اگر اتنے طویل زمانہ اور دوسرے شخص سے اولاد ہوئی بنی پر عدت پوری نہیں کرتی ہے تو "ثلثہ قروء" کا کیا مطلب ہوا؟ بینوا تو جروا۔

المستفتی محمد اشفاق حسین غفرلہ الرزاق

مدرس مدرسہ خازن العلوم قصبہ ڈھیلال یکم جون ۱۵۷۷ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں تا وقت طلاق سکھا ہی کے نکاح میں بدستور باقی رہی باوجودیکہ وہ ہندہ شوہر سے اٹھارہ برس جدا رہی اور ہندہ برابر زنا اور فسق میں مبتلا رہی لیکن سکھا کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔ جب خود سکھا نے اتنے عرصہ کے بعد طلاق دی تو یہ اب مطلقہ ہوئی اور اس پر عدت طلاق واجب ہوئی۔

قرآن کریم میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء۔

اب اس عرصہ میں اس ہندہ نے جو دوسرا نام کا جھوٹا نکاح کیا وہ نکاح ہی نہیں بلکہ یہ ہندہ اتنے زمانہ تک زنا میں مبتلا رہی اور اس اٹھارہ برس میں جتنی اولادیں اس نام کے دوسرے شوہر کی صحبت سے پیدا ہوئیں وہ سب اولاد حرام ہوئیں۔

ردالمحتار میں ہے: لو تزوج با امرأة الغير عالما بذلك ودخل بها لاتجب العدة عليها

حتى لا يحرم على الزوج وطوها وبه يفتن لانه زنا والمرنى بها لا تحرم على زوجها۔

(۲۳۰۱ ج ۲)

بالجملہ اب اس ہندہ پر سکھا کے طلاق دینے کے بعد سے عدت واجب ہے۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: العدة هي التبرص الذي يلزم المرأة بزوال النكاح وشبهته۔

ہدایہ میں ہے: وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق ومشاخنا رحمهم الله

بفتون في الطلاق ان ابتدائها من وقت الاقرار۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہجل

(۷۵۵، ۷۵۴، ۷۵۳، ۷۵۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

(۱) ایک لڑکی نابالغ کی شادی نابالغ لڑکے کے ساتھ ہوئی، شوہر نابالغ گنگا کے فساد میں مارا گیا۔

شوہر متوفی کو کچھ روپیہ سرکار سے ملا ہے اور لڑکی مذکورہ کے پاس کچھ زیور شوہر متوفی کا اور کچھ لڑکی کے والد

ین کا موجود ہے، کچھ قرضہ شوہر متوفی کے والد پر تھا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ

(۱) اس لڑکی کی عدت ہوگی یا نہیں؟۔

(۲) اور مہر کتنا واجب ہوگا؟۔

(۳) اور عدت کے زمانہ کا نان نفقہ خاوند کے مال میں ہوگا یا نہیں؟۔

(۴) سرکاری روپیہ کی وصولیابی میں کچھ خرچہ لڑکی کے والد کا ہوا ہے اس کو مجرا کیا جائے یا

نہیں؟۔

(۵) متوفی کے والد کا قرضہ اس کے لڑکے متوفی کے مال سے ادا کیا جائے گا یا نہیں؟۔

(۶) متوفی کی ایک پھوپھی اور ایک بیوی ہے، یہ روپیہ جو سرکار سے متوفی کو ملا ہے اور جو زیور

متوفی کی بیوی کے پاس ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟۔

متوفی کا والد بھی گنگا ہی پر مارا گیا ہے۔ بیوا تو جروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) یہ نابالغ لڑکی یقیناً موت کی عدت یعنی چار ماہ دس دن گزارے گی۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:

وإذا مات الرجل عن امرأته الحرة فعدتها أربعة اشهر وعشرة وهذه العدة لا تحب

الافى نكاح صحيح سواء دخل بها او لم يدخل وسواء كانت مسلمة او كتابية او

صغيرة اذا كان زوجها مسلما او صغيرا والله تعالى اعلم۔

(۲) صورت مسئلہ میں اس نابالغ کا جس قدر مہر تھا وہ پورا پورا واجب ہو گیا اس میں کوئی کمی نہیں

ہو سکتی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: والمهر يتأكد باحد معان ثلثة۔ الدخول والخلو والصحيحة

وموت احد الزوجين والله تعالى اعلم بالصواب۔

(۳) اس لڑکی کے زمانہ عدت کا نان نفقہ شوہر کے مال میں سے نہ لیا جائیگا۔

در مختار میں ہے: لا تحب النفقة بانواعها لمعدة۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) سرکار سے ملنے والی وصولیابی میں لڑکی کے والد نے جس قدر روپیہ اس نیت سے خرچ کیا کہ

بعد وصولی اس کو لے لیا جائے گا تو وہ اس کو مجرا کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۵) اس سرکاری روپیہ میں سب ورثہ شریک ہونگے اور ہر وارث بمقدار اپنے حصہ شرعی کے

اس سے لیگا۔ والد متوفی کی موت کا حال معلوم نہیں۔ اگر اس کی موت بیٹے کی موت کے بعد ہوئی ہے تو

والد متوفی کا حصہ اس کے قرضہ کی ادائیگی میں دیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۶) متوفی کا جس قدر متروکہ مال ہے، اب چاہے سرکاری روپیہ ہو یا زیور ہو یا اسکے علاوہ کچھ

اور مال۔ اس سے پہلے زوجہ کا مہر ادا کیا جائے گا۔ پھر جو اس سے بچا اس کو ورثہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ اب

اگر متوفی کے یہ صرف دو ہی وارث بی بی اور پھوپھی ہیں تو بی بی کو چوتھائی اور باقی تین چوتھائی پھوپھی کو دیا

جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہجل

(۷۵۷، ۷۵۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا جس کو چالیس روز ہوئے۔ اس عورت کی ایک لڑکی ہے جو شوہر کے انتقال سے کچھ دنوں پہلے اس کی حیات میں پیدا ہوئی جس کی عمر ایک ماہ ہے اس صورت میں عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

(۲) اس وقت تک عورت نے عدت کی شرائط کی پابندی نہیں کی اس طرح اگر عورت نے چار ماہ دس دن پورے کئے۔ تو بعد اس عدت کے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئلہ میں اس عورت پر یقیناً عدت وفات چار ماہ دس دن واجب ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهم اربعة اشهر وعشرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب“

(۲) جب اس عورت کے چار ماہ دس دن پورے ہو جائیں گے تو وہ کسی سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اب اگر اس نے احکام عدت کی پابندی نہیں کی تو وہ گنہگار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲)

مسئلہ

بجضور محقق المفتیین سید اصحاب اقسام المناظرین سیدی مدیر مدرسہ اجمل العلوم، بلدہ سنجل۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عرض حضور میں یہ ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل کا جواب مرحمت فرمائیں

(۱) کسی عورت سے خلوت صحیحہ قبل حمل یا کسی مرض سے یا دوا سے یا معاذ اللہ حمل کو فساد کرنے پر

کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

(۲) فریقین (شوہر اور عورت کے درمیان) خلوت میں تنازع واقع ہو جائے یعنی ایک نے

انکار کیا دوسرے نے خلوت کا دعویٰ کیا ایسی حالت میں خلوت کے ثبوت میں کس کی بات مانی جائے؟

(۳) ایک عورت سے بعد طلاق زوج اول دوسرے نے شادی کر لی، لیکن شوہر ثانی کا نکاح عدت پوری ہونے سے قبل ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں زوج ثانی کے نطفہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اسکو ولد الزنا قرار دیا جائے کہ نہیں؟

(۴) اسی صورت میں (سوال تین کی صورت میں) وہی عورت قسم کھاتی ہے کہ مجھے شوہر اول نے بضعہ تک کی ملا بست نہ لی ہے اور نہ مجھے عدت کی ضرورت ہے۔ کیا اس عورت کی بات شرعاً مانی جائے گی کہ نہیں؟ اور اگر بے نمازی عورت ہو تو بھی۔

(۵) مسلمان بچوں کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے کہ انکی بستی میں عدت کے اندر منکوحہ ثانی عورت کو حمل ہوا اور شوہر اول سے عدم خلوت کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور بیچ اس کی کیا تفتیش کریں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) صورت مسئلہ میں خلوت صحیحہ یا تو زوجین کی اقرار سے ثابت ہو جائے گی ورنہ پھر شہادت سے ثابت ہوگی۔ اور شہادت اس امر پر پیش کی جائے گی، کہ ان زوجین کو ایک ایسے مکان میں جمع کر دیا گیا جس میں جماع سے موانع شرعی طبعی وحسی میں سے اس وقت کوئی مانع موجود نہیں تھا۔ عالمگیری میں ہے: والخلوة الصحيحة ان يجتمعاني مكان ليس هناك مانع يمنع من الوطى حسا او شرعا او طبعاً كذا في فتاویٰ قاضی خان۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ حجج الشرع ثلث البينة والاقرار والنكول۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) جب زوجین میں طلاق سے تفریق ہوگئی پھر ان میں یہ اختلاف ہوا کہ مرد کہتا ہے کہ خلوت صحیحہ نہیں اور عورت کہتی ہے کہ ہوگئی، تو عورت ہی کا قول معتبر ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولو افترا فثقلت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول والقول لها لا نكارها لسقوط نصف المهر۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) جواب دوم سے ثابت ہو چکا ہے کہ بعد تفریق زوجین جب عورت خلوت صحیحہ کا انکار کرتی

ہے تو اسی کا قول معتبر ہے۔ تو پھر اس پر بعد طلاق زوج اول کے عدت واجب نہیں اور جب واجب عدت نہیں تو نکاح ثانی صحیح ہوا۔ لہذا یہ بچہ اگر وقت طلاق سے پورے چھ ماہ میں یا زائد میں پیدا ہوا تو

بچہ زوج سے ثابت النسب ہوا۔ اور اگر یہ بچہ وقت طلاق سے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا اور نکاح اول سے بعد چھ ماہ کے ہوا تو یہ بچہ شوہر اول سے ثابت النسب ہوا۔ ولد الزنا ہر دو حال میں قرار نہیں پائے گا،
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۵) بچوں کو اپنی رائے اور عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان جوابوں میں جس طرح مسئلہ شرعی لکھا گیا ہے اسی پر فیصلہ صادر کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۳ھ

مسئلہ (۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں۔

(۱) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کی بیوی ہے اسکی بیوی کا نکاح کب ہو سکتا ہے وفات کی

عدت کیا ہے؟

(۲) اگر اس عورت کا نکاح عدت سے پہلے کسی قاضی نے پڑھا دیا۔ تو یہ نکاح شرعاً جائز ہوا

یا نہیں؟ اور اس قاضی نکاح پڑھانے والے اور جو شخص گواہ اور وکیل ہوئے ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) نکاح کے وقت بعض جگہ کچھ روپیہ لیکر شوہر سے مسجد میں خرچ کیا جاتا ہے تو ایسے نکاح مذکورہ کا

روپیہ مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر کوئی شخص عدت سے پہلے جو نکاح ہوا ہے یہ کہے کہ سب شرع ہی ہے ہم کو اپنے پیسوں

سے کام ہے تو اس شخص کے کہنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟۔ بینوا تو جروا

المستفتی حافظ بہار حسین موضع پھل سنگھ پرگنہ سنہ ۱۲۴۲ گشت ۱۹۵۹ء

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

(۱) وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

(۲) عدت گزرنے سے پہلے معتدہ کا شرعاً نکاح جائز نہیں اگر کسی نے پڑھا دیا تو قاضی وکیل

وگواہ حاضرین سخت گنہگار و مجرم ہیں ان کو توبہ کرنا چاہئے۔

(۳) بوقت نکاح شوہر سے روپیہ لینا ناجائز ہے اور یہ مال خبیث ہے اور مال خبیث مسجد میں

صرف نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر شوہر سے مسجد کے لئے بطور امداد کے کوئی چندہ طلب کیا جائے تو وہ روپیہ مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

(۴) جو نکاح عدت گزرنے سے قبل ہوا ہو اس کو یہ کہنا کہ یہ سب شرع ہی ہے سخت دلیری

و جرأت ہے اس پر توبہ واستغفار واجب ہے اگر وہ توبہ کرنے سے انکار کرے تو مسلمان اس سے قطع تعلق

کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۳ھ



﴿ ۷۱ ﴾ باب البیوع الصحیح

مسئلہ (۷۱۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں
کہ جوڑا جانور میں عموماً دونوں کے عمر و ذات وغیرہ میں کم و بیش کا ضرور فرق ہوتا ہے ایسی
صورت میں جوڑا جانور بلا تفریق قیمت خرید و فروخت کا شرعاً کیا حکم ہے؟
المستفتی، عبدالکمال پوکھریرا مظفر پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جانوروں کے جوڑے کی ایک عقد میں بلا تفریق قیمت کے بھی خرید و فروخت جائز ہے اس
صورت میں اگر لے تو دونوں کو قبول کرے اور اگر واپس کرے تو دونوں کو واپس کر دے۔ لیکن جب ان
میں تفاوت اور فرق موجود ہے تو ہر ایک کی قیمت بوقت خرید و فروخت جلد از جلد متعین کر دینی چاہئے۔

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المصمم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ (۷۱۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ
زید کہتا ہے کہ بلا عمر کی اجازت کے اس کے تالاب کی مچھلیاں جال سے نکالنا اور کھانا کھلانا جائز
ہے۔ اس لئے کہ عمر کی ملکیت مچھلیوں پر نہیں ہے۔ صرف تالاب کا مالک ہے۔ اگر مچھلیوں پر ملکیت ہوتی
تو بیع کرنا بھی مالک کے حق میں جائز ہوتا۔

اور بکر کا یہ کہنا ہے کہ تالاب کی مچھلیوں کا بیع کرنا پیشک عمر کے حق میں اس لئے جائز ہے کہ
شریعت مطہرہ نے مجہول شئی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ بلا اجازت مالک جسکا

کتاب البیوع

جی چاہے تالاب میں تصرف کرے۔ اور جال ڈال کر مچھلیاں نکالے۔ لہذا قول زید کا صحیح نہیں ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید برسر حق ہے یا بکر؟ جواب مدلل بحوالہ کتب واضح واپسی ڈاک عنایت فرمائیں شدید انتظار ہے۔

(نوٹ) تالاب کے اقسام جس قدر بھی ہو سکیں جن سے احکام بدلتے ہیں تمام صورتوں کے جوابات کے تحریر فرمائیں تاکہ اس بارے میں جتنے مسائل ہیں ہم لوگوں کے علم میں آجائیں۔

۲۰ رجب الآخر ۱۴۱۷ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

وہ تالاب جو مچھلیاں حاصل کرنے کے لئے تیار کیا جائے تو تالاب والا ہی اس کا مالک ہے بلا اس کی اجازت کے کسی دوسرے کو اس تالاب کی مچھلیاں پکڑنا جائز نہیں۔

(۲) وہ تالاب جو اس غرض کے لئے تو نہیں تھا مگر تالاب والے نے اس میں مچھلیاں آجانے کے بعد اس کے دریا سے آمد و رفت کا راستہ بند کر دیا۔ تو یہ تالاب والا ہی اسکی مچھلیوں کا مالک ہے۔ اس کی بلا اجازت کے کوئی ان مچھلیوں کو نہیں پکڑ سکتا۔

(۳) وہ تالاب جو مذکور غرض کے لئے تو تیار نہیں ہوا۔ لیکن تالاب والے نے ہی اس میں مچھلیاں چھڑوائی ہیں۔ تو ان مچھلیوں کا بھی یہی تالاب والا مالک ہے۔ بلا اس کی اجازت کے کسی کا ان کو پکڑنا جائز نہیں۔

اب باقی رہا ان صورتوں میں مچھلیوں کے بیچنے کا جواز یا عدم جواز، اسکی تفصیل یہ ہے کہ کسی مملوک چیز کے قابل بیع ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقدور التسلیم ہو۔ تو اگر ان صورتوں میں وہ مچھلیاں بغیر جال، کانٹے اور بلا کسی حیلہ ترکیب کے پکڑی جاسکتی ہیں تو ان کی بیع جائز ہے، کہ مقدور التسلیم ہیں۔ باوجودیکہ ان صورتوں میں وہ مچھلیاں تالاب والے ہی کی مملوک ہیں۔

(۴) وہ تالاب جو نہ مچھلیوں کی غرض کیلئے تیار کیا ہو۔ نہ اس میں مچھلیاں آجانے کے بعد اس کا راستہ بند کیا گیا ہو، نہ اس میں تالاب والے نے خود مچھلیاں چھوڑ دیں ہوں۔ تو ایسے تالاب کی مچھلیوں کا تالاب والا مالک نہیں جو چاہے اس سے مچھلیاں پکڑ سکتا ہے اور پھر پکڑ لینے کے بعد ان کی بیع کر سکتا ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار میں ان تمام صورتوں اور ان کے احکام کو فتح القدیر سے نقل فرمایا ہے:

والحاصل كما في الفتح انه اذا دخل السمك في الحظيرة فما مان بعدها لذلك او لافقى الاول يملكه وليس لاحد اخذه ثم ان امكن اخذه بلا حيلة جاز بيعه لا نه مملوك مقدور التسليم والا لم يحز لعدم القدرة على التسليم وفي الثاني لا يملكه فلا يجوز بيعه لعدم الملك الا ان يسد الحظيرة اذا دخل فحينئذ يملكه ثم ان امكن اخذه بلا حيلة جاز بيعه والا فلا وان لم يعد له لذلك لا كنه اخذه وارسله فيها ملكه فان امكن اخذه بلا حيلة جاز بيعه لانه مقدور التسليم او بحيلة لم يحز لانه وان كان مملوكا فليس مقدور التسليم۔

(رد المحتار مصری ص ۱۱۱ ج ۴)

اب باقی رہے زید و بکر کے اقوال تو زید کا قول چوتھے نمبر کے تالاب کے لئے تو صحیح ہے۔ اور پہلے تینوں تالابوں کے لئے غلط ہے اور اس کی یہ دلیل (کہ اگر مچھلیوں پر ملکیت ہوتی تو بیع کرنا بھی مالک کے حق میں جائز ہوتا) بھی صحیح نہیں۔ اور تفصیل سے ظاہر ہو چکا کہ بیع کے جواز کیسے صرف ملکیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ بیع کا مقدور التسلیم ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پہلی تینوں صورتوں میں تالاب والا مچھلیوں کا مالک تو ہے لیکن جال کانٹے یا حیلہ و ترکیب سے پکڑے جانے کی صورت میں بیع کا عدم جواز مقدور التسلیم نہ ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ عدم ملکیت کی وجہ سے۔ تو زید کا قول و دلیل دونوں مجروح قرار پائے۔ اب رہا بکر کا قول تو اگر وہ پہلی تین صورتوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی بیع مطلقاً ناجائز نہیں ٹھہرتی بلکہ ناجائز صرف اس صورت میں ہے جب ان مچھلیوں کو جال کانٹے یا حیلہ و ترکیب سے پکڑا جائے۔ اور اگر جال کانٹے یا بلا حیلہ و ترکیب سے ان مچھلیوں کو پکڑا جاسکتا ہے تو ان کی بیع جائز و درست ہے۔ بکر کا اس صورت کو بھی ناجائز کہہ دینا غلط اور خلاف تحقیق ہے۔ ہاں آخری چوتھی صورت میں عمر کے حق میں ان کی بیع یقیناً ناجائز ہے لیکن اس کی علت وہ نہیں ہے جو بکر نے بیان کی کہ شئی مجہول کی بیع ناجائز ہے بلکہ اس کی علت ان کا غیر مملوک کہ نہ نایا مملوک غیر مقدور التسلیم ہونا ہے۔ اور جب اس چوتھی صورت میں تالاب والا ان مچھلیوں کا مالک ہی نہیں تو پھر اس سے اجازت لینے کے کیا معنی ہیں بلکہ اس تالاب میں جس کا جی چاہے تصرف کرے اور جال ڈال کر مچھلیاں پکڑے۔ بکر کا اسکے خلاف کہنا غلط ہے۔ بالجملہ زید و بکر کے اقوال بکل الوجوہ صحیح نہیں بلکہ قابل اصلاح ہیں اور ان کی اصلاح ہمارے بیان میں مذکور ہے۔ اب سائل کو چاہئے کہ ان چار صورتوں میں جو صورت واقعہ کے مطابق ہو اس کا حکم اوپر کی تفصیل میں تلاش کر

کے عمل کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدۃ سنجل

(۷۶۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

پیش امام جامع مسجد نے بلا معاوضہ جامع مسجد کی امامت کی۔ فی سبیل اللہ کسی نے خدمت کی وہ لے لیا۔ دوسرا ذریعہ آمدنی کا یہ ضرور کہ امام کی نکاح خوانی کی آمدنی ضرور رہی وہ بھی ایسی رہی کہ دوسروں کو موقع لگ گیا انہوں نے پڑھا دیا یعنی نکاح کی آمدنی مستقل نہیں ہے۔ تیسرے ذریعہ آمدنی کا ہے رمضان شریف میں کلام پاک امام صاحب سناتے ہیں ختم کے روز نمازیان مسجد خدمت کرتے ہیں وہ لے لیتے ہیں۔ اس خدمت کو عرصہ پینتیس سال ہو گیا امام صاحب نے لڑکے کو گرل سازی کا کام سیکھنے کو بٹھا دیا۔ جب لڑکا گرل سازی کے کام میں ہوشیار ہو گیا۔ امام صاحب کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا جو دوکان کر دیتے پر انھوں نے اپنا مکان بھی سو روپیہ میں وکلی رہن رکھ دیا اور علیگڑھ میں گرل سازی کی دوکان کرادی۔ چند روز کے بعد علی گڑھ میں ہولی کے ایام میں بلوہ ہو گیا اس میں امام صاحب کے لڑکے کی دوکان کا سامان سب لوٹ کر ہوائی لے گئے اور دوکان میں جتنا فرنیچر تھا آگ دیدی۔ اور بھی روپیہ اپنے داماد سے لیکر دوکان میں لگا دیا تھا غرض یہ ہے کہ پوری بربادی امام صاحب کی ہوئی۔ اب آکر یہ ہوتا ہے کہ امام صاحب نے جو اپنا مکان وکلی کر دیا تھا جنھوں نے مکان رکھا تھا ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا اور وہ خود بھی آنکھوں سے اندھے ہو گئے۔ وہ بہت مجبور ہیں اب روپیہ کا سخت تقاضہ ہے ایک مکان ہے جسکی آمدنی جامع مسجد کے نام ہے۔ مکان کی آمدنی چھ سو روپیہ جمع ہوگئی ہے وہ آمدنی امام صاحب کو قرضہ میں دی جاسکتی ہے؟ اور امام صاحب یہ بھی کہتے ہیں میں رفتہ رفتہ اس قرض کو ادا کروں گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ امام صاحب اپنا مکان جامع مسجد کے نام چھ سو روپیہ میں بیع کر دیں جب امام صاحب روپیہ ادا کر دیں اپنا مکان قبضہ میں لے لیں۔ امام صاحب یہ کہتے ہیں: میں بیع نہیں کروں گا۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ بیع نامہ کے اندر کوئی شرط نہیں برائے کرم جواب سے مطلع کیجئے۔ پہلی ایک قطعہ آمدنی کا زیاست جیب سے تھا۔ پیش امام صاحب کے ۸ روپے اور ۲ روپے موزن۔ جب سے زمیندارہ ختم ہوا وہ آمدنی بھی بند ہوگئی۔

مرسلہ خادم عرصی رضا خاں مسلم گنج ضلع ایبہ ۳۰ نومبر

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ان امام صاحب کو جامع مسجد کے قرض کی ادائیگی کی یا تو یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ امام صاحب اگر قبول کر لیں تو انکی امامت کی تنخواہ مقرر کر دی جائے جو شرعاً جائز ہے۔ اور اس میں جامع مسجد کے روپیہ سے انکا قرض ادا کر دیا جائے اور انکی ماہوار تنخواہ اس میں وضع کرتے رہیں۔ اور اگر وہ قبول نہ کریں تو ان کا مکان بجائے رہن کے بیجا لونہ متولی مسجد کے نام کر دی جائے اور اس کی قیمت سے انکا قرض ادا کر دیا جائے۔ بیع بالونہ کی صورت یہ ہے کہ یہ امام صاحب اس قدر روپیہ ادا کر دیں تو انکا وہ مکان واپس کر دیا جائے اس میں کسی مدت کی قید نہیں ہوتی ہے اور اس مکان کے منافع حاصل کرنا بھی جائز ہیں اور مکان کی واپس رقم کے ادا کر دینے پر موقوف ہے:

كما حققه الشامي في رد المحتار۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۹ ربیع الاخری ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدۃ سنجل



﴿۷۲﴾

باب البیوع الفاسد

(۷۷۰)

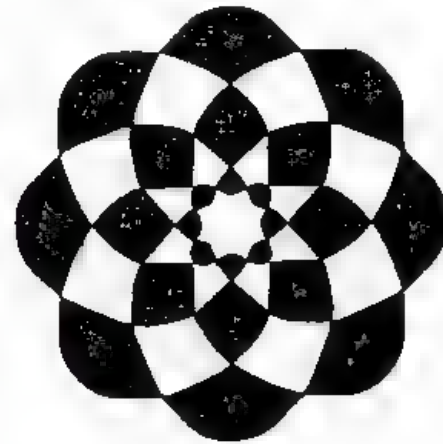
مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
آج کل اس قدر عام ہے کہ لوگ آم وغیرہ کے باغ قبل فصل تیار ہونے کے خرید لیتے ہیں اور
پھل درخت پر بڑھتا رہتا ہے کیا یہ از روئے شرع جائز ہے؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

آج کل آم و پھلوں کی قبل تیاری کے جو بیع کی جاتی ہے اور پھل کے لئے اس کے پکنے تک
ورخت پر باقی رہنے کی جو شرط کی جاتی ہے تو از روئے شرع ایسی بیع فاسد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
کتبہ: المصنم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل



﴿۷۳﴾

باب السلم

(۷۷۱)

مسئلہ

مرسلہ محمد امین ابن ابراہیم ڈاکخانہ بھیموی ضلع تھانہ صوبہ بمبئی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ہندو کسانوں کو دھان بونے کے قبل ایک روپیہ فی من دھان کے حساب سے روپیہ دیتا ہے
اور فصل پر یعنی دھان تیار ہونے پر ان سے دھان ایک روپیہ فی من کے حساب سے وصول کرتا ہے اس
شرط کہ ساتھ کسانوں کو روپیہ دینا جائز ہے یا ناجائز؟۔ عمر کہتا ہے کہ یہ سود ہے اس لئے آپ کو تکلیف
دی جاتی ہے کہ آپ اس مسئلہ کو فیصلہ کے ساتھ کریں گے ایسی مع فصل تیار ہونے پر بازار میں دو روپیہ فی
من کے حساب سے بکتا ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اس کے پندرہ شرائط ہیں۔

(۱) اس المال یعنی جو شے ہے اس کی جنس کا بیان کہ روپیہ ہے یا اشرفی یا نوٹ۔

(۲) اس کی نوع کا بیان اگر وہاں مختلف قسم کے سکے رائج ہوں۔

(۳) اس کے وصف کا بیان کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔

(۴) اس المال کی مقدار کا بیان کہ کس قدر ہے۔

(۵) اس المال کا نقد ہونا۔

(۶) اس مجلس عقد میں اس المال پر مسلم الیہ یعنی جو بائع جو روپیہ لیگا۔ کا قابض ہو جانا۔

(۷) مسلم فیہ یعنی بیع کی جنس کا بیان کہ گیہوں ہیں یا جو یا دھان۔

(۸) اس کی نوع کا بیان مثلاً یہ گیہوں یا دھان فلاں قسم کے ہیں۔

(۹) اس کی صفت کا بیان کہ اعلیٰ درجہ کے ہیں یا اوسط درجہ کے یا ادنیٰ درجہ کے۔

(۱۰) اس کی مقدار کا بیان کہ یہ وزن میں اس قدر ہوں گے۔

(۱۱) اس بیع کے ادا کرنے کی کوئی معلوم میعاد مقرر کرنا۔

(۱۲) وہ مسلم فیہ عقد سلم کے وقت سے ختم میعاد تک بازار میں برابر دستیاب ہوتا رہے کسی وقت

میں ناپید نہ ہو۔

(۱۳) مسلم فیہ ایسی شے ہو کہ معین کر لینے پر معین ہو جائے روپیہ اشرفی میں اسی لئے سلم جائز نہیں کہ یہ معین کرنے سے معین نہیں ہوتے تو روپیہ اشرفی مسلم فیہ نہیں ہو سکتے ہیں۔

(۱۴) اگر سلم فیہ ایسی چیز ہو جس کی مزدوری و بار برداری دینی پڑے تو وہ جگہ معین کر دی جائے جہاں ان کو ادا کرے۔

(۱۵) رب المسلم یعنی روپیہ دینے والے اور مسلم الیہ یعنی روپیہ لینے والے اگر قطعی طور پر سلم نہ کریں بلکہ یہ شرط کر دیں کہ اگر منظور نہ ہو تو سلم باقی نہ رہے گی یہ خیار شرط ہے لہذا عقد سلم میں کو ایسی خیار شرط کا حق حاصل نہیں ہے یعنی یہ عقد خیار شرط کو قبول ہی نہیں کرتی۔

الحاصل اگر بیع سلم میں یہ پندرہ شرائط پائے جائیں تو پھر وہ بلاشبہ جائز ہے۔ اس کو سود کہنا غلطی ہے۔ لہذا ان شرائط میں سے اگر کوئی شرط رہ گئی تو ضرور سود و حرام ہے۔ بازار کے نرخ کے حساب سے انہیں کچھ تعلق نہیں۔ اگر بازار میں دھان فی روپیہ من بکتا ہے اور انہوں نے اسی بیع سلم کے طریقہ پر فی روپیہ دس من طے کیا تو انہیں فی روپیہ دس من لینا جائز ہے۔ یہ سود ہرگز نہیں۔ ہاں اس ایک بات کا لحاظ ضروری ہے کہ یہ سارے معاملہ برضا مندی فریقین ہو اور اگر جبر الینا ہو تو حرام ہے کہ جبر یہ لینا عقد سلم نہیں یہ ساری تفصیل یعنی بحر الرائق در مختار شامی جو ہرہ نیرہ وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۲ھ

(۷۷۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بعض غریب کا شکار اپنی کپاس دس روپیہ من بیچتے ہیں حالانکہ ابھی کھیتوں میں کپاس کے پودے چھوٹے چھوٹے ہیں فصل پر کپاس ۲۵ روپیہ من بکتی ہے تو کیا یہ جائز ہوگا کہ سودا کی بغیر حضوری بیچا

جائے ایسی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں۔ فصل آنے میں تین ماہ باقی ہیں بعض لوگ ایسی بیع کو سود کی طرح کہتے ہیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

بیع کی ایک قسم بیع مطلق ہے جس میں بیع کا مجلس عقد میں حاضر و موجود ہونا ضروری ہے لیکن ایک بیع کی وہ قسم بھی ہے جس میں ثمن کا تو مجلس عقد میں نہ فقط موجود ہونا بلکہ اس پر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اس میں بیع مجلس عقد میں موجود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر بیع کو خود لایا جائے تو یہ بیع ہی ناجائز ہو جائے۔ بلکہ بیع کی ادائیگی کے لئے ایک میعاد مقرر کی جاتی ہے چاہے اس کو ۳ ماہ ہی کا مقرر کر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس بیع کا نام بیع سلم ہے۔ اس میں بیع کے جائز و صحیح ہونے کے لئے (۱۶) شرطیں ہیں جو فتاویٰ عالمگیری میں ۱۰ بار شریعت میں مفصل طور پر درج ہیں۔ اگر یہ تمام شرطیں متحقق ہو جائیں تو اس کی بیع یعنی خرید و فروخت بلاشبہ جائز ہے۔ کپاس میں بیع سلم کر سکتے ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لا باس بالسلم فی القطن والکثان والابریسم والنحاس والقیصر والحديد والرصاص والصفر والشبه وهذه الاشياء من ذوات الامثال۔

لہذا کپاس کی بیع سلم میں (۱۶) شرطیں پائی جائیں تو بلاشبہ کپاس کو بیع سلم کے طریقہ پر خرید و فروخت کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی شرعی محذور لازم نہیں آتا جو اس کی بیع کو سود کہے وہ مسائل شرع سے ناواقف ہے کہ جائز بیع کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اس بیع میں جو عاقدین نے بھاؤ مقرر کر لیا بس وہ متعین ہو گیا اب وہ فصل میں چاہے جائز کسی بھاؤ کو فروخت ہو۔ مثلاً یہی کپاس خریدار اور بیچنے والے کے درمیان دس روپے من میں طے ہو چکی تو اگر فصل میں وہ کپاس ۲۵ روپے من پر فروخت ہو تو ان عاقدین کے حق میں وہ ۱۰ روپے من ہی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۲ھ

﴿۷۵﴾

باب الاجارہ

(۷۷۳)

مسئلہ

فتاویٰ عالمگیری مطبع کلکتہ کے کتاب الاجارہ میں ہے ”واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن علی القبر مدة معلومة قال بعضهم يجوز هو المختار۔
اس عبارت کا حاصل مطلب کیا ہے بیوا تو جزوا۔
احقر الوری سید الخیر نعیمی اسلام آبادی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب
سائل کی پیش کردہ عبارت فتاویٰ عالمگیری کی پوری عبارت مطبوعہ مجیدی کانپور میں یہ ہے:
واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن علی القبر مدة معلومة قال بعضهم لا يجوز وقال بعضهم يجوز وهو المختار (کذا فی السراج الوہاج ص ۵۴۶ ج ۳)
اقول اولاً: ظاہر ہے کہ اس عبارت میں هو المختار کو يجوز کی تاکید مانا جائیگا کہ اتصال بھی اسی کا مقتضی ہے تو اس صورت میں پھر دعویٰ اختلاف کس طرح صحیح قرار پائے گا۔
علامہ غلوٹی نے حاشیہ منہجی میں شیخ الاسلام تقی الدین کا قول نقل کیا:

ولا یصح الاستیجار علی القرأة واهدائها الی المیت لا نه لم ینقل عن احد من الائمة الاذن فی ذلك وقد قال العلماء ان القاری اذا قرء لا جل المال فلا ثواب له فای شیء یهدیه الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستیجار علی مجرد التلاوة لم یقل به احد من الائمة وانما تنازعوا فی الاستیجار علی التعليم۔ (رد المحتار ص ۵۳۷ ج ۵)
لہذا جب مجرد تلاوت پر استیجار کا کوئی قائل ہی نہیں اور اس پر ائمہ کا اختلاف و تنازع ہی ثابت نہیں تو عالمگیری کا ”اختلفوا“ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

ثانیاً: حکم جواز کا ثبوت اذن ائمہ پر موقوف ہے اور اسی عبارت شیخ الاسلام میں گزرا کہ قرات پر اجرت لینا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا صحیح نہیں کہ ائمہ میں سے کسی کی اجازت منقول نہیں، تو پھر حکم جواز کس طرح ثابت ہوگا۔

ثالثاً: اصل مذہب تو عدم جواز استیجار ہے اور جواز بر بنائے ضرورت ہے اور قرأة علی القبر کیلئے کوئی ضرورت شرع داعی نہیں۔ چنانچہ علامہ خیر الدین رملی حاشیہ بحر میں تنازع خانیہ سے ناقل ہیں:
وقد ذکر نامسئلة تعليم القرآن علی استحسان یعنی للضرورة ولا ضرورة فی الاستیجار علی القرآن علی القبر۔ (رد المحتار ص ۳۶ ج ۵)
علامہ شامی ”رحمتی“ سے ناقل ہیں:

ما اجازوه انما اجازوه فی محل الضرورة کاستیجار تعليم القرآن والفقه والادان والامامة خشية التعطيل لقلة رغبة الناس فی الخیر ولا ضرورة فی استیجار شخص یقرء علی القبر وغیرہ۔ (رد المحتار ص ۴۵۷ ج ۵)
لہذا قرأة علی القبر کے لئے جب ضرورت ہی متحقق نہیں ہوئی تو جواز استیجار کا قول کس بنا پر صحیح ہو گا۔

رابعاً: علامہ ابن عابدین نے مجوزین استیجار علی القبر کا رد فرمایا۔ رد المحتار میں ہے:
لقد اخطا فی هذه المسئلة جماعة ظنا منهم ان المفتی به عند المتأخرین جواز الاستیجار علی جميع الطاعات مع ان الذی افقی به المتأخرون انما هو التعليم والاذان والامامة وصرح المصنف فی المنح فی کتاب الاجارات وصاحب الهدایة وعمامة الشراح واصحاب الفتاوی بتعلیل ذلك بالضرورة وخشية الضیاع کما مر ولو جاز علی کل طاعة لحاز علی الصوم والصلوة والحج مع انه باطل بالاجماع وقد اوضحت ذلك فی رسالة حافلة۔ (رد المحتار ص ۴۵۷ ج ۵)

لہذا علامہ شامی نے جواز استیجار تلاوت علی القبر کے قول کو مذہب متأخرین کے خلاف قرار دیکر جماعت مجوزین کو خاطی ٹھہرایا۔
خامساً: فتاویٰ عالمگیری نے اس قول کو سراج الوہاج سے نقل کیا اور یہ حضرت علامہ ابوبکر عداویہ کی کتاب ہے اور مختصر قدوری کی شرح ہے۔

رد المحتار میں ہے: السراج هو شرح مختصر القدوری للحدادی صاحب الجوهرة۔
(ص ۶۱ ج ۱)

اور کشف الظنون میں ہے: السراج الوہاج عدہ المولیٰ المعروف ببر کلی من جملة الكتب المتداولة الضعيفة غير المعتمدة قال چلبی ثم اختصر هذا الشرح وسماه الجوهرة النيرة۔

لہذا جب یہ کتب ضعیفہ غیر معتبرہ سے ہے تو صرف اسی کے قول کو کس طرح معتبر قرار دیا جائے۔
سادسا: سراج الوہاج کا خلاصہ جو ہرہ نیرہ ہے اور یہ ہر دو ایک ہی مصنف علامہ ابو بکر حدادی یمنی کی ہیں اور علامہ شامی نے اسی عبارت منقولہ فی السؤال کو جو ہرہ نیرہ سے نقل کر کے اس طرح رد کیا:

والصواب ان يقال على تعليم القرآن فان الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فانه لا ضرورة فيها فان كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام وان كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلا تقبل۔ (ص ۳۶ ج ۵)

لہذا یہ قذری عالمگیری کی عبارت جو سراج الوہاج اور جو ہرہ نیرہ سے منقول ہے یا تو سبقت قلم سے غلط لکھی گئی ورنہ غیر مقبول ہے اور مخالف اقوال فقہاء کرام ہے۔

سابعا: صاحب "تبیین المحارم" نے تو اس عبارت مسئلہ کا نہایت مبسوط رد بلغ کیا:

وقد اظنبت في رده صاحب تبیین المحارم مستندا الى الاقوال الصريحة فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة في شرح الهداية ان القرآن بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى قال العيني في شرح الهداية يمنع القارى للدنيا والاخذ والمعطى اثمان فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لا يجوز لان فيه الامر بالقرآءة واعطاء الثواب لا لآمر والقراءة لاجل المال فاذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فاین يصل الثواب الى المستاجر ولولا الاجرة ما قرء احد لاحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انا لله وانا اليه راجعون۔ اه۔

(از رد المحتار ص ۳۶ ج ۵)

لہذا اس قدر صریح نقول کے مقابلہ میں بھی عبارت منقولہ فی السؤال کو کیونکر معتبر قرار دیا جائے اور اس کی تصحیح کو کس طرح صحیح سمجھا جائے۔

ثامنا: علامہ خیر الدین رملی نے اسی کا انطرح رد فرمایا:

وقد رده الشيخ خير الدين الرملي في حاشية البحر في كتاب الوقف حيث قال اقول المفتى به جواز الاخذ استحسانا على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة كما صرح به في التارخانية حيث قال لا معنى لهذه الوصية ولصلة القارى بقراءته لان هذا بمنزلة الاجرة والاجارة في ذلك با طلة وهي بدعة ولم يفعلها احد من الخلفاء۔

(از رد المحتار ص ۳۶ ج ۵)

لہذا جب یہ اجارہ باطلہ اور بدعت قرار پایا تو عالمگیری کی عبارت میں اس اجارہ کو جائز مان کر کس طرح مفتی بہ قول قرار دیا جائے۔

تاسعا: اور اگر عبارت عالمگیری میں ہو المختار کو لا يجوز کا بیان قرار دیا جائے اگرچہ یہ احتمال بعید ہے تو پھر تمام تصریحات کے موافق بھی ہو جائے اور سارے اعتراضات بھی دفع ہو جائیں۔
عاشرا: اوپر کے بیان سے یہ تو ظاہر ہو چکا کہ عبارت عالمگیری کی منقول عنہ سراج الوہاج ہے اور سراج الوہاج کا خلاصہ جو ہرہ نیرہ ہے، اور میرے پاس جو جو ہرہ نیرہ ہے وہ مطبع مجتہبی (دہلی ۱۳۱۳ھ) کا مطبوعہ ہے اس میں یہ عبارت اس طرح ہے:

واختلفوا في الاستعجاز على قراءة القرآن على القبر مدة معلومة قال بعضهم لا يجوز وهو المختار (ص ۴۳ ج ۱)

اگر یہ نسخہ صحیح ہے تو سراج الوہاج میں بھی یہی عبارت ہونی چاہئے کہ جو ہرہ نیرہ اسی کا خلاصہ و مختصر ہی تو ہے، اور قال بعضهم بقول شامی سبقت قلم سے غلط لکھا گیا ہو، ورنہ مصنف ایک ہی تو ہے ایسا تناقض کس طرح ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں جو ہرہ نیرہ معتبر و مستند کتاب ہے، اس کی تصریح خود سراج الوہاج کے تقابل میں حجت بلکہ فتاویٰ عالمگیری پر بھی حجت ہے کہ شروع کو فتاویٰ پر تقدم حاصل ہے۔ کما صرح العلامة الشامي في رسم المفتى۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس تفصیل کے بعد عبارت فتاویٰ عالمگیری کو سند بنانا اور اس پر اعتماد کرنا خلاف تحقیق ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔
محمد اول بقلم خود۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان فتاویٰ میں کہ

ایک عالم دین فرماتے ہیں: مدارس دینیات کے سفیروں کا اطلاق عالمین صدقات پر ہو سکتا ہے۔ اور ان کو اجرت عمل کا لینا و دینا ثابت بلکہ ضروری ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعمر رضی اللہ عنہ خذما اعطيت وقال الضحاک ومجاهد: لهم الثمن من الصدقة وقال البغوی: يستحقون منها قسطا علی ذلك۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان معلومات سے واضح ہوتا ہے کہ عامل کو اسکے عمل کی اجرت بعد فراغت عمل مکسوب ہی میں دینا چاہئے اسی طرح اہل مدرسہ زمانہ کی موجودہ حالت اور ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے سفیروں کو رقوم حاصلہ سے کوئی حصہ چہارم یا سوم یا پنجم یا نصف یا دو تہائی یا ہشتم ٹھہرا کر دورہ کا صرفہ سفیر کو ذمہ ہوا اگر بحق سفارت بحق خدمت دیں تو جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم،

اور دیوبند کا فتویٰ یہ ہے

الجواب:- صدقات واجبہ میں سے بعد حیلہ تملیک کے سفیروں کو تنخواہ دینا جائز ہے لیکن رقوم حاصلہ کا کوئی حصہ نصف، ٹہن، ربع وغیرہ اگر مقرر کیا جائے تو اجارہ فاسد اور ناجائز ہے۔ اس لئے تنخواہ ماہوار مقرر ہونی چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ مسعود احمد عفی عنہ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، اگر اول جواب صحیح ہے تو دارالافتاء دیوبند کے جواب کا رد مدلل و وضاحت مع الروایۃ مطلوب ہے۔ ازراہ کرم جواب سے جلد سے جلد مرحمت فرمائیں۔ ضیاء اللعل صاحب

الجواب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و صحبہ الصلوٰۃ و التسلیم جواب سے قبل چند مقدمات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ فہم جواب میں آسانی ہو جائے اور مسئلہ کا حقہ سمجھ میں آجائے۔

مقدمہ اولی: مزدوری تنخواہ پر کام کرنا، کرایہ پر یا ٹھیکہ پر یا نوکری پر کوئی خدمت کرنا یہ سب اجارہ کہلاتا ہے۔ اور اجارہ کا معنی شریعت میں کسی کو نفع کا عوض کے مقابل ملک کر دینا ہے۔

ہدایہ میں ہے: "الاجارۃ عقد یرد علی المنافع بعوض"

ملتقى البحر میں ہے: "ہی بیع منفعة معلومة بعوض معلوم"

کنز الدقائق میں ہے: "ہی بیع منفعة معلومة باجر معلوم"

در مختار میں ہے: "ہی شرعا تملیک لنفع مقصود من العین بعوض"

ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ شرعا اجارہ وہ عقد ہے جس میں اجر معلوم کے مقابل منفعت معلومہ پر تملیک مقصود ہو۔

مقدمہ ثانیہ: صحت اجرت کے شرائط میں سے چند اہم شرائط یہ ہیں:

(۱) عاقدین کی رضا مندی۔

عالمگیری میں ہے: "واما شرائط الصحة فمنها رضا المتعاقدين"

(۲) اجرت کا معلوم ہونا

(۳) نفع کا معلوم ہونا۔ در مختار میں ہے: و شرطها كون الاجرة والمنفعة معلومتين لان

جهالتهمما تقضى الى المنازعة

مجمع الانهر شرح ملتقى البحر میں ہے: "و شرطها ما تقدم من كون الاجرة والمنفعة

معلومتين"

(۴) مدت کا بیان کر دینا۔ ملتقى البحر میں ہے: "والمنفعة تعلم ببيان المدة۔

در مختار میں ہے: و يعلم النفع ببيان المدة۔

رد المحتار میں ہے: "قولہ ببيان المدة (لا نھا اذا كانت معلومة كان قدر المنفعة

معلوما"

(۵) بیان عمل۔ عالمگیری میں ہے: ومنها بيان العمل"

در مختار میں ہے: "و يعلم النفع ايضا ببيان العمل"

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ اجارہ پر دو عاقدوں کی رضا کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور اجرت

اور نفع کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر یہ مجہول ہوئے تو نزاع کی نوبت پیش آجائے گی۔ اور اس میں بیان

مدت اس لئے ضروری ہے کہ جب مدت ہی معلوم نہ ہوگی تو منفعت کس طرح معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی

طرح اس میں بیان عمل اس لئے ضروری ہے کہ جب اجارہ عمل پر ہے تو عمل کا مجہول ہونا نزاع کی طرف

منفصل ہوگا۔ الحاصل صحت اجارہ کے یہ پانچ شرائط ہیں۔

مقدمہ ثالثہ: اجارہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ اجارہ جو اعیان و ذوات کے منافع پر ہو جیسے مکان۔ زمین۔ جانور وغیرہ پر۔ دوسرا وہ اجارہ جو عمل پر ہو۔ جیسے دھوبی۔ درزی۔ حمال وغیرہ کے عمل پر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "اما بیان انواعها فنقول انها نوعان نوع يرد على منافع الاعيان كما يستجار الدور والارض والذواب والثياب وما اشبه ذلك ونوع يرد على العمل كما يستجار المحترفين للاعمال كالقصار والخياطة والكتابة وما اشبه ذلك كذا في المحيط"

پھر جو عمل پر ہو اس کے اجیر کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ اجیر ہے جو عمل میں کسی ایک ہی شخص کا کسی وقت خاص وقت میں پابند ہو وہ اجیر خاص کہلاتا ہے۔ جیسے ایک شخص کا نوکر۔ ملازم۔ خادم۔ دوسرا وہ اجیر جو عمل میں ایک شخص کا کسی وقت خاص میں پابند نہ ہو وہ اجیر مشترک کہلاتا ہے۔ جیسے دھوبی۔ درزی۔ رنگریز وغیرہ۔

تنویر الابصار میں ہے: "الا جیر علی ضربین مشترک و خاص فالاول من يعمل لاولا حد او يعمل له غیر موقت او موقتا بلا تخصیص والثانی وهو الخاص وهو من يعمل لواحدا عملا موقتا بلا تخصیص ملخصا"

پھر اجیر اپنی اجرت کا حقدار کبھی اپنا عمل پورا کر دینے کے بعد ہوتا ہے۔ جیسے دھوبی اور درزی۔ ہدایہ میں ہے: "ولیس للقصار والخياط ان يطالب بالاجرة حتى يخرج من العمل لان العمل في البعض غیر منقطع فلا يستوجب الاجرة" اور کبھی وہ اثر عمل کے ظاہر ہو جانے کے بعد اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔ جیسے رنگریز کپڑے پر رنگ آ جانے کے بعد۔

ملتقى الانهر اور اسکی شرح مجمع الانهر میں ہے: "ومن كان لعمله اثر في العين كصباغ يظهر لونا في الثوب۔" (مجمع الانهر ص ۳۷ ج ۲)

اور کبھی غرض اور مقصود عمل کے حاصل ہو جانے کے بعد اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔ جیسے اہل و عیال کے لانے والے اجیر کا انہیں لے آنے کے بعد۔ اور خط کے پہنچانے والے اجیر کا مکتوب الیہ کو خط پہنچا دینے کے بعد۔

مجمع الانهر میں ہے: "الا جر مقابل بنقل العیال لا بقطع المسافة حتی لو ذهب ولم ينقل احدا منهم لم يستوجب شيئا" (مجمع الانهر ص ۳۷ ج ۲)

ہدایہ میں ہے: "وان استأجر ليهذهب بكتابه الى فلان بالبصرة ويحيى بجوابه فذهب فوجد فلانا ميتا فرد له فلا اجر له وهذا عند ابی حنیفة و ابی یوسف ولهما ان المعقود عليه نقل الكتاب لا نه هو المقصود او وسيلة اليه وهو العلم بما في الكتاب لكن الحكم معلق به وقد نقضه فيسقط الاجر"

اور کبھی وقت و مدت اجارہ میں اپنے آپ کو موجود و حاضر رکھنے کے بعد بھی اجرت کا حقدار ہوتا ہے اگرچہ اس نے کچھ عمل نہ کیا ہو جیسے خادم کا وقت مقررہ پر حاضر رہنا۔ در مختار میں ہے: "ويستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استأجر شهر الخدمة۔" (رد المحتار ص ۴۵ ج ۵)

اب اس فتوے دیوبندی کی بنا پر اگر سفارت مقدار میں ماہوار تنخواہ پر ہو تو یہ اجارہ فاسد قرار پاتا ہے۔

اولا: اس اجارہ میں اجرت تو معلوم ہے یعنی وہ ماہوار تنخواہ جو اراکین مدارس نے مقرر کر دی ہے اور نفع غیر معلوم ہے کہ سفیر کے ذمہ مہینہ بھر میں آمدنی لانے کا کچھ تعین نہیں، تو منفعت کے مجہول ہونے سے یہ اجارہ فاسد ہو گیا۔

ہدایہ میں ہے: "ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة لما روينا ولا ان الجهالة في المعقود عليه وفي بدله تقضى الى المنازعة (وفيه ايضا) والجهالة تو جب الفساد" مجمع الانهر میں ہے: "فسدت الاجارة للجهالة"

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ اس اجارہ میں جب نفع مجہول رہا تو اجارہ فاسد ہو گیا۔ ثانيا: صحت اجارہ کی شرط رضائے عاقدین بھی ہے اور اس اجارہ میں سفیر کی رضا تو حاصل ہے کہ وہ ماہوار اپنی مقررہ تنخواہ وصول کرنے کا حقدار ہے چاہے کچھ آمدنی حاصل ہو یا نہ ہو۔ اور مہتمم مدرسہ کی رضا مندی اس صورت میں تو ہے جب وہ سفیر اپنی تنخواہ سے زائد لیکر آئے۔ اور جب وہ سفیر کچھ آمدنی نہ لایا یا لا مگر وہ اس کی تنخواہ سے کم ہے یا بمقدار تنخواہ ہے تو ظاہر ہے کہ مہتمم رضا مند نہیں تو اس صورت میں رضائے عاقدین متحقق نہ ہوئی جو صحت اجارہ کی شرط تھی۔ لہذا یہ اجارہ فاسد ہوا۔

ثالثا: جس اجارہ میں نفع صرف احد العاقدین کو حاصل ہو وہ اجارہ بھی فاسد ہوتا ہے۔ ہدایہ میں ہے: "فيه منفعة لاحد المتعاقدين وما هذا حاله يو جب الفساد"

اور اس اجارہ میں مہتمم مدرسہ کا نفع تو خطرہ میں ہے اور سفیر کا نفع یقینی ہوا تو واحد العاقدین کا نفع تو بہر صورت متحقق ہے۔ لہذا اس بنا پر بھی یہ اجارہ فاسد قرار پایا۔

رابعاً۔ اجارہ کا مقصود علیہ کبھی نفس عمل نہیں ہوا کرتا ہے جیسے کسی شہر میں ایک شخص خاص کے پاس خط پہنچائے اور جواب لانے کے لئے کسی کو اجیر کیا وہ اجیر وہاں پہنچا تو مکتوب الیہ کو مردہ پایا تو اس میں معقود علیہ عمل یعنی قطع مسافت نہیں بلکہ مقصود علیہ مقصود عمل یعنی خط کا پہنچانا اور مکتوب الیہ کو مضمون خط پر مطلع کرنا ہے جس کی عبارت مقدمہ ثالثہ میں گزری۔ اسی طرح اس اجارہ میں مقصود علیہ بظاہر عمل یعنی آمدنی کی سعی کرنا ہے۔ لیکن اہل مدارس کا مقصود منافع عمل یعنی سفیر کا آمدنی کر کے لانا ہے اور اس قدر آمدنی کر کے لانا ہے جو اس کی تنخواہ سے زائد ہوگی۔ تو اگر سفیر اپنی تنخواہ سے کم آمدنی لایا ہو تو اس نے اجارہ کے مقصود علیہ کے خلاف کیا جو موجب فساد اجارہ ہے۔

خامساً۔ اس اجارہ میں جب مقصود علیہ سفیر کی آمدنی ہے تو اس کی جہالت ضرور مفضی الی النزاع ہوگی (اور شرعاً وہ اجارہ معتبر ہے جو مفضی الی النزاع نہ ہو۔

مجمع الانہر میں ہے: "فقد اخرج الاجارة الفاسدة بالجهالة عن التعريف ونبه ان المعبر في الشرع هي الاجارة الغير المفضية الى النزاع۔" (مجمع مصری ص ۳۶۸ ج ۲)

سادساً۔ جب سفیر کی آمدنی اجارہ کی معقود علیہ قرار پائی تو اگر یہ سفیر کچھ آمدنی نہ لایا یا لایا تو اپنی تنخواہ سے کم لایا تو سفیر اپنی تنخواہ کا حقدار نہ ہونا چاہئے جیسے کسی کو کسی شہر سے اہل و عیال کے لانے کیلئے اجیر کیا اور وہ انہیں نہ لایا تو وہ اجر کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔

مجمع الانہر میں ہے: "الاجر مقابل بنقل العیال لا بقطع المسافة حتی لو ذهب ولم ينقل احدا منهم لم یستوجب شیئاً"

سابعاً۔ اس اجارہ میں جب سفیر اپنی تنخواہ سے زائد نہیں لایا تو اہل مدرسہ کو اس اجارہ میں کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا اور عقد اجارہ نفع ہی کے لئے مشروع ہے۔ ہدایہ میں ہے: "ان الاجارة تعقد لانتفاع" لہذا اس صورت میں سفیر کو تنخواہ دینے میں اہل مدرسہ کیا نفع پہنچتا ہے اور ان کے حق میں اس عقد اجارہ کا جواز و صحت کس بنا پر ہے۔

ثامناً۔ جب اس اجارہ میں تنخواہ ماہوار ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سفیر اجیر خاص ہوا اور جب اجیر خاص قرار پایا تو اگر اس سے زر چندہ ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان نہ آئے گا۔ اور تنخواہ کا حق وارر ہے گا۔ جیسا

کہ اجیر خاص کا حکم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وحکم الاجیر الواحد انه امین فی قو لهم جمیعاً حتی ان ما هلك من عمله لا ضمان علیه فیہ"

تاسعاً۔ جب اس اجارہ میں سفیر اجیر خاص ہوا تو اسے تنخواہ کے حقدار ہونے میں آمدنی کا لانا شرط نہ ہوگا۔ بلکہ چندہ کے لئے سعی کرنا اور سفر کرنا کافی قرار پائے گا۔ جیسا کہ اجیر خاص کا حکم ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "والاجیر الخاص من یتحق الاجر بتسلیم نفسه ومضى المدة ولا یشترط العمل فی حقه لا یتحقق الاجر"

حاصل کلام یہ ہے کہ اس فتوے میں اہل دیوبند نے جو سفیر کے لئے ماہوار تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے یہ غلط اور باطل ہے۔ اسی وجہ سے اس پر کوئی فقہ کی عبارت پیش نہ کر سکے۔

اب باقی رہا یہ امر کہ یہ سفیر عاملین صدقات کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں۔ تو عاملین تو وہ سعی کرنے والے اشخاص ہیں جنہیں امام و سلطان صدقات کے وصول کرنے کیلئے مقرر کرتا ہے۔

چنانچہ تفسیر احمدی میں ہے: "والعاملین علی الصدقة هم السعاة الذین نصبهم الامام لا خذ الصدقة فیعطی الامام لهم قدر ما یسعهم بنفسهم وعیالهم واعوانهم ولا یقدر بالثمن"

"(تفسیر احمدی ص ۲۶۶۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "العامل وهو من نصبه الامام لاستیفاء الصدقات والعشور کذا فی الکافی۔ و یعطیه ما یکفیه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وایابهم ما دام المال باقی الا اذا استغرقت کفايته الزکوة فلا یزاد علی النصف کذا فی البحر الدائق۔ مجمع الانہر میں ہے: العامل هو الذی یبعثه الام بحجابه الصدقات یعطى بقدر عمله ما یکفیه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وایابهم غیر مقدر بالثمن فان استغرقت کفاية الزکوة فلا یزاد علی النصف لان التتصیف عین الاخصاف"

پھر صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو صدقات ظاہرہ کہلائے جیسے سائمنہ جانورں کی زکوٰۃ اور عشر وغیرہ۔ دوسرے صدقات باطنہ ہیں جیسے سونے چاندی کی زکوٰۃ۔

رد المحتار میں ہے: "مال الزکوٰۃ نوعان ظاہر هو المواشی وما یمربہ التاجر علی العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة فی مواضعها بحر"

اور امام کے مقرر کردہ عاملین و عاشرین صدقات ظاہرہ کو اور ان باطنہ کو حاصل کر سکتے ہیں جنہیں

اپنے شہر سے نکال کر کسی عاشر پر لیکر گزریں۔ لیکن وہ صدقات باطنہ جو شہر ہی میں ہوں تو ان کے لئے یہ عالمین و عاشرین مقرر نہیں کیے جاتے۔

رد المحتار میں ہے: ”اما لبا طنة الثنی فی بیتہ لو اخبر بها العاشر فلا یاخذها منها کما صرح به فی البحر۔ ملتقى الابحر اور اس کی شرح مجمع الا نهر میں ہے: ”(ادعی الاداء بنفسه الى الفقراء فی المصر) لان اداء کان مفعولاً ضا الیه فیہ وولایة الاخذ بالمرور وحر لة تحت الحماية وانما قال فی المصر لا نه لو ادعی الدفع الیهم بعد الخروج من المصر لا یقبل (فی غیر السوائم) لان حق الاخذ السوائم للامام فی المصر وغیره“

پھر ان عالمین سے جو معاملہ کیا جاتا ہے نہ تو وہ عقد اجارہ ہے اور انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے نہ اسے ہر اعتبار سے اجرت کہا جاتا ہے بلکہ وہ من وجہ اجرت ہے اور من وجہ صدقہ ہے۔

مجمع الانہر میں ہے: ”فیہ شبه الصدقہ والاجرة فصا رما استحقه صدقہ من وجہ اجرة من وجہ ملخصا“ اسی بنا پر فقہاء کرام نے انکے عمل پر اجر معلوم مقرر نہیں فرمایا۔ احکام القرآن میں ہے: ”ولا نعلم خلاف بین الفقہاء انہم لا یعطون الثمن وانہم یتستحقون منها بقدر عملہم“ (تفسیر القرآن ص ۱۰۲ ج ۳)

اور نہ ان کے عمل کو بالکل بے اجرت قرار دے کر انکی ساری محنت کو رائگاں ٹھہرایا بلکہ ان عالمین کو اس رقوم حصہ سے بقدر عمل ربع یا ثلث یا نصف تک بلا حیلہ تملیک کے حقدار قرار دیا اور ان صدقات کو غیر ہاشمی غنی کے لئے بھی جائز فرمایا۔

طحاوی میں ہے: ”ویجوز للعامل الاخذ وان کان غنیا لا نه فرغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الکفاية۔ در مختار میں ہے: وعامل یعم الساعی والعاشر فیعطی ولو غنیا لا ہا شمیاً لا نه فرغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الکفاية والغنی لا یمنع من تنا ولہا عند الحاجة کا بن السبیل بحر عن البدائع۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ عالمین کے ساتھ جو معاملہ ہے نہ تو شرعاً وہ مقدار اجارہ ہے نہ وہ اجیر خاص ہیں۔ نہ ان کی اجرت بہ طریقہ تنخواہ کے کسی معلوم پر ماہوار مقدار کی جاتی ہے۔ نہ انہیں صدقات واجبہ میں سے لینے کے لئے حیلہ تملیک کی حاجت ہے۔ نہ انہیں رقوم حصہ ثلث یا ربع یا نصف سے لینے کے ممانعت ہے۔ نہ وہ رقوم حصہ میں سے نصف سے زائد لے سکتے ہیں۔ نہ وہ بصورت ہلاکت رقوم کسی

ایک پیشہ کے مستحق ہیں۔ نہ ان کے لئے فقیر ہونا ضروری ہے بلکہ غنی بھی یہ عمالت کر سکتے ہیں۔ ہاں ہاشمی سادات کو اس کی اجازت نہیں۔ بالجملہ یہ احکام ان عالمین کے ہیں جو شاہان اسلام کی طرف سے صدقات ظاہرہ وصول کرنے کے لئے مقرر ہیں۔

اب باقی رہے صدقات باطنہ کے وصول کرنے والے سفراء مدارس، ان کے لئے تقرر شاہان اسلام کی حاجت نہیں کہ صدقات باطنہ کو اپنے شہر میں دینے کا خود صاحب مال مالک نصاب مستقل عیار ہے، اس میں نہ شاہان اسلام کو مطالبہ کا حق حاصل ہے نہ اس کے وصول کرنے کیلئے انکے مقرر کردہ عامل، ہدایہ میں ہے: ”ان حق الاخذ للسلطان فلا یملک ابطالہ بخلاف الاموال الباطنة رد المحتار میں ہے: ”ان الامام لا ینصب المکاسبین لقبض الزکوة بل لاخذ

عشورات مال و جدوہ قل او کثر وجبت فیہ الزکاة اولاً“

تو ان صدقات باطنہ کے وصول کرنے والے سفراء مدارس اگرچہ اصطلاحاً عامل نہیں ہیں لیکن انہیں عالمین سے مناسبت کاملہ و مشابہت تامہ حاصل ہے تو جو معاملہ عالمین کے ساتھ ہے وہی معاملہ ان سفراء کے لئے ہونا چاہئے۔ اور جو احکام عالمین کے حق میں ہیں وہی علت ان سفراء کے حق میں مقرر ہونا چاہئے۔ اور جو احکام عالمین کے لئے ہیں وہی احکام ان سفراء کے لئے ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ عالمین اگرچہ صدقات ظاہرہ کے لئے سعی کرتے ہیں تو سفراء مدارس صدقات باطنہ کے لئے سعی کر سکتے ہیں۔

لہذا ان سفراء کے ساتھ جو معاملہ ہو، نہ تو وہ عقد اجارہ ہے۔ نہ وہ اجیر خاص ہو سکتے ہیں۔ نہ انکی اجرت بہ طریق تنخواہ کسی اجر معلوم پر ماہوار مقرر کی جاسکتی ہے۔ نہ انہیں صدقات واجبہ میں سے لینے کیلئے حیلہ تملیک کی حاجت ہے۔ نہ انہیں رقوم حصہ میں سے ربع یا ثلث یا نصف لینے کی ممانعت ہے۔ نہ یہ رقوم حصہ سے نصف سے زائد لے سکتے ہیں۔ نہ یہ بصورت ہلاکت رقوم کسی پیسے کے حقدار ہوں۔ نہ ان کے لئے فقیر ہونا ضروری ہے بلکہ غنی اور مالدار بھی یہ سفارت کر سکتا ہے۔

البتہ ہاشمی سادات کو اس سفارت کی اجازت نہ ہوگی۔ بالجملہ فتویٰ دیوبند یہ میں ان سفراء کے لئے ماہوار تنخواہ کو جائز قرار دینا بھی غلط ہے۔ اور انکے لئے رقوم حصہ کے کسی حصہ کو اجارہ فاسد ٹھہرانا بھی غلط ہے۔ اور انہیں صدقات واجبہ کے بعد تملیک کی اجازت دینا بھی غلط ہے۔ اور اسی طرح فتویٰ اولے کی بنا پر ان سفراء مدارس کو عالمین میں داخل کرنا اور انہیں عالمین سمجھنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

۷ اذی الحجۃ ۱۳۷۲ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

مسئلہ

(۷۷۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
اگر کسی شخص کے گھر موت ہوئی اور بعد کفن دفن کے متعلقہ گھر والوں نے کسی قرآن پڑھنے والے
صاحب سے کہا کہ آپ اس میت کی قبر پر چالیس دن میں ایک قرآن پاک پڑھ کر بخش دیں تو میں آپ کی
خدمت ادا کر دوں گا۔ پڑھنے والے صاحب نے مذکورہ عرصہ میں قرآن پاک پڑھ کر اس کے گھر والوں
سے کہا کہ میں نے سات کلام پاک پڑھے ہیں تو صاحب خانہ نے ان کو ڈھائی روپیہ نذر کئے مگر پڑھنے
والے صاحب نے یہ فرما کر واپس کر دیا اور کہا کہ یہ ڈھائی روپیہ تم ہی رکھ لو کیوں کہ حساب سے تو پونے نو
روپیہ ہوتے ہیں مگر پھر بھی صاحب خانہ نے عرض معرض کر کے پانچ روپیہ پیش کئے اور کہا کہ میں تو اس
سے زیادہ نہیں دے سکتا تو کیا ان صاحب کو کلام پاک پڑھ کر حساب کر کے لینا جائز ہے اور اکثر سننے میں
بھی ایسا ہی آتا ہے کہ انکا یہی طریقہ ہے تو کیا آپسے شخص کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے۔

المستفتی متولی محمد رمضان جودھپور۔

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

میت کیلئے بغرض ایصال ثواب قرآن شریف کا پڑھنا اور اس کی تلاوت کے عوض میں بغیر ٹھہرا
ئے ہوئے یا کچھ ٹھہرائے کچھ دام لینا ناجائز ہے۔

شامی میں ہے: لا یصح الاستیجار علی القراءة واهدائها الی الامیت لانه لم یقل
عن الائمة الا ذن فی ذالک وقد قال العلماء ان القاری اذا قرء لاجل المال فلا ثواب له فای
شی یهدیه الی الامیت وانها یصل الی الامیت العمل الصالح والاستیجار علی مجرد
التلاوة لم یقل به احد من الائمة۔

نیز اسی میں ہے: ولا ضرورة فی الاستیجار علی القراءة علی القبر۔

لیکن ایسے شخص کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہیل

مسئلہ

(۷۷۶)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں مع حوالہ قرآن شریف
جواب جلد مرحمت کیجئے

(۱) ایک مومن نے حربی، مشرک کا مکان، ۳۰۰ روپیہ رہن لیا ہے۔ اس مکان کا کرایہ مومن
کے لئے جائز ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس طرح، نہیں تو کرایہ کی رقم کہاں صرف کی جاسکتی ہے، خود
صرف میں لے آوے تو کیا کرے؟۔

(۲) مومن کا مکان مومن نے رہن رکھا، اب اس کا کرایہ کون لیگا اگر زبانی کچھ کرایہ مالک کو دینا
طے کیا تو وہ باقی کرایہ خود کام میں لاسکتا ہے یا نہیں؟۔

(۳) عمر نے اپنے عزیز کی بیماری میں، ہندو سادھو سے ڈور تعویذ کیا اور تعویذ بت کے سامنے
بنایا گیا، تو اب عمر کے لئے کیا حکم ہے۔ جب کہ اس نے بت ہی جان کر استعمال کیا ہو اور کوئی وقعت نہ
دی؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱-۲) اگر مکان مرہون مرتہن نے راہن کی اجازت سے کرایہ پر دیا ہے، تو کرایہ کا مالک راہن
ہے۔ مرتہن کو اس کرایہ کا لینا جائز نہیں۔ اگر مرتہن نے بلا اجازت راہن اس مکان کو کرایہ پر دیا ہے تو
کرایہ مرتہن کے لئے لیکن وہ صدقہ کر دے، اپنے صرف میں نہ لائے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان اجر
المرتہن من اجنبی بامر الراہن ینخرج من الرهن وتكون الاجرة للراہن وان كانت الاجازة
بغير اذن الراہن يكون الاجرة للمرتہن يتصدق به۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۳) اس شنیع فعل کی بنا پر عمر پر توبہ وتجیدہ ایمان لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

﴿۷۶﴾

باب الامانت

(۷۷۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

عابد نے ایک عدد ریڈیو بیٹری والا ساجد کے مکان پر امانت میں رکھا وہ رکھ کر باہر چلے گئے، کچھ مدت کے بعد ساجد کی لڑکی نے اس ریڈیو کو بجلی کے تار سے لگا کر دیکھا تو ریڈیو میں کچھ نقصان ہو گیا، جس وقت عابد باہر سے واپس آئے اپنا ریڈیو مانگا، ریڈیو کے دیتے وقت عابد سے کہا اس میں کچھ نقصان ہو گیا ہے عابد نے کہا کوئی بات نہیں ہے اگر نقصان ہو گیا ہے، انہوں نے اپنا ریڈیو بجا کر دیکھا تب ان سے کہا آپکا جو نقصان ہو گیا ہے وہ اب ہم سے لے لیں، انہوں نے کہا ہم ہرگز ہرگز نہ لینگے، عابد سے سب گھر والوں نے چند مرتبہ کوشش کی آپ اپنا نقصان لے لیں مگر عابد نے ساجد کے سب گھر والوں کو مجبور کر دیا اور نقصان نہ لیا، بعد ایک سال کے وہ اپنا نقصان مانگتے ہیں، اس وقت کہا تھا بہت تھوڑا نقصان ہوا ہے اب عابد اور ساجد میں دونوں میں نفاق ہونے کی وجہ سے عابد اپنا نقصان طلب کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے نقصان کا لینا یا ناجائز ہے؟۔ فقط

المستفتی، عبدالرحمن محلہ میان سرائے سنجل

الجواب

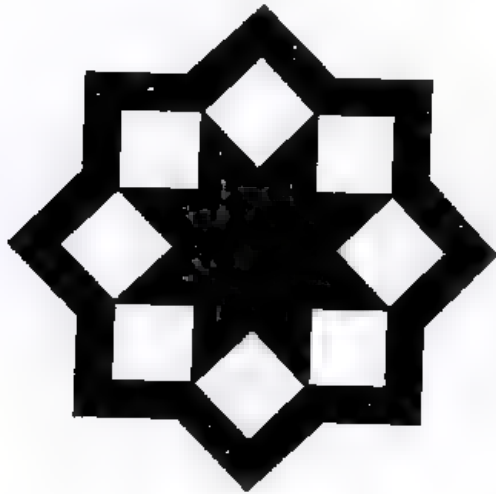
اللهم هداية الحق والصواب

امانت کی چیز کے نقصان کا بدلہ اس وقت ہوتا ہے کہ اس چیز کو استعمال کیا ہو اور استعمال بھی ایسا کیا ہو جس میں اس کی زیادتی پائی جائے صورت مسئلہ میں اس ریڈیو کے استعمال کا تو ذکر ہے لیکن اس میں کسی زیادتی کا پایا جانا سوال میں مذکور نہیں بہر حال اگر اس کے استعمال سے یہ نقصان پیدا ہوا تو اس نقصان کا بدلہ اس پر ہونا چاہئے، سوال میں یہ مذکور ہے کہ اس نے اس نقصان کا بدلہ دینے کے لئے مالک سے بار بار اصرار کیا۔ اس کے گھر والوں نے بھی کوشش کی مگر مالک مسمی عابد اس نقصان کا بدلہ لینے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوا۔ اور اس نے نہ فقط اپنے عمل سے بلکہ زبان سے بھی اس نقصان کا بدلہ لینے

سے صراحتہ انکار کر دیا تو اس نے اپنے مطالبہ اور حق کو معاف کر دیا۔ اب بعد ایک سال کے آپس میں نفاق پیدا ہو جانے کی بنا پر اس کو اس معاف شدہ حق کے مطالبہ کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اور اس وقت اس نقصان کا بدلہ لینا اس کو ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۳ صفر المظفر ۱۳۸۷ھ

کتبہ: المقتضی بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل





باب الوقف والہیہ

(۷۷۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین زاد اللہ برکاتہم صورت مسئلہ میں کہ
مسمی اللہ بخش مرحوم نے اپنی کل جائداد ہر مرض الموت میں ڈیڑھ ماہ قبل از انتقال جامع مسجد
میں وقف کیا اور تحریر وقف نامہ کے وقت واقف کے دو چچا زاد بھائی مسمی رحیم بخش و عبدالشکور حاضر و موجود
تھے اور انہوں نے اپنی خوشی اور رضا مندی ظاہر کی اور کہا کہ ہم کو بھی یہ وقف منظور ہے ہمیں کوئی عذر اور
اعتراض نہیں ہم کو انکار اس بات سے ہے کہ کسی غیر کو ہبہ نہ لکھی چنانچہ وقف نامہ تحریر ہو کر رجسٹری ہو کر
وقف نامہ پر رحیم و شکور کے دستخط یا نشانی انگوٹھے وغیرہ نہیں ہے رحیم و شکور اب انکار کرتے ہیں اور عذر دار
ہیں ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے آیا یہ وقف کامل ہوا اور جائداد مسجد کی ملک ہوئی
یا ایک تہائی مسجد کی اور دو حصے رحیم اور شکور کے فقط۔ بینوا تو جروا

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

اگر فی الواقع اللہ بخش واقف کے دونوں چچا زاد بھائی رحیم بخش و عبدالشکور بوقت تحریر وقف نامہ
موجود و حاضر تھے اور اس وقت انہوں نے اپنی خوشی اور رضا مندی ظاہر کی اور کسی طرح کا کوئی اعتراض یا
انکار نہیں کیا تو کل جائداد وقف ہو جائے گی اور ان کو دو تہائی کا حق ان کی اجازت کی وجہ سے باطل ہو
جائے گا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

مریض وقف داراً فی مرض بموتہ فہو جائز اذا کان یخرج من ثلث مالہ وان لم
یخرج فاجاز الورثۃ۔ (فتاویٰ قاضی خاں ص ۷۲۷)

شامی میں ہے: الوقف فی المرض وصیۃ تنفذ من الثلث فقط الا باجازۃ (وفیہ ایضاً)
وان اجاز الوارث الاخر کالکل وقفا۔ (شامی ج ۳ ص ۳۷۷)

اب رحیم بخش و عبدالشکور کا بعد اجازت انکار کرنا قابل اعتبار اور لائق التفات نہیں۔ واللہ تعالیٰ
اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۷۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

ایک گاؤں میں چھ سات مکان مسلمانوں کے ہیں اور اس گاؤں میں پہلے مسجد نہ تھی اور اس
گاؤں میں قبرستان تھا اس میں ایک فقیر کا مکان تھا گاؤں والوں نے اس مکان کی جگہ پر مسجد بنائی ہے اور
فقیر کو کچھ نہ بتلایا تو اب اس فقیر کے واسطے اس قبرستان میں مکان کے عوض مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں اور
پیش امام کے مکان میں مسجد میں کی رقم خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی، احقر قاضی غلام حسین کوٹھی

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

گاؤں والوں نے مسجد کے لئے فقیر سے جو مکان لیا ہے اگر وہ موقوفہ زمین قبرستان میں تعمیر نہ تھا
بلکہ وہ مکان وز میں خاص اس فقیر کی ملک تھا اور اس فقیر نے اسکو بمقابلہ عوض کے دیا اور عوض اس کے
لئے مکان بنانا ہی قرر پایا۔ تو بلا شک وہ مکان مسجد کی رقم سے بنایا جاسکتا ہے لیکن وہ مکان قبرستان کی
موقوفہ زمین میں نہ بنایا جائیگا۔ اور اگر وہ مکان اس فقیر کا مملوک ہی نہ تھا یا صرف عملہ کا وہ مالک اور زمین
قبرستان کی تھی اور وہ قبرستان موقوفہ ہے تو اس فقیر کو اس مکان کے دینے کا اختیار ہی حاصل نہیں۔ ہاں اگر
صرف عملہ خود اسکا بنایا ہوا ہے تو وہ اپنے عملہ کا عوض لے سکتا ہے۔ پھر اکثر گاؤں کے قبرستان زمین دار کی
طرف سے یا گاؤں والوں کی جانب سے موقوفہ ہوتے ہیں۔ تو موقوفہ زمین قبرستان میں مسجد کو تعمیر نہیں کیا
جاسکتا پھر اگر اس میں مسجد تعمیر ہو چکی ہے تو اس کے عوض میں اتنی ہی زمین قبرستان کیلئے دی جائے اور
قبرستان کی جو موقوفہ زمین میں فقیر کے لئے مکان نہ بنایا جائیگا۔

پیش امام کے لئے قبرستان کی موقوفہ زمین میں تو ہرگز مکان نہ بنایا جائیگا۔ اور اس کے علاوہ غیر
موقوفہ زمین میں مسجد کی اس رقم سے بنایا جاسکتا ہے جو ضروریات مسجد کے لئے ہو کہ خود امام اور اس کے

اخراجات ضروریات مسجد میں داخل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
 ۸ صفر المظفر ۱۶۶۷ھ
کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
 العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۷۸۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زاد اللہ برکاتہم صورت مسئلہ میں کہ
 یہاں پر ایک قبرستان پرانا ہے لوگ یہی کہتے ہیں کہ قبرستان تھا۔ فقیر مالک زمین نے باغ لگایا
 تھا باغ کے بعد اس زمین کو برائے مکان فروخت کر ڈالا اب ان میں مکان بنے ہوئے ہیں جس میں لوگ
 رہتے ہیں ایک صاحب کا مکان قبرستان کے قریب میں تھا۔ انہوں نے بھی اپنے مکان کے متصل زمین
 خریدی اب مکان کے سامنے انہوں نے کچھ حصہ بڑھا کر دروازہ آگے کو بنایا ہے لہذا اس صورت میں جب
 کہ اس زمین میں مکان بنے ہوئے ہیں ان صاحب نے بھی کچھ حصہ اپنے مکان میں لے لیا ہے کہاں
 تک ٹھیک ہے از روئے شرع مطلع کیا جاؤں انہوں نے جو کیا اس کے لئے احکام شریعت کیا ہے۔
 شوکت علی بیہڑی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اگر فی الواقع وہ قبرستان ہے تو نہ اس میں باغ لگانا جائز تھا نہ اس کی زمین کو
 فروخت کرنا صحیح نہ اس میں مکان بنانا درست ہوا۔ اب اگر ان صاحب نے اسی قبرستان کی زمین کو خرید کر
 کے اپنا دروازہ آگے بڑھا کے بنایا تو یہ ناجائز ہے اور قبرستان کی زمین موقوفہ پر بیجا طور سے قبضہ کر لینا ہے
 جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی لہذا ان کو اس زمین قبرستان کا چھوڑ دینا شرعاً ضروری ہے۔
 فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”وسئل هو ایضاً عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا
 العظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة کذا فی المحيط“
 فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”امراء جعلت قطعة ارض لها مقبرة واخرجتها من يدها ودفنت فيها ابنها وتلك
 القطعة لا تصلح للمقبرة لغلبة الماء عندها فيصيبها فساد فارادت بيعها ان كانت الارض

كتاب البیوع / باب وقف الہبہ
 بحال لا یرغب الناس عن دفن الموتی لقلۃ الفساد لیس لها البیع“ (جلد ۲ صفحہ ۳۵۱)۔
 واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ المتوسل بالنبی المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولانا
 مفتی محمد اجمل نائب المفتی اجمل العلوم فی بلدہ سنجل مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنجل۔
 الجواب صحیح محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۶۷۷ھ

مسئلہ

(۷۸۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

قریب پونے دو سو سال سے وقف مسجد موسومہ میر بہر علی کی تولیت اور امامت بایں طور چلی آرہی
 ہے کہ متولی سابق اپنے مرنے سے پیشتر جسے متولی اور امام بنوانا چاہتا ہے ایک تحریر یا معززین کے سامنے
 زبانی اس کو متولی قرار دیکر اعلان کر دیتا ہے اس تعامل کے مطابق متولی شاہ سید بد الدجی صاحب مرحوم
 تک تولیت کا طریقہ چلا آیا انہوں نے بھی بذریعہ وصیت نامہ مرقومہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۱ء اپنے فرزند رشید
 جناب مولانا شاہ سید شمس الضحیٰ صاحب کو نامزد کر دیا اور انتقال کے پیشتر چند معززین اور اعزہ کے سامنے
 اپنے فرزند کو متولی بنا کر اعلان بھی کر دیا چنانچہ ان کے وصال کرتے ہی مولانا شاہ سید شمس الضحیٰ
 صاحب حسب دستور قدیم بحیثیت متولی کار تولیت انجام دینے لگے اب اس تعامل کے خلاف بغیر کسی
 الزام کے سنی وقف بورڈ لکھنؤ تولیت سے انکار کرتا ہے۔ اور اپنے انتظام میں لینا چاہتا ہے جس سے
 مسلمانان اہل سنت والجماعت کو اس خطرہ کے لاحق ہونے سے اندیشہ ہے کہ سنی وقف بورڈ اس قسم کے
 انتظام میں سنی کے متعدد فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کا پابند نہیں ہے چنانچہ اس کی بنائی ہوئی کمیٹی میں وہ
 لوگ اکثریت سے ہیں جو علماء دیوبند پر اعتماد رکھتے ہیں اور ایسا ہی شخص امام مسجد بھی بورڈ کی کمیٹی نے رکھا
 ہے مسجد اور اس کے امام اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو علماء دیوبند سے اختلاف رکھتے ہیں اور صوفی
 مسلک کے پابند ہیں اور کسی ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے جو دیوبند یا اہل حدیث یا قادیان وغیرہ ہو
 دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنی وقف بورڈ لکھنؤ کا یہ طرز عمل اور انکار تولیت و قیام کمیٹی بہ تقرر امام جائز ہے یا
 مداخلت فی الدین اور ناجائز۔ بینوا تو جروا

دیگر علمائے کرام کے بھی شرعی مشورہ سے مستفید فرمائیے فقط

امام الدین انصاری سگ بارگاہ طیبہ گورکھ پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب مسجد مذکور کے وقف کی تولیت اور امامت کا تقریباً پونے دو سو سال سے یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ متولی سابق اپنے مرنے سے پیشتر جسے متولی و امام بنانا چاہتا ہے تو ایک تحریر یا معززین کے سامنے زبانی اس کو متولی قرار دیکر اعلان کر دیتا ہے تو اس وقف کے لئے یہ طریقہ شرعاً تعامل اور عرف قرار پایا۔

چنانچہ رد المحتار میں ہے ”والتعامل كما في البحر التحريم هو الاكثر استعمالاً“ پھر جب اس طریقہ کا تعامل اور عرف ہونا ثابت ہو چکا تو جو عرف سے ثابت ہوتا ہے وہ مثل ثابت بالنص کے ہے۔

(رد المحتار میں ہے) ”ان الثابت بالعرف كالثابت بالنص“

اسی میں ہے ”والمعروف عرفاً كالمشروط شرعاً“ لہذا اس عرف و تعامل کی بنا پر حضرت مولانا سید شاہ شمس الحق صاحب کا متولی ہونا شرعاً بالکل صحیح قرار پایا بلکہ ان کی تولیت واقف کی شرط کے موافق ٹھہرتی ہے کہ مسلمانوں کا پونے دو سو برس کا عمل یہی بتاتا ہے کہ غالباً یہ لوگ واقف کی شرط کے موافق کرتے چلے آ رہے ہیں ”کما نقل العلامة الشامي في الرد المحتار عن الذخيرة حيث قال سئل شيخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر ما يصرف اليه مستحقه قال ينظر الى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان من ان اقوامه كيف كانوا يعملون فيه والى من يصرفون فينبى على ذلك لان الظاهره انهم كانوا يفعلون ذلك على موافقة شرط الواقف وهو المظنون بحال المسلمين فيعمل على ذلك“

تو اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ پونے دو سو برس کا یہ عمل مسلمین ظاہریہ ہے کہ شرط واقف کے موافق ہے۔ تو اس بنا پر مولانا موصوف کا متولی ہوا موافق شرط واقف کے قرار پایا اور شرط واقف مثل نص شارع کے ہے رد المحتار میں ہے ”شرط الواقف كنص الشارع“ پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کیجئے کہ خود متولی اپنی صحت و حیات میں کسی دوسرے کو اپنی جگہ متولی بنا سکتا ہے جب یہ اختیار اس کو تفویض ہوا۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”واذا اراد المتولى ان يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته لا يجوز الا اذا كان التعويض اليه على سبيل التعميم هذا في المحيط“

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ متولی اپنی حیات و صحت میں بجائے اپنے کسی دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے جب یہ اختیار اس کو تفویض ہو صورت مسئولہ میں متولی کو اس اختیار کا تفویض ہونا پونے دو سو برس کے تعامل اور عرف سے ظاہر ہے لہذا اس بنا پر بھی مولانا موصوف کا متولی ہونا شرعاً درست و صحیح ہوا۔ اب اس کے مقابل سنی وقف بورڈ لکھنؤ کا مولانا موصوف کی تولیت سے انکار کرنا یقیناً خلاف شرع اور مداخلت فی الدین ہے۔

(۱) ظاہر ہے کہ سنی وقف بورڈ کا مرتبہ اور اس کے اختیارات کسی طرح قاضی شرع کے برابر نہیں ہو سکتے کہ قاضی کو بھی بلا الزام خیانت کے کسی کو متولی بنانے کا حق حاصل نہیں اور نہ ایسا متولی اس کے بنا نے سے شرعاً متولی ہو سکتا ہے۔

رد المحتار میں ہے ”لو شرط الواقف كون المتولى من اولادہ و اولادہم ليس للقاضي ان يولي غيرهم بلا خيانة ولو فعل لا يصير متولياً“ اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ جب قاضی شرع نہ تو کسی متولی کو بغیر الزام خیانت معزول کر سکتا ہے نہ بجائے اس کے اپنے اختیار سے کسی دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے تو اس سنی وقف بورڈ کا مولانا موصوف کو اس وقف کی تولیت سے معزول کر دینا اور بجائے ان کے کسی دوسرے کو متولی و امام بنادینا بلاشبہ خلاف شریعت اور دین میں مداخلت ہے۔

(۲) اوپر ثابت ہو چکا کہ تعامل اور عرف مثل نص شرع کے ہے اور اس تعامل اور عرف سے مولانا موصوف کی تولیت صحیح قرار پا چکی ہے پھر اس سنی وقف بورڈ کا تعامل اور عرف کی مخالفت کرنا اور بجائے مولانا کے کسی دوسرے کو متولی تجویز کر دینا زبردست مخالفت شرع و مداخلت فی الدین ہے۔

(۳) نیز اوپر یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ پونے دو سو برس کا تعامل مسلمین موافقت شرط واقف کی دلیل ہے اس بنا پر مولانا موصوف کی تولیت موافق شرط واقف کے قرار پا چکی ہے پھر سنی وقف بورڈ کا مولانا کی تولیت سے انکار کرنا گویا شرط واقف کی مخالفت کرنا ہے۔ جس کا اس کو شرعاً کسی طرح حق حاصل نہیں تو یہ بھی اس کی کھلی ہوئی دین میں مداخلت ہے۔

(۴) جب پونے دو سو برس سے متولی سابق کو اپنی صحت و حیات میں دوسرے کو متولی بنانے کا اختیار حاصل تھا تو اس تعامل کے مطابق متولی سید شاہ بدر الدینی صاحب کا اپنے فرزند مولانا سید شاہ شمس الحق صاحب کو متولی بنانا شرعاً صحیح اور درست تھا تو سنی وقف بورڈ اس کے خلاف محض اپنی خود غرضی کی بنا پر مولانا موصوف کو تولیت سے برطرف کر دینا اور بجائے ان کے کسی دوسرے کو تفویض کرنا حکم شرع کی

مخالفت ہے اور دین میں کھلی ہوئی مداخلت ہے۔

(۵) وقف کسی فرقہ خاص کے لئے معین ہو مثلاً حنفیوں کے مدرسہ کے لئے ہو تو اس کو کوئی حاکم دوسرے فرقہ مثلاً شافعیوں کے مدرسہ پر خرچ نہیں کر سکتا۔

روا مختار میں ہے ”ومنها انها اذا كانت معينة لفرقة خاصة ليس لرجل من اهل تلك الفرقة ان يصرفها الى جهة اخرى وان كان الكفر ملة واحدة عندنا كمدرسه موقوفة على الحنفية مثلا لا يملك احد ان يجعلها لاهل مذهب اخرين ان اتحدت الملة“

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ ایک فرقہ خاص کا وقف دوسرے فرقہ پر خرچ نہیں کیا جاسکتا اگر ان فرقوں میں باعتبار تعلق کے کوئی اختلاف نہ ہو بلکہ صرف فروعات میں ان کے مابین اختلاف ہو پھر جب سنی وقف بورڈ میں لادینیت والا مذہبیت موجود ہے اور وہ نہ صرف اختلاف فروعات بلکہ اختلاف عقائد کا بھی فرق نہیں کرتا ہے تو پھر وہ کسی فرقہ خاص کے وقف کے شرائط کی کیا محافظت کر سکتا ہے تو اس کا ایسا غیر ذمہ دارانہ فعل یقیناً مداخلت فی الدین ہوگا۔

(۶) جب سنی وقف بورڈ کی اکثریت فرقہ علماء دیوبند پر اعتماد رکھتی ہے تو وہ اپنے نظریہ کے موافق اوقاف اہل سنت و جماعت پر ضرور کسی دیوبندی عقیدہ کے متولی اور امام کو متعین مسلط کریگا۔ لہذا اس کا یہ طرز عمل اور اپنی طرف سے کسی کو متولی و امام منتخب کرنا بلاشبہ اوقاف اہل سنت و جماعت کی حق تلفی ہے اور یہ صراحتاً مداخلت فی الدین ہے۔

(۷) سنی وقف بورڈ کا مولانا موصوف کو بغیر الزام خیانت وغیرہ کے تولیت سے معزول کر دینا محض ان کی سنیت کی مخالفت اور بجائے ان کے دوسرے دیوبندی کا تجویز کرنا اپنی دیوبندی ذہنیت کی حمایت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے تو ایسی دیوبندیت کی بیجا ہمدردی فرقہ اہل سنت و جماعت کے حق میں یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۹ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جائیداد موقوفہ فی سبیل اللہ تعالیٰ یا موقوفہ علی الاولاد اگر ایسی ہو کہ اس کی آمدنی قلیل اور وصول

بی میں مشکلات کثیر ہوں تو ایسی صورت میں اس کو بیع کر کے کوئی دوسری جائیداد خرید لی جائے جس میں سہولتیں اور آمدنی زائد ہو نیکاً غالب گمان ہو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک صورت یہ کہ متولی وقف علی الاولاد کی غیر موقوفہ کوئی زمین ہو اس میں موقوفہ جائیداد کو فروخت کر کے کوئی عمارت بنادی جائے اور متولی اس زمین کو بھی اس کے ساتھ وقف کر دے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اور کیا متولی کو وہ زمین مملوکہ وقف کرنا ضروری ہے یا ایسا بھی کر سکتا ہے کہ زمین اپنی ملکیت پر باقی رکھے اور موقوفہ جائیداد کی قیمت سے مکان تعمیر کرادے۔

(۴) اگر کوئی وقف نامہ علی الاولاد اس صورت سے ہو کہ اس میں دو جائیدادیں وقف ہیں ان میں سے ایک قلیلہ ہے اس کی آمدنی کے بارے میں واقف نے یہ لکھا ہے کہ متولی اسے حرمین شریفین پر صرف کرے۔ اور ایک زائد آمدنی کی جائیداد ہے اسے واقف نے متولی کی ذات و اہل و عیال پر صرف کرنا بتایا ہے دونوں جائیدادیں دو موضوعوں میں ہیں۔ تو کیا متولی ایسا کر سکتا ہے کہ ان دونوں جائیدادوں کو فروخت کرے جن کا وقف نامہ ایک ہی ہے اور موقوفہ علی اہل حرمین شریفین کی آمدنی جو وقت وقف میں تھی یا جو وقت بیع میں ہو اس کثیر خاص وقف علی الاولاد کی آمدنی سے اہل حرمین شریفین پر خرچ کرنا اپنے اوپر لازم کرے اس لئے کہ وہ اتنی قلیل ہے کہ اس کے انتظام میں خرچہ اور وقت زائد ہوتی ہے۔

(۵) وقف نامہ میں واقف نے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں لہذا یہ تملیک نامہ بطور دستاویز وقف علی الاولاد لکھ دیا تو یہ جائیداد وقف ہوئی یا تملیک اور واقعہ بھی یہی ہے کہ واقف کا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ جائیداد تلف نہ ہو اور قلیل آمدنی والی اہل حرمین شریفین پر صرف ہوا کرے نقل وقف نامہ ہمراہ ہے امید ہے اس کے ہر پہلو پر غور فرما کر ایسا جواب عنایت فرمایا جائے کہ متولی کی پریشانی میں تخفیف ہو اور اس پر شرعی موخذہ بھی نہ ہو اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ مبذول فرما کر عند اللہ تعالیٰ ماجور ہوں اور مستفتی کو بھی مرہون کرم بنائیں نقل وقف نامہ ہمراہ ہے۔

مستفتی متولی اپنا حلفیہ بیان آپ کے روبرو پیش کرتا ہے کہ وقف نامہ لکھنے کے کچھ بعد جبکہ جائیداد کی حالت خراب ہوئی اور اظہار افسوس کیا کہ ہم نے وقف کر کے ہاتھ توڑ لئے اس جائیداد سے تو بہتر تھا کہ شہر میں مکان یا دوکانیں ہوتیں یہ جائیداد وبال جان ہو گئی۔ متولی کو اس بات کا یقین کامل ہے کہ وقف نامہ کے الفاظ (کسی قسم کے انتقال کا حق نہ ہوگا) سے واقف مرحوم کا مقصد صرف یہ ہے کہ جائیداد

تلف نہونہ یہ کہ اگر کوئی صورت تبادلہ کی ہو جس سے متولیان کو پریشانی کم اور آمدنی زائد ہو وہ بھی عمل میں نہ لائی جائے۔ فقط۔

المستفتی نیازمند محمد انوار الحق عفی عنہ کہ گہنا بلندنگ پبلی بھیت۔ ۴۵۔ صفر المظفر ۱۳۱۰ھ۔
(وقف نامہ کی نقل) میں کہ محمد عبدالحق ولد حاجی قدرت علی قوم راعی پیشہ فلاں ساکن فلاں کا ہوں۔ میں نے برضا و رغبت اپنے بحالت صحت نفس و ثبات عقل بنظر دور اندیشی و مصلحت دینی و دنیوی اپنی مملوکہ و مقبوضہ جائیداد بسوہ اصلی موسومہ بحال فلاں موضع فلاں جمعی مبلغ تین پچھتر روپیہ مال و مبلغ ۲۰۷۔ ابواب جملہ ایما۔ من جملہ ۴۹۔ ایکڑ۔ ۳۔ ڈسمل مقروضہ مندرجہ کھاتہ کھوت نمبر ۲۔ واقع بحال فلاں موضع چانٹ فلاں ڈانگ کے پانچ ایکڑ بائیس ڈسمل آراضی خرید کردہ جمعی مبلغ دس روپیہ جمع بمشخصہ سرکاری کو من جملہ حقوق موافق داخلی و خارجی اس کے معہ باغ قلمی نمبر فلاں فلاں بلا استثنیٰ کسی حق و ملکیت۔ بتقدیم شرائط و ہدایات ذیل وقف علی الاولاد کر دیا اور اپنا قبضہ اس سے اٹھالیا اور اسکا متولی اپنے بیٹے محمد انوار الحق ساکن پبلی بھیت کو بنادیا اور اس کو قبضہ متولیان دیدیا۔ شرائط و ہدایات حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہ میرا بیٹا محمد انوار الحق انہیز ندگی تک جائیداد موقوفہ پر بحیثیت متولی قابض رہے گا وہ اپنی زندگی تک کل آمدنی جائیداد موقوفہ دس بسوہ کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر تقریبات شادی و غمی میں اور ہر مصرف میں جس قدر جہان وہ مناسب سمجھے صرف کرتا رہے گا کسی شخص یا کسی جماعت یا کسی حاکم وقت کو متولی سے باز پرس یا حساب نہیں کا حق نہ ہوگا اسکے بعد اس کی اولاد ذکور اور اس کی اولاد ذکور میں سے جو عمر میں بڑا ہو بحیثیت متولی و مہتمم قابض جائیداد موقوفہ کا رہے گا و سب شرائط و ہدایات مندرجہ بالا نافذ رہے گا۔

(۲) یہ کہ اگر کوئی اولاد ذکور نہ ہو تو متولیان کی دختر ان کی اولاد ذکور میں سے جو عمر میں بڑا ہو متولی و قابض جائیداد موقوفہ تابع شرائط مندرجہ بالا رہے گا۔ اگر خدا نخواستہ متولی وقت کے کوئی اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اثناث سے جو عمر میں بڑی ہو متولی و قابض رہے گی در صورت انقطاع نسل کے جناب مولانا محمد رضا خاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ساکن فلاں کا جو سجادہ نشین ہو وہ متولی قابض رہے گا اور وہ جائیداد موقوفہ دس بسوہ کی آمدنی میں سے ایک چہارم اپنی ذات پر اور ایک درگاہ مولانا صاحب موصوف کے اخراجات عرس میں اور نصف جس مدرسہ دینیہ اور مساجد میں جہان مناسب سمجھے صرف کرتا رہے گا۔

(۳) سوم یہ کہ متولی وقف کو وہ تمام حقوق حاصل رہیں گے جو از روئے خاتون نافذ الوقت کسی

اصلی زمین کی مالک زمین درمی کو حاصل ہوں اس کے خلاف یہ عذر و اعتراض قابل لحاظ نہ ہوگا کہ وہ محض متولی ہونہ کہ مالک۔

(۴) یہ کہ متولی وقت کو کسی چیز یا کل جائیداد موقوفہ کے بیع رہن یا مکفول وغیرہ یا کسی قسم کے انتقال کا استحقاق نہ ہوگا اور نہ کوئی جز و کل جائیداد موقوفہ کا کسی مطالبہ میں قابل ترقی و نیلام ہوگا۔ لہذا یہ تمذیک نامہ بطور دستاویز وقف علی الاولاد بہ تعین مبلغ سات ہزار روپیہ۔ مالیت ہر دو جائیداد موقوفہ لکھدیا کہ سند ہو فقط۔

الجواب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

وقف نامہ سے جائیداد مذکور فی السؤال کا وقف ہونا ظاہر ہے اور اس میں واقف نے اس جائیداد موقوفہ کے تبادلہ کی کوئی شرط ذکر نہیں کی بلکہ عدم شرط بایں الفاظ موجود ہے کہ متولی وقت کو کسی جز یا کل جائیداد غیر منقولہ موقوفہ کی بیع رہن یا مکفول وغیرہ یا کسی قسم کے انتقال کا استحقاق نہ ہوگا اور مستفتی متولی کا حلفیہ بیان (واقف مرحوم نے وقف نامہ کے کچھ سال بعد جبکہ جائیداد کی حالت خراب ہوئی تو اظہار افسوس کیا کہ ہم نے وقف کر کے ہاتھ توڑ لئے۔ اس جائیداد سے تو بہتر تھا کہ شہر میں مکان یا دوکان ہوتیں۔ اب یہ جائیداد وبال جان ہو گئی۔) اس امر پر دال ہے کہ وقف میں واقف نے تبادلہ کرینکا اختیار نہ خود اپنے لئے ملحوظ رکھا نہ متولی کے لئے۔ ورنہ واقف کو نہ اظہار افسوس کی صورت پیش آتی نہ ہاتھ توڑ لینے کی مجبوری ہوتی۔ لہذا ایسے وقف کے تبادلہ کی فقہ میں دو صورتیں ذکر کی ہیں۔

رد المحتار میں ہے:

والثانی ان لا یشتراط (ای الاستبدال) سواء شرط عدمه او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منه اصلا او لا یفی بمؤنة فهو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی و رای المصلحة فیہ والثالث ان لا یشتراط ایضا ولکن فیہ نفع فی الحملۃ و بدله خیر منه زرعا نفعاً و هذا لا یحوز استبدالہ علی الاصح۔

(شامی مصری ص ۳۹۹ ج ۳)

اور دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے تبادلہ کی شرط نہیں کی اب چاہے اس نے عدم تبادلہ کی شرط کی ہو یا سکوت کیا ہو مگر وقف بالکل قابل انتفاع نہیں رہا اور اس سے کچھ آمدنی حاصل نہیں ہوتی۔ یا

اخراجات کے لئے وہ کفایت نہیں کرتی تو مذہب صحیح کی بنا پر تبادلہ جائز ہے جب یہ تبادلہ باذن قاضی ہو۔ اور اس میں مصلحت ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نیز واقف نے تبادلہ کی شرط نہیں کی لیکن وقف میں فی الجملہ نفع ہے اور اس کے بدل میں اس سے زیادہ پیداوار اور نفع ہوگا تو مذہب اصح و مختار کی بنا پر یہ تبادلہ جائز نہیں۔

صورت مسئلہ میں اس جائیداد موقوفہ کا تبادلہ اس تیسری صورت کے تحت داخل ہے۔ لہذا یہ تبادلہ ناجائز ہے۔ شامی میں ہے:

وفی فتح القدیر والحاصل ان الاستبدال امان شرط الاستبدال اولا عن شرطه فان كان الخروج للوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي ان لا يختلف فيه وان كان لا لئلا ذلك بل اتفق انه امكن ان يوجد بضمنه ما هو خير منه مع كون منتفعابه فينبغي ان لا يجوز لان الواجب ابقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولا نه لا موجب لتجويزه لان الموجب في الاول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا اذ لا تحجب الزيادة بل تبقى كما كان اه اقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب۔ (شامی مصری ص ۴۰۱ ج ۳) اور یہ جائیداد موقوفہ قابل انتفاع ہے تو محض آمدنی کے زیادہ ہونے کی بنا پر اس کا تبادلہ جائز نہیں۔ سوالات جوابات تو اسی کے ضمن حاصل ہو گئے۔ لیکن بلحاظ وضاحت نمبر وار جواب بھی مختصر الفاظ میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) محض سہولتوں اور آمدنی کے زائد ہونے کے گمان پر اس صورت خاص میں وقف کا بیع کرنا جائز نہیں۔

(۲ و ۳) بلا ضرورت جائیداد موقوفہ کو فروخت کر کے عمارت بنانا جائز نہیں بلکہ بلا وجہ غیر منقول کو منقول بنا کر وقف کو خطرہ کیلئے پیش کرنا ہے۔

(۴) دونوں جائیدادوں کو نہ فروخت کر سکتا ہے نہ واقف کی شرط کے خلاف کوئی نیا تصرف کر سکتا ہے۔

(۵) یہ جائیداد مذکورہ بلاشبہ وقف ہے۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

بیوت وقف علی مسافر المسلمین فهل یسکن فیہا الکفار ام لا و کذا الرض وقف علی المسلمین للمقبرۃ فهل یحوز فیہا الزراعة ام لا۔ بینوا تو جروا۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء

المستفتی احمد الملیباری ڈاکٹرانہ کلیر اکوٹہ بٹ عشرون ربیع الاخری سنۃ احدى و سنون وثلاث مائة و الف۔

اللهم هداية الحق والصواب

اذا وقف الواقف البيوت على مسافر ي المسلمین فهذا الوقف خاص بهم فلا يسكن فیہا الکفار و کذا الارض اذا وقفت على المسلمین للمقبرۃ فلا یحوز فیہا الزراعة لان الفقهاء صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة و يتعين الوقف بشرط الواقف فلا یحوز التصرف فيه خلاف غرض الواقفين كما صرح به في رد المحتار والله تعالى اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ واقف نے اپنی اولاد زید پر وقف علی الاولاد کیا اور یہ لکھا کہ زید اور اس کی اولاد ذکور پر نسل بعد نسل و بطنا بعد بطن جب تک سلسلہ نسل قائم رہے تقسیم ہوتا رہیگا۔ جب یہ سلسلہ منقطع ہو تو حق انتفاع میر سید شاہ قیام الدین قدس سرہ کے سلسلہ اولاد ذکور میں حصہ مساوی رجوع ہو جائیگا۔

واقف کا سلسلہ ذکور منقطع ہونے کے وقت اولاد شاہ قیام الدین قدس سرہ میں دس افراد ذکور موجود تھے۔

شاہ قیام الدین

شاہ محمد صالح

شاہ محمد احمد اللہ

شاہ محمد غوث

شاہ محمد حسن علی سید محمد مہدی شاہ غلام رسول

فصاحت علی حافظ محمد بخش شاہ عبداللہ سید جعفر علی سید ہدایت علی
سید عابد علی (۱۰) ولایت علی واجد علی سید آفتاب علی

آمنہ بی بی (واقعہ زوجہ واجد علی)

(۱) سید زاہد علی (۲) سید شاہد علی (۹) امجد علی محمد علی ان پر وقف کیا گیا اس سلسلہ مطلع ہو گیا
(۳) سید کاظم علی (۸) سید سجاد علی

(۴) سید ارشد علی (۵) سید عارف علی (۶) سید مصطفیٰ علی (۷) سید ہاشم علی

ص ۱۳۲ جلد سوم ہے

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں منفعت وقف واقف کی تصریح کے موافق اس وقت سید شاہ قیام الدین قدس سرہ کے سلسلہ اولاد ذکور میں مساوی حصص پر تقسیم کی جائے گی۔ اور اس سلسلہ میں اب زاہد علی۔ شاہد علی۔ کاظم علی۔ ارشد علی۔ عارف علی۔ مصطفیٰ علی۔ ہاشم علی۔ واجد علی۔ امجد علی۔ سجاد علی۔ دس افراد ذکور موجود ہیں تو اس منفعت وقف کو بھی دس حصوں پر تقسیم کیا جائیگا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

إذا ذكر الواقف ثلث بطون يكتون الوقف عليهم وعلى من اسفل منهم الاقرب والابعد فيهم سواء الا ان يذكر الواقف في وقفه الاقرب فالاقرب او يقول على ولدي ثم بعد هم على ولد ولدي او يقول بطنا بعد بطن۔ (خانیہ مصطفائی ص ۳۱۴ ج ۴)

جب واقف نے تین بطون کا اس طرح ذکر کیا کہ وقف ان پر ہو اور ان سے نیچے کی سُل پر تو ان میں قریب اور بعید سب برابر ہیں لیکن اگر واقف اپنے وقف میں یہ ذکر کرے کہ زیادہ قرب والے کو پھر زائد قریب کو۔ یا کہے کہ میری اولاد پر پھر انکے بعد میری اولاد کی اولاد پر۔ یا کہے کہ بطنا بعد بطن:

در مختار میں ہے: و تقسم بينهم بالسوية ان لم يرتب، (شامی ص ۴۵۲)

اور بطون میں مساوی حصوں پر تقسیم کیا جائے اگر ترتیب نہ ہو۔

ويستوي الاقرب والابعد اي يشترك جميع البطون في الغلة لعدم ما يدل على الترتيب۔ (شامی ص ۴۵۰)

اور آمدنی تین قریب و بعید تمام بطون کے شریک ہو گئے اور حصہ مساوی لیں گے۔ جب ترتیب پر دلالت کرنے والی کوئی چیز مذکور نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وفي الوقف على القريب تقسم الغلة على الرؤس الصغير والكبير والذكور والانثى والفقير والغنى سواء لمساواة الكل في الاسم۔ (عالمگیری ص ۳۲۳)

اور وقف علی القریب میں آمدنی صغیر و کبیر اور مذکر و مونث اور مالدار و فقیر کے رؤس پر برابر تقسیم کی جائے کہ اسم قریب میں سب برابر ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ واقف نے نہ تو کوئی قید ذکر کی اور نہ ترتیب بطن کا لحاظ کیا بلکہ یہ کہا کہ اولاد ذکور میں حصہ مساوی رجوع ہو جائے گا تو یہ منفعت وقف نہ اولاد و اثاث کو دی جائے۔ نہ ارث کی طرح بطن اعلیٰ کو بطن اسفل کیلئے حاجب قرار دیا جائے۔ نہ اس میں درجات و طبقات کی ترتیب کا لحاظ کیا جائے کہ واقف کی شرط کی مخالفت جائز نہیں۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ لا يجوز لاحد ان يفعل شيئا مخالفا لما شرطه الواقف اذا شرط الواقف كنص الشارع“ (خیر یہ مصری ص ب ۱۹۸ ج ۱)

کسی کو واقف کی شرط کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے۔ لہذا ان دسوں افراد ذکور کو حصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۸ھ

(۲۰۔ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ)۔

(۷۸۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
• علماء جو مساجد میں تفسیر بیان کرتے ہیں کیا مسجد کی دکانوں کی آمد سے ان کو تنخواہ دینا جائز ہے یا
نہیں؟۔ مولوی محمد عالم برمکان مولانا مولوی عبدالقیوم بالائے قلعہ علی گڑھ ۱۴ ذیقعد ۱۳۶۵ھ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقف نے ان دوکانوں کی آمدنی کو کسی مصرف مسجد کے لئے خاص کر دیا ہے تو اس مصرف
کے سوا دیگر مصالح مسجد میں اس آمدنی کو خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

(ص ۳۸۷ ج ۳)

ردالمحتار میں ہے: بشرط الوقف كنص الشارع۔
فتاویٰ خیرہ میں ہے۔ اذا وجد شرط الواقف فلا سبيل الى مخالفته۔ (ص ۲۰۷ ج ۱)
تو ایسی آمدنی سے تو تفسیر کرنے والے عالم کی تنخواہ ادا نہیں کی جاسکتی۔

اگر واقف نے ان دوکانوں کی آمدنی کو کسی مصرف کیلئے خاص نہیں کیا ہے بلکہ مسجد کے
تمام مصالح کیلئے وقف کیا ہے تو اس آمدنی کو تمام مصالح مسجد میں اسی ترتیب کی بنا پر صرف کیا جائے گا
جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

مسجد له مستغلات وواقف اراد المتولى ان يشتري من غلة الوقف للمسجد
دهنا او حصير او حشيشا او آجر او جصا لفرش المسجد او جصى قالوا ان وسع الواقف
ذلك للقيم وقال يفعل ما ترى من مصلحة المسجد كان له ان يشتري للمسجد ما شاء۔

(قاضی خاں مصطفائی ص ۳۰۰ ج ۴)

اسی طرح اگر یہ دوکانیں عامۃ المسلمین کے چندہ سے تعمیر ہوئی ہیں تو ظاہر ہے کہ اس قسم کا وقف
کسی مصرف کیلئے خاص نہیں ہوتا بلکہ یہ عرفاً تمام مصالح مسجد کو شامل ہوتا ہے۔ اور مصالح مسجد کی
تفصیل الاشباہ والنظائر میں یہ ہے:

لو وقف على المصالح فهي الامام والخطيب والقيم وشراء الدهن والحصير۔

(ص ۴۱۷)

اور صاحب درمختار نے درالمفتی شرح المفتی میں ان کو اور زائد کیا:

الوقاد والفرش واجرة حمل الماء (بدر المفتی مصری۔ ص ۲۳ ج ۱)

اور درمختار میں ان کو اور زائد کیا: والموذن والناطرو والمباشرو واجرة حمل الماء
وكنفة نقله من البير الى الميضاة والشاهد والشادو الحجاب والبواب ومز ملا تى۔

اور فتاویٰ خیرہ میں ان کو اور زائد کیا: الميقاتى لكثرة الاحتياج اليه۔ (ص ۱۵۴ ج ۱)

ان عبارات سے امام وخطیب۔ متولی وناظر۔ موذن ودربان۔ چراغ جلانے والا۔ فرش
بچھانے والا۔ وضو کیلئے پانی لانے والا۔ پینے کا پانی بھرنے والا۔ مسجد کی صفائی کرنے والا۔ مسجد کا خبر گیر
ملازم۔ محصول کا تحصیل دار۔ تیل چٹائی وغیرہ۔ سب مصالح مسجد میں داخل ہیں کہ ان میں بعض تو شعائر
میں سے ہیں اور بعض کی طرف مسجد یا اہل مسجد دونوں کو حاجت ہے۔ بعض وہ ہیں جن کا نفع صرف اہل
مسجد یعنی نمازیوں ہی کو پہنچتا ہے تو اب اہل مسجد کی منفعت وحفاظت کو ملحوظ کرتے ہوئے وہ عالم جو تفسیر
سے احکام دینیہ کا انہیں عام نفع پہنچائے تو اس کی طرف اہل مسجد کو کتنی اہم حاجت ہے۔ لہذا اس عالم
کو بھی مصالح مسجد میں شامل کرنا چاہئے اور خصوصاً جب آمدنی تعمیر وشعائر سے فاضل ہو تو اس عالم کو
حسب کفایت تنخواہ دینا کیوں ناجائز ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے۔

ان انتهت عمارته وفضل من الغلة شئى يبدأ بما هو اقرب للعمارة وهو عمارته
المعنوية التي هي قيام شعائره (ردالمحتار مصری ص ۳۸۸ ج ۳)

اور یہ ظاہر ہے کہ تفسیر کرنا مسجد کی عمارت معنویہ میں داخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المتعصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقير الى الله عز وجل،

العبد محمد اجمل غفر له الاول، ناظم المدرسة اجمل العلوم في بلدة سنجل

(۷۹۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حاجی اللہ بخش نے اپنی جائیداد وقف کی اور تحریر کیا کہ وقف ہذا واسطے فائدہ وپرورش اپنی زوجہ اور
اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لئے ہے بموجب شرع محمدی اور قانون مجوزہ وقف علی الاولاد وایکٹ ۶
۱۹۱۳ء اور نیز یہ کہ مجھ واقف کے چار فرزند مسلمان عبدالصمد ومحمد شفیع وعبدالرحیم وعبدالسمیع اور ایک دختر
مسماۃ خانم اور ایک زوجہ مسماۃ بی جان ہے۔ اس لئے آمدنی اسکی درمیان پسران ودختر بقدر حصص شرعی تقسیم

ہوگی۔ یعنی ہر پسر کو بمقابلہ دختر دو چند حصہ ملے گا۔ اور یہی طریقہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ عبد الصمد کا انتقال ہو گیا، عبد الصمد کے آٹھ پسر پیدا ہوئے جس میں سے چار لڑکوں مسمیان عبد الحق، نور الحق، نظام الحق، اور احسان الحق کا انتقال عبد الصمد کی حیات میں ہو گیا مگر انتقال شدہ عبد الصمد کے لڑکوں نے اپنے پیچھے اولاد اور بیویاں چھوڑی ہیں۔

۱۔ عبد الحق متوفی پسر عبد الصمد متوفی نے ایک بیوہ چھوڑی ہے ایک لڑکا عرفان الحق چھوڑا ہے۔
۲۔ نور الحق متوفی پسر عبد الصمد متوفی نے ایک بیوہ مسماۃ اکبری دو دختران مسماۃ سروری بیگم، اور بلیقیس بیگم، اور ایک پسر مسمیٰ فصیح الدین چھوڑا ہے۔

۳۔ نظام الحق متوفی پسر عبد الصمد متوفی نے پانچ پسران و یک دختر، اکرام الحق، اسرار الحق، معراج الحق، شجاع الحق، احتشام الحق و مسماۃ کشور سلطانہ بیگم چھوڑی۔

۴۔ احسان الحق متوفی پسر عبد الصمد متوفی ایک دختر مسماۃ محمودہ خاتون۔
عبد الصمد کے انتقال کے بعد کیا یہ متوفیاں مذکور کے بچے اور بیویاں جس کی تفصیل اوپر دی گئی ہیں اور اپنے حیات شدہ بچاؤں مسمیان عزیز الحق و گل محمد و نذر محمد و ظہور محمد اور اپنی حیات شدہ پھوپھیوں مسماۃ خیر النساء، رحمت النساء، امین فاطمہ کنیز فاطمہ عزیز فاطمہ کے ساتھ عبد الصمد کے حصہ سے وارث ہوں گے۔ یا نہیں۔ فقط، عبد الصمد متوفی کے چار پسران عزیز الحق و گل محمد و نذر محمد و ظہور محمد، چھ دختران مسماۃ خیر النساء، رحمت النساء، امین فاطمہ، کنیز فاطمہ، انیس فاطمہ، عزیز فاطمہ بعد وفات حیات ہیں۔
امستفتی، ایس عزیز الحق علوی۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں حاجی اللہ بخش واقف نے یہ وقف علی الاولاد اور اپنی اولاد کی اولاد اور اپنی زوجہ کے لئے کیا ہے تو اس میں لفظ اولاد جمع ہے وہ ابد اسکی پیدا ہونے والی تمام نسل کو شامل ہے اور عبد الصمد کی اولاد بطن ثانی ہے اور اس کے پوتے پوتیاں بطن ثالث ہیں اور واقف نے ترتیب بطن وطبقات کی شرط وقف نامہ میں ذکر نہیں کی تو اقرب و ابعد یعنی بطن ثانی و بطن ثالث مساوی حصہ کے مستحق ہیں۔ صاحب درمختار اور درالمستفتی شرح المستفتی میں فرماتے ہیں۔

واما بالجمع سواء كان في البطن الاول او الثاني بان قال ابتداء على اولادی او

قال علی ولدی و اولاد اولادی فیدخل النسل کله ایدا کذا الطبقات الثلاث بلفظ الولد المفرد ویستوی فیہ الا قرب والا بعد الا ان یذکر ما یفید الترتیب یعنی لا یدخل البطن الثانی الا ان یذکر البطن الاول لصیغہ الجمع او بنص علی البطن الثانی ولا یدخل البطن الثالث الا اذا نص علیہ فقال علی ولدی و ولد ولدی و ولد ولدی فاذا نص علی البطن الثالث دخل البطن الرابع والخامس الی مالا نہایۃ ایدا ماتنا سلوا و کذا لول ذکر البطن الثانی بلفظ الجمع فقال علی ولدی و اولاد اولادی کما فی السراخیہ وغیرہا فان بهذا ان البطن الثالث فما تحته الی غیر نہایۃ یدخل بذکر البطن الثالث مطلقا و بذکر البطن الاول او الثانی بلفظ الجمع فلیحفظ فان تحریرہ ہکذا من خواص کتابی ہذا۔

(امستفتی مصری ج ۱ ص ۷۶۶)

واقف نے اولاد ذکر کا حصہ بمقابلہ اثاث کے مثل حظ الانثیین مقرر کر دیا ہے تو اس شرط واقف کا لحاظ بوقت تقسیم ضروری ہے۔ لہذا عبد الصمد کا حصہ اس کے چار بیٹوں عزیز الحق، گل محمد، نذر محمد، ظہور محمد، اور سات پوتوں عرفان الحق، فصیح الدین، اکرام الحق، اسرار الحق، معراج الحق، شجاع الحق، احتشام الحق، اور چھ لڑکیوں خیر النساء، رحمت النساء، امین فاطمہ کنیز فاطمہ، انیس فاطمہ عزیز فاطمہ، اور چار پوتیوں سروری بیگم، بلیقیس بیگم، کشور بیگم، سلطانہ بیگم محمودہ خاتون، للذکر مثل حظ الانثیین یعنی ہر مذکر کو بمقابلہ مونث کے دو چند حصہ دیا جائے، اور ۳۲ سہام پر حصہ عبد الصمد کو تقسیم کر کے گیارہ ذکور کو ۲۲ سہام فی کس دو سہام دیئے جائیں اور دس اثاث کو ۱۸ سہام فی کس ایک سہم دیں۔

درمختار میں ہے۔ و تقسم بینہم بالسویۃ ان لم یرتب البطنون و ان قال للذکر کالانثیین فکما قال۔ اور عبد الصمد کے زائد لڑکے اپنی اولاد کے لئے تو حاجب ہیں اور بھائیوں کی اولاد کے لئے حاجب نہیں،

فتاویٰ خیر یہ میں ہے۔ ان الا صل یحبب فروع نفسه لا فروع غیرہ۔

(فتاویٰ خیر یہ ج ۱ ص ۱۱۵)

اور اولاد واقف میں سے کسی کی بیوی جو اس نسل میں نہ ہو وہ اس وقف میں سے حصہ نہیں پائے گی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عبد الصمد کے حصہ سے اس کے ساتوں پوتے اپنے چچوں کی برابر اور چاروں پوتیاں اپنی پھوپھیوں کے برابر حصہ پائیں گی۔ اور جو بیوی اس کی نسل سے نہ ہوں وہ حصہ نہ پائیں گی۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۹۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
شیخ قطب الدین وشیح قاسم اپنی جائیداد زرعی وسکنائی کو اپنی اولاد پر نسل بعد نسل وبطنابو بطن
وقف کیا اس کا باقاعدہ وقف رجسٹری کروادیا جس کے شرائط میں واقفان نے ان باتوں کی صراحت کر
دی کہ

(شرط ۸) جس میں لکھا آمدنی مذکورہ بالا سے جو بسراوقات الطاف حسین اور اس کی اولاد کی مقرر
کی ہے اس کی تقسیم آئندہ کو اولاد مذکور الطاف حسین نسل کے بعد نسل فصل بہ فصل سال بہ سال بھر شرعی ہوتی
رہے گی اور ہر وارث اپنے اپنے مورث کا حصہ پاتا رہے گا۔ اور اولاد اناث بموجودگی اولاد ذکور مستحق
اپنے مان گون یا چھو چھک کے ہوگی خاص حصہ آمدنی پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

(شرط ۹) میں لکھا کہ کوئی شخص یا اشخاص اولاد ذکور میں بوجہ موت ہو جانے سے اس کے باپ
کے شرعاً محروم ہو جائے تو اس کا وقف ہذا میں کچھ اثر نہ ہوگا۔ وہ شخص یا اشخاص اس طور سے حصہ پاتے
رہیں گے جیسا کہ اپنے باپ کی حیات میں پاتے

(شرط ۱۰) میں لکھا اگر کوئی شخص حصہ دار اپنا حصہ آمدنی وقف سے نہ ہوئے تو اس کا حصہ دیگر شرکا
وقف پر تقسیم کر دیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس وقت اولاد الطاف حسین میں صرف اس کا ایک لڑکا جس
میں ارشاد حسین حیات ہے اس کے والد الطاف حسین کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے دو لڑکے سراج
حسین اور منور حسین ان کی حیات ہی میں فوت ہو چکے ہیں اور ان ہر دو کو بیک وقت پھانسی دی گئی ہے
۔ اس میں منور حسین تو لا ولد فوت ہوا اور سراج حسین کے تین لڑکے سعید الظفر۔ خورشید۔ واحد حسین اور
ایک لڑکی مسماۃ سفدر بیگم موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں ارشاد حسین اولاد سراج حسین کو محروم
کر دیگا یا نہیں؟ اگر محروم نہیں کرتا ہے تو اس جائیداد موقوفہ کی آمدنی اور سکنائی مکانات کے منافع کل کتنے
سہام پر تقسیم ہوں گے؟ اور ارشاد حسین کو کتنے سہام ملتے ہیں؟ اولاد سراج حسین کو کتنے کتنے سہام ملتے ہیں

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب
وقف کی تقسیم کے وقت شرائط کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔
رد مختار میں ہے:

”شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفہوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ“
(از شامی مصری ص ۳۲۸ ج ۳)
واقف کی شرط مفہوم اور دلالت اور وجوب عمل میں شارع کی نص کی طرح ہے۔
رد المختار میں ہے:

وجوب العمل بشرط الواقف فحیث شرط القسمة وجب العمل بما ارادہ“
(رد المختار ص ۳۳۶ ج ۳)

یعنی واقف کی شرط پر عمل کرنا واجب ہے تو اس نے جہاں تقسیم کو شرط کیا اس کی حسب مراد عمل وا
جب ہے تو واقفان نے شرط (نمبر ۸) میں اولاد اناث کو بموجودگی اولاد ذکور کے غیر حقدار قرار دیا ہے اور
شرط (نمبر ۹) اپنے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد سبب اولاد ذکور کو بھی محروم نہیں کیا ہے اور شرط (نمبر ۸)
(ی میں ہر وارث کو اپنے مورث کے حصہ کا حقدار ٹھہرایا اور شرط (نمبر ۱۰) میں اپنا حصہ نہ لینے
والے وارث کے حصہ کو بقیہ شرکاء وقف کی طرف لوٹایا ہے تو ان شروط واقفان کی بنا پر صورت مسئلہ میں
اگرچہ سراج حسین اپنے والد الطاف حسین کی حیات ہی میں فوت ہو گئے لیکن واقفان کی شرط (نمبر ۹) بمو
جب سراج حسین کی اولاد ہرگز ہرگز محروم نہیں ہو سکتی ہے بلکہ یہ اپنے مورث سراج حسین کے حصہ کے
حقدار ہیں۔

رد المختار میں ہے:

”الحاصل انہ اذا رتب بین البطون لا یعطى لبطن الثانی مالہ ینقرض الاصل الا
اذا شرط بعد ذلك من مات من ولد فیصیبه لولدہ فیعطى لولدہ وان کان من البطن الثانی“
(از رد المختار مصری ص ۳۰۲ ج ۳)

حاصل کلام یہ ہے کہ واقف نے جب بطون میں ترتیب ملحوظ رکھی تو جب تک بطن اول بالکل ختم نہ

ہو جائے بطن ثانی کو نہیں دیا جائے گا۔ ہاں جب واقف ہی نے اس کے بعد یہ شرط کی کہ ان میں جو اولاد چھوڑ کر مر گیا تو اس کا حصہ اس کی اولاد کے لئے ہے تو مرنے والے کا حصہ اس کی اولاد کو دیا جائے گا اگر وہ اولاد بطن ثانی ہی میں ہو۔ اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ اولاد سراج حسین اپنے مورث کے حصہ کی مستحق ہے۔

اب اس امر کی تحقیق باقی رہی کہ سراج حسین کا حصہ کس قدر ہے تو اگر منور حسین کی موت سراج حسین کی موت سے ایک منٹ پہلے بھی ہو گئی ہے چاہے پھانسی کی رسی گلے میں ڈالنے کا وقت بالکل ایک ہی ہو۔ جب تو حصہ سراج حسین کے نصف منافع وقف ہونے میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اگر منور حسین کی موت اور سراج حسین کی موت بہ یک وقت ہوئی ہے۔ یا فرض کر لیجئے کہ سراج حسین کی موت ہی اس سے پہلے واقع ہوئی ہے تو جب بھی اولاد سراج حسین نصف منافع وقف کی ہی مستحق ہے اس لئے کہ منور حسین لا ولد فوت ہوا تو وہ بعد موت کے غیر حصہ دار وقف کا قرار پاتا ہے۔ اولاد تو خود ہی واقفان ہی کی شرط (نمبر ۱۷) کی رد سے ہی اس کا حصہ دیگر شرکاء وقف پر تقسیم ہونا چاہئے اور شرکاء وقف میں اس وقت یہی ارشاد حسین اور اولاد سراج حسین ہے تو بجائے تین سہام کے اوپر ہی دو سہام پر تقسیم کیا جائے گا اور منور حسین کا حصہ ہی اس وقف سے ساقط کر دیا جائے گا۔ لہذا ایک سہم ارشاد حسین کو اور ایک سہم اولاد سراج حسین کو دیا جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس کی نظیر موجود ہے جس میں لا ولد مرنے والے کو بوقت تقسیم ساقط کر دیا گیا ہے۔ اور سہام موجودین پر پہلے بطن کے اعتبار سے تقسیم کئے گئے ہیں۔

”ان كان عدد البطن الاعلى عشرة انفس فمات منهم اثنان ولم يترك اولاد ولد ثم مات اثنان بعد ذلك وترك كل واحد منهما ولدا وولد ثم مات بعد هذين اثنان آخران ولم يترك اولاد وولد وولد فتنزع الاربعه الباقيون من البطن الاعلى وولد الميتين قسمت الغلة يوم تاتي على هولاء الاربعه على الميتين الذين تركوا اولاد اكان على ستة اسهم فما اصاب الاربعه كان لهم وما اصاب الميتين للذين تركوا اولاد اكان ذلك لاولاد هما وسقط سہام الاربعه الموتى الذين لم تركوا اولاد اكذا في المحيط۔“

(فتاویٰ عالمگیری۔ ج ۲۔ ص ۳۲۳)

اگر بطن اعلیٰ میں مستحقین کی تعداد دس اشخاص ہیں پھر اس میں سے دو فوت ہو گئے اور انہوں نے نہ کوئی اولاد چھوڑی نہ اولاد کی اولاد پھر ان کے بعد دو اور فوت ہو گئے اور ان میں سے ایک نے اولاد دیا

اولاد کی اولاد چھوڑی پھر ان کے بعد ان سے دو اور فوت ہو گئے اور انہوں نے نہ اولاد چھوڑی نہ اولاد کی اولاد۔ پس بطن اعلیٰ کے چار زندوں نے اور ہر دوسرے والوں کی اولاد نے جھگڑا کیا تو جس دن وقف کی آمدنی وصول ہو کر آئیگی تو ان چار زندوں پر اور ان دوسرے والوں پر جنہوں نے اولاد چھوڑی ہے چھ سہام پر تقسیم کی جائے گی، چار سہام ان چاروں کو پہنچیں گے اور دو سہام ان مرنے والوں کو پہنچیں گے جنہوں نے اولاد چھوڑی ہے اور وہ دونوں سہام دونوں کی اولاد کو دئے جائیں گے۔ اور وہ چار مرنے والے جنہوں نے اولاد نہیں چھوڑی ہے ان کے سہام ہی ساقط ہو جائیں گے۔ اسی طرح محیط میں ہے۔

ثانیاً۔ اور اگر فرض کر لیجئے کہ واقفان نے شرط نمبر ۱۲۔ میں لا ولد مرنے والوں کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ واقفان نے اس وقف نامہ میں لا ولد مرنے والے کے حصہ کی کوئی شرط ہی نہیں لکھی ہے تو اس صورت کا حکم بھی وہی ہے کہ اس لا ولد میت کا حصہ انہیں تمام مذکورین شرکاء وقف پر حسب تقسیم متذکرہ بالا دس سہام پر منقسم ہوگا۔ رد المحتار میں ہے:

و كذا اذا بين حبيب من مات من غير ولد بان شرط عوده لا على طبقه او لمن فى درجته وطبقته او لمن دونه اتبع شرطه فان لم يوجد ما شرطه عاد نصيب ذلك الميت لا صل العلة فقس على الجميع۔ (رد المحتار۔ ج ۳ ص ۲۵۳)

اور اس طرح جب واقف نے لا ولد مرنے والے کا حصہ بیان کر دیا اور اس کے اوپر کی طبقے کے لئے یا ان کیلئے جو اس کے طبقے اور درجہ کے ہیں یا اس کے لئے جو اس کے درجہ سے نیچے ہیں ان میں سے جس کی طرف اس حصہ کا لوٹنا شرط کر دیا تو اس کی شرط کے موافق عمل کیا جائے گا اور اگر واقف نے کسی کے لئے خاص شرط نہیں کی ہے تو اس میت کا حصہ اصل آمدنی میں لوٹ جائے گا۔ اور پھر وہ سب پر تقسیم کیا جائے گا۔

حاصل جواب یہ ہے کہ زرعی و سکنا کی تمام جائیداد موقوفہ کے ہر قسم کے منافع چاہیں وہ آمدنی ہو یا منافع سکونت ہو موجودہ ورثہ میں چودہ سہام پر تقسیم کیا جائے، اس میں سے سات ارشاد حسین کے ہیں اور دو سہام سعید النظر کے ہیں اور دو سہام بابو محمد خورشید کے ہیں اور دو سہام واحد حسین کے ہیں اور ایک سہم مسماۃ صفدری بیگم کا ہے کہ وقف نامہ میں یہ حصہ شرعی کی قید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع عظام اس مسئلہ میں کہ

پیر جی مراد شاہ مرحوم ساکن آنولہ نے عرصہ بعیدہ ہوا ایک باغ اور ایک مکان جامع مسجد کثرہ پختہ آنولہ وقف کیا۔ جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مرحوم موصوف کے ورثاء میں سے کسی نے کسی کے حق میں رہن کر کے منتقل کر دیا اور منتقل الیہ نے بذریعہ نالاش ڈگری کر کر نیلام کر دیا جس کو شیخ عبدالحکیم مرحوم نے خرید لیا اور بعد خریداری اپنا حصہ بقدر دس آنے دیگر مساجد کے نام اس باغ مذکور کو وقف کر دیا جس کے متولی آمدنی باغ حاصل کرتے رہے۔ اب متولی جامع مسجد مذکور نے معلوم ہونے پر باغ مذکور کو بہار انہ فروخت کر کے روپیہ بحق مسجد موصوفہ حاصل کر لیا۔ متولیان وقف نوشہہ عبدالحکیم صاحب موصوفہ کو متولی جامع مسجد کا یہ فعل ناگوار ہے جس کے لئے آمادہ مقدمہ داری ہیں اور بعض مسلمان متولیان کو اس کے لئے مشتعل کر رہے ہیں۔ لہذا ہر دو متولیان ومشتعلین کیلئے کیا حکم ہے اور وقف اول صحیح ہے یا وقف دوم؟۔

بینوا تو جروا

المستفتی رسول احمد قادری منزل آنولہ ضلع بریلی

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ پیر جی مراد شاہ نے اپنا وہ باغ اور مکان جامع مسجد کیلئے وقف کر دیا ہے تو پھر ورثاء واقف کو ان موقوفہ چیزوں کا رہن کرنا باطل و ناجائز ہے۔

در مختار میں ہے: فاذا تم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرہن۔

روا مختار میں ہے: لا یمکن تملیکہ فلا یصح الرہن بہ۔

اور جب انکار رہن ہی باطل ہے تو پھر منتقل الیہ کا اسے نیلام کرانا اور شیخ عبدالحکیم کا اسکو خریدنا اور دیگر مساجد کے نام وقف کرنا اور ان کے متولیان کا اس سے آمدنی حاصل کر کے ان مساجد پر صرف کرنا سب نادرست و ناجائز ہے۔ لہذا شرعاً وقف اول وقف ہے اور دوسرے کو وقف کہنا بالکلہ سمجھنا بھی بے اصل اور بالکل غلط ہے۔ اسی بنا پر متولی جامع مسجد کا اس وقف پر تصرف ناجائز و صحیح اور دیگر مساجد کے متولیان کو اس پر کسی طرح کے تصرف کا حق حاصل نہیں تو ان متولیان کو متولی جامع مسجد کے مقابل کسی کاروائی کا شرعاً کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۹

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنبھل

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع عظام اس مسئلہ میں کہ

کوئی آدمی بکری یا بھیڑ کا بچہ کسی کو بیہ کر دے تو وہ آدمی جس کو بچہ بیہ کر دیا گیا ہے وہ اس کو اچھی طرح پاکر مونا تازہ کر کے قربانی کرنا چاہتا ہے تو کیا بیہ کی ہوئی چیز کی بغیر قیمت ادا کئے ہوئے قربانی کرنا جائز ہوگا یا نہیں کیا ایسے جانور کی جو چھوٹی عمر میں بیہ کر دیا گیا تھا قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔

محمد شفیع مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد سادول پور ضلع چورور جستان

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

کسی چیز کے بیہ کرنے سے موبوب نہ یعنی جس کو بیہ کیا گیا ہے وہ اس چیز کا شرعاً مالک ہو جاتا ہے اور جب وہ مالک ہو گیا۔ تو وہ اس پر ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے لہذا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنبھل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ ذیل میں۔

ایک مسمی عبد الصمد خاں نے اپنی جائیداد و مکان وقف علی الاولاد ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو کیا ان کی دلی منشا اپنے بھتیجے مسمی سردار محمد خاں کو متولی بنانے کی تھی مگر تحریر وقف نامہ کے وقت کاتب کی غلطی سے سردار محمد خاں بند کور کا بڑا بھائی الیاس محمد خاں کا نام وقف نامہ میں بحیثیت متولی درج ہو گیا حالانکہ الیاس محمد خاں تحریر وقف نامہ سے تقریباً ۱۲ سال پہلے فوت ہو چکا لہذا عبد الصمد خاں واقف نے ایک تہہ سردار محمد خاں کے نام ۱۹۵۹ء کو تحریر کیا کہ میرے بعد میرا بھتیجا سردار محمد خاں متولی وقف مذکور کا رہے گا اور میری بیوی کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ عبد الصمد خاں واقف کا سردار محمد خاں کو متولی

وقف بنانا شرعاً صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب تک واقف عبدالصمد خاں زندہ ہے اس کو تاحیات وقف میں تصرف کا حق حاصل ہے۔
شامی میں ہے۔

الولاية للواقف ثابتة مدة حياته۔

تو اگر فرض کر لیجئے کہ اس نے غلطی سے انیاس محمد خاں کو متولی بنا دیا اور وہ اس سے برسوں پہلے فوت ہو چکا ہے تو واقف کا تصرف واختیار پھر باقی ہے تو اس کا تمہ میں سردار محمد خاں کو متولی بنا دینا صحیح ہو گیا اور اس کے اس قول سے پہلے قول کا منسوخ ہو جانا ثابت ہو چکا پہلے وقف نامہ کے غلط ہونے پر یہ چند امور شاہد ہیں۔

(۱) متولی ہمیشہ زندہ کو کیا جاتا ہے تاکہ وہ وقف کی محافظت کرے اور اس میں تصرف کرے اور ظاہر ہے کہ مردہ نہ محافظت وقف کا اہل ہے نہ صاحب تصرف ہے۔

(۲) اگر پہلے وقف نامہ میں یہ غلطی نہ ہوتی تو اس کو تمہ کی حاجت پیش نہ آتی۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اس وقف عبدالصمد خاں کا متولی سردار محمد خاں شرعاً و عقلاً قرار پایا اور انیاس محمد خاں کا متولی ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعظم بالصواب ۶/ رذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

عبد المجید
اللہ ناہر

﴿۷۸﴾

باب الشہادت

(۷۹۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ
اگر کوئی شخص لاؤڈ اسپیکر میں اپنی بی بی کو طلاق دے یا خرید و فروخت کرے تو اس کی طلاق کی
باقی کی شہادت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صرف دور سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز سکر شہادت دینا جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اذا علمت مثل الشمس فاشهدوا لا فذع۔

(ہدایہ آخرین ص ۱۸۷)

ہدایہ میں ہے: ولو سمع من وراء الحجاب لا يجوز له ان يشهد۔

(ہدایہ آخرین ص ۱۸۸)

یعنی شرح کنز الدقائق میں ہے: ولو سمع من وراء الحجاب اراد شخص لا یسعه ان
یشہد لاحتمال ان یکون غیرہ اذا النغمۃ تشبہ النغمۃ۔ (یعنی مصری ج ۲ ص ۷۹)

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے: ولو سمع من وراء الحجاب لا يجوز ان يشهد ولو
نسد الصوت للقاضي لا يقبله لان النغمۃ تشبہ النغمۃ۔ (جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۲۹۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۹۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

تین اشخاص نے خصوصاً جن میں ایک حاجی صاحب بھی تھے اور بھی چند شخصوں نے ایک قاضی صاحب کے روبرو شہادت بخلف شرعی دی کہ مسماۃ زابدہ بیگم عرف منی بنت شفاعت خاں عرف سنو خاں ساکن محلہ نخاسہ بلدہ سنجل کو اس کے خاوند فریاد حسین ولد کفایت اللہ ساکن محلہ نخاسہ بلدہ سنجل نے ہمارے روبرو وطلاق دیدی ہے اور عدت گذر چکی ہے اور زابدہ بیگم نے بھی بخلف یہی اقرار کیا کہ مجھ کو طلاق ہو چکی ہے اور عدت بھی گذر چکی ہے قاضی صاحب نے گواہوں کی حلفیہ گواہی اور چند شخصوں کی تائید پر اعتماد کرتے ہوئے زابدہ بیگم کا نکاح پڑھا دیا کوئی ذاتی علم قاضی صاحب کو طلاق ہونے نہ ہونے کا نہ تھا بعد کو معلوم ہوا کہ زابدہ بیگم کو اس کے خاوند نے طلاق نہیں دی ہے اور گواہوں نے جھوٹی گواہی حلفیہ دی تھی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ قاضی صاحب نے گواہوں کی حلفیہ گواہی پر اعتماد کرتے ہوئے جو نکاح پڑھا یا ہے شرعاً قاضی صاحب پر کوئی جرم ہے یا نہیں۔

المستفتی اشتیاق محمد خاں چودھری سرائے سنجل

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اس مسماۃ زابدہ بیگم کی طلاق سے اگر خود قاضی صاحب تو بالکل لاعلم اور بے خبر تھے اور ان کے سامنے شرعی شاہدوں نے اس مسماۃ کو اس کے شوہر فریاد کا اپنے روبرو وطلاق دینا بیان کیا۔ قاضی صاحب نے اس شرعی شہادت کے گذر جانے کی بنا پر اس مسماۃ کا دوسرے شخص سے نکاح پڑھا دیا تو شرعاً قاضی صاحب تو مجرم ثابت نہیں ہوئے اور اس طلاق کی جھوٹی شہادت کا گناہ عظیم اور اس خلاف شرع نکاح ہونے کا شدید جرم اور اس پر مرتب ہونے والے حرام کا سارا وبال ان جھوٹے گواہوں اور خود اس مسماۃ مذکور اور اس کے ان اولیاء واقارب پر ہے جنہوں نے جان بوجھ کر ان امور میں سعی یا شرکت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۸ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۹۷)

مسئلہ

ہادی دین جامع العلوم جناب مفتی صاحب سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ آپ برائے مہربانی

مسائل ذیل کے جواب باقاعدہ معہ مہر کے تحریر فرمادیتے گا۔

(۱) اگر کسی عدالت وقت میں کوئی مسلمان دعویٰ و بیان نکاح فاسد کرے اس کے حق میں شرع نے کیا حکم دیا ہے؟

(۲) اگر کسی کی عدالت میں بیان کیا جاوے نکاح ہوا اور قاضی کو ناپسند ہو بیان کریں تو شرعاً یہ بات مان لی جائیگی یا نہیں؟

(۳) وکیل گواہان خود جس سے نکاح ہونا بیان کریں اور وہ اپنے بیان میں بوقت ذکر اجازت نکاح یہ نہیں کہتے یہ اس مہر پر نکاح کی اجازت دی لہذا اس صورت میں نکاح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: مقتصد احمد بہار حسین مدین پور پرگنہ سنجل

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) جھوٹا دعویٰ کرنے والا اور کسی پر جھوٹ نکاح ثابت کرنے والا شرعاً سخت مجرم و گنہگار و مفتری و فاسق ہے۔

(۲) فقط ایک شخص کے یہ کہہ سنے سے کہ فلاں شخص فلاں سے نکاح ہوا شرعاً ان کے مابین نکاح ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے غیر فاسق عادل گواہان کی شہادت شرعی ضروری ہے اور اسی طرح قاضی کا ناپسند ہونا اور مراہوا ہونا محض اس کے بیان سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس پر شہادت شرعی نہ گذرے۔

(۳) نکاح میں قبول اور ایجاب کا ہونا ضروری ہے اگر عورت کی طرف سے اجازت نہیں حاصل کی گئی تو ہرگز نکاح نہ ہوگا لیکن اس کی اجازت میں مہر کا ذکر کرنا ضروری نہیں کہ شرعاً بلا ذکر مہر کے بھی نکاح ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں شرعاً مہر مثل لازم ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۷۹۸)

مسئلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین و مجتہدین دین و مفتیان شریعت اس سلسلہ میں کہ

ایک عورت قریب ایک سال ہوا بیوہ ہوئی۔ اس کے ایک سوتیلی لڑکی ہے لڑکی کے ورثاء نے یہ خیال اس کے کہ متوفی کی جائیداد اور صحرائی بیوہ کو نہ پہونچے بلکہ لڑکی سوتیلی کو پہونچ جاوے یہ امر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ متوفی شوہر نے قریب زائد از چالیس سال ہوئے طلاق دے دی تھی اور زائد از چالیس سال ہوئے اس عورت نے ایک اور شخص سکناہ حال رام پور سے نکاح کر لیا تھا چنانچہ اس کی تائید میں رام پور کے اس شخص کو پیش کیا جس نے کہہ دیا کہ میرے ساتھ نکاح ہوا تھا پھر میرے گھر سے اسی زمانہ میں چلی آئی تھی میں نے کوئی پیچھا نہیں کیا اور ساتھ ہی ایک قاضی نکاح خواں کو پیش کیا کہ میں نے نکاح پڑھا ہے اور یہ رسید نکاح میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اس کا کوئی گواہ وکیل پیش نہیں ہوا اور نہ اس رسید پر زوج، زوجہ، وکیل، گواہان کے دستخط ہیں۔ آیا ایسی صورت میں یہ رسید نکاح جائز مانی جاوے گی یا ناجائز اصل رجسٹر کے متعلق کہلا دیا کہ ۴۷ کے مروس میں سوخت ہو چکا ہے مسئلہ سے مطلع فرمائیگا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئلہ میں اس عورت کے نکاح ثانی کے صحیح ہونے کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ شوہر اول کا طلاق دیدینا ثابت ہو جائے اور ثبوت طلاق کے لئے شرعا دو شاہدان عدل کی شہادت شرعی کا پایا جانا ورنہ کم از کم اس عورت کا یہ اقرار کرنا ضروری ہے کہ مجھے شوہر اول طلاق دے چکا ہے اور بصورت عدم شہادت و اقرار کہ اس عورت پر طلاق ثابت نہیں ہو سکتی اور جب اس عورت کا مطلق ہونا ثابت نہیں ہو سکتا تو یہ عورت شوہر اولیٰ عورت قرار پائی اور شوہر اولیٰ عورت کا دوسرا نکاح سرے سے باطل و حرام ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یعنی تم پر شوہر اولیٰ عورتوں کا نکاح کرنا حرام کر دیا تو اس صورت میں اس نام کے شوہر ثانی کا شوہر اول کی موجودگی میں اس شوہر اولیٰ عورت سے نکاح ثانی کرنا نکاحاً شرعاً باطل و حرام ہے۔ اور بحکم قرآن ایسا نکاح حرام ثابت ہوا۔ لہذا اس شوہر ثانی کا یہ اقرار اور قاضی نکاح خواں کی شہادت صریح جھوٹ اور فریب قرار پائی اور وہ رسید نکاح غلط و باطل شہری۔ اور بصورت ثبوت طلاق کے کہ دو شاہدان عدل کی شرعی شہادت اس امر پر موجود ہو کہ شوہر اول نے اس عورت کو طلاق ہمارے سامنے دے دی ہے ورنہ کم از کم وہ عورت یہ اقرار کرے کہ مجھے شوہر اول نے طلاق دیدی ہے۔ تو اس شخص ساکن رام پور کے ساتھ نکاح ثانی ثابت ہونے کے لئے بھی دو شاہدان غیر فاسق کی شہادت شرعی ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر شاہدان نکاح کا اس وقت وجود نہ ہو تو کم

از کم یہ عورت اقرار کرے کہ میرا اس شخص سے بعد گزر جانے عدت طلاق کے نکاح ثانی ہوا تھا جس کے فلاں فلاں شاہد تھے۔ لیکن سوال میں اس عورت کا نکاح ثانی کے لئے ایسا اقرار بھی مذکور نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ یہ عورت طلاق اور نکاح ثانی کی منکر ہے۔ اور نکاح ثانی کے شاہدان بھی فرضی معلوم ہوتے ہیں کہ رسید نکاح پر ان کے دستخط یا نشان انگوٹھا مثبت نہیں ہے تو بصورت انکار زوجہ و عدم شہادت نکاح کے صرف اس شخص کا اس عورت سے نکاح ثانی کا دعویٰ کرنا شرعاً حجت نہیں۔ نہ ایسا بے ثبوت دعویٰ قابل قبول ہو سکتا ہے۔

اب باقی رہا اس شہادت میں قاضی نکاح خواں کا پیش کرنا اور اس قاضی کا اپنی شہادت کے ثبوت میں ایسی رسید کا پیش کرنا جس پر زوجین اور وکیل و گواہان کے دستخط و نشان انگوٹھا تک مثبت نہ ہوں۔ تو نہ صرف قاضی کی شہادت کافی نہ ایسی غیر معتبر رسید حجت شرعی۔ خصوصاً جب قاضی یہ بھی کہتا ہے کہ اصل رجسٹر نکاح رخت ہو چکا ہے تو اس رسید کے غیر معتبر ہونے کے لئے خود اس کا یہ قول مزید بین دلیل ہے۔ لہذا اس عورت کے نکاح ثانی کے ثبوت کے لئے نہ صرف قاضی کا ایک بیان دلیل شرعی ہے نہ ایسی غیر معتبر رسید حجت قلعی ہے کہ فقہاء کرام کا مشہور قاعدہ ہے ”الخط يشبه الحظ“ علاوہ بریں یہاں جائداد کا سوال ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے اس دور پر فتن میں کس قدر فریب کتنی جعلنازیاں کی جاتی ہیں۔ جھوٹے گواہان کو رقم دیکر کتنا صریح جھوٹ بلوایا جاتا ہے۔ حاکم کے رو برو طرح طرح کے انتہائی دجل و کذب سے کام لیا جاتا ہے خصوصاً ثبوت نکاح کے لئے قاضی کو کچھ رقم دیکر نکاح پڑھا دینے کا اقرار کر دینا اور اس قاضی کا اپنے ثبوت میں پیش کرنے کے لئے جعلی رسید کا بنا دینا بلکہ خود رجسٹر نکاح میں تصرف کر ڈالنا یہ دن رات مشاہدات ہیں۔ لہذا ہمارے زمانہ میں کسی نکاح کے ثبوت کے لئے صرف ایک قاضی کی گواہی اور ایسی جعلی رسید ہرگز ہرگز کافی نہیں بلکہ یہ تو کبھی عدم نکاح کی دلیل بن جاتے ہیں۔ بالکلہ اس صورت میں ایسی رسید نکاح شرعاً نہ حجت نہ صرف قاضی کا بیان دلیل شرعی ہے تو اس عورت کا اس رام پور کے شخص سے نکاح ثانی ثابت نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۰ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

کتبہ: المستصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد: جمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۸ھ

مسئلہ

(۷۹۹)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں

- (۱) کیا فقط عورت کے بیان سے طلاق ثابت ہو سکتی ہے؟
- (۲) کیا اگر عورت کی رشتہ دار دو عورتیں گواہی دیں تو ان کی گواہی سے طلاق ثابت ہو سکتی ہے؟
- (۳) کیا طلاق دید و نگا کے لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟
- (۴) کیا ایک طلاق صریح سے عورت نکاح سے باہر ہو جاتی ہے؟ اور مرد کو حق رجعت باقی نہیں رہتا ہے، اور طلاق رجعی کسے کہتے ہیں؟
- (۵) کیا ایک ہی طلاق رجعی ہوتی ہے یا دو بھی رجعی ہو جاتی ہے؟
- (۶) کیا طلاق رجعی کے بعد عورت مرد باہمی ارتباط کیساتھ ایک ہفتہ رہیں اور تعلقات زن و شوہر جاری رہیں تو یہ رجعت ہوگی یا نہیں؟۔ بینا تو جروا۔
- المستفتی قاضی عرفان الحق محلہ شیخیا پورہ بہرائچ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

- (۱) اثبات طلاق میں نصاب شہادت کیلئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شرط ہیں۔ فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری جلد سوم مطبوعہ مجیدی کانیپور میں ہے:
- ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما لا يطلع عليه الرجال وشرط فيها شهادة رجلين او رجل وامرأتين سواء كان الحق ما لا او غير مال كالنكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصايا ونحو ذلك۔ (عالمگیری ص ۲۰۳ ج ۳)۔
- اور شہادت کی وہ قسم جو حدود و قصاص اور جس پر مرد مطلع نہ ہوتے ہوں ان کے علاوہ امور کی اسمیں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت میں شرط ہیں اب حق از قسم مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح۔ طلاق۔ وکالت و وصایت اور انکی مثل۔

تو یہ الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق ما لا او غيره كنكاح و طلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي ولو للارث رجلان او رجل وامرأتين ملخصا۔

(ردالمحتار۔ ص ۳۸۷ ج ۳)

اور شہادت کی وہ قسم جو حدود و قصاص اور ان کے علاوہ حقوق کیلئے ہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح۔ طلاق۔ وکالت۔ وصیت۔ گریہ مولود بغرض میراث دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ فقط عورت کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہو سکتی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) اثبات طلاق میں بغیر ایک مرد کے فقط عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد سوم مطبوعہ مذکور کے ص ۲۰۶ میں ہے:

ولا تقبل شهادة النساء وحدهن الا شهادة القابلة على او لا دة في حق النسب دون الميراث هكذا في قاضي خان۔

فقط عورتوں کی شہادت مقبول نہیں مگر وقت پیدائش کی شہادت دایہ صرف حق نسب میں معتبر ہے نہ میراث کے ثابت ہونے کیلئے اسی طرح قاضی خاں میں ہے۔

(۳) لفظ طلاق دو نگا کے کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لو قال هویت طلاقك او احبب طلاقك او رضيت طلاقك او اردت طلاقك لا

(عالمگیری ص ۵۲ ج ۲)

تطلق وان نوى۔

اگر کہا میں تیری طلاق چاہتا ہوں یا مجھے تیری طلاق محبوب ہے یا میں تیری طلاق سے راضی ہوا یا میں تیری طلاق کا ارادہ رکھتا ہوں تو ان الفاظ سے اسے طلاق نہ ہوگی اگرچہ مرد نے نیت کی ہو۔

لہذا جس طرح ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس طرح لفظ طلاق دو نگا سے طلاق واقع نہیں ہوتی کہ اس میں بھی یا عورت کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے یا اس سے اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے یا وعدہ کرتا ہے لیکن اس وقت طلاق واقع نہیں کرتا۔ علاوہ بریں اس لفظ میں عورت کی طرف نسبت و اضافت نہیں تو اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ایک صریح سے عورت تا انقضائے عدت نکاح سے خارج نہیں ہوتی، مرد کو آخر عدت تک

رجعت کا حق رہتا ہے۔

جامع العلوم میں ہے:

الطلاق الصريح كل لفظ مو ضوع للطلاق بين قوم لا يريدون به الا الطلاق فهو

صریح عربیہ کان او فارسیا او غیر ذالک والواقع بہ الطلاق الرجعی اذا كانت مدخولة۔
(جامع العلوم ص ۲۸۰ ج ۲)

طلاق صریح کا ہر وہ لفظ ہے جو لوگوں میں طلاق کیلئے وضع کیا گیا ہو اور لوگ اس سے طلاق ہی کا ارادہ کرتے ہوں وہ صریح ہے اب وہ لفظ عربی کا ہو یا فارسی کا یا کسی اور زبان کا اور جب وہ عورت مدخولہ ہے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔
فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الطلاق الصریح وهو كانت طالق ومطلقة وطلقتك وتقع واحدة رجعية۔

(عالمگیری ص ۳۵ ج ۲)

طلاق صریح جیسے تو طلاق والی ہے، یا طلاق دی ہوئی ہے، یا میں نے تجھے طلاق دی، تو ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

لہذا ایک طلاق صریح سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور رجعی سے عورت نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور مرد کو حق رجعت باقی رہتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۵) طلاق رجعی کی تعریف فقہائے کرام نے یہ تحریر فرمائی ہے۔ جامع العلوم مطبوعہ دائرہ المعارف کے ص ۳۸۱ ج ۲ میں ہے:

الطلاق الرجعی هو الطلاق الذی لا یحرم الوطی فی العدة ویكون النکاح باقیاً علی ما کان عند مضی العدة تبین فیحرم الوطی ودواعیه ویحتاج الی نکاح جدید۔

طلاق رجعی وہ طلاق ہے جس سے عدت میں وطی حرام نہ ہو اور نکاح جیسا تھا ویسا ہی باقی رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد وہ عورت بائنہ ہو جائے گی تو وطی اور دواعی حرم ہونگے اور نئے نکاح کی حاجت ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الرجعی (فی الطلاق) ابقاء النکاح علی ما کان ما دامت فی العدة۔

(عالمگیری ص ۱۰۹ ج ۲)

طلاق کا رجعی ہونا نکاح جیسا تھا اسکا باقی رکھنا ہے جب تک وہ عورت عدت میں رہے۔

(۶) طلاق رجعی دو بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو قال انت طالق الطلاق وقال: عنیت بقولی طالق واحدة بقولی الطلاق

اخری فتقع رجعتان ان كانت مدخولا بها۔ (عالمگیری ص ۳۹ ج ۲)

اگر کہا تو طلاق سے طالق ہے اور کہا میں نے اپنے قول طالق سے ایک طلاق مراد لی اور اپنے قول طلاق سے دوسری طلاق۔ تو اگر وہ عورت مدخولہ ہے تو دو طلاق رجعی واقع ہوئیں۔
درمختار میں ہے:

وقعتا رجعتان لو مدخولا بها کقولہ انت طالق طالق۔

(رد المحتار ص ۲۳۳ ج ۲)

اور دو طلاقیں رجعی واقع ہوگی اگر وہ مدخولہ ہو مثل اس کے قول سے کہ تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے۔

(۷) طلاق رجعی کے بعد جب مرد نے عورت کیساتھ ایک ہفتہ تک زن و شوہر کے تعلقات جاری رکھے اور پہلی مرتبہ ہی جب وطی کی یا اس کے دواعی بشہوت کئے تو بلا شک رجعت ہوگئی۔
فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وان رجعها بالفعل مثل ان یطأها او یقبلها بشهوہ او ینظر الی فرجها بشهوہ فانه یصیر مراجعا عندنا۔ (عالمگیری ص ۱۰۹ ج ۲)

رد المحتار میں ہے: لو طلقها وهو مقيم معها بعاشر معاشرۃ الا زواج لیس لها التزوج۔

(رد المحتار مصری ص ۵۵۰ ج ۲)

ان ہر دو عبارات کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ مرد نے اپنی عورت کو طلاق رجعی دی اور اس نے قول سے رجعت نہیں کی یعنی الفاظ رجعت زبان سے نہ کہے بلکہ صرف فعل سے اس طرح رجعت کی کہ وہ مرد اس عورت کیساتھ بالکل اسی طرح رہا جس طرح مرد عورت کے کیساتھ معاشرت کرتا ہے یہاں تک کہ وطی اور دواعی بشہوت ہوئے تو عند الفقہاء وہ مرد رجعت کر نیوالا قرار پائے گا اور اسکا یہ فعل رجعت ہوگا اور اس عورت کو کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں۔ تو اب حاصل جواب یہ ہے کہ جب طلاق رجعی کے بعد مرد عورت کے ہفتہ بھر تک تعلقات زن و شوہر سے رہے اور باہمی خوب ارتباط رہا تو بلا شک رجعت ہوگئی اور وہ عورت کسی اور سے اپنا دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر

سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المقصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

سوال بخدمت اقدس حضرت مولانا مولوی قاری مفتی اجمل شاہ صاحب دامت برکاتہم۔

التماس ہے کہ مندرجہ ذیل سوالوں کا شافی مفصل اور عام فہم جواب عطا فرما کر ممنون فرمائیں گے

(۸۰۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید نے اپنی دور کی رشتے کی خالہ سے زنا کیا۔ زید کی خالہ کے زید سے حمل رہ گیا یہاں کے مقامی مسلمانوں کی بااثر باعزت جماعت نے مذکورہ عورت سے اس ناجائز حمل کے بارے میں دریافت کیا تو عورت نے حلفیہ قسم کھا کر اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر تین بار زید کا نام لیا۔ جماعت نے جب زید کو طلب کیا تو اس نے آنے سے انکار کر دیا آخر جماعت نے زید کو آنے کے لئے مجبور کیا تو زید نہیں آیا۔ زید اتنا سرکش و نافرمان ہو گیا ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے حلفیہ کہتا ہے میں تو بھونرا ہوں میرا کام پھولوں کا رس پینا ہے۔ مقامی جماعت نے زید کو اس گناہ پر توبہ کے بجائے یہ مذکورہ لفظ سکر آپس میں یہ طے کر لیا ہے کہ زید کے گھرانے سے قطع تعلق کر لیا جائے۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد جماعت نے زید اور اس کے والد سے بول چال بیٹھنا اٹھنا کسی بھی تقریب میں اس کے یہاں آنا جاس کو بلانا قطعاً بند کر دیا ہے۔

(۲) زید کے والدین یہاں کے مقامی مولوی صاحب کے پاس گئے اور انہیں اپنے خیال کے موافق بنالیا اور ان کے نزدیک اپنی کامیابی پر خوش ہو کر انہوں نے مولوی صاحب کے یہ مع چند احباب کے دعوت بھی کی اور مقامی مولوی صاحب مع چند احباب کے زید کے یہاں دعوت طعام میں تشریف بھی لے گئے۔ اس جماعت نے زید کے گھرانے سے قطع تعلق کیا تھا وہ یہی مولوی صاحب سے عقیدت رکھتی ہے مگر ان کا یہ حال دیکھ کر بدن ہو گئی ہے۔

آخر جماعت نے یہ طے کیا کہ چند لوگ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر خود تمام حالات عرض کریں۔ آخر دوسرے دن قریباً جماعت کے آدمیوں میں سے پندرہ بیس اشخاص مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے طرز گفتگو بعینہ تحریر ہے؛

مولانا: آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟

جماعت کا ایک شخص: حضور (زانی کا نام) معاملہ کو طے کرانا ہے۔

مولانا: (بہت غصہ میں) کیا شرعی نقطہ نظر سے جماعت نے انہیں بند کیا ہے؟

جماعت میں سے ایک شخص: جی ہاں حضور شرعی نقطہ نظر سے ہم نے قطع تعلق بند کیا ہے۔ نیز حضور

کوہی ایک زانی کے یہاں نہ جانا چاہئے نہ کھانا چاہئے۔

مولانا: میں تو جاؤں گا بھی اور کھاؤں گا بھی جب تک کسی عالم کا فتویٰ نہ ہو۔ (حالانکہ مولوی

صاحب خود فتویٰ دیا کرتے ہیں)

جماعت کا ایک شخص: حضور جماعت کا فیصلہ تو حق پر ہے، مطابق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے اور جب ہم حق پر ہیں تو حضور کو بھی مطابق رسول کے جماعت کا ساتھ دینا چاہئے نہ

کے زانی کا۔

مولانا: ثبوت؟

جماعت کا شخص: یا ایہا الذین آمنوا کو نو اقامین۔۔۔ تا۔۔۔ واتقوا اللہ (سورۃ مائدہ۔ پ ۶)

اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور

کسی خاص قوموں کی عداوت تمہارا خیال نہ ہو کہ تم عدل نہ کرو بلکہ انصاف کیا کرو اس لئے کہ خدا انصاف

کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہے اور خدا سے ڈرو۔

دوسری جگہ: وان حکمت فاحکم بینہم۔۔۔ تا۔۔۔ مقسطین،۔۔۔ جماعت کے شخص نے

جب یہ آیتیں پڑھیں تو مولانا صاحب فرماتے ہیں: کون سے قرآن کی یہ آیتیں ہے؟

جماعت کا شخص: حضور کیا قرآن بھی دو ہیں، قرآن تو ایک ہی ہے جو ہمارے پیشوا حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے جس میں ہمارا ایمان ہے، قرآن میں سے ہی مائدہ پ ۶ سے یاد کی ہیں۔

مولانا: ہوگی کسی قرآن کی (نعوذ باللہ من ذلک) میں نہیں جانتا۔ نہ تمہاری جماعت کو کچھ

سمجھتا ہوں)

جماعت نا کام واپس گھر آگئی۔

محترم المقام صاحب مندرجہ بالا سوالات اور جواب سے سارا شہر پریشان ہے سب مولانا کی

اس حرکت پر اور ملامت کرتا ہے، حتیٰ کہ ان کے خاص خاص مریدین بھی ان کے اس مذموم جوابات سے

بدطن ہو گئے۔ حضور والا سے عرض ہے کہ مقامی مولانا کے لئے زید اور اسی کے والد کے لئے نیز جماعت کے حق میں شرعی فیصلہ جو ہو جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعہ یہ ہے کہ عورت اقرار کرتی ہے کہ مجھ سے زنا کیا گیا ہے تو اس عورت کا زانیہ ہونا تو خود اس کے اپنے اقرار ہی سے ثابت ہو گیا کہ یہ اقرار اس کے حق میں تو حجت شرعیہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے: و اقراره حجة على نفسه۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۸۸)

باقی رہا عورت کا یہ قول کہ مجھ سے زید نے زنا کیا ہے اور اس کا یہ حمل ہے، تو اس عورت کا اقرار دوسرے کے لئے حجت شرعی نہیں۔ درمختار میں ہے: الاقرار حجة فاصرة على المترو لا بتعدى الى غيره۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۸۸)

تو زید کا زانی ہونا صرف اس عورت کے اقرار سے ثابت نہیں ہوتا، اور سوال میں زید کے زانی ہونے پر حج شرعیہ میں سے نہ تو بینہ یعنی شہادت شرعیہ کا ذکر ہے نہ خود زید کا اقرار ہی مذکور ہے اور جن الفاظ میں تھا اس کو خود ہی سائل نے قلم زد کر دیا تو وہ قابل اعتبار نہیں۔ نہ کول کا بیان ہے۔ اور حج شرعیہ صرف پہلی تین ہیں۔ فتاویٰ خیرہ میں ہے: حجاج الشرع الشريف ثلاث البينة والاقرار والنكول۔ (خیرہ ج ۱ ص ۲۰۴)

تو جب ان حجتوں سے کوئی حجت نہیں پائی گئی تو اس جماعت نے زید کا زانی ہونا کس دلیل شرعی سے ثابت کیا اور یہ اس کا عمل کس حجت شرعی سے مانا۔

اب باقی رہا زید کا جماعت کے طلب کرنے پر نہ آنا، تو اس میں نہ تو نكول کے معنی متحقق ہوئے نہ صراحتہ اقرار زنا پایا گیا۔ تو جماعت کے طلب کرنے پر زید کا نہ آنا اس کے غفلتی ہو جانے کے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔

اب باقی رہا زید کا یہ کلام: میں تو بھونرا ہوں میرا کام پھولوں کا رس پینا ہے۔ ان الفاظ میں بھی زنا کا صریح اقرار نہیں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولا بدان يكون الاقرار صريحاً بقدر البالغ العاقل على نفسه بالزنا اربع مرات في اربعة محالس المقر كذا في الهداية۔ تو جب ان الفاظ میں بھی زنا کا صریح اقرار ہی نہیں تو تو زید کے زانی ہونے کا ثبوت کس دلیل شرعی سے ثابت

ہوا، بالجملہ اس مقامی جماعت نے کس حجت شرعی کی بنا پر زید کے لئے زانی ہونیکا قطعی حکم دیا اور اس کے گھرانے سے قطع تعلق کو طے کیا۔ یہ سوال اگر مطابق واقعہ ہے تو جماعت کا یہ فیصلہ خود خلاف شرع ہے جو قابل عمل نہیں۔

(۲) جب زید کا زانی ہونا کسی حجت شرعیہ سے ثابت نہ ہو سکے اور جماعت کا اس کو زانی قرار دینا بلا ثبوت شرعی کے ہے تو مقامی مولوی صاحب کا جماعت کے غلط فیصلے کو نہ ماننا اور زید کو زانی قرار نہ دینا، شرعاً نہ تو کوئی جرم ہے نہ اس کی دعوت کھانا قابل ملامت ہے، بلکہ ان مولوی صاحب کا یہ قول۔ (میں زید کے گھر جاؤں گا بھی اور کھاؤں گا بھی جب تک کسی عالم کا فتویٰ نہ ہو۔) مجھ پر کوئی الزام شرعی عائد نہیں ہوتا۔ الزام اس جماعت پر ہے جس نے مندرجہ فی سوال امور پر زید کے حق میں بلا کسی مفتی کے فتوے کے محض اپنی لاعلمی سے خلاف شرع فیصلہ طے کر لینے کی جرأت کی، اور بلا دلیل کے اپنے فیصلہ کو حق جاننا اور مطابق خدا و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماننا۔

باقی رہا ان مولوی صاحب کا آیات قرآنی کے جواب میں یہ الفاظ کہنا کون سے قرآن کی یہ آیتیں ہیں اور ہوں گی کسی قرآن کی میں نہیں جانتا۔ ان میں قرآن کریم کی تخفیف شان ہے، اور سوء ادبی ہے اور اگر یہ الفاظ فی الواقع ان مولوی صاحب سے صادر ہوئے ہوں تو ان پر توبہ اور استغفار لازم ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو پھر وہ قابل ملامت اور لائق نفرت ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المتخصص بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿۷۹﴾

باب الغصب

(۸۰۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے بیٹے کا کچھ مال جو زید سے بالکل خورد و نوش کا تعلق علیحدہ رکھتا ہے عمر کے بھائی کی طرف اور وہ بھی زید کو یہ نہیں معلوم کہ عمر کے بھائی کے کیا مطالبات زید کے بیٹے کی طرف ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو غالباً وہ مال بھی تعداد میں بہت کم ہے اس مال کے مقابلہ میں جو آگے اسی مسئلہ میں رکھا جائے گا۔ اگر ایسی حالت میں زید عمر کے مال کو جو اس بھائی سے بالکل کاروبار علیحدہ کرتا ہے اور وہ تعداد میں زید کے بیٹے کے مال سے بہت زیادہ ہے اسی کے خود دبانے یا کسی دوسرے شخص کے پاس جو اس کا زیر اثر ہو دبانے کی کوشش کرے جس سے عمر کو سخت نقصان پہنچتا ہو تو اس صورت میں زید کے ذمہ شرع شریف کیا جرم قائم کرتی ہے۔ اور ایسی حالت میں زید کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟۔ فقط

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب عمر اور عمر کا بھائی بالکل ایک دوسرے سے علیحدہ ہے اور اپنے اپنے کاروبار و دیگر معاملات میں ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتا اور زید کا بیٹا بھی زید سے خورد و نوش تک میں علیحدہ ہے۔ اور زید کے بیٹے کا مال بھی جو عمر کے بھائی پر ہے عمر کے مال سے بہت کم ہے تو باوجود امور بالا کے زید کا عمر کے مال کو دباننا یا دباوانا اسر ظلم ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا لا تظلموا، الا لا يحل مال امرء الا بطيب نفس منه۔

یعنی خبردار ظلم نہ کرو، خبردار کسی شخص کا مال حلال نہیں مگر اس کی خوشی سے۔

اور بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

من اخذ (ای اموال الناس) يريد اتلافها اتلفه الله عليه۔

یعنی جو شخص آدمیوں کا مال لے، اور اس کے ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس

کو ضائع کر دے گا۔

اور ایک حدیث میں تو یہاں تک وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مطل الغنی ظلم۔ یعنی مالدار کا ٹالنا اور ادائے حق نہ کرنا ظلم ہے۔

لہذا یہ زید عمر کے مال دبانے کی وجہ سے ظالم بلکہ غاصب ٹھہرا۔

ہدایہ میں ہے: ان الغصب اثبات اليد على مال الغير على وجه يزيل يد المالك۔

یعنی غیر کے مال پر مالک کا قبضہ زائل کر کے اپنا قبضہ ثابت کرنا غصب کہلاتا ہے۔

تو زید یقیناً فاسق ہوا۔ پھر زید کا یہ گناہ اس کے مقتدیوں پر اتنا ظاہر ہو گیا کہ وہ اس کی امامت

سے کراہت کرنے لگے تو پھر ان کو زید کا امامت کے لئے بڑھانا گناہ ہے۔

چنانچہ علامہ محقق حلبی غنیۃ میں فرماتے ہیں:

لو قدموا فاسقا یا ثمونا بناء على ان كراهة تقديمه كراهة تحريره۔

یعنی اگر مسلمان کسی فاسق کو امامت کے لئے آگے کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور اس کا مقدم

کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

اور نیز شامی حاشیہ در مختار میں ہے: اما الفاسق فقد عدلوا كراهة تقديمه باه لا يهتم لامر

دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعا۔

یعنی فاسق کے آگے کرنے میں جو کراہت ہے اس کی فقہاء نے ایک تو یہ علت بیان فرمائی ہے

کہ وہ اپنے دینی امور میں کوشش نہیں کرتا۔ دوسری یہ علت بیان فرمائی ہے کہ امامت کے لئے لوگوں کو

آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ مسلمانوں پر شرعاً اس کی اہانت واجب ہے۔ اور نیز یہ حکم بھی

جب تک ہے کہ اس میں کوئی بد اعتقادی نہ ہو۔ اس کی اور اس کے تمام مقتدیوں کی نمازیں سب برباد۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز وجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۰۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں

(۱) حق موروثیت آراضی کی پیداوار اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟۔ لگان بھی ادا کیا

جاتا ہے۔

(۲) اراضی موروثی جو ورثہ پہنچی ہے۔ اس کا رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) اراضی کی موروثیت شرعی کوئی حق نہیں ہے بلکہ یہ کاشتکار کا زمیں دار کی ملک کو غصب کر لینا ہے۔ جس کا شرعاً ظلم و جبر ہونا ظاہر ہے۔ اس کی پیداوار میں سے یہ اتنی مقدار لے سکتا ہے جتنا اس میں خرچ کیا ہے اور جو اس کے تمام اخراجات نکال دینے کے بعد زائد بچا تو اس کو اپنے خرچ میں لانا ممنوع ہے بلکہ اس کو زمیں دار کو اور اس کے ورثہ کو دے۔ اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ان کی طرف سے محتاج و غرباء کو بلا نیت ثواب دیدے۔ کہ یہ مال خبیث ہے۔ اور مال خبیث کا مصرف فقراء و مساکین ہیں لگان اسی کے اخراجات میں داخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جب یہ موروثی اراضی مال غصب ہے تو اس میں وراثت جاری ہو نہیں سکتی کہ وراثت ملک میت میں ہوئی اور مال منسوب کا تو وہ خود ہی مالک نہ تھا تو اس میں وراثت کیسے ہو سکتی ہے اس اراضی کو مالک یا اس کی اولاد کو واپس کر دینا ضروری تھا۔ اب بھی اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا ظلم و گناہ عظیم ہے۔ اگر مورث نے اس کو نہیں چھوڑا تھا تو اس کے ورثہ اس اراضی کو مالک کی طرف واپس کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۰۳)

مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

اگر کوئی شخص کسی کا مال بغیر اجازت و رضامندی مالک از راہ چالاکی و جبر غصب کر کے کسی کا رخ

میں لادے تو وہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟۔ فقط

المستفتی، محمد شفیع الدین خاں ساکن سرانے ترین مورخہ جون ۱۹۵۸ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جو مال بغیر مرضی مالک کے کسی طرح جبر و غصب سے حاصل کیا جاوے وہ حرام و خبیث مال ہوا اور حرام و خبیث مال نہ تو کار خیر کے لائق ہے نہ شرعاً غاصب کو اس کے صرف کرنے کا حق حاصل نہ بعد علم کے ایسے مال خبیث کا کار خیر میں لگانا جائز ہے بلکہ اس غاصب پر فرض ہے کہ وہ جلد از جلد اس مال منسوب کو اگر مالک زندہ ہے تو اس کو سونپ دے اور اگر مالک موجود نہ ہو تو اس کے ورثاء کو سپرد کرے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر مال اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

۲۱ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل



﴿۸۰﴾

باب الذبح

(۸۰۴)

مسئلہ

جناب مولوی صاحب دام فیضہم

گزارش خدمت عالی میں ہے کہ بتاریخ ۱۱ جون ۱۳۱۲ء کو بھولو ساکن موضع آدم پور کے حوالدار صاحب کی کندوری تھی جس میں بستی کے پندرہ سولہ شخصوں کی دعوت تھی۔ بروقت کھانے کے کل آدمیوں نے انکار کر دیا کہ ہم اس گوشت کو نہیں کھائیں گے۔ یہ چھدا فقیر کا ذبح کیا ہوا ہے۔ ذبح کنندہ ایسا شخص ہے کہ نہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور ایسی قوم کا کھانا کھاتا ہے جو علانیہ سو رکھاتی ہے۔ ابھی چند روز کا واقعہ ہے لال سہائے باغباں کی شادی میں کل فقیروں نے چاول کھائے ہیں یہ چاول اس برتن میں پکے تھے جس میں خاک و دہوں نے بھی شادی میں بھی سور پکایا تھا بھولو روغن کرنے چھدا فقیر کو گالی دی اور کہا کہ تو قوم باغباں اور کھائی کے کھانے سے باز آ اور عہد کر چھدا نے ڈانٹنے کے بموجب عہد کر لیا۔ ابراہیم رنگریز نے منع کر دیا کہ ہم گوشت ہذا کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے اس واسطے کے محض چھدا کے ذبح کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ گوشت مدار صاحب کے نام کا بولا ہوا ہے اس وجہ سے بھی ناجائز ہے بھولو روغن گر۔ نے کہا کہ تو اے ابراہیم مجھ سے رنج رکھتے ہو اس لئے منع کرتے ہو اور میرا نقصان چاہتے ہو اور جھوٹی بات بتلاتے ہو ابراہیم نے کہا اگر میں غلط کہتا ہوں تو سنبھل جا کر مولویوں کے معلوم کر لو بھولے نے کہا ہم کیوں معلوم کریں ابراہیم نے کہا کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے معلوم کرو گے بھولو نے کہا کہ ہم مسلمان ہی نہیں تم اٹھ جاؤ۔ یہ سب لوگ کھانا کھائینگے۔ ابراہیم چلا آیا تفصیل ذیل نے وہ گوشت کھایا۔

مداری، ظہور پیرا، مولا بخش، سہنگر، نجارا میرا، جہا سہنگر، چینیو، وزیرا، جھنڈوں،

روشن نبی، چھٹوا دھوبی، غریبا، بھولور و سنگر۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس موضع میں عرصہ پندرہ سال سے مسجد بن گئی ہے اور تعداد میں پچیس گھر مسلمانوں کے ہیں اور جمعہ کے روز پینچھ بھی ہوتی ہے اور چار آدمی سنبھل کے بھی آ جاتے ہیں بغرض خرید و فروخت کے۔ ایک پساری پڑھے لکھے ہیں ناظرہ قرآن شریف بھی پڑھتے ہیں وہ ہی جمعہ کی نماز

بھی پڑھاتے ہیں اور جس جمعہ کو وہ نہیں آتے اس روز جمعہ نہیں ہوتا۔ یہ موضع جناب نواب حاجی محمد عاشق حسین صاحب کا ہے۔ پیشتر جناب نواب صاحب پھر آکر موضع میں قیام پذیر ہوتے تو جمعہ پڑھتے تھے اب عرصہ چار سال سے وہ اور ان کے کارندے صاحبان بھی نہیں پڑھتے ہیں اور گاؤں میں جمعہ درست نہیں بتلاتے جب کہ ظہر کے فرض سے نہیں اترتے تو جمعہ کیونکر ادا ہو شہر سنبھل جا کر جمعہ پڑھو اس مسجد میں کوئی امام و مؤذن مقرر نہیں ہے۔ ایک شخص ابراہیم نام یہاں کا ساکن ہے اگر وہ ہوتا ہے مسجد میں اذان بھی پڑھ دیتا ہے اور کوئی شخص کسی وقت کی نماز میں آجاتا ہے تو جماعت کی نماز بھی پڑھا دیتا ہے۔ اور اگر گاؤں میں نہیں ہوتا ہے تو نہ اذان ہوتی ہے اور نہ جماعت ہوتی ہے بعض اوقات مسجد میں روشنی بھی نہیں ہوتی ہے۔ بوجہ نہ ہونے پابندی نماز کے البتہ رمضان شریف کے مہینہ میں جمعہ کے روز باہر کے نمازی افراط سے آجاتے ہیں مسجد بھر جاتی ہے مسجد میں دو جماعت اندر اور چار جماعت باہر ہو جاتی ہے۔ اس مسجد میں جمعہ ہونا چاہئے یا نہیں جواب دیجئے؟

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم

جہاں جہاں اس فرقہ وہابیہ دیوبندیہ کا نجس قدم پہنچا ہے وہاں بن رات اس طرح کے جھگڑے شب و روز قصے قصیے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ آئے دن نت نئے فسادات کرتا کرانا اس فرقہ کا شعار ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانا معمولی معمولی فعل پر محض اپنی بدگمانی کی بنا پر بیچارے کلمہ گویوں پر کفر و شرک کا حکم دیدینا ان کا ایک نہایت سہل کام ہو گیا ہے۔ لہذا منجملہ ان کا ایک یہ سوال بھی ہے۔ باوجود کہ یہ مسئلہ قرآن مجید، تفاسیر، احادیث کتب فقہیہ میں متعدد جگہ نہایت صراحت کے ساتھ موجود ہے لیکن چونکہ اس مضمون میں چند رسائل طبع ہو چکے ہیں لہذا میں نہایت اختصار کے ساتھ چند کلمات تحریر کرونگا۔

اقول: بلاشبک و شبہ جس مسلمان نے وقت ذبح بسم اللہ اکبر کہہ کر کسی حلال جانور کو ذبح کیا اور وقت ذبح بھی غیر خدا کا نام نہیں لیا تو وہ ذبیحہ یقیناً حلال ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ما لکم ان لا تاکلو امما ذکر اسم اللہ علیہ“ یعنی تمہیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

اب اس پر یہ عذر پیش کر دینا کہ اس جانور کو غیر خدا کے نام سے مشہور کیا جاتا ہے مثلاً مدار

صاحب کا مرغ، چہل تن کی گائے، غوث پاک کا بکرا وغیرہا اگرچہ ان پر وقت ذبح تسمیہ بھی پڑھا جائے لیکن پہلے سے جو اس پر غیر خدا کا نام منسوب ہے لہذا یہ تمام جانور حرام ہیں اور مسلمان اس کا گوشت نہ کھائے۔ اسی فرقہ وہابیہ کی جہالت اور حماقت کا بین ثبوت ہے کہ اہل زبان دو چیزوں کے درمیان ادنیٰ علاقہ اور معمولی تعلق کی وجہ سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت اور نسبت کر دیتے ہیں اور وہ الفاظ نہ فقط عوام ہی کی زبان بلکہ خواص اور اہل علم کی محتاط زبانوں پر بھی جاری و ساری ہیں بطور مثال کے چند محاورات پیش کرتا ہوں۔

(۱) ظہر کی نماز (۲) جنازہ کی نماز (۳) مسافر کی نماز (۴) امام کی نماز (۵) مقتدی کی نماز (۶) والدین کی نماز (۷) چاندی کی زکوٰۃ (۸) سونے کی زکوٰۃ (۹) رمضان کے روزے (۱۰) ایام بیض کے روزے (۱۱) داؤد علیہ اسلام کا روزہ وغیرہ محاورات بلکہ خاص ذبح کے متعلق ہی سنئے کہ جن میں قبل ذبح اور بعد ذبح دوسرے اغراض و مقاصد کا نام لیکر ہی پکارا جاتا ہے۔

مثلاً (۱) ولیمہ کی گائے (۲) عقیقہ کا جانور (۳) قربانی کا دنبہ۔ بلکہ قصاب تو اپنے نفع کی ہی نیت سے جانور ذبح کرتا ہے۔ لہذا اب کیا کسی عاقل کا یہ کام ہے کہ محض اس نسبت الی الغیر ہونے کی وجہ سے ان تمام اسور کو ممنوع و ناجائز کہے اور ان کو عبادت ہونے سے خارج کر دے اور ان کو بوجہ غیر خدا کی طرف منسوب ہونے کے کفر و شرک قرار دے کر جن سے یہ افعال صادر ہوں ان کو کافر اور مشرک بنا دے العیاذ باللہ تعالیٰ

بلکہ فقہائے کرام یہاں تک تصریح کرتے ہیں کہ اگر کسی جانور کا مالک مسلمان بھی نہ ہو اور انتہ عزوجل کے لئے ذبح کی نیت بھی نہ رکھتا ہو اور وقت ذبح وہ تسمیہ بھی اپنی زبان سے نہ کہتا ہو لیکن اس جانور کا ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور وہ اللہ عزوجل کے لئے بوقت ذبح بسم اللہ اکبر کہہ کر اس جانور کو ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہے اور مسلمان کو اس کا کھانا جائز ہے۔ اگرچہ ورع اور تقویٰ کے خلاف ہے۔

فتاویٰ عالمگیری فتاویٰ تاتارخانیہ و جامع الفتاویٰ میں ہے:

مسلم ذبح شلۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالہتہم توکل لانہ سمی اللہ تعالیٰ۔

الحاصل ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے ذبح کرنے والے کا اعتبار ہے مالک کی نیت اس کے

فعل میں مؤثر نہیں بلکہ ذبح سے پہلے خود اس ذبح کرنے والے کا بھی اعتبار نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے
ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح۔

یعنی ذبح کے وقت کا جو مقصد ہے وہی معتبر ہے۔

اب باقی رہا چھدا فقیر کے ذبح کرنے حکم، لہذا وہ اگر چہ اپنے ان افعال کی وجہ سے فاسق ہے لیکن ان افعال کا فعل ذبح پر کچھ اثر نہیں، شریعت میں ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔

چنانچہ تنویر الابصار میں ہے: شرط کون الذابح مسلماً۔

اور یہ افعال اس کو اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ لہذا اس کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس کو حرام کہہ دینا دین سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ ہاں بھولو کا یہ قول کہ ہم مسلمان ہی نہیں جو سوال میں نقل کیا ہے وہ اس کی جہالت کا ثبوت ہے اس کو چاہئے کہ وہ توبہ کرے اور کبھی آئندہ یہ جملہ اپنی زبان سے نہ نکالے کہ اس سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال دوم

ایسے مواضع جو ایسے شہر سے جس میں کم از کم تحصیل ہو متصل نہ ہو اور اس شہر کے آمد و رفت سے بھی بالکل بے علاقہ ہوں ان میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے فرض وقت یعنی ظہر کے فرض ادا نہیں ہوتے شامی میں ہے۔

ثم ظاهر الرواية من اصحابنا لا تحب الا على من يسكن المصر او ما يتصل به ولا تحب على اهل السواد ولو تقريباً وهذا اصح ما قبل فيه ويه جزم في التحنيس۔
ہاں جن مواضع میں پہلے سے جمعہ ہوتا چلا آ رہا ہو اس کی جماعت کو بسبب مصالح دینی کے بند نہیں کیا جائے گا لیکن ان تمام پر فرض ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی فرض ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المصمم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۸۵ھ

(۸۰۵)

مسئلہ

بخدمت شریف شمس العلماء صاحبان اسلام حق و ملت و دین تسلیم و تعظیم کے بعد معروض

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ

غیر مقلدین کے ہاتھ سے ذبیحہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور نصرانی و یہودی کے ہاتھ سے کیا حکم ہے

تحریر مع حوالہ کتب نہایت جلدی روانہ کریں فی سبیل اللہ۔ کیونکہ یہاں پر ایک بڑا جھگڑا ہوا غیر مقلد اور اہلسنت والجماعت سے اور یہ تحریر ایک تار سمجھو یہاں پر تحریر اردو خواں نہیں خط میں زیادتی کمی معاف فرمائیے اور اسلام کی خدمت میں نہایت تعظیم فرمائیے۔ راقم عبد اللہ، نور محمد جام جودھ پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

غیر مقلدین کم از کم تقلید ائمہ کو شرک اور گیارہ سو سال کے مقصدین تمام ائمہ دین اور علماء کا ملین، اولیاء عارفین کو شرک کہتے ہیں اور ادنیٰ اسی ادنیٰ بات ممنوع یا مکروہ بلکہ مباحات و مستحبات پر جا بجا حکم شرک لگا دیتے ہیں اور وہ کبرائے وہابیہ جن سے عقائد کفریہ صادر ہوئے انہیں اپنا امام و پیشوا مانتے ہیں بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انہیں مسلمان مانتے ہیں، اور کتاب التوحید تقویۃ الایمان۔ صراط المستقیم۔ تنویر العین۔ وغیرہ جس میں مسلمانوں پر جا بجا حکم کفر و شرک لگایا گیا ہے اور خدا و رسول اور انبیاء کرام و ملائکہ کی اہانت ظاہر کرتے ہیں لہذا غیر مقلدین کے ان اقوال کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے ذبیحوں سے احتراز واجب لازم ہے۔

لانهم بمنزلة المرتدین فلا یحل ذبائهم كما هو مصرح فی کتب الفقہ۔
اور یہود و نصاریٰ کے ذبیحوں سے بلا ضرورت بچنا ہی چاہئے خصوصاً نصاریٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہوں یہ لوگ اگر باقاعدہ ذبح بھی کریں تو ایک جماعت علماء کے نزدیک جب بھی اس کا ذبیحہ حرام ہے۔

شامی میں ہے: والاولیٰ ان لا یاکل ذبیحتهم ولا تتزوج منهم الا عند الضرورة

كما حققه الکمال بن ہمام۔

اور یہی علامہ شامی مبسوط سے نقل ہیں:

یحجب ان لا یاکل ذبائح اهل الكتاب ان اعتقدوا ان المسيح اله وان عزیرا اله۔

فتح القدیر میں ہے:

والنصارى في زماننا يصدقون بالابنية وعدم الضرورة متحقق والاحتياط واجب لان في اكل ذبيحتهم اختلاف العلماء كما بينا فالأخذ بجانب الحرمة أولى عند عدم الضرورة - والله تعالى أعلم بالصواب -

کتبہ: المقصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سمنجل

(۸۰۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بعض مسلمان حضور غوث پاک وغیرہ اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نذر کے لئے جانور پالتے ہیں اور انہیں ان حضرات کے نام سے مشہور کرتے ہیں لیکن بوقت ذبح اس جانور کو - بسم اللہ اکبر پڑھکر ذبح کرتے ہیں اور اس کا ثواب کسی ولی کو پہنچاتے ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں وہابیہ اس جانور کو حرام کہتے ہیں۔ ”اور آیت ماحل لعیر اللہ“ کے تحت میں اس کو داخل کرتے ہیں تو اس آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے اور مفسرین کی اس کے متعلق کیا تصریحات ہیں عبارات مع حوالہ صفحات درج فرمائیں۔ بینا تو جروا۔

المستفتی از احسن المدارس متصل مارکیٹ شہر کانپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذبیحہ کی حلت و حرمت کا حکم نہایت واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

آیت: فکلوا مما ذکر اسم اللہ ان کتم بایتہ مومنین ومالکم الا تاکلوا مما ذکر

اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم - (سورہ النعام ع ۱۴ ج ۸)

تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو اور تمہیں کیا ہوا کہ اس

میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا۔

تفسیر معالم التنزیل میں آیت - فکلوا مما ذکر اسم اللہ الایۃ - کے تحت میں ہے۔

ای کلو مما ذبح علی اسم اللہ (چند سطر کے بعد ہے) وما یمنعکم من ان تاکلوا

(ہامش خازن ج ۲ ص ۱۴۵)

مما ذکر اسم اللہ علیہ من الذبائح۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ للمسلمین فکلوا انتم مما ذکر اسم اللہ بحلہ من الذبائح (چند سطر کے بعد ہے) ما یمنعکم من ان تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وهذا تاکید فی اباحۃ ما ذبح علی اسم اللہ دون غیرہ -

(خازن مصری ج ۲ ص ۱۴۵)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تم کھاؤ ان ذبیحوں سے جن پر اللہ کا نام لیا گیا اور تمہیں کیا چیز مانع ہے اس کے کھانے سے رکو جس پر اللہ کا نام لیا گیا یہ آیت اس ذبیحہ کے مباح ہونے پر تاکید ہے جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا نہ غیر خدا کے نام پر۔

تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ خاصۃ ولا تحرموا ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم

اللہ علیہ ولا تحللوا - (احمدی مطبوعہ دہلی ۲۲۷)

پس تم کھاؤ اس میں سے جس پر خاص اللہ کا نام لیا گیا اور اسے حرام نہ کرو اور نہ کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا اور اسے حلال نہ کرو۔

اس آیت اور اس کی تفاسیر سے نہایت صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ جس ذبیحہ کو بسم اللہ اللہ اکبر کہکر ذبح کیا جائے وہ بلا شک حلال ہے اللہ تعالیٰ اس کے کھانے کا حکم فرماتا ہے اور اس کی اباحت کی تاکید فرماتا ہے اور اس کے نہ کھانے والوں کو تنبیہ فرماتا ہے لہذا جو جانور کسی ولی اور یزرگ کی نذر کا ہو اور اسے بوقت ذبح بسم اللہ اکبر کہکر ذبح کیا جائے وہ اس آیت کریمہ کے حکم سے حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

چنانچہ حضرت ملا احمد تفسیر احمدی میں خاص اسی کا جز یہ لکھتے ہیں:

ان البقرة المنذورة للاولیاء كما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم

غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان كانوا یبذرونہا لہ - (تفسیر احمدی مطبوعہ دہلی ص ۳۴)

بیشک وہ گائے جو اولیاء کے لئے نذر کی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اس کی رسم ہے حلال طیب

ہے کیونکہ بوقت ذبح اس پر غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ انہوں نے اسے نذر مان لیا ہے۔

وہابی اس جانور کو ناجائز و حرام کہکر اس آیت کریمہ کا انکار کرتا ہے اور حکم الہی کی صریح مخالفت

کرتا ہے اسی سورت میں دوسری آیت کریمہ اس کے بعد یہ ہے:

ولانا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق۔ (انعام ج ۱۴ ص ۸)

اور اس کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بیشک حکم عدولی ہے۔

علامہ ابوالبرکات نسفی تفسیر مدارک میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

والفسق مجمل فبین بقوله اوفسقا اهل بغير الله به فصار التقدير ولانا تاكلوا منه حال

کو نہ مہلا لغير الله به فيكون ماسوا حلالا۔ (مدارک مصری ج ۲ ص ۲۴)

(آیت میں لفظ) فسق مجمل ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قول میں بیان فرمایا: اوفسقا

اهل بغير الله۔ یعنی فسق وہ جانور ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو اس کے علاوہ جو جانور ہو وہ

حلال ثابت ہوا۔

علامہ بغوی تفسیر معالم میں حضرت عطا کی تفسیر نقل کرتے ہیں:

قال عطا الآية في تحريم الذبائح التي كانوا يذبحونها على اسم الاصنام۔

(معالم ج ۲ ص ۱۴۶)

حضرت عطا نے فرمایا کہ یہ آیت ان ذبیحوں کی تحریم میں ہے جنہیں کفار بتوں کے نام پر ذبح

کرتے تھے۔

تفسیر جمل و تفسیر خازن میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

والفسق ذكر اسم غير الله في الذبائح كما قال في آخر السورة قل لا احد فيما

اوحى الى محرمنا على طاعم يطعمه الى قوله اوفسقا اهل بغير الله به فصار هذا الفسق الذي

اهل بغير الله به مفسرا لقوله وانه لفسق واذا كان كذلك كان قوله ولانا تاكلوا مما لم

يذكر اسم الله عليه وانه لفسق مخصوصا بما اهل بغير الله به۔

(خازن مصری ج ۲ ص ۱۴۷ و جمل ج ۲ ص ۸۳)

اور فسق ذبح میں غیر خدا کا نام لینا ہے جیسا کہ اسی سورت کے آخر میں یہ آیت ہے:

قل لا احد الاية۔ یعنی تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے

پر کھانا حرام (الی قولہ) یا فسق وہ جانور ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے تو یہ آیت۔ وانه لفسق

کی تفسیر ہے اور جب اس آیت کا اس کی تفسیر ہونا ثابت ہو گیا تو آیت۔ ولانا تاكلوا مما لم يذكر اسم

الله عليه وانه لفسق۔ سے مراد مخصوص۔ ما اهل بغير الله به۔ ہے (یعنی آیت نمبر ۲ میں جس جانور کے

کھانے کی ممانعت ہے وہ وہی جانور ہے جس پر وقت ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے تو یہ آیت اور۔ ما اهل

بغير الله۔ مراد میں واحد ہے)

تفسیر جلالین میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه) بان مات او ذبح على اسم غيره۔

(صاوی ج ۲ ص ۲۲۸)

اور تم نہ کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اب وہ یا تو بلا ذبح مر گیا ہو یا غیر خدا کے نام

پر ذبح کیا گیا ہو۔

علامہ احمد تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان الفسق الذي لم يذكر اسم الله عليه هو الذي ذكر اسم غير الله عليه

(احمدی ص ۲۲۸)

اور یہ معلوم ہے کہ فسق وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہی وہ ہے جس پر غیر خدا کا نام لیا

گیا۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفاسیر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جس جانور پر وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا

نام نہ لیا جائے اور کسی غیر خدا کا نام لیا جائے جس طرح کفار وقت ذبح بتوں کا نام لیکر ذبح کرتے تھے تو

ذبیحہ حرام ہے اور اس کا کھانا ممنوع و ناجائز ہے۔

بالجملہ ان دونوں آیات میں سے پہلی آیت نے ذبیحہ کی حلت کا بیان کیا اور دوسری آیت نے اس

کی حرمت کی صورت ظاہر کی۔ اب قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت ممکن نہیں جو پہلی آیت کے خلاف ہو اور

اس میں یہ حکم ہو کہ بعض ذبیحہ وہ ہیں جن پر وقت ذبح صرف اللہ کا نام لیا گیا اور وہ حرام ہو جائے اسی طرح

دوسری آیت کے خلاف کوئی ایسی آیت ہو جس میں ایسے ذبیحہ کا بیان ہو جس کے ذبح کرتے وقت بقصد

عبادت و قربت کسی غیر خدا کا نام لیا جائے اور باوجود اس کے وہ ذبیحہ حلال رہے کیونکہ قرآن کریم کی

آیات میں اگر ایسا اختلاف ہو جائے تو کلام الہی میں تناقص لازم آجائے اور کلام الہی میں تناقص ناممکن

ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا۔ (سورہ نساہ ج ۱ ص ۵)

اگر قرآن غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ آیات قرآن کریم میں کہیں تناقض اور اختلاف نہیں ہو سکتا لہذا قرآن کریم میں ذبیحہ کے متعلق جس قدر اور آیات ہیں یا تو وہ پہلی آیت کے موافق ہوگی یا دوسری آیت کے اب سائل کی پیش کردہ آیت۔ ما اهل به لغیر اللہ۔ ظاہر ہے کہ آیت نمبر ۲ کے حکم کے موافق ہے یعنی اس سے بھی وہی ذبیحہ مراد ہے جس پر بوقت ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے چنانچہ سلف و خلف کی مشہور و معتبر تفاسیر میں۔ اس آیت کی یہی مراد ظاہر کی ہے اس وقت بلحاظ تکمیل عشرۃ کاملہ اس کی دس تفاسیر پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) تفسیر جلالین شریف میں اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں۔

وما اهل به لغیر اللہ۔ ای ذبح علی اسم غیرہ والا اهل رفع الصوت وکانوا یرفعونہ عند الذبائح لالہتم۔

معنی یہ ہیں وہ جانور جو غیر خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا اور اہلال کے معنی آواز بلند کرنا ہے اور کفار بوقت ذبح اپنے بتوں کا نام لیکر آواز بلند کرتے تھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی شریف میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغیر اللہ۔ ای رفع به الصوت عند ذبیحہ للصنم۔

(تفسیر بیضاوی مطبوعہ دہلی۔ ۱۲۳)

ما اهل به لغیر اللہ سے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت بت کے لئے آواز بلند کی جائے۔

(۳) تفسیر مدارک المتزیل میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغیر اللہ ای ذبح للصنم فذكر علیه غیر اسم اللہ۔

(مدارک مصری ج ۱ ص ۷۰)

وما اهل به لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہے جو بتوں کے لئے ذبح کیا جائے تو اس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے۔

(۴) تفسیر غریب القرآن میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغیر اللہ۔ ذکر عند ذبیحہ اسم غیر اللہ۔

(تفسیر غریب القرآن مصری ج ۱ ص ۸۱)

وما اهل به لغیر اللہ سے مراد وہ جانور ہے جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے۔

(۵) تفسیر کشاف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

اهل به لغیر اللہ۔ ای رفع به الصوت للصنم وذلك قول اهل الجاهلیة باسم اللات والعری۔ (کشاف مصری ج ۱ ص ۲۴۴)

اهل به لغیر اللہ یعنی وہ جانور جس پر بت کا نام لیکر آواز بلند کیا جائے اور یہ بات کفار کی تھی کہ وہ لات و عزی کا نام لیکر جانور ذبح کرتے۔

(۶) تفسیر جمل الفتوحات الالہیہ میں اسی آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:

الباء (فی وما اهل به) بمعنی فی ولا بد من حذف مضاف ای فی ذبیحہ لان المعنی وما صیح فی ذبیحہ لغیر اللہ۔ (جمل ج ۱ ص ۱۳۸)

اهل به میں باء فی کے معنی میں ہے اور مضاف کا حذف ضروری ہے تو یہ فی ذبیحہ کے معنی میں ہے تو وما اهل به لغیر اللہ کے یہ معنی ہوئے کہ وہ جانور جس کے ذبیحہ کرنے میں غیر خدا کو پکارا جائے۔

(۷) تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغیر اللہ۔ ای ماذبح للصنم والطواغیت۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۱۹)

وما اهل به لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہے جو بتوں اور شیاطین کے لئے ذبح کیا گیا۔

(۸) تفسیر خازن میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

وما اهل به لغیر اللہ۔ ای ذبح للصنم والطواغیت واصل الاہلال رفع الصوت

وذلك انہم کانوا یرفعون اصواتہم بذكر الہتہم اذ ذبحوا لہا فجرى ذلك مجرى امرہم وحالہم حتی قیل لكل ذابح مہل وان لم یجہر بالتسمیة۔

(خازن مصری ج ۱ ص ۱۱۹)

وما اهل به لغیر اللہ سے مراد وہ جانور ہے جو بتوں اور شیاطین کی قربت کے لئے ذبح کیا جائے اور اہلال کی اصل آواز کا بلند کرنا ہے اور یہ اس لئے کہ کفار جب جانور کو ذبح کرتے تو اپنے بتوں کا نام لیکر اپنی آوازیں بلند کرتے تھے تو یہ اہلال ان کے حال اور عادت کی جگہ میں استعمال ہونے لگا یہاں تک کہ ذبح کرنے والے کو مہل کہنے لگے اگرچہ وہ آواز بسم اللہ اللہ اکبر نہ کہے۔

(۹) تفسیر احمدی میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

ومعنى ما اهل ما ذبح - (احمدی مطبوعہ دہلی ص ۱۹۴)

اور ما اهل کے معنی وہ جانور جو ذبح کیا گیا یعنی اهل بمعنی ذبح ہے۔

اسی میں تحت ما اهل بہ لغیر اللہ بقرن ذر اولیا کی حلت کی تصریح ہے:

وما اهل به لغير الله معناه ذبح به لاسم غير الله مثل لات وعزى واسماء الانبياء وغير ذلك فان افرد باسم غير الله او ذكر مع اسم الله عطفا بان يقول باسم الله ومحمد رسول الله بالجرح حرم الذبيحة وان ذكر معه موصولا لامعطوفا بان يقول باسم الله ومحمد رسول الله كره ولا يحرم وان ذكر مفصولا بان يقول قبل التسمية وقيل ان يضحح الذبيحة او بعده لا بأس به هذا في الهداية ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح -

(احمدی ص ۳۴)

وما اهل به لغیر اللہ کے معنی وہ جانور جو غیر خدا کے نام سے ذبح کیا گیا جیسے لات وعزى اور انبیاء وغیرہ کے نام پر تو اگر تھا غیر خدا کا نام لیا یا اسے اللہ کے نام کے ساتھ بطف کہا جیسے باسم اللہ ومحمد رسول اللہ اور لفظ محمد کو زیر پڑھا تو ذبیحہ حرام ہو گیا اور اگر بلا فصل وبغیر عطف اس طرح کہا: باسم اللہ محمد رسول اللہ تو ذبیحہ مکروہ توہر ا حرام نہیں ہوا اور اگر غیر خدا کا نام اللہ کے نام سے ملا کر نہ لیا بلکہ جانور کے گرانے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے سے پہلے یا اس کے بعد کہا تو کچھ حرج نہیں اسی طرح ہدایہ میں ہے، اور یہیں سے معلوم ہوا کہ بیشک وہ گائے جو اولیاء کے لئے نذر کی گئی جیسی ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال طیب ہے اس لئے کہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا جاتا ہے۔

تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں اسی آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:

ما اهل به لغیر اللہ - الاھلال رفع الصوت والاظھر ان اللام بمعنی الباء والباء بمعنی عند والمعنی وما رفع الصوت عند ذکاتہ بغیر اللہ ای باسم غیر اللہ کما اذا قال باسم اللات والعزى قال تعالى ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق -

(صاوی مصری ج ۱ ص ۲۳۱)

ما اهل لغیر اللہ بہ میں اھلال کے معنی آواز کا بلند کرنا اور یہ ظاہر ہے کہ لام بمعنی با کے اور با بمعنی عند کے ہے، آیت کے معنی یہ ہیں وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کے نام کے

ساتھ آواز بلند کی جائے جیسے باسم اللات والعزى کہا اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تاكلوا الاية اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا کہ وہ فسق ہے۔

اسی میں فرماتے ہیں:

فمحل الاية ما اهل به لغیر الله فقط لانه المفسر به الفسق فيما ياتى في قوله تعالى وفسقوا اهل لغیر الله به - (صاوی مصری ج ۲ ص ۳۸)

آیت - لا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق کو فقط وما اهل به لغیر اللہ - پر حمل کیا اس لئے کہ دوسری آیت او فسقوا اهل لغیر اللہ بہ میں فسق کی تفسیر ما اهل لغیر اللہ بہ ہے۔ بالجملة: ما اهل به لغیر اللہ کی ان تفاسیر سے یہ امور ثابت ہوئے جو محض عوام کے لئے چند نمبروں کی صورت میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) اھلال کے معنی مطلقاً آواز کا بلند کرنا ہے لیکن اس آیت ما اهل بہ میں اپنے اس مطلق معنی میں مستعمل نہیں بلکہ اس میں بوقت ذبح آواز کا بلند کرنا مراد ہے جس کی طرف ان تمام تفاسیر نے صراحت یا اشارہ تنبیہ کی۔

(۲) اهل بہ میں با، بمعنی فی کے ہے اور ”ہ“ ضمیر مضاف الیہ ہے اس کا مضاف محذوف ہے لہذا تقدیر عبارت یہ ہے ما اهل فی ذبیحہ لغیر اللہ یعنی جس کے ذبح کرنے میں غیر اللہ کی آواز بلند کجائے جیسا عبارت جمل میں مذکور ہے۔

(۳) آیت کریمہ میں با بمعنی عند کے ہے اور ”ہ“ ضمیر کا مضاف محذوف ہے اور لام بمعنی با کے ہے اور اس کے بعد لفظ اسم محذوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ما اهل عند ذکاتہ باسم غیر اللہ یعنی جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کے نام کے ساتھ آواز بلند کجائے جیسا عبارت صاوی سے ظاہر ہے۔

(۴) اھلال بوقت ذبح آواز بلند کرنے کے معنی میں محاورات عرب میں ایسا شائع ہو گیا کہ ہر ذاب کو ہبل کہنے لگے اگر چہ وہ تسمیہ میں بھی جبر سے نہ کہے جیسا عبارت خازن میں گذرا۔

(۵) آیت کا مورد اگرچہ خاص ہے کہ کفار بوقت ذبح صرف بتوں کا نام لیکر جانور ذبح کرتے لیکن حکم عام ہے کہ غیر اللہ سے نہ صرف بت ہی مراد ہیں بلکہ ہر غیر خدا مراد ہے اب وہ حضرات انبیاء ہوں یا اولیاء کرام یا کچھ اور۔

(۶) اگر بوقت ذبح اللہ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام معطوف بنا کر متصل کہا مثلاً یہ کہا بسم اللہ و محمد رسول اللہ تو ذبیحہ حرام ہو گیا۔

(۷) اگر بوقت خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام بلا عطف متصل کہا مثلاً باسم اللہ محمد رسول اللہ تو ذبیحہ مکروہ تو ہوا لیکن حرام نہیں ہوا۔

(۸) اگر ذابح نے بوقت ذبح تو اللہ عزوجل کا نام ہی لیا اور جانور گرانے سے قبل یا تسبیح سے پہلے یا ذبح کے بعد غیر خدا کا نام لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ ذبیحہ حلال ہے کہ وہ وقت ذبح صرف اللہ کے نام کے ساتھ ذبح ہوا۔

(۹) ہمارے زمانہ میں جو رسم ہے کہ جانور کو اولیاء کی نذر مانتے ہیں اور اس کو صرف اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرتے ہیں اس پر بوقت ذبح کسی ولی کا نام نہیں لیا جاتا تو یہ ذبیحہ حلال طیب ہے۔

(۱۰) آیت نمبر ۲۔ یعنی ”لَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ“۔ میں جس جانور کی تحریم مراد ہے وہ وہی جانور ہے جس کی تحریم ماہل بہ لغیر اللہ میں مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں لفظ لفسق موجود ہے اور اس لفظ کی تفسیر خود دوسری آیت نے ماہل بہ لغیر اللہ کی ہے، لہذا آیت نمبر ۲۔ اور آیت ماہل بہ لغیر اللہ کی ایک مراد ثابت ہوئی۔

الحاصل آیت: ماہل بہ لغیر اللہ کی ان تمام تفاسیر بلکہ آیت نمبر ۲۔ سے یہی مراد ثابت ہوئی کہ جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ جانور حرام ہے اور اس ذبیحہ کو کھانا ممنوع ہے اور اسی آیت اہل بہ لغیر اللہ کی سب سے بہتر تفسیر سورہ مائدہ کی یہ آیت کریمہ ہے۔

وَمَا ذَبَحْ عَلَى النَّصَبِ - سورہ مائدہ

اور وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے۔

علامہ بغوی تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں۔

معناه ما ذبح علی اسم النصب قال ابن زید وما ذبح علی النصب وماہل لغیر اللہ بہ ہما واحد۔ (معالم مصری ج ۲ ص ۷)

آیت کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ جانور حرام ہے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ابن زید نے کہا کہ ما ذبح علی النصب اور آیت ماہل بہ لغیر اللہ دونوں ایک ہیں۔

اس آیت اور اس کی تفسیر نے واضح کر دیا کہ آیت ماہل بہ لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہیں جس

پر بوقت ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے۔ اور ماہل بمعنی ماذبح ہے اور دونوں آیات کی مراد ایک ہے۔

بالجملہ آیت نمبر ۲۔ ”لَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ“۔ اور آیت ماذبح علی النصب اور آیت فسقا اہل لغیر اللہ بہ اور آیت ماہل بہ لغیر اللہ ان سب آیات کی ایک مراد ہے اور یہ سب آیات نمبر ۱۔ یعنی فکلو مما ذکر اسم اللہ علیہ کے مقابل ہیں اور ان چاروں آیات نے اس ذبیحہ کی تحریم کی جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ غیر خدا کا نام لیا جائے۔

وہابیہ نے اس آیت: ماہل بہ لغیر اللہ کی اصل مراد کو بدلا۔ اور اپنے فہم ناقص سے اس آیت کا یا مضمون تراشا۔ اور سلف و خلف کی تفاسیر کی مخالفت کی اور دوسری صریح آیات سے انکار کیا۔ کلام الہی میں تناقض ثابت کیا۔ اور وہ جانور جو کسی ولی کی نذر کا ہو اور اس کو بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے اسے خلاف تصریح مفسرین اس آیت سے حرام ٹھہرایا باوجودیکہ تفسیر احمدی میں اس کی حلت کی تصریح موجود ہے اور اس جانور کے حلال جاننے والوں کو مشرک قرار دیا۔ لہذا اس ذبیحہ کو حلال جاننے والا تو مشرک ہو نہیں سکتا کہ یہ لوگ آیات اور اس کی تفاسیر پر صحیح طور پر عامل ہیں۔ البتہ وہابی اس حلال طیب کو حرام ٹھہرا کر ضرور مشرک ہو گیا۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں آیت نمبر ۲ کے تحت میں ہے:

من احل شيئاً مما حرم الله أو حرم شيئاً مما احل الله فهو مشرك۔

(تفسیر صاوی مصری ج ۲ ص ۳۸)

جس نے اللہ کی کسی حرام شے کو حلال کیا یا اللہ کی کسی حلال شے کو حرام کیا تو وہ مشرک ہے۔

پھر آیت ماہل بہ لغیر اللہ میں اگرچہ خاص کر زمانہ جاہلیت کے ان ذبیحوں کی حرمت کا بیان ہے جنہیں مشرکین بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور وقت ذبح بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے باسم ثلاث والعزى کہتے اور اس فعل ذبح سے بتوں کی تعظیم اور قربت کی نیت کرتے جیسا کہ اس آیت کی تفاسیر میں یہ مضمون اشارہ بلکہ صراحتہ گذرا۔

تفسیر احمدی میں اس کی صاف تصریح ہے:

النصب وهي ابحار منصوبة حول البيت وقد كانت العرب يذبحون عليها ويعظمونها ويعدون ذلك قربة فحرم عليهم ما ذبح على ذلك ونهوا عنه لانه بدعة اهل

(احمدی ص ۲۹۵)

لماہلیہ۔

نصب یعنی بت جو بیت اللہ کے گردا گرد پتھر کے گڑھے ہوئے تھے اور عرب ان کے نام پر بھگتاؤ تعظیم جانور ذبح کرتے اور اسے قربت شمار کرتے مسلمانوں پر ان بتوں کے نام کا ذبیحہ حرام کر دیا گیا اور انہیں اس سے منع کیا گیا اسلئے یہ اہل جاہلیت کا طریقہ ہے۔

لیکن آیہ ما اھل بہ لغیر اللہ کا حکم عام ہے یعنی اس کی حرمت ہر اس ذبیحہ کو شامل ہے جس پر وقت ذبح بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے علاوہ بتوں کے اور کسی غیر خدا کا نام لیا جائے، چنانچہ فقہائے کرام نے اس کی چند صورتیں لکھی ہیں جنہیں مفصل طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) جانور پر وقت ذبح صرف غیر خدا کا ہی نام لیا گیا تو وہ ذبیحہ ماھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو کر حرام ہو گیا چنانچہ۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: الکتابی اذا ذبح باسم المسيح لایحل۔

(فتاویٰ سراجیہ کشوری ص ۸۸)

کتابی نے جب جانور حضرت مسیح کے نام پر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال نہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: وكذا ذبیحة اليهودی والنصرانی حلال وان كان الكتابی حریبا الا ان یسمع منه انه یسمى علیه المسیح فاذا سمع منه ذلك لایحل لانه اھل بہ لغیر اللہ۔ (قاضی خاں کشوری ص ۷۵۸)

اسی طرح یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ وہ کتابی عربی ہو ہاں جب وہ کتابی اس ذبیحہ پر حضرت مسیح کا نام لے اور یہ اس سے سن لیا جائے تو وہ ذبیحہ حرام ہو گیا کہ وہ اھل بہ لغیر اللہ ہو گیا۔

(۲) جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی غیر خدا کا نام متصل بعطف لیا تو وہ حرام ہو گیا اور ماھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔

تفسیر احمدی کی عبارت تو گزر چکی۔

ہدایہ میں ہے: الثانية ان یذکر موصولا علی وجه العطف والشركة بان یقول بسم اللہ واسم فلان او یقول بسم اللہ وفلان او بسم اللہ ومحمد رسول اللہ بکسر الدال فتحرم الذبیحة لانه اھل بہ لغیر اللہ۔ (ہدایہ آخرین ص ۴۳۴)

دوسری صورت یہ ہے کہ (بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام) متصل بطریقہ عطف و شرکت نہ ذکر کیا مثلاً کہا: بسم اللہ واسم فلان یا بسم اللہ وفلان باسم اللہ ومحمد

رسول اللہ وال کے زیر کے ساتھ کہا تو ذبیحہ حرام ہو گیا کہ وہ اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔ جو ہرہ نیرہ میں: الثانية ان یذکرہ معطوفا مثل ان یقول بسم اللہ ومحمد رسول اللہ بکسر الدال فتحرم الذبیحة لانه اھل بہ لغیر اللہ۔ (جو ہرہ نیرہ ج ۲ ص ۲۴۶)

دوسری صورت یہ ہے کہ غیر خدا کے نام کے ساتھ بعطف ذکر کیا جائے مثلاً بسم اللہ ومحمد رسول اللہ وال کے زیر کے ساتھ کہا تو ذبیحہ حرام ہو گیا کہ وہ اھل بہ لغیر اللہ ہو گیا۔

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے: وان عطف حرمت نحو بسم اللہ واسم فلان او فلان لانه اھل بہ لغیر اللہ۔ (در مختار ج ۵ ص ۱۹۷)

اگر ذابح نے خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام بعطف کہا تو وہ ذبیحہ حرام ہو گیا۔ جیسے بسم اللہ واسم فلان کہ یہ ماھل بہ لغیر اللہ کے تحت میں داخل ہو گیا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

ولو قال بسم اللہ واسم فلان قال ابراھیم بن یوسف تكون ميتة وهو الصحيح۔

(فتاویٰ قاضی خاں ص ۷۵۸)

اگر ذابح نے بسم اللہ واسم فلان کہا تو امام ابراہیم بن یوسف نے فرمایا کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ذبیحہ مردہ ہو گیا۔

(۳) جانور پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل بلا عطف کسی غیر خدا کا نام لیا لیکن قربت الہی کے ساتھ اس غیر خدا کی قربت کا بھی قصد کیا تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہو گیا اور ماھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں ہے:

ذکر اسم الصنم علی ذلك المذبح فان فعل ذلك مسلم لولی وقصد التقرب له کما یتقرب للہ فهو مرتد لا توکل ذبیحته۔ (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۳۱)

ذبیحہ پر بت کا نام ذکر کیا تو اگر کسی مسلمان نے ایسا کسی ولی کے لئے کیا اور اس سے ایسے تقرب کا قصد کیا جیسا تقرب اللہ کے لئے کیا جاتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔

(۴) وقت ذبح خالص تعظیم خدا کی نیت نہیں کی اور بقصد تعظیم غیر خدا کسی جانور کو ذبح کیا تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہو گیا اور ماھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو گیا۔

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

ذبح لقدم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغیر الله ولو
دكر اسم الله تعالى۔
(رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳)

ذبح نے حاکم یا اس جیسے کسی اور معظم شخص کے آنے کے لئے ذبح کیا تو ذبیحہ حرام ہو گیا کہ وہ
ما اهل به لغیر الله کے تحت میں داخل ہو گیا اگرچہ اس نے اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذکر کیا ہو۔

بالجملہ آیت ما اهل به لغیر الله کے تحت میں کتب فقہ میں یہ چار صورتیں نظر سے گذریں جن میں
فقہاء کی تصریحات سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے اب رہی ایک یہ صورت کہ وقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے
ساتھ متصل بلا عطف کسی غیر خدا کا نام لیا اور اس غیر خدا کی نہ تعظیم مقصود ہے نہ
اس کی قربت کی نیت ہے تو وہ۔

ویکبره ان یذکر مع اسم الله تعالى شيئا غيره وان يقول عند الذبح اللهم تقبل من
فلان وهذه ثلث مسائل احدها ان یذکر موصولا لامعطوفا فيکبره ولا تخرم الذبیحة وهو
المراد بما قال ونظيره ان يقول بسم الله محمد رسول الله لان الشریكة لم توجد فلم یکن
الذبح واقعا له الا انه یکبره لوجود القران صورة فيتصور بصورة المحرم۔
(ہدایہ آخرین ص ۴۳۳)

یعنی شرح کنز الدقائق میں ہے:

و کبره ان یذکر مع اسم الله غیره ای غیر اسم الله موصولا من غیر عطف مثل ان
يقول بسم الله محمد رسول الله بالرفع لانه غیر مذکور علی سبیل العطف فیکون مبتدئا
لکن یکبره لوجود الوصل صورة۔
(یعنی ج ۲ ص ۲۰۰)

خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام متصل بغیر عطف ذکر کرنا مکروہ ہے مثلاً بسم الله محمد رسول الله
پیش کے ساتھ کہنا کیونکہ وہ غیر بطریق عطف مذکور نہیں تو گویا ذبح اس کی ابتدا کرنے والا قرار پایا لیکن وہ
وصل کی صورت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے:

ولا ینبغی ان یذکر مع اسم الله تعالى شيئا غيره مثل ان يقول بسم الله محمد
رسول الله والكلام فيه علی ثلاثة اوجه احدها ان یذکره موصولا به لا معطوفا مثل ان يقول
ما ذکرنا فهذا یکبره ولا تحرم الذبیحة۔
(جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۲۴۲)

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام ذکر کرنا مناسب نہیں مثلاً بسم الله محمد رسول
الله کہنا اور اس مسئلہ میں تین طریق پر کلام ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام
متصل بلا عطف ذکر کیا جیسے یہی الفاظ کہے جو ہم نے ذکر کئے تو یہ ذبیحہ مکروہ تو ہوا حرام نہیں ہوا۔

تویر الابصار و در مختار میں ہے:

وان ذکر مع اسمه تعالى (غیره فان وصل) بلا عطف (کره لقوله بسم الله اللهم
تقبل من فلان) او منی ومنه بسم الله محمد رسول الله بالرفع لعدم العطف ویكون مبتدئا
لکن یکبره للوصل صورة۔
(رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام ذکر کیا اگر بغیر عطف کے متصل کیا تو ذبیحہ مکروہ ہوا مثلاً
یہ کہنا بسم الله اللهم تقبل من فلان یا منی او بسم الله محمد رسول الله رفع کے ساتھ بسبب
عطف نہ ہونے کے تو ذبح کلام کا شروع کرنے والا شہرا، لیکن وصل ظاہری کے سبب سے مکروہ ہے۔

اب باقی رہتی ہے صرف ایک یہ صورت کہ ذبح نے بہ نیت قربت تعظیم خدا فقط بسم الله الله
اکبر کہہ کر جانور ذبح کیا اور وقت ذبح کسی غیر خدا کا نام عطف و بلا عطف کسی طرح نہیں لیا البتہ وقت
ذبح سے قبل یا بعد کسی غیر خدا کا ذکر کیا تو وہ ذبیحہ نہ ما اهل به لغیر الله کے تحت میں داخل نہ اس کی حرمت کا
کوئی قائل نہ سے حکم کراہت شامل بلکہ وہ حلال طیب ہے۔

تفسیر احمدی کی عبارت تو گذر گئی۔

ہدایہ میں ہے:

والثالثة ان يقول مفصولا عنه صورة ومعنى بان يقول قبل التسمية وقبل ان یضجع
الذبیحة او بعده وهذا لا باس به۔
(ہدایہ آخرین ص ۴۳۳)

تیسری صورت یہ ہے کہ غیر خدا کا نام خدا کے نام سے صورت و معنی علیحدہ کہا اس طرح کہ تسمیہ
سے پہلے اور ذبیحہ کے گرانے سے قبل یا بعد میں تو اس ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں۔

جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے:

والثالث ان يقول مفصولا عنه صورة ومعنى بان يقول قبل التسمية او بعدها وقبل
ان یضجع الذبیحة فانه لا باس۔
(جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۲۴۶)

تیسری شکل یہ ہے کہ غیر خدا کا نام خدا کے نام سے صورت و معنی علیحدہ کہا جیسے تسمیہ سے پہلے یا بعد

میں یا ذبیحہ کے گرانے سے پہلے کہا تو اس ذبیحہ میں کچھ مضائقہ نہیں۔
تویر الابصار و در مختار میں ہے:

فان فصل صوریہ ومعنی كالدعاء قبل الاضطجاع والدعاء (قبل التسمية او بعد الذبح لا باس به) لعدم القران اصلا۔
(رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۷)

اگر غیر خدا کا نام خدا کے نام سے صورتہ و معنی جدا کیا جیسے ذبیحہ کے گرانے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے سے پہلے دعا کرنا یا بعد ذبح دعا کرنا تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں غیر خدا کا اصلا اتصال نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عام طور پر جو جانور اولیاء کرام کے لئے نذر کئے جاتے ہیں اور ذبح سے قبل ان اولیاء کے نام سے مشہور ہو جاتے ہیں اور انہیں ذابح بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتا ہے اور بعد ذبح اس عمل کا ثواب ان کی ارواح طیبہ کو پہنچایا جاتا ہے تو یہ ذبیحہ بلا شک حلال طیب ہے اور فقہاء کی اس آخری صورت میں داخل ہے۔

چنانچہ تفسیر احمدی میں اسی آخری صورت کو ذکر فرما کر لکھتے ہیں:

ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانوا يندرونهاله۔

(تفسیر احمدی ص ۳۴)

اور اسی مقام سے جان لیا گیا کہ بیشک وہ گائے جو اولیاء کے لئے نذر کی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال طیب ہے کیونکہ بوقت ذبح اس پر غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ انہوں نے اسے ان کی نذر مانا۔

تفسیر صاوی میں ہے: اما ان قصد ان الذبح لله وثوابه للولي فلا باس بذلك۔

(صاوی ج ۲ ص ۲۳۱)

لیکن اگر یہ قصد کیا کہ ذبح تو اللہ کے لئے ہے اور اس کا ثواب ولی کے لئے ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

ان عبارات میں نہایت صاف صریح الفاظ میں یہ جزئیہ موجود ہے جس کے بعد کسی منصف مزاج کو تو جائے سخن و مجال و مردن نہیں مگر وہابی اس حلال طیب ذبیحہ کو آیہ ما اهل به لغير الله میں داخل

ماکرم حرام قرار دیتا ہے اور آیت قرآنی میں تحریف کرتا ہے۔ اور سلف و خلف کی تفاسیر کی مخالفت کرتا ہے۔ کتب فقہ کی تصریحات سے انکار کرتا ہے احکام شرع میں تصرف کرتا ہے اور آیت کی تفسیر محض اپنی رائے ناقص سے کرتا ہے اور بلا وجہ مسلمانوں کو مشرک بناتا ہے۔

یہاں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں وہابیہ کی چند جہالات کو اور ظاہر کر دیا جائے تاکہ عوام پر بھی ان کی جہالت روشن ہو جائے۔

جہالت اولیٰ۔ جانور کا کسی ولی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہو جانا پھر اسے ان بزرگ کے نام سے پکارنا مثلاً حضرت مدار کا مرغ حضرت احمد کبیر کی گائے۔ حضور غوث پاک کا بکرا۔ اگر یہ غیر ذابح کا فعل ہے تو اس کا ذابح پر کیا اثر کہ حلت و حرمت ذبیحہ کے لئے ذابح کا قول معتبر ہے۔

رد مختار میں ہے: وتشتط التسمية من الذباح۔ (ج ۵ ص ۱۵۸)

رد المحتار میں من الذابح کے تحت میں فرماتے ہیں:

واحتز به عمالو سمي له غيره فلا تحل۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۸)

لہذا جب ذابح نے اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا تو کسی غیر ذابح کا ذبح سے قبل یا بعد بلکہ ذبح کے وقت بھی کسی غیر خدا کا نام پکارنا کیا مضر ہے۔ اب وہابی کا ذابح کے قول و فعل کو چھوڑ کر غیر ذابح کے قول و فعل کی بنا پر کسی ذبیحہ کا حرام کر دینا اور ما اهل به لغير الله میں داخل کر دینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

جہالت ثانیہ۔ اگر ذابح ان بزرگوں کی طرف نسبت کرتا تھا لیکن اسے بوقت ذبح اس جانور کو صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال ہے کہ اعتبار بوقت ذبح کا ہے۔

رد المحتار میں ہے: اعلم ان المدار على قصد عند ابتداء الذبح۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳)

لیکن وہابی کا وقت ذبح کو معتبر نہ کرنا اور پہلے کلام کا حجت بنالینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

جہالت ثالثہ۔ جانور کی بزرگوں کی طرف نسبت ایک اونے علاقہ کی بنا پر ہے جیسے فجر کی نماز۔ ظہر کی نماز۔ عصر کی نماز۔ مغرب کی نماز۔ عشاء کی نماز۔ اشراق کی نماز۔ چاشت کی نماز۔ تہجد کی نماز۔ عید کی نماز۔ جمعہ کی نماز۔ مسافر کی نماز۔ بیمار کی نماز۔ امام کی نماز۔ مقتدی کی نماز۔ رمضان کا روزہ۔ کفارہ کا روزہ۔ محرم کا روزہ۔ دوشنبہ کا روزہ۔ چاندی زکوٰۃ سونے کی زکوٰۃ ان تمام امور کو ان نسبتوں کی بنا پر

عبادت کے معنی سے خارج کرے۔ اور ان پر حکم و کفر و شرک کے فتوے لگائے۔

بلکہ خود جانور کی طرف نسبت کرنے کی مثالیں سنئے۔ عقیقہ کی بکری۔ قربانی کا بکرا۔ شادی کی گائے۔ ولیمہ کا چھڑا۔ اس سے زاید یہ کہ ایام قربانی میں عوام کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہیں۔ میری گائے آج ذبح ہوگی۔ تیری گائے کل ذبح ہوگی۔ عبد اللہ کی گائے موٹی ہے۔ عبد الرحمن کی گائے دہلی ہے۔ اللہ بخش کی گائے سرخ ہے۔ مولیٰ بخش کی کالی ہے۔ اور اسی طرح بہت سی نسبتیں غیر خدا کی طرف کی جاتی ہیں۔ خود وہابیہ بھی ذبح سے قبل ایسی نسبتیں کرتے ہیں مگر ان نسبتوں کی بنا پر کبھی اس جانور کو حرام نہیں کہتے اور اسے ما اهل به لعیر اللہ کے تحت میں داخل نہیں کرتے۔ لہذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ بزرگوں کی طرف جانور کی جو نسبت کیجاتی ہے وہ بقصد عبادت نہیں یعنی اس لئے نہیں ہے کہ اس جانور کی جان دیکر فلاں بزرگ کی عبادت مقصود ہے۔ پھر بھی اگر کوئی جاہل اس معنی عبادت کی غرض سے جانور کی کسی بزرگ کی طرف نسبت کرے تو وہ ذبیحہ حرام اور اس کا ذبح کافر ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے: اما المسلم ان جمع بينهما على وجه التشريك في العبودية فهو مرتد لا تاكل ذبيحته۔ (صاوی ج ۲ ص ۳۸)

لیکن مسلمان نے اگر خدا اور غیر خدا کو بطریقہ شریک کرنے کے بندگی میں جمع کیا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جاسکتا۔

بالجملہ مسلمان کو اس کا مذہب اس غرض کی بنا پر کبھی کسی بزرگ کی طرف نسبت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

در مختار میں ہے: لا نسى الطن بالمسلم انه يتقرب الى الادمى۔

شامی میں: يتقرب الى الادمى کے تحت میں فرماتے ہیں:

اي على وجه العبادة لانه المكفر وهذا بعيد من حال المسلم۔

اور اسی میں اسی صفحہ پر ہے: لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه او فعله على

محمل حسن۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳)

تو مسلمان کی ایسی نسبت کرنے کا علاقہ صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اس جانور کے ذبح

کرنے کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچایا جائے گا۔ لہذا وہ اس اوئے علاقہ کی بنا پر اس جانور کی نسبت فلاں بزرگ کی طرف کر دیتا ہے۔ اور ایسی نسبت کی اصل خود حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور سید عالم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انکی والدہ ام سعد کے ایصال ثواب کے لئے پانی کے تصدق کا حکم فرمایا حضرت سعد نے کنواں کھدوایا۔

فقال هذه لام سعد۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹)

حضور نے فرمایا یہ کنواں ام سعد کا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جس چیز سے ایصال ثواب کیا جائے اس کی نسبت اس کی طرف کر سکتے ہیں جس کو اس کا ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ اب وہابی کا اس نسبت کے علاقہ کو نہ سمجھنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

جہالت رابعہ۔ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت نہ مطلقاً کفر نہ حرام چنانچہ روزانہ قصاب ذبیحہ کو بخیاں تجارت و بہ نیت نفع ذبح کرتا ہے یا عام طور پر مہمان کی دعوت کے قصد اور شادی میں برات کے کھانے کی نیت سے جانور ذبح کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ان ذبیحوں میں غیر خدا کی نیت مقصود ہوتی ہے۔ اب وہابی ان ذبیحوں کو حرام قرار دے۔ اور ان پر آیہ ما اهل به لغیر اللہ کا حکم چسپاں کرے مگر مشکل تو یہ ہے کہ ان وہابیہ کی کافی گوشمالی صاحب در مختار نے کی۔

چنانچہ در مختار میں ہے: ولو ذبح للضيف لا يحرم لانه سنة الحليل و اکرام الضيف اکرام۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳)

اگر مہمان کے لئے ذبح کیا تو ذبیحہ حرام نہیں ہوتا کہ یہ حضرت خلیل اللہ کی سنت ہے اور مہمان کا اکرام اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔

پھر علامہ شامی نے اس کے تحت میں وہابیہ کے سارے اوہام اور بدگمانیوں ہی کا خاتمہ کر دیا اور انہیں مخالف قرآن و حدیث اور سخت جاہل بنایا فرماتے ہیں:

ومن ظن انه لا يحل لانه ذبح لا كرام ابن آدم فيكون اهل به لغیر اللہ تعالى فقد حانف القرآن والحديث والعقل فانه لا ريب ان القصاب يذبح للربح ولو علم انه نجس لا يذبح فيلزم هذا الساهل ان لا ياكل ما ذبحه القصاب وما ذبح للولائم والاعراس والعقيقة۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳)

اور جس نے یہ گمان کیا کہ مہمان کے لئے ذبح کرنا حلال نہیں اس لئے کہ یہ ذبح تکریم ابن آدم کے لئے ہے تو یہ اہل بہ لغیر اللہ ہو گیا۔ پس اس نے قرآن و حدیث اور عقل کی مخالفت کی کیونکہ اس میں شک نہیں کہ قصاب نفع کے لئے ذبح کرتا ہے اگر وہ نقصان جانتا تو ذبح ہی نہ کرے۔ تو اس جاہل پر لازم

ہے کہ قصاب کے ذبیحہ کو نہ کھائے اور وہ جو ولیمہ اور شادی اور عقیقہ میں ذبح ہوتا ہے نہ کھائے۔

ان عبارات سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ مطلقاً نیت و نیت غیر خدا کو حرام جاننے والا اور ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل کرنے والا قرآن وحدیث کا مخالف اور عقل وفہم کا دشمن ہے اور سخت جاہل و مجنون ہے۔ وہابی ان عبارات کو پڑھ کر اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور سوچے کہ جب اکرام مہمان میں اکرام خدا ہے تو کیا اکرام اولیاء بدرجہ اولیٰ اکرام خدا نہ ہوگا۔ اور جب دنیوی نفع کی نیت حلت ذبیحہ میں قتل نہیں ہو تو فاتحہ و ایصال ثواب کی نیت کس طرح ذبیحہ کو حرام کر دے گی۔

بالجملہ یہاں وہابیہ کی صرف ان چار جہالتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن پر وہ بہت نازاں ہیں ورنہ اگر خاص اسی آیہ کریمہ کے متعلق ان کی تمام جہالتوں کو شمار کرانے کا التزام کیا جائے تو کافی نمبر ہو جائیں اور نہایت مبسوط رسالہ بن جائے۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں ہدایت کی توفیق دے اور انہیں ایسی فہم عطا فرمائے کہ جس سے یہ لوگ نصوص و کتب اسلامیہ سے غلط نتیجے نہ نکال سکیں۔ و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۰۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

ایک نابالغ لڑکا جس کا بدن اور کپڑے بھی ناپاک ہیں اس نے بکرا ذبح کیا اور وہ ذبح کرنا جانتا ہے اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا وہ ذبیحہ درست ہے یا نہیں یہاں اس کا جواب دہلی والے مفتی مظہر اللہ صاحب مسجد فتحپوری نے یوں دیا ہے کہ وہ ذبیحہ درست ہے مگر اس پر چند لوگ معترض ہیں لہذا آپ جواب دیں کہ وہ لڑکا روزانہ ذبح کرتا ہے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

جب یہ نابالغ لڑکا ذبح کرنا جانتا ہے اور اس پر قدرت بھی رکھتا ہے اور اس نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا ہے تو بلا شک یہ ذبیحہ درست ہے اور اس کو کھایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: انکان الصبی یعقل الذبح ویقدر علیہ تو کل ذبیحتہ

(عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۷۳)

لہذا مفتی دلی کا جواب صحیح ہے جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ مسئلہ سے بے خبر ہیں پھر جب یہ لڑکا روزانہ ہی ذبح کرتا ہے تو اس کی تاکید کی جائے کہ وہ اپنے بدن اور کپڑوں کو پاک رکھے اور صاف ستھرا رہا کرے۔ لیکن اس کا ذبیحہ ہر صورت جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۰۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

اگر کوئی شخص روزانہ تیر کبوتر فاختہ طاؤس مرغابی ماہی کا شکار کر کے کھاتا اور بیچتا ہے تو اس پر کسی قسم کا گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

ان جانوروں کے کھانے یا بیچنے کی نیت سے شکار کرنے میں شکاری پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے رد المحتار میں ہے: ان طلب من الصيد ما یحتاج الیہ من بیع او ادم او حاجة اخرى فلا باس بہ "واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۰۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

گوشت کھانا حلال جانوروں کا کب سے جائز ہوا اور گوشت کھانے کا حکم قرآن کریم کی آیت سے ثابت کریں؟

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

حلال جانوروں کے گوشت کا کھانا امم سابقہ سے لیکر ہی ہماری شریعت مطہرہ تک برابر جاری رہا۔ اس شریعت نے اس جواز کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کے جواز کو باقی رکھا حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی غذا تو شکار کا گوشت ہی تھا۔ قرآن شریف میں اس کے جواز میں کثیر آیات وارد ہیں:

﴿احلت لكم بهيمة الانعام الا ما يتلى عليكم﴾ سورة المائدة

یعنی تمہارے لئے چوپائے مویشی حلال ہوئے مگر وہ جن کی حرمت آگے بیان ہوگی آیہ

﴿ومن الانعام حمولة وفرشا كلوا مما رزقكم الله﴾

یعنی اور مویشیوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے پڑے اور کچھ ز میں پر بچھے ہوئے تو کھاؤ ان میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی۔ لہذا ان آیات سے گوشت کھانے کا حکم ثابت ہو رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المتخصص بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ

(۸۱۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں

خنزیر کا گوشت کیوں حرام ہوا اصل سبب بتائیں کرم واحسان ہوگا فقط

المستفتی، سید ایوب علی جادو

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

خنزیر میں کیونکہ بہت زیادہ حرص وشہوت اور بے حیائی وبے غیرتی ہے اور وہ نجاستیں زیادہ کھاتا ہے اور خاص کر انسان کی نجاست تو اس کی غذا ہے تو اس کا گوشت بھی انہیں نجاستوں سے حاصل ہوگا۔ نیز اس کے مذموم اخلاق کے اثرات اس کے گوشت میں ہونگے تو اس کے گوشت کا کھانا گویا نجاست کا کھانا قرار پاتا ہے اور اس کے گوشت کے کھانے والے پر اس کے مذموم اخلاق کے اثرات ہونگے لہذا ان نقائص کی بنا پر اس کا گوشت حرام ہونا چاہئے۔ اور جب اس کا گوشت نجس العین قرار دیا تو پھر اس کی حلت ہونی ہی نہیں چاہئے۔ کہ شریعت تو پاک اور بہتر اخلاق پیدا کرنے والی چیز کی اجازت دیتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿احل لكم الطيبات﴾

یعنی تمہارے لئے پاک اور خوش طبع چیزیں حلال کی گئیں۔ لہذا اس کا متولد عن النجاست گوشت جو اخلاق ذمیدہ کا بھی سبب قرار پاتا ہو ہرگز حلال نہیں ہونا چاہئے بالجملہ خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کا یہ سبب بھی ہو سکتا ہے جو مذکور ہوا۔ لیکن اس کی حرمت کے حقیقی سبب کو یا تو خالق تبارک وتعالیٰ جانتا ہے کہ اس نے کس سبب کی بنا پر اس کو حرام کیا یا اسکے وہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانیں جن پر اس کی حرمت نازل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المتخصص بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ

(۸۱۱)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں یہاں ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ پیشہ ور کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے عرض یہ ہے کہ ذبیحہ کے پیشہ ور قصاب و بز قصاب مسلمان ہوتے ہیں اگر یہ لوگ اپنے ہاتھ سے باقاعدہ ذبح کر کے گوشت فروخت کریں تو وہ گوشت حلال ہے یا حرام اگر حلال ہے تو حلال کو حرام کہنے والا شریعت مطہرہ کی رو سے کیسا ہے استدعا ہے کہ جواب فتویٰ حضور مدلل تحریر فرمادیں ورنہ یہاں کے لوگ نہیں مانیں گے۔

المستفتی، محمد عبداللہ رضوی محلہ ڈیہہ پور ۳ جنوری ۱۹۵۸ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ذبح سے جانور کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ ہو لیکن وہ اللہ کا نام لیکر ذبح کیا کرتا ہے۔

بدایہ اور اس کی شرح ہدایہ میں ہے ”ذبیحۃ المسلم والکتابی حلال“ یعنی مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔

کنز الدقائق اور اس کی شرح عینی میں ہے۔ ”وحل ذبیحہ مسلم و کتابی“ یعنی مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہوا۔

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے ”شرط کون اندابح مسلما و کتابیا فتحل

(ملخصاً از شامی جلد ۵ صفحہ ۱۹۷۰)

ذبیحتہما“

ملتقى البحر اور اس کی شرح مجمع الانهر میں ہے ”وتحل ذبیحہ مسلم وکتابی“

جو ہرہ نہرہ شرح قدوری میں ہے ”ومن شرطه ان يكون الذباح صاحب ملة التوحيد

کالمسلم او دعوى کالکتابی“

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”ومنها ان يكون مسلما او کتابیا“

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو پھر اب چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو بالغ مکلف ہو یا عاقل نابالغ ہو یہاں تک کہ چھوٹا بچہ ذبح کو سمجھتا ہو اور اس پر قدرت رکھتا ہو تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے،

در مختار میں ہے ”فتحل ذبیحتہما ولو الذباح محنون او امرأة او صبیبا یعقل التسمیہ والذبح ویقدر او اقلف او اخرس“

لہذا قصاب پیشہ در بھی تو مسلمان ہی ہے تو اس کا ذبیحہ بھی بلاشبہ حلال ہے اور قصاب کے ذبیحہ کے لئے تو کتب فقہ میں ان کے نام سے یہاں تک تصریح موجود ہے۔

رد المحتار میں ہے ”لا ریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انه بخس لا یدبح فیلزم الجاہل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب“ (رد المحتار مصری جلد ۵ صفحہ ۲۰۳)

اس میں کچھ شک نہیں کہ قصاب تو نفع ہی کے لئے ذبح کرتا ہے اور اگر اسے گھائے اور نقصان کا یقین ہو جائے تو وہ ذبح نہ کریگا تو اس جاہل پر لازم ہے کہ وہ قصاب کئے ذبح کئے ہوئے کو نہ کھائے۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ قصاب تو جانور کو محض اپنے نفع کی خاطر ذبح کرتا ہے تو اس کے ذبیحہ کو تمام اہل اسلام حلال جانتے ہیں اور اس کا گوشت حلال سمجھ کر کھاتے ہیں تو فقہاء نے اس شخص کو جو قصاب کے ذبیحہ کو جائز نہ جانے جاہل قرار دیا تو اس سوال میں جس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا ہے کہ وہ قصاب کے ذبیحہ کو حرام کہتا ہے اس کا نادان و جاہل ہونا تو اس عبارت سے ثابت ہو گیا پھر اس کی دلیری ملاحظہ ہو کہ وہ مذہب کی اس قدر معتبر کتابوں کی مخالفت کرتا ہے اور شریعت کے حلال کئے ہوئے کو حرام ٹھہرا کر دین کے حکم کو بدلتا ہے اور محض اپنی غلط رائے اور ناقص عقل سے مسائل بیان کرتا ہے لہذا اس پر توبہ واجب و لازم ہے کہ اس نے اپنی کج فہمی سے حلال کو حرام قرار دیدیا۔ مولیٰ تعالیٰ اس کو توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۱۵/ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

مسئلہ (۸۱۲)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں
اگر جانور مسلمان نے ذبح کیا اور ہندو اس کو اٹھا کر بیچنے کی جگہ لے جاتا ہو جہاں سے وہ لایا اور
جہاں لے گیا اس درمیان میں کوئی نہ کوئی مسلمان ضرور اس کو راستے میں ملتا رہا اس صورت میں یہ
گوشت مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بھی ذرا واضح طور پر تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جب جانور کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اور کوئی نہ کوئی مسلمان وقت ذبح سے خریداری کے وقت
تک اسے برابر دیکھتا رہا ہو یعنی کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے وہ غائب نہ ہوا ہو یہاں تک کہ اس بات پر
یقین حاصل ہو کہ یہ وہی جانور ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا تو اس سب گوشت کا خریدنا اور کھانا درست
و جائز ہے اور صرف ہندو کا فرک یہ کہنا کہ یہ وہی جانور ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا تھا معتبر نہیں۔ اذ لا
اعتبار بقول الکافر فی الدیانات۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المحتصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ (۸۱۳)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
جھینگا مچھلی یعنی آنراہندی چنگڑی کو ہند کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب مرحمت ہو۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

کتب لغت وطب کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ جھینگا مچھلی کے اقسام میں داخل ہے۔

منتہی الارب میں ہے: از بیان نوع از ماہی است کہ آنرا ہندی جھینگا می گویند۔

مخزن میں ہے: از بیان دار بیان نیز آمدہ بفارسی ماہی او بیان ماہی میک وہندی جھینگا مچھلی نامند
جب اس کا مچھلی ہونا ثابت ہو گیا اس کے کھانے کے جواز میں کیا یہ شبہ باقی رہ گیا حتی کہ شامی

میں یہ عبارت منقول ہے:

و فی السمک الصغار التي تقلی من غیر ان یثقی جو فہ فقال اصحاب الشافعی لا یحل اكله لان ر جيعه نجس و عند سائر الائمة یحل -

لیکن جواہر اخلاطی میں یہ تصریح بھی موجود ہے:

السمک الصغار کلها مکروه کراهة التحريم هو الاصح -

کہ چھوٹی مچھلیاں مکروہ تحریمی ہیں لہذا جھینگا کو نہ کھایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المتعصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿آ﴾

باب الاضحية

(۸۱۴)

مسئلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) عورت پیشہ آور اگر دی اختیار کئے ہوئے ہے اور اس کا باپ اسی عورت کے لئے تخمیناً ۱۵،

۲۰ ماہواری باہر سے روانہ کرتا ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر اس کی چرم قربانی کو مسجد کے مدرسہ اسلامیہ میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے مطلق حرام ہے۔

(۲) زید مذکور کا تعلق ایک سودخور سے ہے جب کہ زید بکر نے سودخور کی خورد و نوش کا اور اسکے چرم قربانی کا اور چندہ مسجد و مدرسہ وغیرہ کے لئے کہا تو زید نے جواب دیا کہ جائز ہے آیا دراصل جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید مذکور جواب دیتا ہے کہ جائز ہے جیسے کہ ایک شخص کی آمدنی بینسٹھ دوکان وغیرہ ہاتھینا بارہ آنے ہیں تو اس صورت پر چار آنے رقم سود بھی شامل ہو کر جائز ہوگئی مثال دیتا ہے کہ مثلاً ایک روپیہ مکہ رائج الوقت میں بارہ آنے یا چودہ آنے چاندی ہے اور دو آنہ دیگر اقسام کی دھات ملکر ایک روپیہ چاندی ہو جاتا ہے اسی طرح پر چار آنے سود بھی روپیہ کے ساتھ جائز ہے بہر حال قول زید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روپیہ چار آنے سود کا جائز ہے؟۔ جواب مفصل بحوالہ کتب

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) ایسی زانیہ کی قربانی اگر یقین معلوم ہو کہ بلا کسی حیلہ شرعی کے اسی کسب حرام سے ہے تو اس

چرم کو صرف مدرسہ کے غریب طلبہ یا فقرا مساکین کو بہ نیت تصدق بلا قصد حصول ثواب دیا جاسکتا ہے۔ مدرسہ اور مصارف میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں۔

شامی میں ہے: لان سبیل الکسب الخبیث التصدق۔

اور اس کا کسب حرام سے ہونا معلوم ہو یا حرام و حلال کے خلط محض شک ہی ہو اور حرمت کا کوئی علم یقینی نہ ہو تو اس جرم کا مدرسہ کے اور مصارف میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔

شامی میں ہے: الشك والاحتمال لا يوجب الحکم والیقین لا يزول بالشك۔

اور جب پاس حلال کا بھی ذریعہ ہے کہ اس کو ماہوار دیتے ہیں تو حسن ظن حاکم ہے کہ اس نے یہ فعل قربت اس پاک مال سے کیا ہوگا جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو۔ لہذا زید کا اس کو مطلق حرام کہنا دین پر افترا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) ایسا سود خور جس کا ذریعہ آمدنی سود کے سوائے اور کوئی حلال طریقہ نہ ہو اس کا مال حلال کو اس سودی مال میں ملانا معلوم تو یہ مال خبیث ہوئے تو بعینہ اس کا کھانا یا اس کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا جائز نہیں۔ شامی میں ہے:

لوانفق فی ذلك مالا خبیثا ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالى لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بمالا یقبله کذا فی الہندیہ وغیرھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) قول زید سراسر غلط ہے اور مذہب میں اپنی رائے ناقص کا دخل ہے اگر اس طرح کوئی چیز جائز ہو جایا کرے تو کنویں میں پیشاب کا ایک قطرہ شامل ہو کر بھی کنواں ناپاک نہ ہو۔ لہذا قول زید قابل التفات نہیں، ایک روپیہ پر چار آنے کا اضافہ تو بڑی چیز ہے ایک پائی کا اضافہ بھی بلا کسی عوض کے سود ہے۔ کما هو مصرح فی سائر کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۱۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ قربانی کی کھال امام مسجد کو دیدیتے ہیں۔ امام صاحب اس کو فروخت کر دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟۔ قربانی میں کوئی نقص تو نہیں ہوتا اور ثواب میں تو کوئی کمی نہیں ہوتی؟۔

خلیل احمد نیویا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جرم قربانی امام مسجد کو دے سکتے ہیں اور وہ امام اس کو فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ پھر اسی میں نہ قربانی میں کوئی نقص ہو نہ ثواب میں کوئی کمی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۱۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین متدرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) قربانی کا گوشت یہود ونصاری اور ہندوؤں کو دینا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) قربانی کے جانور کی ہڈی وآلائش وغیرہ کتوں کو دیدینا چاہئے یا دفن کر دینا بہتر ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) قربانی کا گوشت کسی کا فرو کوندینا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ بالصواب

(۲) قربانی کے جانور کی ہڈی اور آلائش کا دفن کر دینا ضروری نہیں انہیں کتوں کو بھی دے سکتے

ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۱۷)

مسئلہ

جناب مولوی صاحب السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

ایک شخص قربانی ہمیشہ کرتا آیا ہے۔ درمیان سال صاحب نصاب تھا۔ لیکن اب نہیں ہے۔ قربانی

کر سکتا ہے۔ یا تو قرض لیکر یا ضروری خرچ بند کر کے۔ اس میں کون سی صورت بہتر ہوگی؟۔

احقر نور الدین رضا حسین چودھری سرائے سنجل

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

دسویں تاریخ کو جو صاحب نصاب ہے اس پر قربانی واجب ہوتی ہے اور جو اس دن مالک

نصاب نہ ہو اس پر قربانی فرض نہ ہوگی۔ اگر نفل کرنا چاہے تو ادا ہو سکتی ہے فقط۔

محمد دانش علی زیدی مولوی عالم دبیر کامل مالک دو خانہ قرانی محلہ نالہ

سنہ ۱۲۶۰ ہجری / جون ۱۹۵۸ء

جواب صحیح ہے۔ اور شرعاً چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے تو جو چاندی سونے کی ان مقداروں یا ان مقداروں کی قیمت کا مالک ہو اس کو شرعاً مالک نصاب کہتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل مفتی مدرسہ اجمل العلوم سنہ ۱۲۶۰

(۸۱۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت تمام شرکاء کے نام لینا کیا ضروری ہے؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

قربانی کا جانور خریدتے وقت شرکت کی نیت کرنا ضروری اور ذبح سے پہلے شرکاء کو متعین کر لینا بھی ضروری ہے۔ لیکن ذبح سے پہلے ان سب شرکاء کے نام لیکر ذبح کرنا نہ ضروری نہ سنت نہ مستحب بلکہ اس وقت ان کے نام نہ لئے جائیں۔ ہاں بعد ذبح کے دعائیں ان کے نام لینا مستحب ہے۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۶۰

(۸۱۹)

مسئلہ

جس پر قربانی واجب ہے اگر وہ قربانی نہ کرے اور جو قیمت قربانی کے جانور کی ہو وہ قیمت ہی صدقہ کر دے تو یہ جائز ہے؟ یا قربانی ہی کرے؟ اور اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ قربانی سے بری ہو جائے گا یا نہیں؟۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جس پر قربانی واجب ہو اور اس نے نہیں کی یہاں تک کہ ایام گزر گئے اور اس نے جانور بھی نہیں

خریدا تھا تو اس پر ایک بکری کی قیمت کا صدقہ واجب ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ولو اعسر بعد خروج الوقت صار قيمة شاة صالحة للاضحية دينا

فی ذمة (و فيه ايضا) وجوب الصدقة بالقيمة مفيد بما اذا لم يشتر -

(ردالمحتار ص ۲۰۸ ج ۵۔)

اگر ایام قربانی کے نکلنے کے بعد نادار ہو گیا تو اس کے ذمہ اسی ایک بکری کی قیمت واجب ہوگی جو قربانی کے لائق ہو۔ قیمت کے صدقہ کرنا وجوب اس صورت میں ہے جب جانور نہ خرید کیا ہو۔ اور اگر جانور خرید چکا تھا اور قربانی نہیں کہ تو وہ بلا ذبح کے بعینہ اس زندہ جانور کا صدقہ کرے۔ اسی ردالمحتار میں ہے:

الصحيح ان الشاة مشتراة للاضحية اذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق

لمو سربيعه حية كالفقير بلا خلاف بين اصحابنا -

صحیح مذہب یہ ہے کہ جب قربانی کے لئے بکری لائی گئی اور اس کی قربانی نہیں کی یہاں تک کہ ایام قربانی گزر گئے تو مالدار بھی فقر کی طرح بعینہ زندہ جانور کا صدقہ کرے۔ اس میں ہمارے اصحاب میں کوئی اختلاف نہیں اور بعد گزر جانے ایام قربانی کے قربانی نہیں کی جائیگی۔ اسی ردالمحتار میں ہے:

وان لم يشتر مثلها حتى مضت ايامها تصدق بقميتها لان الاراقة انما عرف قرية

فی زمان مخصوص -

اور اگر ان ایام میں نہیں خریدی یہاں تک کہ ایام قربانی گزر گئے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرے اس لئے کہ خون بہانے کا قرب ہونا مخصوص زمانہ میں شرعاً معلوم ہوا۔

اور اگر قربانی کر کے جانور ذبح کر دیا تو اس کا گوشت خود نہ کھائے بلکہ سب گوشت صدقہ کرے۔ اور بری الذمہ ہو سکی امید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۶۰

(۸۲۰)

مسئلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم -

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام ادام فیضہم المولے العلام ان مسائل میں کہ
(۱) گائے قربانی کیلئے خریدی گئی لیکن ہندوؤں کے ظلم یا فساد یا اور کسی خاص وجہ کر قربانی نہیں کی
گئی۔ کیا وہ گائے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فروخت نہیں کرتے ہیں تو روزانہ ایک روپیہ اس کے
ذمہ خرچ ہے۔ سال میں سیکڑوں روپیہ خرچ پڑیگا پھر آئندہ سال کوئی امید نہیں کہ گائے کی قربانی کی جاسکتی
ہے۔ ان مجبوریوں سے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) گائے قربانی کیلئے خریدی گئی لیکن کسی خاص وجہ سے قربانی نہیں ہوئی اور گائے فروخت
کردی گئی۔ اب گائے کی قیمت حصہ دار کو واپس کر دیا اور وہ اپنے حصہ کا رقم ذاتی مصرف میں خرچ کر سکتے
ہیں یا نہیں؟ اگر ذاتی مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے ہیں کسی نیک کام میں مثلاً جلسہ وعظ یا مسجد میں خرچ
کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) زید اہل نصاب ہے اور قربانی کرنا چاہتا ہے لیکن اپنے نام سے نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے نام سے یا اپنے مردہ ماں باپ کے نام سے کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک خنسی ہے جو ایک سال میں پندرہ یا بیس دن کم ہے لیکن بظاہر ایک سال یا ایک سال
سے زیادہ کا معلوم ہوتا ہے ایسی صورت میں اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

محمد شفیع کچھری روڈ جکد ل۔ ۲۴ پرگنہ۔ ۲۱ اکتوبر ۱۳۸۷ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) جو قربانی کا جانور بہ نیت قربانی خریدا گیا اور قربانی کے ایام یعنی ایام نحر گزر گئے اور وہ قربانی نہ
کر سکا تو اس جانور کو بعینہ زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔

شامی میں ہے: الصحيح ان الشاة المشتركة للاضحية اذا لم يضح بها حتى مضى
الوقت يتصدق المولى سربعيتها حية كالفقير بلا خلاف بين اصحابنا فان محمد اقال وهذا
قول ابی حنیفہ وابی یوسف وقولنا۔ (شامی مصری ص ۲۱۱ ج ۵)

تو جب وہ گائے زندہ موجود ہے تو اسے زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔ اسکو فروخت کرنے کی
حاجت نہیں اور اسکا سال بھر تک روکنا بالکل بیکار ہے کہ اسے سال آئندہ کے ایام قربانی میں بہ نیت نضا
ذبح نہیں کر سکتا بلکہ پھر زندہ ہی کو صدقہ کرنا ہوگا۔

عائگیری میں ہے: فان لم يفعل ذلك حتى جاء ايام النحر من العام القابل فضحى بها
عن العام الحاضی لم یجز۔ (عائگیری ص ۹ ج ۴) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
(۲) جب وہ گائے قربانی کے لئے خریدی گئی تھی اور اس کی ایام نحر میں قربانی نہیں ہو سکی یہاں تک کہ
اب اس کو بیچ دیا گیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کیا جائیگا اور قیمت کے کسی جز کو اپنے صرف میں نہیں لاسکتا۔
عائگیری میں ہے: "ولا يجوز الاكل منها فان باعها تصدق بشمئها۔

اور جب اسکا صدقہ ضروری ہے تو اسے جلسہ وعظ یا مسجد میں نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ فقراء و
مساکین پر خرچ کریں۔ "لان فی السخاۃ فی بعض الصور وقال يتصدق قيمتها علی الفقراء
فيمكن ان يكون التصدق علی الفقراء مراد فی التصدق مطبقا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
(۳) زید جب مسلمان۔ آزاد۔ مقیم۔ صاحب نصاب ہے تو خود اس کو اپنی طرف سے قربانی کر
نا واجب ہے۔ تو پہلے اپنے فریضہ کو ادا کر لے۔ اس کے علاوہ اگر اسوقت ماں باپ وغیرہ کی طرف سے
قربانی کرے تو جائز ہے اور یہ اسکا تبرع واحسان ہے اسکا ثواب اس میت کو پہنچتا ہے۔

شامی میں اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: "اذا ضحى رجل عن ابويه بغير امرهما
وتصدق به جاز لان اللحم ملكه وانما للميت ثواب الذبح الصدقة"

اسی طرح اگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا بلاشبہ جائز ہے:
لان علیا رضی اللہ عنہ فعل عنہ وضحی کبشاعنہ وحقہ علیہ السلام فوق حقوق

ابویہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) ایک سال سے کم کا دنبہ یا بھیڑ چاہے شمشاہی ہو۔ اب وہ خنسی ہو یا نہ ہو جب وہ ایک سال
والے کی برابر معلوم ہوتا ہے تو بلاشبہ اس کی قربانی جائز و درست ہے۔ بکری بکرے کا یہ حکم نہیں۔

در مختار میں ہے: "صح الجذع ذو ستة اشهر كالضان ان كان بحيث لو خلط بالثنا یا
لا يمكن التميز من بعد۔" (شامی مصری ص ۲۱۱ ج ۵)

صورت مسئلہ میں اگر وہ خنسی بھیڑ یا دنبہ ہے تو اس کی قربانی درست ہے اگر وہ بکرہ ہے تو نادرست ہے
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔۔ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۸۲۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح قربانی کے جانور میں سات آدمی شریک ہوتے ہیں اسی طرح عقیقہ کے جانور میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟۔ لہذا رحم فرما کر مفصل جواب عنایت فرمائیں اس پر مہر ہونا ضروری ہے۔

المستفتی: عظمت خان نور خان، بمقام شیوالا پوسٹ ولی نگر وایامیار گجرات

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جن جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ان میں سات عقیقہ بھی ہو سکتے ہیں۔ ہاں اولے یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو حصے اور لڑکی کی طرف سے ایک حصہ لیا جائے۔ اور اگر لڑکے کی طرف سے ایک حصہ لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بصورت شرکت سب بچوں کے نام مع ولدیت کے دعائے عقیقہ میں لینے چاہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۰ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۲۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ہر دو مسئلہ میں کہ (۱) اگر کوئی شخص عقیقہ کی نیت سے بجائے خسی اور بکری کے گائے ذبح کرے تو عقیقہ درست ہوگا یا نہیں؟۔

(۲) اگر کسی مسجد کا متولی تمام شہر کے مسلمانوں کا فطرہ یا مال زکوٰۃ وصول کر کے شہر کے اندر کوئی اسکول یا مدرسہ تعمیر کرے اگرچہ اس میں دینی اور مذہبی اور اسلامی تعلیم ہوگی تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟۔ اگر متولی نے ایسا کیا تو شریعت کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم معہ حوالہ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: روزن میاں وظفر الدین

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) عقیقہ میں گائے کے ذبح کرنے میں گویا سات بکریوں کا ذبح کرنا پایا گیا۔ تو یہ ایک خسی بکری کے ذبح کرنے سے سات گنا زیادہ قرار پایا۔ تو اسکے نہ فقط درست ہونے بلکہ افضل و بہتر ہونے میں کوئی کلام نہیں کر سکتا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لو اشتري بقرة يريد ان يضح بهائم اشترك فيها ستة يحزبهم لانه بمزلة سبع شياه حكما۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) فطرہ وزکوٰۃ کے مال میں تملیک ضروری ہے۔ لہذا متولی کا فقیر کو بلا تملیک کئے ہوئے اس فطرہ وزکوٰۃ کے مال کا تعمیر مدرسہ میں لگانا ہرگز ہرگز درست نہیں۔ لا نعدام التملیک وهو الرکن کما فی الهدایۃ وغیرہا۔ اور متولی نے ایسا کیا تو اس پر اتنی کا ضمان ادا کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۲۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی مالک نصاب خود اپنے نام کی بجائے گھر بھر میں کسی فرد کی جانب سے کر دے تو اس کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ مثلاً زید نے بجائے خود اپنے بچوں کے یا بیوی یا بہن یا ماں یا کسی عزیز قریب کے طرف سے کر دے اور اپنے نام سے نہ کرے تو کیا حکم ہے؟۔ بینوا تو جروا۔

المستفتی: نور محمد میاں ٹیٹا گڈھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

مالک نصاب پر صرف اپنی طرف سے قربانی واجب ہے۔

ور مختار میں ہے: فتحب التصحیۃ علی کل مسلم و مقیم و مو سر عن نفسه لا عن طفله۔ توجب اس نے اپنی طرف اور اپنے نام ہی سے سے قربانی کی تو اس کی قربانی کی ادا ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲ رذی القعدہ ۱۳۷۲ھ

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

﴿ ۸۲ ﴾

باب الحلف والیمین

(۸۲۴)

مسئلہ

بسم الله الرحمن الرحيم السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ
ایک شخص کو چند برادروں نے قوم کا سر بیچ بنانا چاہا اس شخص نے انکار کیا تو اس کو اس بات پر
برادروں نے مجبور کیا اور یہ قول و اقرار کیا کہ ہم سب تمہارے خلاف نہ ہونگے اگر کسی وقت بھی تم کو چھوڑ
یں تو خدا اور رسول کو چھوڑیں اور خدا اور رسول سے پھریں اب چند آدمی عہد کر کے پھر گئے اور خلاف ہیں جو
حکم شرعی ان لوگوں کا ہوا رشاد فرمایا جائے۔ نشانی انگوٹھ عبداللہ کہہ کر چن سرائے سنہ ۱۳۱۱ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اگر فی الواقع ان لوگوں نے اس قدر زبردست عہد کیا تھا اور اس عہد کو اتنے اہم حلف کے ساتھ
مؤکد کیا تھا اور پھر باوجود ایسے مؤکد عہد و حلف کے خود ہی ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور حلف کے خلاف
کیا تو ایسے لوگ شرعاً توبہ واستغفار کریں اور تین روزے رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۱۱ھ

(۸۲۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین نسبت مسائل کے حوالہ جات قرآن واحادیث سے جواب
عنایت فرمایا جائے
زید ایک معزز شخص سمجھا جاتا ہے بکر ایک مسجد کا متولی ہے جس مسجد کے مرمت وغیرہ کا قرضہ ادا
کرنا ہے وہ زید کو کہتا ہے کہ کسی شہر سے چندہ کر کے لاؤ تا کہ جو قرضہ مسجد کے ذمہ ہے وہ ادا کر دیا جائے۔

کتاب الایمان والندور

زید باہر جاتا ہے کچھ چندہ کر کے لاتا ہے اس کی یادداشت بکر کو دیدیتا ہے۔ مسجد کے حساب کی کتاب میں یہ رقم کسی جگہ جمع نہیں ہوتی ہے۔ بکر متولی فوت ہو جاتا ہے۔ عمر جو متولی بکر کے بعد مقرر ہوتا ہے اس فہرست چندہ کو دیکھتا ہے۔ حساب مسجد میں یہ رقم کسی جگہ جمع نہیں پاتا۔ نہ اس کو اس رقم کا حساب مسجد یا قرضہ مسجد میں دیا جانا حساب مسجد سے پتہ چلتا ہے۔ وہ زید سے اس کے متعلق دریافت کرتا ہے۔ زید عمرو چند مسلمانان کے رقم بذریعہ چندہ وصول کرنا قول کرتا ہے۔ مگر کہتا ہے کہ وہ یہ رقم سابق متولی بکر کو ادا کر چکا اور اس کی تائید میں قسم کھاتا ہے کہ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ میں یہ رقم بکر متولی کو دے چکا ہے۔ کیا ایسی قسم سے زید بری الذمہ ہو جاتا ہے؟۔ ایسی رقم کا ذمہ وار زید ہے یا ورنہ بکر۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

زید جب شرعی طور پر قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ میں جو چندہ بیرونجات سے وصول کر کے لایا تھا وہ میں نے کل متولی سابق بکر کو دیدیا تو زید اس حلف کی بنا پر بری الذمہ ہو گیا کہ حدیث میں ہے ”البينة على المدعى واليمين على من انكر“ اب یہ رقم مسجد متولی بکر کے ترکہ سے وصول کی جائے اور اگر اس نے ترکہ اس قدر نہیں چھوڑا تو یہ رقم ورثہ کے ذمہ پر واجب تو نہیں۔ ہاں وہ اگر میت کی طرف سے بطور احسان کے ادا کریں تو اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ، المتوسل بالنبي المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتي مولانا الحاج محمد اجمل

نائب مفتي اجمل العلوم في بلدة سنجل يكيم جمادى الاخرة ١٣٤٧ھ

هذا الجواب صحيح محمد اجمل غفر الله عز وجل ، بلدة سنجل

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿۸۳﴾

باب النذور والهدية

(۸۲۶)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت و مفتیان احناف مندرجہ ذیل مسائل میں

- (۱) کسی درگاہ میں صاحب مزار کے لئے جو نذر پیش کی جاتی ہے شرعاً اس کا مستحق کون ہے؟
- (۲) نذر برائے صاحب مزار اور عطیہ برائے درگاہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا مختلف؟ بر تقدیر ثانی دونوں کے مصارف کیا ہیں؟

(۳) عرف عام میں بطور استمداد حصول مراد کے لئے جو نذر مانگی جاتی ہے وہ صاحب مزار کے لئے ہوتی یا درگاہ کے لئے؟

(۴) کسی بھی درگاہ کمیٹی کو کیا یہ حق پہنچتا ہے کہ نذر صاحب مزار کی آمدنی کے استحقاق سے خدام مزار کو محروم شہر اکران کی بجائے وہ آمدنی خود حاصل کر لے؟

(۵) نذر صاحب مزار کی رقم اگر درگاہ کمیٹی کے حوالہ کر دی گئی اور اس نے خدام پر صرف کرنے کے بجائے دوسری مد میں اسے صرف کیا تو نذر ادا ہوئی یا نہیں؟ بینو تو جروا

المستفتی، فداء الملك عرشي اجمیری عفی عنہ مالک کلیسی پریس دلا لیر اخبار کلیم

وسکریری ال انڈیاسنی جمیعة العلماء شاخ اجمیر شریف

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

- (۱) جب نذر کے شرعی و فقہی معنی عبادت کے لئے جائیں تو پھر یہ نذر ہی صاحب مزار کے لئے ناجائز و حرام ہے۔ رد المحتار میں ہے ”وانذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق“ (رد المحتار مصری جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ نذر بھی عبادت کی طرح صاحب مزار کے لئے جائز نہیں۔ پھر جب اجلہ علماء کرام و اولیاء عظام سے معتبر کتب میں نذر کرنے اور قبول کرنے کے کثیر واقعات مروی ہیں

تو ان حضرات کو نہ آنکھیں بند کر کے اس سے ناواقف و جاہل قرار دیا جاسکتا ہے نہ ان کے افعال کو بے تکلف ناجائز و حرام ٹھہرایا جاسکتا ہے لہذا ان کی نذر اولیاء بھی شرعی و فقہی کے نہیں بلکہ یہ عرفی ہے جو بمعنی ہدیہ اور پیش کش کے عرف عام میں مستعمل ہے۔ جیسے محاورہ عام میں کہتے ہیں کہ بادشاہ نے دربار کیا اسے نذریں گزاریں۔ تو یہ نذر ہدیہ و پیشکش کے ہی معنی میں ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رسالہ نذر میں فرماتے ہیں ”نذریں جاسمستعمل میثور نہ بر معنی شرعی ست چہ عرف آنت کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز میگویند“ اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ بزرگان دین و اولیاء کا طیلین کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ نذر شرعی و فقہی نہیں ہے بلکہ نذر عرفی ہے تو اس نذر کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حتیٰ کہ مانعین کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس کو درست لکھا ہے فتاویٰ رشیدیہ میں ہے ”جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدق ہے درست ہے“ (از فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۱۲)

بالجملہ جب نذر اولیاء کا شرعاً جائز اور درست ہونا ثابت ہو چکا تو اس نذر کے حقدار و مستحق صاحب مزار کے اقارب و خدام ہیں چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب رد المحتار میں ہے:

”ان قال یا اللہ انی بمرت لک ان شفیت مریضی او رددت عائی یا او قصبت حاجتی ان لہم الفقراء الذین بیاب السیلۃ نفیسة او الامام اللیث او اشتری حصیراً لمساجدہم او زیتا لو قودہم او دراہم لمن یقوم بشعائرہا الی غیر ذلک مما یکون فیہ نفع للفقراء والندر للہ عز وجل و ذکر الشیخ انما ہو محل لصرف النذر لمستحقہ القاطنین برباطہ او مسجده فیحوز بہذا الاعتبار“ (رد المحتار مصری جلد ۲ صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں:

”حقیقت ایں آنت کہ ابدائے ثواب طعام و اتفاق و بذل مال بروح میت کہ امریست مسنون از روئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ماوردنی انجسین من حال ام سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم میشود۔ پس حال ایں نذر آنت کہ آں نسبت مثلاً ابداء ثواب ہذا القدر اے روح فلاں و ذکر ولی برائے تعین عمل منذورست نہ برائے مصرف مصرف ایں نذر نذر دایاں متوسلاں آں ولی میباشند از اقارب و خدمہ و ہم طریقان و امثال ذلک و ہمیں ست مقصود نذر کنندگان بلاشبہ و حکمہ انصحیح بحجب الوقاء اے اند قرۃ معتبرہ فی الشرع“

(فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۱۲۸)

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء کرام کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اس کے مالک یا صاحب مزار کے اقارب و خدام اور متوسلین و متعینین ہیں اور جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ غلط و باطل ہے اور اس پر وہ کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) نذر برائے صاحب مزار اور عطیہ برائے درگاہ ان دونوں کا ایک مفہوم نہیں ہو سکتا کہ نذر صاحب مزار سے غرض اس صاحب مزار کی روح کو ثواب پہنچانا ہے جیسا کہ ابھی فتاویٰ عزیزیہ کی عبارت میں مذکور ہوا تو اس نذر کے مستحق اس صاحب مزار کے اقارب و خدام قرار پائے۔ اور عطیہ برائے درگاہ اس کا مقصد صرف صاحب مزار کی روح کو ایصال ثواب کرنا نہیں ہے بلکہ درگاہ کے متعلقہ امور۔ اور تعمیری شعبے اور زائرین کے منافع کے صیغے۔ اور ملازمین و خدام کے مشاہرے و وظیفے وغیرہ سب اس میں داخل ہیں تو یہ عطیہ برائے درگاہ باعتبار نذر ہائے صاحب مزار کے عام ہے کہ اس کے مصارف یہ سب امور ہیں۔ جن میں اقارب و خدام صاحب مزار کے وظائف بھی داخل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) عرف عام میں بطور استمداد حصول مراد جو نذر مانی جاتی ہے کبھی تو وہ صرف صاحب مزار کے ایصال ثواب کے لئے ہوتی ہے اور کبھی اس سے متعلقہ درگاہ کے شعبہ خاص میں سے کسی شعبہ خاص کے لئے ہوتی ہے۔ اور کبھی وہ ان شعبوں میں سے کسی شعبہ خاص کے لئے نہیں ہوتی تو نذر کا ماننے والا اس کو جس شعبہ خاص میں صرف کرنے کے لئے کہے۔ تو اسی شعبہ خاص میں صرف کیا جائے۔ پھر اگر وہ کسی خاص شعبہ کو متعین نہ کرے اور متولی یا منتظم کو اختیار تام دے۔ تو وہ اس کو ایسے شعبہ میں خرچ کرے جس میں زائد اہمیت اور حاجت ہو پھر اگر نذر کی نیت کا ہی علم نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء کے بیان کردہ نذر کے مصرف یعنی صاحب مزار کے اقارب و خدام ہی پر صرف کر دیا جائے۔

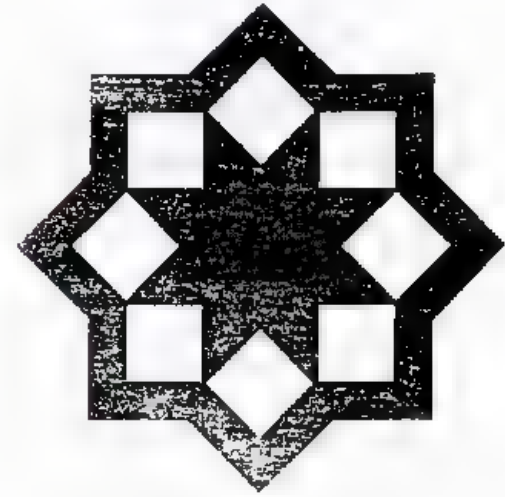
(۴) جب نذر صاحب مزار کا مصرف شرعاً اقارب و خدام متعین ہو چکے تو پھر کسی کمیٹی کو یہ اختیار نہیں کہ تصریحات فقہاء کے خلاف اس میں کسی طرح کا تصرف کرے۔ اور فقہائے کرام کے بیان کردہ مصرف کو محروم کر کے اپنی خود رائی سے کوئی نیا مصرف مقرر کرے۔ پھر اگر کمیٹی ایسا تصرف کرے تو وہ یقیناً مداخلت فی الدین ہے جو شرعاً و قانوناً کسی طرح روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۵) جب فقہاء نے یہ تصریح کر دی کہ اس نذر کے مصارف صاحب مزار کے اقارب و خدام ہیں تو نذر والے کے نزدیک بھی نذر کے یہی مصرف ہونے چنانچہ شاہ صاحب کے فتوے میں مذکور ہوا ”نذر نذر دایاں متوسلاں آں ولی می باشند از اقارب و خدمہ و ہم طریقان و امثال ذلک و ہمیں ست مقصود

کنندگان بلاشبہ الخ، تو اب اس درگاہ کمیٹی کا بجائے ان خدام واقارب کے کسی دوسری مذہب میں صرف کرنا یقیناً اس کے مقصود اور غرض کے خلاف ہے جو نذر ادا نہ ہونے کو مستلزم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہجیل



کتاب الحظر والاباحتہ

باب الاباحۃ

مسئلہ (۸۲) از سنبھل محلہ نالہ منجانب جمعیتہ القریش

سہرا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللہم ہدایۃ الحق والصواب

اقول وباللہ التوفیق: اس مسئلہ میں جواب سے پہلے یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ چند شریعت کے ضروری امور جو مثل مقدمات ہیں ہدیہ ناظرین کروں تاکہ اس مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے اور اسی کے لئے ہی نہیں بلکہ دیگر مسائل کے لئے بھی یہ اصول انشاء اللہ کارآمد ثابت ہونگے۔

(۱) شریعت میں بعض احکام بالصراحت قرآن وحدیث میں ذکر کئے گئے ہیں۔ کہ جن سے بعض کا حلال بعض کا حرام ہونا معلوم ہو گیا مثلاً گائے کی حلت اور خنزیر کی حرمت اور دوسری قسم میں وہ احکام ہیں کہ جن کا نہ ظاہر احلال ہونا معلوم ہو نہ ان کا صراحۃً حرام ہونا ثابت ہو۔ یعنی شریعت نے ان کی حلت و حرمت جواز اور عدم جواز میں سکوت فرمایا ہے ان کے کرنے نہ کرنے کی بحث ہی نہیں کی۔ لہذا پہلے تو اس امر کا ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔ کہ آیا شریعت میں واقعی کچھ ایسے امور ہیں جن کے لئے سکوت اختیار کیا گیا۔ ظاہر ان کا کوئی حکم نہیں فرمایا تو اس مضمون کے لئے ایک دو حدیث نہیں بلکہ متعدد احادیث ایسی ملتی ہیں جن سے فقہائے کرام نے قواعد کا استنباط کیا۔ چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فہو مما عفا عنہ۔

یعنی حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام بتایا۔ اور جس کا ذکر نہ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے۔ یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں اس کا کرنا ہمارے لئے باعث عذاب نہیں۔ بلکہ اسی مضمون کی تصدیق آیت قرآنی میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا أيہا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسئلوکم وان تسئلوا عنها حین ينزل القرآن تبدلکم عفا اللہ عنها واللہ غفور رحیم۔

اے ایمان والو! وہ باتیں نہ پوچھو کہ اگر تم پر کھول دی جائیں تو تمہیں برا لگے اور اگر قرآن اترتے وقت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے اول سے معاف فرمائی ہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دارقطنی ابو ثعلبہ حسنی سے روایت کرتے ہیں کہ: حضور شافع یوم النور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوا ما وحرم حرمت فلا تنتہکوا ما وحد حدود افلا تعدوا ما وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحتوا عنها۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کیں انہیں ہاتھ سے نہ دو۔ اور کچھ حرام فرمائیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا ان میں کاوش نہ کرو۔

لہذا ان سے ثابت ہوا کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کا حکم دیتے تو لازم ہو جاتیں۔ اور بہت سی ایسی کہ منع فرماتے تو ممنوع ہو جاتیں، پھر بندہ انہیں چھوڑتا، یا کرتا گناہ میں پڑتا۔ اس مالک مہر بان نے اپنے احکام میں ان کا ذکر نہ فرمایا اور یہ کچھ بھول کر نہیں کہ وہ بھول اور عیب سے پاک ہے بلکہ ہم پر مہربانی کے لئے کہ یہ مشقت میں پڑیں یہاں تک کہ آیت مذکورہ میں فرماتا ہے کہ تم بھی اس کی چھیڑ نہ کرو کہ پوچھو گے تو حکم مناسب دیا جائیگا اور تمہیں کو وقت و دشواری ہوگی۔ تو اس آیت اور دونوں حدیثوں سے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ بعض وہ چیزیں ہیں کہ جن کے لئے شریعت میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔

(۲) اب یہ امر غور طلب ہے کہ جن چیزوں کے لئے شریعت نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ جائز ہیں یا ناجائز، تو ان کا حکم ضمناً اس آیت وحدیث میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا کرنا معافی کا حکم رکھتا ہے اور ہم ان میں سے کسی کو کریں تو ہم پر کوئی مواخذہ نہیں لہذا یہ صراحۃً ثابت ہوا کہ اصل چیزوں میں مباح ہونا ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں پہلی حدیث کے متعلق افادہ فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہوتا ہے۔
اور نیز شیخ عبدالحق محقق اسی مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:
این دلیل است بر آنکہ اصل در اشیاء اباحت است۔

یعنی یہ حدیث دلیل اس کی ہے کہ اصل چیزوں میں مباح ہوتا ہے۔ بالجملہ قرآن وحدیث سے
جس کی بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس چیز کی نسبت کچھ بھلائی یا برائی کا ثبوت نہ ہو وہ
معاف، جائز، مباح، روا ہے۔ اس کے کرنے پر ثواب نہیں اور نہ کرنے پر عذاب نہیں ہوتا، ہم کو اختیار
ہے اگر چاہیں تو کر سکتے ہیں اور اگر نہ کریں تو کوئی حرج بھی نہیں۔ اس کا فعل نہ ہمارے ذمہ ضروری۔ اور
اس کا ترک نہ ہمارے لئے حتمی ولازمی۔

(۳) شریعت میں کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا تابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین خود کریں یا کسی کو حکم دیں جب ہی وہ
چیز جائز ہوگی ورنہ ناجائز بدعت شرک ہے۔ امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرما
تے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لا یدل علی المنع۔

یعنی کسی چیز کا کرنا تو اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے اور اس کا نہ کرنا ممانعت کی دلیل نہیں۔ نیز
شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم و مغفور تحفۃ الثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:
نہ کردن چیزے دیگر است و منع فرمودن چیزے دیگر
یعنی نہ کرنا دوسری چیز ہے اور منع کرنا دوسری چیز۔

لہذا اگر کوئی چیز قرون ثلاثہ میں کسی نے نہیں کی تو وہ ناجائز نہیں ہوگی اور اس کا نہ کرنا دو وجہ سے ہو
سکتا ہے۔ یا ان کے پاک مشاغل ضروریات کی ہی تکمیل کے لئے ہوں، مباحات سے احتیاطاً پرہیز کیا ہو
یا یہ فعل مباح اس زمانے میں موجود ہی نہ ہو ان کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو۔ تو اب اس پر کیا دلیل
ہے کہ انھوں نے اس فعل کو ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں کیا۔

حاصل کلام کا ان تینوں امور پر تامل کرنے کے بعد ہر ناظر کو بغیر کسی پوشیدگی اور خفا کے معلوم ہو
جائیگا کہ یہ سہرا جائز ہے کہ قرآن وحدیث میں نہ اس کا صراحتاً حکم ہے نہ صراحتاً ممانعت، بلکہ شرع نے اس
کے بارے میں سکوت فرمایا ہے۔ تو یہ دوسرے نمبر کے اعتبار سے مباح، جائز، روا ہوا۔ جیسے کسی حاجت

کے لئے بخاری شریف کا ختم کرنا، نہایت لذیذ طریق طرح طرح کی غذائیں پلا و بریانی خشک گیلانی وغیرہ
کھانا، بہت عمدہ لباس نئی نئی وضع کے پہننا، کپڑے کے لئے نئی تراش اچکنیں اور صدر بھیں اور قمیص زیب
تن کرنا، دولہا کو جامہ پہنانا، دولہن کو پاکلی میں بیٹھانا۔ اور اس کے علاوہ ولایت وغیرہ کی بنی ہوئی چیزوں
کا استعمال کرنا، کیا منع کرنے والوں کی زبان کا نام شریعت ہے۔ اگر اپنے قول کے سچے اور بات کے
چکے ہیں تو بتائیں کہ ان چیزوں کا جو استعمال رات دن کرتے دیکھتے ہیں اور خود بھی کرتے ہیں تو کیا یہ
جائز بدعت نہیں۔ کیا ان کا جائز ہونا کسی آیت وحدیث سے ثابت ہے کیا ان کے لئے کوئی نص وارد ہوئی
ہے کہ ان کو مثل فرض و واجب کے سمجھ کر کیا کرو؟ اگر نہیں ہے تو سب پر بدعت و گمراہی کا حکم کیوں نہیں
دیتے؟

واہ رے دلیری۔ اللہ تعالیٰ تو ان کو ہمارے لئے مباح فرمائے اور تم بدعت و شرک کا حکم لگا کر اللہ
تعالیٰ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تہمت اور افترا باندھو۔ ذرا خدا سے ڈرو۔ خود اللہ تعالیٰ
مفتریوں کا کس طرح ذکر فرماتا ہے۔

لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی اللہ
الکذب، ان اللذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔

علاوہ بریں شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں
۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ ہاں ناجائز ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت
ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں۔

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة او الکراهة الذین لا بد
لہما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ہی الاصل۔

یہ کچھ احتیاط نہیں کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کرو، کہ حرمت و کراہت کے لئے
دلیل درکار ہے۔ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

نیز اس مضمون کے موافق ملا علی قاری رسالہ ابتداء بالخالف میں فرماتے ہیں۔
اور اس میں بہت ہی صراحت سے اس بحث کا خاتمہ کر دیا۔

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلة هو الصحة واما القول بالفساد و الکراهة
فیحتاج الی حجة من الكتاب او السنة و اجماع الامة۔

یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے۔ اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن شریف یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔

لہذا ان اقوال سے ثابت ہو گیا کہ جائز کہنے والے کو دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں، ناجائز کہنے والے پر دلیل کا پیش کرنا لازمی و ضروری ہے۔ لہذا اگر تم سہرا باندھنا ناجائز کہتے ہو تو قرآن و حدیث سے ثابت کرو کہ سہرا باندھنا ناجائز ہے۔ اور کوئی آیت و حدیث میں صراحت سہرا باندھنے والے کو گنہگار اور سہرے کو بدعات سے گنایا ہے۔ واللہ تم ہرگز نہ دکھا سکو گے تو مسلمانوں میں کیوں فساد پیدا کرتے ہو اب رہا سہرے کا ہندو کے سہرے سے مشابہ ہونا تو اس امر کا سمجھنا ضروری ہے کہ کونسا تشبہ کفار کے ساتھ ممنوع ہے۔ در مختار میں بحر الرائق سے منقول ہے۔ "التشبه بهم لا یکرہ فی کل شئی بل فی المذموم وفی ما یقصد بہ التشبه"۔

کفار سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں بلکہ بری بات میں اور وہاں کہ اس میں مشابہت کا قصد کیا جائے۔ لہذا نہ کسی کے سہرا باندھتے وقت یہ نیت ہوتی ہے کہ اس میں کفار سے مشابہت کی جارہی ہے، نہ خود سہرا ممنوع ہے، بلکہ اس کا مباح ہونا ثابت ہو چکا۔ تو پھر خواہ مخواہ کہاں سے تشبہ بالہندو ہو گیا۔ علاوہ بریں ان کے سہرے اور مسلمانوں کے سہرے میں زمین آسمان کا فرق ہے، کہ ان کے سہرے میں پنی، بنگلی، گوڈ وغیرہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کے یہاں صرف پھولوں کو لیکر ایک ڈورے میں پرولیا جاتا ہے۔ تو ذرا انصاف سے خدا کو سمجھ و بصیر سمجھ کر کہنا کہ آیا اب بھی مسلمانوں کے سہرے کو ہندوؤں کے سہرے سے مشابہت ہو گئی۔ اور اگر پھر آپ تشبہ ثابت کریں تو آپ کے انگرکھے، اچکن، صدری وغیرہ تمام کفار کے مشابہ ہو گئے۔ تو ان تمام کو بھی ناجائز کہئے۔ خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ پھولوں کا سہرہ بغیر پنی، بنگلی، گوڈ۔ نہ شرعاً ممنوع نہ شرعاً واجب یا مستحب بلکہ جائز و مباح و روا ہے۔ اگر کسی نے باندھا تو اس کو ثواب نہیں ملتا اور کسی نے نہیں باندھا تو اس میں عذاب نہیں۔ جو کوئی اسے حرام، گناہ، بدعت، ضلالت بتائے وہ سخت جھوٹا برسر باطل۔ اور جو اسے ضروری و لازم اور ترک کو شرعاً موجب تشبیح جانے وہ نرا جاہل۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہجل

(نوٹ) اس کتاب میں جو سہرے کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ ہلدی سرائے کے مولوی سعید احمد صاحب

نے اس کا جواب لکھا۔ اس پر یہ جواب الجواب لکھا گیا۔

جواب الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بتاریخ ۱۸ ربیع الآخر کو ایک فتوے سہرے کے بدعت و ناجائز ہونے کے متعلق میری نظر سے گزرا جس میں میرے فتوے کا رد مجیب نے اپنے خیال میں ایسا کیا ہے کہ خود بھی اس میں چند جگہ اپنی تعریف بھی کی ہے اور ناخواندوں کے لئے یہ چال چلی کہ اس کو ایسا طویل کیا جس سے بے چارے عوام یہ خیال کریں کہ اتنا لمبا فتویٰ سہرے کو بدعت و ناجائز ہی بنا دے گا اور واقعی یہ پہلے فتوے کا زبردست جواب ہے۔ لیکن اس کے جواب کی پوری کیفیت اس حکایت میں موجود ہے کہ ایک خان صاحب کسی موضع میں مقیم تھے، انھوں نے اپنی چالاکی سے اہل قریہ کو اپنا مطیع بنا رکھا تھا، اتفاق سے ایک کابلی خان ان خان صاحب کے یہاں مقیم ہوئے، اہل قریہ ان کابلی خان کے پاس جمع تھے کہ یہ خان صاحب ان کے لئے کھانا لائے جس میں ارد اور چٹنی بھی تھی۔ کابلی خان نے چٹنی کو دیکھ کر کہا "این چہ چیز است" یہ خاں صاحب چونکہ تعلیم یافتہ نہ تھے اس وجہ سے کچھ نہ سمجھے اور یہ سوچنے لگے اگر جواب نہیں دیتا ہوں تو بڑی بکلی ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھ جائیں گے کہ خاں صاحب ان سے گفتگو کرنے کے قابل نہیں۔ لہذا جبراً قہراً جواب دیتے ہیں "سل پیس است" کابلی خان نے یہ جواب سنا تو کہا "خاموش مردک" اس کلام کو سن کر اول خاں صاحب نے خیال کیا کہ پہلے تو عزت بن گئی تھی کہ کہنے کو جواب تو ہو گیا تھا اب کی مرتبہ اس نے ایسی بات کہی کہ ہماری سمجھ میں ہی نہیں آئی۔ لیکن ان لوگوں کی تسکین خاطر کے لئے پھر کچھ جواب دینا چاہئے کیونکہ کیسا ہی ہو جواب تو کہلائے گا۔ لہذا یہ سوچ سمجھ کر کہتے ہیں "یہ ہیں اردک"۔ الحاصل ہر ذی عقل جانتا ہے کہ "این چیز است" کا جواب کیا "سل پیس است" نہ کہلایا جائے گا؟ اور "خاموش مردک" کا کیا "یہ ہیں اردک" کہنے کو جواب نہیں ہو گیا؟ کیونکہ اس سے تو بحث نہیں کہ کیا سوال تھا اور کیا جواب ہے۔ کچھ سوال سہی مگر جب بھی ہے جواب تو ہے۔ اب چاہے جواب سوال کے موافق ہو یا مخالف۔ افسوس صد افسوس آپ کے نزدیک کیا قوم قصابان میں کوئی ذی عقل ہی نہیں ہے یہ بیچارے ایسے سیدھے سادے ہیں کہ اس کی لمبائی کو دیکھ کر بے سوچے سمجھے یہ تسلیم کر لیں گے اور یہ نہیں دیکھیں گے کہ نہ کسی آیت سے نہ کسی حدیث سے سہرے کا ممنوع ہونا ثابت کیا بلکہ بیان کیا اور مولوی اسحاق کا قول نقل کر کے جو آپ ہی کے گروہ میں شامل مانے جاتے ہیں۔ اور پھر اول میں جو آپ نے حدیثیں نقل کی ہیں جن سے

ہر نئی چیز کا بدعت ہونا ثابت ہوا تو ایسی حدیثوں کی باگ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ جس کو آپ چاہیں بدعت قرار دیں اور جس کو آپ چاہیں کہ بدعت نہ ہو تو اس کو کسی طرح سے بدعت نہ ہونے دیں۔ چنانچہ انہیں جیسی حدیثوں سے میلا دشریف، قیام، گیارہویں، تیجہ، دسواں وغیرہ عرس، فاتحہ، عشرہ کی نیاز، شربت، شب برأت کا حلوہ، سب بدعت و ناجائز ٹھہرائیں اور آپ کے اس ہیئت کدائی کے مدر سے، اور انٹے زیب وزینت کے جلسے، اور میت کے لئے دو جے، اور بخاری شریف کے ختم، اور اس وقت جو لباس رائج ہیں مع ہیئت کدائی یہ سب اور ان کے علاوہ بہت سے افعال ہیں کہ آپ کرتے ہیں۔ انھیں حدیثوں کی وجہ سے بدعت نہ ہوں بلکہ جائز ہیں، اگرچہ نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئے نہ صحابہ نے کبھی خود کئے اور ہیئت کدائی کے ساتھ نئے ہیں مگر چونکہ آپ کے ہاتھ میں شریعت کی باگ ہے ہرگز ہرگز بدعت نہیں ہو سکتے۔ اور تشبہ کا تو یہ حال ہے کہ میلا دشریف کنہیا کے جنم کے مشابہ اور قیام بھی فعل ہنود سے مشابہ، اور فاتحہ بھی فعل ہنود کے مشابہ، اور تیجہ بھی فعل ہنود کے مشابہ، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفیع ٹھہرانا بھی بت پرستوں کے مشابہ ہیں۔ اگر اسی تشبہ کی مثالیں انہیں کی کتابوں سے نقل کروں تو آپ حضرات کو حیرت ہو جائے کہ سہرا ہی کیا بلکہ بہت سی چیزیں کفار کے مشابہ ہو گئیں۔

پیارے مسلمانو! سمجھنے کے لئے ایک میلا دشریف کے تشبہ کی حقیقت ہی بہت کافی ہے کہ باوجودیکہ یہ میلا دشریف مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، حلب، جدہ، حدیدہ، شام، روم، افغانستان، بلوچستان، افریقہ حتیٰ کے ولایت وغیرہ وغیرہ کے بیشمار ملکوں اور شہروں میں ہوتا ہے مگر کہیں ہو، وہ ان کے مذہب میں کنہیا کے جنم کے ہی مشابہ، حالانکہ اگر کنہیا کے جنم کے مشابہ ہوتا تو صرف ہندوستان میں ہوتا دوسرے ملکوں کا میلا دشریف کس طرح کنہیا کے جنم کے مشابہ ہو گیا؟ تو کیا صرف مولوی صاحب کے فرما دینے سے؟ تو شریعت مولوی صاحب کے فرما دینے کا نام ہوا؟ جس کو انھوں نے مشابہ کہہ دیا وہ ضرور بالضرور مشابہ ہو گیا۔ اور پھر مولوی صاحب کا فرما دینا ہی شریعت میں سب سے بڑی دلیل ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اور کسی دلیل شرعی کی کیا حاجت۔ پھر مولوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیا حکم لگائیں گے، کہ آپ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تم دسویں محرم کا روزہ کس لئے رکھتے ہو؟ تو یہود نے اس میں کیا جواب دیا۔ اور پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا فرمایا۔ اور ہمیشہ آپ نے دسویں محرم کو روزہ رکھا تو اس میں ان سے مشابہت ہوئی کہ حضور بھی اسی روز روزہ رکھتے تھے اور یہود بھی اسی

روز۔ بلکہ مولوی صاحب خود جو فعل کریں چاہے اس کو کفار سے ہی سیکھا ہو مگر چونکہ وہ خود کرتے ہیں لہذا کفار سے مشابہت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مثلاً یہی مولوی سعید احمد صاحب پچھلے مہینہ کی تیرہویں تاریخ دیہا سرائے کے ایک جلسہ میں صدر تھے، تو مولانا موصوف کرسی پر جلوہ افروز تھے اور پھر سامنے میز تھی اور پھر اس پر گلہ تے رکھے ہوئے تھے تو خیال فرمائیے کہ میز و کرسی سے جلسہ کو زینت دینا کیا فعل نصاریٰ کے مشابہ نہیں؟، اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب خود جو اس فعل کو پسند کرتے ہیں۔ لہذا اس میں تشبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح پہلے یا دوسرے دن میت کے لئے جو خود جمع ہو کر قرآن خوانی کرتے ہیں یہ بھی فعل ہنود کے مشابہ نہیں لیکن ہم اگر تیجہ کریں تو وہ ضرور فعل ہنود کے مشابہ ہے۔ بلکہ اپنے آپ کیسے ہی جلسے کر لیں وہ ہرگز فعل ہنود کے مشابہ نہیں اور ہم اگر میلا دشریف کریں تو فعل ہنود کے مشابہ ہو جائے گا۔

الحاصل یہ جو تشبہ پر بہت زیادہ اچھلتے کودتے تھے میں نے آپ کو اسی کی تھوڑی سی جھلک دکھائی ہے جس سے آپ خوب ان کے مذہب کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ خیر اب ان سے بڑے مولوی اشرفی تھانوی صاحب ”بہشتی زیور“ کے حصہ اول میں سہرے کو کفر و شرک سے گناتے ہیں۔ تو مولوی سعید احمد صاحب کی ساری محنت ہی بے سود قرار پاتی ہے کہ وہ تو بدعت اور حرام کی کوشش میں زور لگا رہے تھے لو یہاں تو کفر و شرک تک سہرے کا باندھنا ہو چکا گیا۔ چونکہ یہ فتویٰ مولوی سعید احمد صاحب کا ہے تو مولوی صاحب نے اپنے قلم سے ”الکاتب واحد من المدرسة السراج العلوم“ لکھ کر اسی قلم و روشنائی سے اپنے دستخط کئے، دوسرے مولوی صاحب نے باوجود ذمہ دار ہستی ہونے کے اس کی تصحیح و تصدیق کی۔ تو اس فتوے کی ساری ذمہ داریاں انھوں نے اپنے سر لے لیں۔ خیر میں اس کا خیال تو نہیں کرتا کہ آپ نے میرے لئے جو سب و شتم کا انداز اختیار کیا لیکن اس کا ضرور افسوس ہے کہ میرے فتوے کے سوالات کو آپ نے چھو اتک نہیں۔ اب میں اپنے فتویٰ کے سوالات اور آپ کے فتوے پر اعتراضات پیش کرتا ہوں، آپ اب سہرے کو ناجائز یا بدعت یا ہنود سے مشابہ جب کہہ سکتے ہیں کہ میرے ان (۳۱) اعتراضات کے جوابات عنایت فرمائیں اور پھر جوابات بھی بحوالہ معتبر متقدم معتد کتب شرعیہ سے اور پھر ہر نمبر ہر ہر شق کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوب سوچ سمجھ کر اپنے اکابر کو دکھا کر ہر اعتبار سے اطمینان کر کے اپنے قیاس کی باگ روکتے ہوئے عنایت ہوں۔

(۱) کیا شریعت نے بعض امور کے جواز اور عدم جواز میں سکوت اختیار کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو اس کا معیار کیا ہے اور اگر نہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے۔

(۲) کیا امور مسکوتہ کے لئے معافی کا حکم منصوص ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو عام ہے یا خاص، مطلق ہے یا مقید، اور پھر دلیل تقیید و تخصیص کیا ہے؟ اگر نہیں تو کسی آیت یا حدیث سے انکار ہے یا نہیں؟
(۳) اس حکم منصوص کی تغیر کے لئے دلائل شرعیہ سے کوئی دلیل صریح درکار ہے یا نہیں؟
(۴) اصل اشیاء میں اباحت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو معیار کیا ہے؟ اور اگر نہیں تو جو اکابر اس کے قائل ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(۵) کیا قرون ثلاثہ کا عمل ہر شئی کے جائز ہونے کی دلیل ہے؟

(۶) قرون ثلاثہ کا کسی فعل کو نہ کرنا اس کو ناجائز کر دے گا یا نہیں؟ بر تقدیر اول دلیل شرعی کیا ہے اس کو پیش کیجئے؟ بر تقدیر ثانی مابہ الامتیاز کیا ہے؟

(۷) جو فعل اس زمانہ کے بعد وجود میں آیا تو کیا وہ اسی دلیل سے ناجائز مانا جائے گا یا کسی دوسری دلیل سے؟ بر تقدیر ثانی وہ دلیل کیا ہے؟

(۸) کیا نہ کرنا اور منع کرنا ایک چیز ہے؟ بصورت تسلیم کس نے لکھا ہے؟

(۹) ہر فعل کے مباح ہونے کی اصل قرون ثلاثہ کا ہی عمل ہے یا کچھ اور؟

(۱۰) کیا سہرے کے متعلق قرآن وحدیث میں جواز یا عدم جواز کا صراحت سے کوئی حکم آیا ہے؟ بر تقدیر اول صریح آیت یا حدیث پیش کیجئے؟ بر تقدیر ثانی اس کے ناجائز ہونے کا کہاں سے حکم لگایا گیا؟

(۱۱) بخاری شریف جو قرون ثلاثہ کے بعد تیار ہوئی اس کا کسی حاجت کے لئے ختم کرنا بدعت ہے یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی وجہ ارشاد ہو۔

(۱۲) اس ہیئت کذائی کے لباس جو مردوں اور عورتوں میں پہنے جاتے ہیں زمانہ نبوی یا قرون ثلاثہ میں تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ثبوت اور نہ تھے تو بدعت وحرام ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو تعریف بدعت کیوں ان پر صادق نہیں آتی ہے؟

(۱۳) جواز کے لئے تحت حرمت داخل نہ ہونا کافی یا اسی شئی کا بالخصوص صراحت سے شریعت میں آنا درکار ہے؟

(۱۴) کسی شئی کے منع ہونے کے لئے بالخصوص اس شئی کی ممانعت کی صراحت ضروری یا صرف تحت حرمت داخل ہونا کافی ہے؟

(۱۵) ولایت کی اشیاء کا کیا حکم ہے؟

(۱۶) سہرے کا بدعت ہونا یا باندھنے والے کا گنہگار ہونا کون سی آیت یا حدیث میں صاف طریقہ سے موجود ہے؟

(۱۷) کیا کفار کے ساتھ ہر تشبہ ممنوع ہے؟

(۱۸) چنی لگی وغیرہ کا ہندوؤں کے سہرے میں ہونا اور مسلمانوں کے یہاں نہ ہونا کیا آپ کے نزدیک یہ فرق تشبہ سے بچنے کے لئے کافی نہیں ہے؟

یہ سوالات تو میرے فتوے میں موجود تھے اب تیرہ اعتراضات جناب کے فتوے پر پیش کیئے جاتے ہیں۔

صفحہ: ۲۷

(۱۹) بدعت کی جامع مانع کیا تعریف ہے اور کہاں سے ثابت ہے؟

(۲۰) بدعت کی دو قسمیں اور تین یا پانچ قسمیں آپ کو مسلم ہیں یا نہیں؟ اور جو ائمہ اور اکابر اس کی تقسیم فرما گئے ہیں وہ حق پر تھے یا باطل پر؟

(۲۱) کیا حدیث میں فرما دیا کہ نئی باتیں جو قرون ثلاثہ والے نکالیں وہ حسن ہیں باقی قبیح؟ اگر فرما دیا ہو تو پیش کیجئے اور نہ فرمایا ہو تو یہ حکم کہاں سے نکالا گیا؟ صرف مدح و ذم سے حالانکہ وجہ تفرقہ خود حدیث میں بیان ہو چکیں تو اتمام تقریب کیا ہے؟

(۲۲) حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول ”نعمت البدعت هذه“ کے کیا معنی ہیں؟ اس سے تقسیم بدعت ثابت ہے یا نہیں؟ اور جو ارشاد فاروقی نقل کر کے کہے، عمر نے خود بدعت کہا۔ رہا اچھا کہنا سو بدعت کوئی اچھی چیز نہیں ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس نے صراحت حضرت امیر المومنین کو گمراہ کہا یا نہیں؟

(۲۳) جو امر چند وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اور باختلاف نیت مختلف الحکم ہوتا ہے اس پر نیت فاسدہ متعین کر کے حکم فساد لگا دینا مسلمانوں پر بدگمانی اور ظلم اور اپنے وہم پر حکم اور شرعاً حرام و جرم ہے یا نہیں؟

(۲۴) کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی فعل کو نہ کرنا اس کی ممانعت کی حجت تامہ ہے؟

(۲۵) آپ کے صحابہ کا نہ کرنا بھی ممانعت کے لئے کافی تھا، آپ کا یہ قول کس کتاب کا ترجمہ

ہے؟

(۲۶) سہرے پر آپ کا یہ پیش کردہ ثبوت کہ یہ سہرا کفار سے حاصل کیا گیا ہے صرف حجت شرعی

ہے؟

(۲۷) کوئی فعل مباح اگر ایک جگہ ہو اور کسی دوسرے مقام پر نہ ہو تو کیا دوسرے مقام کا نہ ہونا

اس کی نفس اباحت کو باطل کر دے گا؟ اس کا کافی ثبوت پیش کیجئے۔

(۲۸) کیا میز و کرسی کا جلسوں میں بچھانا بدعت نہیں؟ اور کیا آپ نے نصارے سے نہیں

سیکھا؟ اور کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یا آپ کے کسی صحابی یا تابعی نے یا ائمہ میں سے کسی نے میز کو سامنے بچھا کر جلوس فرمایا ہے؟ اگر نہیں تو اب ”من تشبه بقوم الحدیث“ کس پر صادق آتی ہے؟

(۲۹) مسلمانوں اور ہندوؤں کے سہرے میں جو فرق بیان کیا گیا تھا آپ نے اس کے غلط ہو

نے پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں فرمائی؟

(۳۰) کیا آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو مانتے ہیں جو شاہ

اسحاق صاحب کے ہی استاذ نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے علماء کے استاذ ہیں؟

(۳۱) مشابہت کفار مطلقاً ممنوع ہے یا بالخصوص؟ اگر بلا خصوص ہے تو اس کا معیار کیا ہے؟ پھر

خصوصیت بھی کسی کے صرف کہہ دینے سے ہو جائے گی یا اس کے لئے کوئی دلیل درکار ہے؟ اگر ہے تو

کس نوعیت و حیثیت کی؟

فی الحال یہ سوالات حاضر ہیں آپ اگر بغیر جواب دیئے سہرے کو بدعت ہی کہتے رہیں گے تو اس

پر ہر تھوڑی عقل والا بھی نتیجہ نکال لے گا۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

از سنجل محلہ ٹھیر

(۸۲۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

دولہا کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز دولہا کے والد یا کسی اور عزیز کو

روپے پیسے وغیرہ کی نچھاور کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

خوشبو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہاں تک محبوب تھی کہ بخاری شریف و ترمذی وغیرہ

میں ہے ”ان السبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لا یرد الطیب“ یعنی بیشک حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشبو کی چیز نہیں فرماتے تھے۔

بلکہ مسلم شریف میں ہے ”من عرض علیہ ریحان فلا یردہ فانہ خفیف المحمل طیب

الریح“ یعنی جس کے سامنے خوشبو پھول وغیرہ پیش کئے جائیں تو اسے رد نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا اور بو

اچھی ہے۔ گلے کے پہننے میں پھولوں کو ایک ڈورہ ہی ہیں تو پرولیا جاتا ہے تو جو اسے نا جائز کہتا ہے وہ

شریعت پر افترا کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے قول میں سچا ہے تو بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے اسے کہاں منع فرمایا ہے۔ اور جب منع نہیں فرمایا تو دوسرا اپنی طرف سے منع کرنے والا کون ہے۔

اگر نچھاور کرنا بیت تصدق اور بقصد اظہار نعمت ہے تو یہ شرعی اعتبار سے جائز ہے۔ اور اگر بارادہ

فخر و مباہات ہے تو مسلمان کو ریا کے تمام افعال سے منع کیا گیا ہے۔ لہذا مسلمان کوئی کام کرے تو اس نیت

سے نہ کرے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”انما الاعمال بالنیات“ یعنی اعمال نیتوں پر مو

توف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۲۹)

مسئلہ

ذکر میلاد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بطور راگنی کہ پڑھنا جیسے فی زمانہ آٹھ سات آدمی

مل کر راگنی بناتے ہیں، بے شرع نہ نمازیں پڑھیں اور شریعت کے خلاف لباس وغیرہ رکھیں۔ ان سے

میلاد پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ذکر میلاد شریف میں اشعار کا خوش آوازی اور حسن صوت کے ساتھ پڑھنا بلا شک جائز و مستحسن

ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا۔

یعنی قرآن شریف کو اپنی اچھی آوازوں سے پڑھا کرو کہ خوش آوازی قرآن پاک میں اور زیادہ حسن پیدا کر دیتی ہے۔

لہذا قرآن مجید کی تلاوت باوجودیکہ نہایت فوائد تنزیل اور بہت سی احتیاطوں پر مشتمل ہے مگر اس کو بھی خوش آوازی اور حسن صوت کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میلاد شریف میں نہ کسی قاری کا لحاظ ہے نہ کسی احتیاط کا مثل ترتیل کے اعتبار ہے، تو اس میں کس طرح خوش آوازی ممنوع ہو سکتی ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو نہایت خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ ہاں قواعد موسیقی سے احتراز ضروری ہے۔ اب رہا میلاد شریف پڑھنے والے کا بے شرع ہونا لہذا یہ وجہ حتیٰ لامکان قابل لحاظ ہے بہتر واویٰ یہی ہے کہ میلاد خواں صحیح العقیدہ سنی متبع شریعت صوم و صلوٰۃ و دیگر فرائض کا پابند ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المقصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمیل العلوم فی بلدۃ سنجل

(۸۳۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلوں میں

(۱) چند روز پیشتر اخبار الفقہ امرتسر میں وظیفہ یا عبدالقادر شینا اللہ کے متعلق چند سوالات لکھے ہوئے تھے جس کا مختصر یہ ہے کہ درمختار میں اس کے پڑھنے والے پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے، اور ردالمحتار میں لکھا ہے کہ تو بہ کرنی چاہئے اور تجدید نکاح لازم ہے۔ مگر ہم نے بہت سے معتبر سنی علماء سے اس وظیفہ کو پڑھنا کا خیر و برکت سنا ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ وظیفہ جائز ہے یا نہیں اور ردالمحتار و ردالمحتار کی یہ عبارت صحیح ہیں یا نہیں اگر جائز ہے تو قرآن مجید اور احادیث اور کتب فقہ میں اس کے جواز کی کون سی دلیل ہے۔

(۲) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک لیکر جیسا کہ یا محمد کہہ کر پکارنا یا ندا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حوالہ کتب و احادیث سے تحریر فرمائیں۔

(۳) شجرہ کو قبر میں میت کے ساتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں،

(۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے لکھا جاتا ہے یا تمام بزرگان دین علماء کرام کے لئے بھی بحوالہ قرآن مجید و احادیث و کتب تحریر فرمائیں۔ بینوا تو جزوا المستفتی ابراہیم حاجی دادا شریف قادری برکاتی گوٹل۔ کاٹھیاواڑ ۱۴/۱۲/۱۳۵ھ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

بلا شک! یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ کا وظیفہ نہ فقط جائز بلکہ مشائخ کا معمول بہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب ”انتباه فی سلاسل اولیاء اللہ“ میں قضائے حاجت کے لئے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل فرماتے ہیں۔

اول دور کعت نفل بعد از اس یک صد و یازدہ بار درود و بعد از اس یک صد و یازدہ بار کلمہ تمجید و یک صد و یازدہ بار شینا اللہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی۔ (انوار الانتباه ص ۲۹)

پہلے دور کعت نماز پڑھے اس کے بعد ایک سو گیارہ بار درود شریف اس کے بعد ایک سو گیارہ بار کلمہ تمجید اور ایک سو گیارہ بار شینا اللہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی پڑھے۔

اب وہابیہ کو چاہئے کہ حضرت شاہ صاحب موصوف پر یہ حکم لگائیں کہ وہ درمختار کی عبارت کو نہیں سمجھتے تھے، اور ردالمحتار کے منقولہ حکم سے بے خبر تھے، اور شاہ صاحب نے اس وظیفہ کی ترغیب دیکر کفر کی تعلیم دی۔

وہابیو! اگر تمہارے اندر ذرہ بھر حمیت و غیرت، شمشہ بھر سچائی و صداقت ہے تو شاہ صاحب موصوف کو نہ فقط کافر بلکہ کافر گر کہو اور اپنی سندوں سے ان کا نام خارج کرو، بلکہ ان سے سخت بیزاری اور نفرت کا اشتہار دو، والعیاذ باللہ۔

اب باقی رہی یہ بات کہ درمختار اور ردالمحتار نے کیا لکھا ہے، لہذا اس فریب کاری بہتان طرازی کا بھی اظہار کر دیا جاتا ہے۔

اولاً: درمختار اور ردالمحتار کی کسی عبارت میں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ کے وظیفہ پڑھنے والے پر کفر کا فتویٰ اور تو بہ کا حکم اور تجدید نکاح کا لزوم نہیں ہے۔

ثانیاً: وہابی اس وظیفہ کو اس لئے منع کرتے ہیں کہ اس میں ندا اور استمداد اور سرکار غوثیت کے لئے علم غیب و تصرف کا اثبات ہے جیسا کہ سرگروہ وہابیہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں اس

وظیفہ کی ممانعت کی یہ وجہ لکھی ہیں، اور خود علامہ شامی نے اسی ردالمحتار میں ایک ایسے عمل ہی اجازت دی۔ چنانچہ ردالمحتار میں حاشیہ داؤدی سے فرماتے ہیں:

ان الانسان اذا ضاع له شيء واراد ان يرده الله تعالى سبحانه عليه فليقف على مكان عال مستقبل القبلة وقرأ الفاتحة ويهدي ثوابها للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم ثم يهدي ثواب ذلك لسیدی احمد بن علوان و يقول یاسیدی احمد بن احمد ابن علوان ان لم ترد علی ضالتي والا نزعك من دیوان الاولیاء فان الله تعالى یرد علی من قال ذلك ضالته ببرکته اجهوری مع زیادة کذا فی حاشیة شرح المنهیج للداؤدی۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۳۳)

جب آدمی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا اس کو واپس کر دے تو ایک بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑے ہو کر سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہدیہ کر کے سید احمد بن علوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچائے اور کہے کہ اے سید احمد بن علوان اگر میری گئی ہوئی چیز تم نے واپس نہ خیرور نہ میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے کٹواؤنگا اس عمل سے برکت ان ولی کی اللہ کی چیز واپس دلا دیے گا۔ اس عبارت میں ندا کی بھی تصریح ہے "یاسیدی احمد ابن علوان" یہ صاف الفاظ ہیں پھر اس میں استمداد بھی ہے اور ان بزرگ کے لئے علم غیب و تصرف بھی ثابت ہو رہا ہے لہذا اگر علامہ شامی ان وجوہ کی بنا پر یا شیخ عبدالقادر کے عمل پر کفر اور توبہ اور تجدید نکاح کا حکم دیتے تو یا شیخ سیدی احمد ابن علوان کے عمل کو اپنی کتاب میں نہ لکھتے اور اگر لکھتے تو اس پر بھی کفر و توبہ و تجدید نکاح کا حکم دیتے۔

ثالثاً: وہابی نے غالباً اپنے جہل و نادانی سے ردالمحتار کی اس عبارت۔

کذا قول شیء لله قیل بکفرہ۔

اور ردالمحتار کی اس عبارت۔

وقد مران مافیہ خلاف یومر بالتوبة والاستغفار وتجدید النکاح۔

(ردالمحتار باب المرتد ج ۳ ص ۳۱۷)

کو اپنی سند بنایا ہے اور ان ہر دو عبارات میں وظیفہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی کا بحث ہی نہیں کہ نہ اس میں نہ اس سے قبل و بعد کہیں اس وظیفہ کا تذکرہ نہیں تو وہابی کو یہ عبارات کیا مفید ہیں۔

رابعاً: اور اگر بالفرض ردالمحتار کی ان عبارات میں مسئلہ کا ادنیٰ تعلق تسلیم بھی کر لیا جائے تو قائل

"شیاً للہ" پر عدم تکفیر کا قول رائج ہے۔

چنانچہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ویبغی ان یرجح عدم التکفیر۔

بلکہ خود وہابیہ کے پیشوا مولوی خر معلیٰ نے درمختار کی اس عبارت کے متعلق غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار میں لکھا ہے۔

اور لائق یوں ہے کہ اس قول (شیاً للہ) میں عدم تکفیر کو ترجیح دیجئے، اس لئے کہ اس کی تاویل یوں ہو سکتی ہے کہ قائل کہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں شی کو طلب کروں اللہ تعالیٰ کے اکرام کے لئے۔

(غایۃ الاوطار ج ۲ ص ۵۲۹)

لہذا وہابی کی بے دینی ظاہر ہونے کے لئے یہی بات بہت کافی ہے کہ اس نے قول رائج کو چھوڑا اور قول مرجوح کو اپنی سند بنایا۔

خامساً: صاحب ردالمحتار نے "شیاً للہ" کے کفری معنی یہ بیان کئے ہیں:

لعل وجهه انه طلب شیئاً لله تعالى والله تعالى غنی عن کل شیء والکل مفتقر ومحتاج الیه۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۱۷)

اور غایۃ الاوطار میں یہ کہا اور "شیاً للہ" کے کفر ہونے کی شاید یہ وجہ ہے کہ قائل نے چیز اللہ تعالیٰ کے لئے مانگی حالانکہ حق تعالیٰ ہر چیز سے غنی ہے سب خلق اس کے محتاج ہیں۔

(غایۃ الاوطار ج ۲ ص ۵۲۹)

لہذا وہابی اس کفری معنی کو اہل اسلام کے لئے کس دلیل سے متعین کرتا ہے اور صحیح معنی کیوں نہیں لیتا۔

سادساً: وہابی کا یہ افتراء بہتان ہے کہ صاحب ردالمحتار قائل "شیاً للہ" پر توبہ کرنا اور تجدید نکاح کرنا لازم کہتے ہیں بلکہ صاحب ردالمحتار قائل "شیاً للہ" کے متعلق لکھتے ہیں:

امان قصد المعنى الصحيح فالظاهر انه لا باس به۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۱۷)

یعنی اگر "شیاً للہ" کا کہنے والا صحیح معنی کا قصد کرتا ہے تو ظاہر بات یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اب وہابی کو خود توبہ کرنی چاہئے کہ ایسے فاضل جلیل پر ایسا صریح افتراء کرتا ہے۔

سابعاً: وہابی نے ردالمحتار کی جس عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں قطع و برید ہے، ردالمحتار کی پوری عبارت یہ ہے۔

وقد مران مافیہ خلاف یومر بالتوبۃ والاستغفار او تجدید النکاح لکن هذا ان کان لایدری ما یقول اما ان قصد المعنی الصحیح فالظاهر انه لایس له۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۷)

اس عبارت کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ توبہ استغفار کا حکم اور تجدید نکاح کا امر جب ہے کہ قائل اپنے کلام کے کوئی معنی مراد نہیں لیتا یا معنی صحیح کا قصد نہ کرتا ہو اور اگر معنی صحیح کا قصد کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لہذا صاحب رد المحتار کے نزدیک بھی ”شیاً للہ“ کو جب صحیح معنی قصد کر کے کہے تو اس میں کچھ حرج نہیں، نہ اس میں توبہ واستغفار ضروری نہ تجدید نکاح لازم۔

ثامناً: وہابی کو خود اپنے گھر کی بھی خبر نہیں انہیں کے پیشوا مولوی خرملی نے ”غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار“ میں لکھا۔ بعض لوگ بطور وظیفہ یوں کہا کرتے ہیں ”یساعبد القادر شیاً للہ“ اس میں رائج عدم تکفیر ہے۔

اب وہابی بتائے کہ کیا ان کے مترجم کو بھی در مختار و رد المحتار کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ پتہ نہ چلا کہ اس وظیفہ پڑھنے والے پر در مختار نے کفر کا فتویٰ دیا ہے، اور رد المحتار نے اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم کی ہے تو کیا یہ مترجم ان عبارات کا صحیح مطلب نہ سمجھایا اس نے بقصد غلط حکم دیا ہے۔

تاسعاً۔ اگر در مختار اور رد المحتار میں یہ مسئلہ ہوتا اور ان میں کفر اور توبہ اور تجدید نکاح کا حکم ہوتا تو مجدد نجدیت و کعبہ و بابیت و قبلہ و دیوبندیت مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاویٰ میں اس وظیفہ پر اتنے نرم الفاظ اور ایسے دسے ہوئے کلمات نہ لکھتے۔

الجواب:-

اس (یا شیخ عبدالقادر جیلانی شبیلاً للہ) کا ورد کرنا بندہ جائز نہیں جانتا اگرچہ شرک نہیں مشابہ بشرک ہے اور بعض فعل مشابہ بشرک ہوتے ہیں اور صغیرہ ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۹)

گنگوہی جی نے اس میں وظیفہ مذکورہ کو گناہ صغیرہ قرار دیا بلکہ ان کے نزدیک یہ وظیفہ اس حد تک بھی نہیں پہنچا ہے۔

چنانچہ اسی فتاویٰ میں ہے۔

وظیفہ ”یا شیخ عبدالقادر“ کا بندہ اچھا نہیں جانتا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۳۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گنگوہی جی کے نزدیک یہ وظیفہ صرف خلاف اولیٰ ہے ورنہ یہ مشرک و کافر گر ایسی باتوں پر شرک و کفر کا فتویٰ جزدیتا ہے جن کا کسی کتاب میں ذرہ بھر ثبوت نہیں ہوتا

لہذا اگر در مختار و رد المحتار میں اہل وظیفہ پر کفر و توبہ اور تجدید نکاح کا حکم ہوتا تو یہ گنگوہی جی اس پر کفر و شرک کا حکم دینے سے باز نہ رہتے اور اتنے دسے ہوئے الفاظ میں جواب نہ لکھتے۔

کہ بندہ اسے اچھا نہیں جانتا یہ وظیفہ شرک نہیں۔

عاشراً: اگر وہابی ان تمام باتوں سے قطع نظر کرے اور در مختار و رد المحتار کے مذکورہ حوالہ کو سند بنائے تو پھر وہ حضرت شیخ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علامہ ابن عابدین صاحب رد المحتار اپنے پیشوا مولوی خرم علی اور اپنے بانی مذہب مولوی رشید احمد گنگوہی پر فتویٰ دے کہ انہوں نے اس وظیفہ پر کفر و توبہ کا حکم اور تجدید نکاح کو لازم نہیں کیا اور انہوں نے بزم وہابی در مختار و رد المحتار کی عبارات کو حق نہ جانا، بالجلہ در مختار و رد المحتار کے حوالوں کی یہ حقیقت ہے وہابیہ ان کتابوں کا نام لیکر ناواقفوں کو فریب دیتے ہیں لہذا مسلمان ان مفزیوں کی بات پر کان نہ رکھیں اور وقت حاجت اس وظیفہ کا ورد کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال دوم

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس کے ساتھ ندا کرنا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جس کو ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و حاکم بیہقی و غیر ہم نے روایت کی۔ علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں بروایت زبائی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

ان اعمیٰ قال یا رسول اللہ ادع اللہ ان یکشف لی عن بصری قال انطلق فتوضا ثم صلل رکعتین ثم قل اللہم انی استلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک الی ربک ان یکشف لی عن بصری اللہم شفعه فی قال فرجع وقد کشف اللہ عن بصرہ۔ (شرح شفا مصری ج ۱ ص ۶۵۳)

ایک نابینا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بارگاہ الہی میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں کھول دے، فرمایا: جاؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت پڑھو، پھر یہ دعا کرو، الہی! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو نبی رحمت ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میں حضور کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری آنکھیں کھل جائیں، اے اللہ میرے حق میں ان کی شفاعت قبول کر۔ راوی نے کہا کہ نابینا لوٹا اور اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھیں واپس دیں۔

اس حدیث شریف میں نام اقدس کے ساتھ ندا یعنی یا محمد کہنا خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے تعلیم فرمایا: اب اس سے زائد کیا سند ہو سکتی ہے پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے زمانہ میں نام اقدس کے ساتھ اپنے حوائج و مشکلات میں ندا کی چنانچہ۔
حضرت قاضی عیاض شفا شریف میں نقل کرتے ہیں:

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خذ رت رجله فقیل له اذکر احب الناس الیک یزل عنک فصاح یا محمد اہ فانتشرت۔
(شرح شفا ج ۱ ص ۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پائے مبارک سو گیا تو کسی نے کہا کہ آپ اپنے سب سے زیادہ پیارے کا نام لیجئے تو یہ بات دور ہو جائے گی تو انہوں نے ایک نعرہ (یا محمد اہ) کا مارا فوراً ہی اچھا ہو گیا۔

بلکہ زمانہ صحابہ سے ہر قرن و ہر زمانہ میں ہر مسلمان نمازی مرد و عورت چوبیس گھنٹہ میں کم از کم پانچ وقت ہر دو رکعت پر قعود میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام صفاتی کے ساتھ ندا کرتا ہے اور یوں عرض کرتا ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ یعنی تم پر سلام ہوا ہے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں لہذا اگر ندا کرنا ناجائز و شرک ہوتا جیسے کہ وہابیہ کا عقیدہ ہے تو معاذ اللہ اس پر لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک کی تعلیم دی۔ صحابہ کرام نے شرک کیا، ساری امت مرحومہ نے شرک کیا، بلکہ آج بھی تمام مسلمین اس شرک میں گرفتار ہیں کہ عین نماز میں حضور کے نام اقدس کے ساتھ ندا کرتے ہیں۔ اب وہابیہ سے پوچھو کہ تم خود بھی اس شرک سے نہیں بچ سکتے کہ التحیات میں تمہیں بھی ”السلام علیک ایہا النبی“ کہنا پڑتا ہے جس میں غیر اللہ سے صریح ندا ہے۔

بالجملہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس کے ساتھ اپنے حوائج و مشکلات میں ندا کرنا نہ فقط جائز بلکہ صحابہ کرام کی سنت اور سلف و خلف کا طریقہ ہے۔ اس کے اثبات میں بکثرت احادیث اور اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن بخوف طوالت اس پر اقتصار کیا۔ ایک یہ امر اور قابل لحاظ ہے کہ نام اقدس لیکر یا محمد یا احمد کہہ کر ندانہ کی جائے بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ وغیرہ اوصاف کے ساتھ ندا کی جائے چنانچہ شرح شفا شریف میں حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد کا قول منقول ہے:

فلا تقولوا یا محمد یا احمد بل قولوا یا نبی اللہ یا رسول اللہ۔

(شرح شفا ج ۲ ص ۶۲۰)

علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں اور علامہ علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔

ولا تنادوه باسمه ای العلم نداء کمناذاة (بعضکم بعضا) ای باسمه الذی سماہ بہ ابواہ (ولکن عظموہ) ای باطنا ووقروہ (ای ظاہراً) ونادوہ باشراف مایعجب (ای مایعجبہ) ان ینادی بہ ای من وصف رسالۃ او نعت نبوة بان تقولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ ای وامثالہما من نحو یا حبیب اللہ یا خلیل اللہ و هذا فی حیاتہ و کذا بعد وفاتہ فی جمیع مخاطباتہ۔
(شرح شفا ج ۲ ص ۶۲)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے نام کے ساتھ اس طرح نہ پکارو جیسے تم میں ایک دوسرے کو اس کا نام لیکر پکارتے ہو جس کو اس کے ماں باپ نے رکھا لیکن تم حضور کی ظاہری و باطنی طور پر تعظیم و توقیر کرو اور ان کے اوصاف رسالت و نبوت کے پسندیدہ خطابوں میں سے بہتر خطاب کے ساتھ پکارو اور یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ اور اسی طرح یا حبیب اللہ یا خلیل اللہ اور یہ حکم حضور کی ظاہری حیات میں ہے اور اسی طرح ان کے اس عالم سے پردہ فرما جانے کے بعد تمام مخاطبات میں ہے۔

ان عبرات سے یہ معلوم ہوا کہ تمام مخاطبات میں جب ندا کی جائے تو اوصاف کریمہ کے ساتھ ہونا نام اقدس لیکر نہ پکارا جائے کہ کمال عظمت اور حسن ادب کا یہی مقتضا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
جواب سوال سوم:- قبر میں میت کے لئے بزرگوں کے لباس سے تبرک حاصل کرنا خود حدیث شریف سے ثابت ہے۔

بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دے رہی تھیں حضور نے طریقہ غسل تعلیم کر کے فرمایا جب تم غسل دے چکو تو مجھے اطلاع دینا ہم نے بعد فراغت اطلاع دی۔

فالقی البینا حقوہ فقال اشعر نہا ایاہ۔
(مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۱۴۳)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا تہبند مبارک ہماری طرف ڈالا اور فرمایا: اس کو کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھو۔

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:

هذا الحديث اصل في التبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما يفعله بعض مریدی

المشايع من لبس اقمصتهم في القبر۔

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۳)

یہ حدیث آثار و لباس صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل ہے جیسے مریدین اپنے مشائخ کی قمیصیں قبر میں پہنا کرتے ہیں۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ میت کے لئے قبر میں صالحین کے لباس و آثار سے تبرک حاصل کیا جائے اس کی تعلیم خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی۔ سلف و خلف کے مشائخ نے اس طریقہ مرضیہ پر عمل کیا اور میت کے لئے اتنے توسل کو مفید جانا۔ شجرہ شریف میں بھی اسمائے صالحین اور ان کے ساتھ اتصال سے تبرک حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لہذا جس طرح لباس صالحین سے تبرک حاصل کرنا حدیث شریف سے ثابت ہوا اسی طرح اسمائے صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنا بھی اسی کے ضمن میں داخل ہوا اسی بنا پر بزرگوں نے قبر میں شجرہ رکھنا شروع کیا۔ چنانچہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگانست۔

وہابی اس کا انکار کر کے طریقہ صالحین بلکہ حدیث شریف کی مخالفت کرتا ہے اور محض اپنی ناقص رائے سے دین میں مداخلت کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تابعین و تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہاء و محدثین، اولیائے کرام، علمائے اعلام کے لئے بھی جائز ہے بلکہ مشائخ کا معمول ہے۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

ويستحب الترضى للصحابة والترحمة للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الاحياء وكذا يجوز عكسه وهو الترحمة للصحابة والترضى للتابعين ومن بعدهم على الراجح۔

(شامی ج ۵ ص ۳۹۷)

صحابہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا اور تابعین اور ان کے بعد کے علماء اور تمام صالحین کے لئے رحمۃ اللہ علیہم مستحب ہے اور اسی طرح اس کا عکس بھی جائز ہے یعنی صحابہ کیلئے رحمہم اللہ اور تابعین اور ان کے بعد والوں کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا بر قول رائج کے۔

بلکہ خود وہابیہ کے پیشوا مولوی خر مغل غلیہ الاوطار ترجمہ اردو در مختار میں لکھتے ہیں۔

جائز ہے، یعنی ترحم صحابہ کے لئے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین اور ان کے بعد کے صالحین کے

واسطے بنا بر قول رائج کے، ایسا ذکر کیا ہے کرمانی نے، ولہذا کتب فقہ میں امام کے نام پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں لفظ مذکور ہیں۔

(غلیہ الاوطار ج ۳ ص ۳۶۶)

لہذا اب اس میں بحث اور انکار کرنا سخت غلطی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہل

(۸۳۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

فاتحہ مروجہ یعنی کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر سورۃ فاتحہ اور درود شریف پڑھنا اصول شرع یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت یا کسی امام یعنی مجتہدین مشہورہ مذاہب اربعہ میں سے کسی میں اس کام کو مسلمانوں کے کرنے کو کہا گیا ہو تو ضرور تحریر فرما دیجئے گا فی سبیل اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اس دور جدید میں ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو عرف میں وہابی و دیوبندی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ فرقہ اپنے ایسے عقائد و مسائل رکھتا ہے جن پر کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کر سکتا۔ نہ ان پر امت کا اجماع و اتفاق ثابت کر سکتا ہے۔ نہ ان کی تائید خلف و سلف کی تصریحات سے کر سکتا ہے۔ یہ فرقہ کبھی عوام کو مغالطہ میں ڈالنے میں غیر متعلق آیات و احادیث کو پیش کر دیتا ہے۔ اور اس کے ترجمہ اور مطلب میں تصرف کرتا ہے۔ اور مفسرین و محدثین کی تصریحات کے خلاف اس آیت و حدیث سے استدلال کرتا ہے کبھی ناواقفون میں اپنے بے دلیل مسائل کی حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ اہلسنت سے ان کے مسائل پر دلیل کا مطالبہ کرتا ہے باوجودیکہ دلیل کا مطالبہ خود اس فرقہ پر ہے کیونکہ وہابی فرقہ فاتحہ کو ناجائز و بدعت سیئہ کہتا ہے تو فاتحہ کے عدم جواز پر دلیل خاص کا پیش کرنا وہابی فرقہ کے ذمہ پر ہے۔ اور اہلسنت فاتحہ کو جائز و مباح کہتے ہیں اور اباحت ہی تمام اشیاء میں اصل ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحلال ما احل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفى عنه۔
(ترمذی شریف مطبوعہ علی دہلی ص ۲۰۶)

حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے۔ یعنی وہ مباح ہے۔
حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس حدیث شریف کے تحت میں فرماتے ہیں:

ایں دلیل سے ثابت ہوا کہ اصل در اشیاء اباحت است۔

(اشعۃ اللمعات ص ۵۰۶ کشوری ج ۳ ص ۵۴۰)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔
حدیث: عر ابن عباس بعث الله نبيه وانزل كتابه واحل حلاله وحرم حرامه فاما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه فهو عفو۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲)

اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت میں ہے۔
از اینجا معلوم میشود کہ اصل در اشیاء اباحت است۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھاتے اور کچھ چیزیں ناپاک سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔

پھر یہ حکم کہ (سب چیزوں میں اباحت ہے) صرف حدیث شریف ہی سے ثابت نہیں بلکہ چند آیات قرآنی اس کو ثابت کرتی ہیں چنانچہ علامہ ناصر السنہ علی بن محمد تفسیر خازن میں آیت کریمہ۔

كلوا واشربوا ولا تسرفوا۔

کے تحت فرماتے ہیں۔

وفي الآية دليل على ان جميع المطعومات والمشروبات حلال الا ما خصه الشرع بدليل في التحريم لان الاصل في حسيب الاشياء الاباحۃ الا ما حظرها الشارع وثبت تحريمه بدليل منفصل۔
(تفسیر خازن مصری ج ۲ ص ۱۸۴)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ تمام کھانے اور پینے کی چیزیں حلال ہیں مگر جسے شریعت نے دلیل

حرمت کیساتھ خاص کر دیا کیونکہ اصل تمام چیزوں میں مباح ہونا ہے، ہاں جس چیز کو شارع حرام قرار دے اور اس کی حرمت پر علیحدہ دلیل قائم کرے (تو وہ حد اباحت سے خارج ہو کر حرام ہو جائے گی)
تفسیر احمدی میں تفسیر زاہدی سے ناقل ہیں کہ آیت کریمہ۔

يا ايها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم۔

کے تحت میں ہے۔

يتمسك بمثل هذه الآيات على ان الاصل في الاشياء الاباحۃ ما لم يقم دليل الحرمة وذلك طاهر۔
(تفسیر احمدی مطبوعہ ص ۳۴)

ان جیسی آیات سے ثابت ہوا کہ اصل تمام چیزوں میں مباح ہونا ہے جب تک دلیل حرمت قائم نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہے (یعنی جب تک کسی چیز پر دلیل حرمت قائم نہ ہو وہ مباح ہے) ان تفاسیر سے یہ ثابت ہوا کہ آیات اس امر کی دلیل ہیں کہ اصل تمام اشیاء میں مباح ہونا ہے البتہ وہ اباحت کے حکم سے اس وقت خارج ہوگی جب شارع خاص طور پر اس کی حرمت و کراہت پر علیحدہ کوئی دلیل قائم کرے لہذا جب تک کوئی دلیل حرمت و کراہت قائم نہ ہوگی تو وہ اپنی اصل کے اعتبار سے مباح رہے گی اب چاہے اسکے جواز کا خاص ذکر قرآن و حدیث میں آیا ہو یا اس کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص ایسی مباح الاصل چیز کو ناجائز و حرام کہے اس کو اپنے دعوے پر دلیل قائم کرنا ضروری ہے اور بلا دلیل قائم کئے ہوئے وہ ایسی مباح چیز کو ناجائز و حرام یا مکروہ و بدعت کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اسی لئے حضرت عارف صدیقی قطب ربانی سیدی عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں فرماتے ہیں:

وجميع ما سكت الشرع عنه ولم يتعرض فيه لامر ولا نهى فهو عافية وتوسعة على الاباحۃ فليس لاحد ان يهجره عليهم۔
(میزان کبریٰ مطبوعہ مجازی قاہرہ ج ۱ ص ۶۸)

شریعت نے جن تمام چیزوں کے متعلق کچھ ذکر نہ کیا اور ان میں کسی امر و نہی کا اظہار نہیں کیا تو وہ معاف ہیں۔ اور امت کو اس کے کرنے کی گنجائش ہے، پس کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ امت کو اس سے روکے (یعنی اس مباح کو ممنوع کہے) اور امور مسکوتہ کے جائز و مباح کہنے والے کو ہرگز کسی دلیل جواز کے قائم کرنے کی حاجت نہیں، کہ اسکی ممانعت پر کسی دلیل شرعی کا نہ ہونا ہی اس کے جواز کی کافی دلیل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فاتحہ کے جواز و اباحت پر اہلسنت کو کسی دلیل کے قائم کرنے کی حاجت نہیں

کہ آیت وحدیث سے یہ ثابت ہو چکا کہ اصل سب چیزوں کی مباح ہے۔ لہذا فاتحہ بھی جائز و مباح ہے تو اہلسنت سے فاتحہ کے جواز کی دلیل طلب کرنا مکروکید ہے اور الثا مطالبہ ہے فرقہ وہابیہ فاتحہ کو ناجائز و ممنوع کہتا ہے۔ اور اوپر کی عبارت سے معلوم ہو گیا کہ ناجائز کہنے والے کے ذمہ پر دلیل کا قائم کرنا ضروری ہے کہ وہ خلاف اصل کا دعویٰ کر رہا ہے۔ تو فرقہ وہابی کتاب اللہ یا احادیث یا اقوال مجتہدین سے فاتحہ مروجہ کے ناجائز و ممنوع ہونے پر دلیل قائم کرے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ نہ فقط یہاں بلکہ نجد تک کے وہابی بھی آکر انتہائی کوشش بھی کریں تو عدم جواز فاتحہ پر کوئی دلیل ہرگز ہرگز قائم نہیں کر سکتے، یہ ایسا مطالبہ ہے جس کا جواب تاقیامت ممکن نہیں، لیکن عوام اہلسنت کو مغالطے میں ڈالنے اور اپنی جماعت پر اپنا اقتدار باقی رکھنے کے لئے محض دفع الوقتی کے واسطے وہابی ایک یہ پرفریب چال چلا کرتے ہیں کہ اگر فاتحہ مروجہ جائز ہوتی تو اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے یا صحابہ کرام یا تابعین عظام کرتے یا ائمہ و فقہائے اعلام کرتے اور جب انہی میں سے کسی نے فاتحہ نہیں دی تو اس کو ناجائز ہی جان کر نہیں کیا۔ یہ بات ہر وہابی کو یاد ہوتی ہے اور اس کو اپنی سب سے بڑی دلیل جانکر پیش کیا کرتا ہے، اور ہمارے نادان فہلسنت کو مرعوب کر لیتا ہے حالانکہ یہ بھی اس کا فریب ہے اور سلف و خلف کی تصریحات کے خلاف ہے۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

ان الفعل يدل على الحواز و عدم الفعل لا يدل على المنع۔

(مواہب لدنیہ مصری ج ۲ ص ۱۶۶)

کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ شارع علیہ السلام اور صحابہ و فقہاء عظام کا کوئی کام کرنا تو اس فعل کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ اور کسی بات کا نہ کرنا اسکے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں۔ اب بقول وہابی فاتحہ ان حضرات نے نہ دی تو ان حضرات کا فاتحہ نہ دینا فاتحہ کے عدم جواز کی تو دلیل نہیں۔ لہذا فاتحہ کے ناجائز ہونے کے لئے ان حضرات کے عدم فعل کو دلیل بنانا وہابیہ کی جہالت و نادانی ہے اور عوام اہلسنت کو فریب دہی ہے۔

اب باقی رہا وہابیہ کا فاتحہ مروجہ کو بدعت سیدہ کہنا یہ بھی گمراہی ہے اگر فاتحہ بدعت ہوتی تو امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی اس کو خوب اور بہتر اور افضل نہ کہتے اور نہایت صاف طور پر اپنی کتاب صراط مستقیم میں یہ نہ لکھتے:

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن با موات با طعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ این معنی بہتر افضل۔

یہ نہ سمجھیں کہ مردے کے لئے فاتحہ خوانی سے نفع پہنچانا اچھا نہیں بلکہ یہ بہتر و افضل ہے۔

اور یہی امام الوہابیہ منکرین فاتحہ مروجہ کو اس میں شبہ و شک کرنے سے نہ روکتے اور اس کی خوبی کے مانعین کو ایسی تنبیہ نہ کرتے۔ چنانچہ اسی صراط مستقیم میں ہے:

پس در خوبی این قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ و اعراس و نذر و نیاز شبہ نیست۔

امر مرسومہ کے اچھے ہونے میں کوئی شبہ و شک ہی نہیں۔

نیز اگر فاتحہ مروجہ ناجائز ہی ہوتی تو یہی امام الوہابیہ اس کا اہتمام نہ کرتے اور اس کے کرنے کی اس قدر تاکید نہ کرتے۔ چنانچہ اسی صراط مستقیم میں ہے:

ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام نکذار و کہ اگر میسر باشد بہتر است والا صرف

ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہترین ثوابہا است (صراط مستقیم ص ۲۵)

جب مردے کو نفع پہنچانا منظور ہو تو کھانے ہی پر موقوف نہ رکھیں، اگر کھانا میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ

صرف سورہ فاتحہ و قل شریف کا ثواب بہت بہتر ہے۔

نیز اگر بقول وہابیہ فاتحہ مروجہ بدعت ہوتی تو حضرت خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز

صاحب محدث دہلوی فاتحہ کے کھانے کو تبرک نہ لکھتے اور اس کا کھانا خوب نہ بتاتے۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت اماما میں نمایند بر آں فاتحہ و قل و درود خواند تبرک میشود خوردن او

بسیار خوب است۔ (فتاویٰ عزیز یہ ص ۷۵)

وہ نیاز کا کھانا جس کا ثواب حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پیش

کریں وہ فاتحہ و قل و درود پڑھنے سے تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت خوب ہے۔ پھر اگر فاتحہ مروجہ

ایسی بدعت سیدہ ہوتی جس کا کرنا گناہ ہوتا تو شرعاً شاہ صاحب موصوف گناہ گار مسلمان کی امداد کے لئے

فاتحہ مروجہ کو لازم نہ فرماتے۔

بعد از مردن اور بائین مسلماناں غسل باید داد و نماز باید خواند در مقابر مسلمین دفن باید کرد و لعنت

برود و تہرا از و و بغض اواز جہت دین حرام است بلکہ امداد او با ستغفار و فاتحہ و درود و صدقات و خیرات لازم

باید شمرد۔ (تفسیر عزیزی مطبوعہ حیدری بمبئی ص ۱۸۲)

(فاسق کو) مرنے کے بعد مسلمانوں کے طریقہ پر غسل دینا چاہئے اور نماز جنازہ پڑھنی چاہئے

اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن کرنا چاہیے اور اس پر لعنت اور تیرا اور اس سے دین کی وجہ سے دشمنی حرام ہے بلکہ اس کی امداد کے لئے استغفار و فاتحہ اور درود صدقات اور خیرات لازم شمار کرنا چاہیے اور حقیقۃ الامر یہ ہے کہ اگر فاتحہ مروجہ ناجائز و بدعت ہوتی اور سلف و خلف اس کو محدث اور نو ایجاد ہونے کی بنا پر ناجائز جانتے تو اسے اپنا معمول نہ بتاتے اور تمام امت میں یہ طریقہ رائج نہ ہوتا یہی حضرت شاہ صاحب موصوف اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں فاتحہ مروجہ کو معمول امت لکھتے ہیں عبارت یہ ہے۔

حضرت امیر و ذریت طاہرہ اور اتمام امت بر مثال پیراں و مرشدان می پرستند و امور تکوینیہ را بایشان وابستہ میدانند و فاتحہ درود و صدقات و نذر و منت بنام ایشان رائج و معمول گردیدہ چنانچہ با اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است۔ (تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ مطابع ص ۲۲۸)

تمام امت حضرت مولیٰ علی اور ان کی اولاد کرام کی پیروں اور مرشدوں کی طرح تعظیم کرتی ہے اور عالم کے کاروبار کو ان سے وابستہ جانتی ہے اور فاتحہ و درود و صدقات اور نذر و منت ان کے نام کی معمول و رائج ہیں جیسے کہ تمام اولیاء اللہ کیساتھ یہی معاملہ ہے۔ اس عبارت سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ تمام امت نے فاتحہ مروجہ اور نذر و منت کو رائج کیا اور ان کو اپنا معمول بنایا اور انہیں اچھا سمجھا لہذا جب فاتحہ مروجہ مسلمانوں کے نزدیک اچھی چیز ثابت ہوئی تو اللہ کے نزدیک بھی اچھی چیز ہوتی مرقات المفاتیح میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

ما راہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۷)

مسلمان جس چیز کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اب وہابیہ کا فاتحہ مروجہ کو ناجائز و بدعت کہنا اور اس کے قائلین جواز کو بدعتی اور گمراہ لکھنا کیسی دلیری و جرأت ہے اور محض اپنی رائے سے دین میں مداخلت ہے اگر ان کے اس دعوے میں کچھ قوت اور ان کی اس بات میں کچھ صداقت ہے تو سب سے پہلے اپنے قبلہ اور امام مولوی اسماعیل صاحب کو گمراہ و بدعتی کہیں، پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگائیں، اور جب فاتحہ مروجہ بقول شاہ صاحب عام امت کا معمول ہے تو پھر وہابیہ ساری امت کو بدعتی ٹھہرائیں۔ لیکن تمام امت بدعتی و گمراہ ہو نہیں سکتی کہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله لا يجمع امتی او قال امة محمد علی ضلالة وید الله علی الجماعة ومن شذ

شذ فی النار۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰ مطبع مجبانی دہلی)

بیشک اللہ تعالیٰ میری امت یا فرمایا امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے۔ اور جو جماعت سے جدا ہوا، جہنمی بنا۔

لہذا امت کا بدعتی و گمراہ ٹھہرانے والا خود بدعتی و گمراہ ہے، تو یہ فرقہ وہابیہ ہی بدعتی و گمراہ ثابت ہوا۔ کہ یہ معمول امت یعنی فاتحہ مروجہ کو گمراہی و بدعت کہتا ہے اور عمل مسلمین کی مخالفت کرتا ہے تو یہ اپنا حکم اس آیت کریمہ میں تلاش کرے کہ عمل مسلمین کے مخالفوں کا کیا انجام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين نوله ماتولىٰ ونصله جهنم وساءت مصيرا۔ (سورہ نساء ع ۱۷ جز ۵)

ترجمہ:- اور جو رسول کا خلاف کرے اسکے بعد کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دینگے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

شیخ احمد ملا جیون تفسیر احمدی میں اس آیت کریمہ کے معنی تحریر فرماتے ہیں۔

ومعناها "ومن يشاقق الرسول" ای يخالفه "ويتبع غير سبيل المومنين" من عمل "او اعتقاد نوله ماتولىٰ" ای نسلط علی ما احبه من الردة والكفر والضلال "ونصله جهنم" ای ندخله فيها "وساءت مصيرا" له۔ (تفسیر احمدی مطبوعہ ص ۱۸۳)

آیت کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ جو رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے اعتقاد و عمل کے خلاف کسی بات کو قابل اتباع سمجھے تو ہم اسے اس کے پسندیدہ کفر و ارتداد اور گمراہی و ضلال پر مسلط کر دیں گے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور اس کے لئے دوزخ بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

بالجملہ وہابیہ کا فاتحہ مروجہ کو بدعت و ناجائز کہنا اپنے پیروں اور استادوں کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اور طریق مسلمین و معمول امت کے بھی خلاف ہے۔ تو اب انہیں فاتحہ مروجہ کے جواز کا اقرار کرنا چاہئے اور امت کے خلاف فتویٰ دینے سے باز رہنا چاہیے اور مسائل دین میں اپنی ناقص رائے پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ علاوہ بریں اگر فاتحہ مروجہ کی ہیئت کذابی کو بدعت کہتے ہیں تو اس پر کوئی ایسی بات ہے جو قرآن و احادیث سے ثابت نہیں ہے۔ میں بلحاظ اختصار چند حوالے نقل کرتا ہوں ورنہ اگر احادیث

ہ جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو بہت مبسوط رسالہ تیار ہو جائے۔

سورہ فاتحہ یعنی الحمد شریف پڑھنا تو اس سورہ شریف کے فضائل بکثرت احادیث سے ثابت ہیں ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا بی بن کعب کیف تقرأ فی الصلوة فقرأ ام القرآن فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والذي نفسی بیدہ ما انزلت فی التورۃ ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثلها وانها سبع من المثانی والقرآن العظیم الذی اعطیتہ۔
(مشکوٰۃ شریف مجتہبی دہلی ص ۱۸۷)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا: تو نماز میں کیسی قرأت کرتا ہے؟ حضرت ابی ابن کعب نے بائتر تیل الحمد پڑھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے توراۃ میں نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں کوئی سورہ سورہ فاتحہ کے مثل نازل ہوئی اور وہ سبع مثانی ہے اور اس قرآن عظیم سے ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاتحة الكتاب تجزى مالا تجزى شيء من القرآن ولو ان فاتحة الكتاب جعلت في كفة الميزان وجعل القرآن في الكفة الاخرى لفضلت فاتحة الكتاب على القرآن سبع مرات۔
(کنز العمال ج ۱ ص ۳۹)

ترجمہ:- سورہ فاتحہ کفایت کرتی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی شے ایسی کفایت نہیں کرتی، اور اگر سورہ فاتحہ میزان کے ایک پلہ میں رکھی جائے اور باقی قرآن دوسرے پلہ میں تو سورہ فاتحہ باقی قرآن سے سات گنی زائد ہو۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں نقل کیا کہ ابن نجار نے اپنی تاریخ میں روایت کی کہ حضرت مالک ابن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

دخلت المقبرة ليلة الجمعة فاذا انا بنور مشرق فيها فقلت لا اله الا الله نرى ان الله عز وجل قد غفر لاهل المقابر فاذا انا بهاتف من البعد وهو يقول يا مالک بن دينار هذه هدية المؤمنين الى اخوانهم من اهل المقابر قلت: والذي انطقك الا اخبرتنی ما هو قال رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة فاسبغ الوضوء وصلى ركعتين وقرأ فيها فاتحة الكتاب وقل

يا ايها الكفرون وقل هو الله احد وقال اللهم اني قد وهبت ثوابها لاهل المقابر من المؤمنين فادخل الله علينا الضياء والفصح والسرور في المشرق والمغرب قال مالک فلم ازل اقرأهما في كل ليلة جمعة فرأيت النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم في منامي يقول لي يا مالک بن دينار قد غفر الله لك بعد النور الذي اهديته الي امتي ولك ثواب ذلك ثم قال لي وبني الله لك بيتا في الجنة في قصر۔
(شرح الصدور مصری ص ۱۲۸)

میں جمعہ کی رات میں قبرستان گیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں بہت زیادہ نور پھیلا ہوا ہے، میں "لا اله الا الله" پڑھ کر یہ گمان کرنے لگا کہ اللہ عز وجل نے اہل قبور کو بخش دیا کہ اتنے میں ہاتف کی دور سے آواز آئی کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اے مالک بن دینار! یہ مسلمانوں کی جانب سے اپنے بھائی اہل قبور کے لئے ہدیہ ہے میں نے کہا کیا تجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھے یہ خبر دینے کی گویائی دی کہ یہ کیسا ہدیہ ہے ہاتف نے کہا مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اس رات میں کامل وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ اور "قل يا ايها الكفرون" اور "قل هو الله احد" پڑھی، اور پھر اس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں نے اس کا ثواب مومنین اہل قبور کو ہدیہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ضیا و نور اور فرحت و سرور مشرق و مغرب میں پہنچایا مالک بن دینار نے کہا تو میں ہمیشہ ہر جمعہ کی رات میں ایسی دو رکعتیں پڑھتا رہا تو میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور مجھ سے فرماتے ہیں اے مالک بن دینار اللہ نے تیری مغفرت فرمائی بمقدار اس نور کے جسے تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے بھی اس کا ثواب ہے پھر حضور نے مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں ایک محل بنایا۔

یہاں بخيال اختصار تین حوالے نقل کئے ان سے علاوہ فضیلت سورہ فاتحہ کے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اس سورہ شریفہ کو اموات کے ایصال ثواب کی غرض سے پڑھا جائے تو اموات کو ثواب بھی ملے اور پڑھنے والے کو بھی زیادہ سہولت ہے اسی لئے سلف نے اس کو ایصال ثواب کے لئے منتخب کیا اور فاتحہ مروجہ کا اسی سورہ فاتحہ پڑھنے کی بنا پر سورہ فاتحہ نام رکھا۔

سورہ اخلاص یعنی قل ہو اللہ شریف کا پڑھنا، تو اس سورہ شریف کے فضائل میں بھی بکثرت احادیث وارد ہیں بلحاظ اختصار چند پیش ہوگئی بخاری شریف میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مسلم شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایعجز احدکم ان یقرأ فی لیلۃ ثلث القرآن قالوا و کیف یقرأ ثلث القرآن قال قل هو اللہ احد یعدل ثلث القرآن۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۵)

کیا تم میں کوئی شخص رات میں تہائی قرآن شریف پڑھنے سے عاجز ہے، صحابہ نے عرض کیا ہمیشہ تہائی قرآن کس طرح پڑھا جائے؟ حضور نے فرمایا: قل هو اللہ فضل میں تہائی کی برابر ہے۔

ترمذی شریف و دارمی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ کل یوم مائۃ مرة قل هو اللہ احد محی عنه ذنوب خمسین سنۃ الا ان یکون علیہ دین۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۸)

جس نے ہر روز دو سو مرتبہ قل هو اللہ احد پڑھی اس کے نامہ اعمال میں سے پچاس برس کے گناہ مٹ جائیں گے مگر جبکہ اس پر فرض ہو۔

دارمی شریف میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ قل هو اللہ احد عشر مرات بنیٰ له قصر فی الجنة، ومن قرأ عشرين مرة بنیٰ له ثلثۃ قصور فی الجنة، فقال عمر بن الخطاب: واللہ یرسل اللہ لنکثرن قصورنا، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اللہ اوسع من ذلك۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۰)

جس نے ”قل هو اللہ احد“ دس بار پڑھی تو اس کے لئے اس کے بدلے میں جنت میں ایک محل بنایا جائے گا، اور جس نے بیس بار پڑھی تو اسکے لئے جنت میں دو محل بنائے جائیں گے اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا تو اس کے لئے جنت میں تین محل بنائے جائیں گے حضرت عمر فاروق اعظم نے عرض کیا یرسل اللہ! یہ بات ہے (کہ دس بار کے بدلے میں ایک محل ہے) تو ہم اس سورت کی کثرت سے اپنے محل زیادہ کریں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا فضل بہت زیادہ وسیع ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر بن عبدالبانی نے اپنی مشیخت میں حضرت سلمہ ابن عبید سے نقل کیا کہ حضرت حماد بنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

خرجت لیلۃ الی مقابر مکۃ فوضعت راسی علی قبر فنمت فرأیت اهل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القيامة قالوا لا ولكن رجل من اخواننا قرأ قل هو اللہ احد وجعل

ثوابها لنا نحن نقسمه منذ منذ۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۳۰)

میں ایک مکہ کے قبرستان کی طرف گیا تو ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا میں نے خواب میں دیکھا کہ اہل قبور حلقہ حلقہ بنائے ہوئے ہیں میں نے کہا کیا قیامت قائم ہوگئی انہوں نے جواب دیا نہیں لیکن ہمارے بھائیوں میں سے ایک نے ”قل هو اللہ“ شریف کو پڑھا اور اس کا ثواب ہمیں بخشا تو ہم اتنے سال سے تقسیم کر رہے ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ”قل هو اللہ“ شریف کا ثواب تہائی قرآن شریف کی برابر ہے اس سے گناہ محو ہوتے ہیں، اس کے اجر میں جنت میں محل بنائے جاتے ہیں اور مردوں کو انہیں چیزوں کی حاجت ہی ہے۔ لہذا اموات کے ایصال ثواب میں اس سورۃ شریف کا پڑھنا بہت ہی بہتر ہے اسی لئے بزرگوں نے اس سورۃ کو فاتحہ میں شامل کیا کہ وقت کم لگے اور ثواب زائد ملے۔

سورہ کافرون:۔ یعنی ”قل یا ایہا الکفرون“ پڑھنا اس سورۃ شریف کے فضائل بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہیں یہاں بخوف طوالت صرف ایک حدیث نقل کی جاتی ہے ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

قل یا ایہا الکافرون تعدل ربع القرآن۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۸)

”قل یا ایہا الکافرون“ کا ثواب چوتھائی قرآن کی برابر ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس سورۃ شریف کا ثواب چوتھائی قرآن کے برابر ہے اس کثرت ثواب کی وجہ سے علمائے کرام نے اس سورۃ کو بھی فاتحہ میں شامل کیا۔

معوذتین:۔ یعنی قل ”اعوذ برب الفلق“ اور قل اعوذ برب الناس پڑھنا ان کے فضائل بھی بکثرت احادیث میں وارد ہیں لیکن یہاں صرف دو احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الم تر الی آیات انزلت اللیلۃ لم یرہ مثلہن قط قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۶)

کیا تجھے ان آیات کا علم نہیں جو آج رات نازل ہوئیں جن کا مثل ہرگز نہ دیکھا گیا، وہ قل اعوذ

برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔

ابوداؤد شریف میں انہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حجہ اور ابواء کے درمیان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر تھا "اذ غشيتنا ریح وظلمة فجعل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يتعوذ باعوذ برب الفلق واعوذ برب الناس ويقول يا عقبه تعوذ بهما فماتعوذ متعوذ بمثلهما۔"

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۸)

کہ اتفاقاً ہم تیز ہوا اور سخت تاریکی میں گھر گئے تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس" کیساتھ تعوذ فرمانے لگے اور حضور نے فرمایا ان دونوں کے ساتھ تعوذ کر کہ کوئی تعوذ کرنے والا ان کی مثلن سے تعوذ نہ کر سکا ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں سورتیں تعوذ میں بے مثل ہیں اور دفع ظلمت و عذاب کے لئے بے نظیر عمل ہیں مردوں کو بھی ظلمت قبر و احوال حشر و عذاب سقر سے تعوذ کی شدید حاجت ہوتی ہے اسی بات کو ملحوظ فرما کر ہمارے اکابر ملت نے ان دونوں سورتوں کو فاتحہ میں داخل کیا۔

الحاصل ان پانچوں سورتوں کے فضائل مخصوصہ اور کثرت ثواب کی وجہ سے اموات کے ایصال ثواب کے لئے منتخب کیا اور یہ انتخاب بھی بارہویں یا تیرہویں صدی کے علمائے کرام کا نہیں ہے جس پر منکر کی زبان طعن کھل سکے بلکہ یہ انتخاب بھی احادیث اور اقوال ائمہ کرام سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابو القاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله والهكم التكاثر ثم قال اللهم انى قد جعلت ثواب ماقرأت من كلامك لاهل المقابر من المؤمنين والمومنات كانوا شفعا له على الله تعالى۔ (شرح الصدور ص ۱۳۰)

جو شخص قبرستان میں جائے پھر سورہ فاتحہ قل هو الله التکاثر پڑھے پھر کہے یا الہی میں نے تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخشا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے شفیع ہوں گے۔

دارقطنی میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا:

من مر على المقابر فقرأ قل هو الله احد احدى عشرة مرة ثم وهب اجرها الى الاموات أعطى من الاجر بعدد الاموات۔ (مراقی الفلاح حاشیہ طحاوی ص ۳۶۳)
جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ بار قل هو الله احد پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اسے ان مردوں کی برابر ثواب ملے۔

حضرت حجت الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احیاء العلوم میں نقل کیا کہ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ قول مروی ہے۔

قال اذا دخلتم المقابر فاقرأوا فاتحة الكتاب والمعوذتين وقل هو الله احد واجعلوا ذلك لاهل المقابر فانه يصل اليهم۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۳۰)

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تم قبرستان میں جاؤ تو سورہ فاتحہ اور معوذتین اور قل هو الله احد پڑھو اور اس کا ثواب ان اہل قبور کو پہنچاؤ بیشک وہ ثواب ان تک پہنچتا ہے ان دونوں احادیث اور اس قول سے اموات کے ایصال ثواب کے لئے سورہ فاتحہ سورہ اخلاص اور معوذتین کا پڑھنا ثابت اور سورہ کافرون کا ثبوت ابھی تاریخ ابن نجار کے حوالہ میں گذرا۔ لہذا جب ایصال ثواب میں ان پانچوں سورتوں کا پڑھنا ثابت ہوا تو فاتحہ مروجہ سے بھی ایصال ثواب ہی مقصود ہوتا ہے پس فاتحہ مروجہ میں بھی ان پانچوں سورتوں کا پڑھنا انہیں احادیث و اقوال سے ثابت ہوا اب اگر وہابی اس کا انکار کرے تو احادیث و اقوال ائمہ کا منکر ہے۔

درویش شریف پڑھنا: درود شریف کے بکثرت فضائل احادیث میں وارد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ فضیلت بھی ہے، ترمذی شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان الدعاء موقوف بين السماء والارض لا يصعد منها شيء حتى تصلى على نبيك۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۸۷)

بیشک دعا آسمان و زمین کے درمیان میں رکی ہوئی رہتی ہے اس سے کچھ بھی اوپر بلند نہیں ہوتا جب تک کہ تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے۔

یہی شریف میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے۔

کل دعاء محبوب حتی یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۱۲۳)

ہر دعا قبول ہونے سے روک لی جاتی ہے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھی جائے۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ جب تک دعا کے ساتھ درود شریف شامل نہ ہو وہ آسمان اور زمین کے درمیان میں معلق رہتی ہے اور قبول ہونے سے روکی جاتی ہے۔

فاتحہ میں چونکہ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب ہوتا ہے تو اس دعا کی اجابت اور قبول کی غرض سے درود شریف کو فاتحہ مرتبہ میں داخل کیا گیا لہذا اس کا انکار احادیث کا انکار ہے۔ کھانا یا شیرینی

کھانے یا شیرینی سے صدقات مالی مراد ہیں، میت کے اعزاء اقرباء دوست احباب بغرض ایصال ثواب صدقات مالی کرتے ہیں اور حسب توفیق سہل الحصول چیزیں تصدق کرتے ہیں، اب کوئی کھانے میں سہولت سمجھتا ہے، کوئی شیرینی میں آسانی جانتا ہے، ہر نوع سے مقصود صدقات مالی ہوتے ہیں، اور اموات کے لئے صدقات کرنے کی احادیث میں بہت تاکیدیں فرمائی گئی ہیں۔ بخيال اختصار چند احادیث پیش کرتا ہوں۔

ان رجلا قال یارسول اللہ ان امی اقلت نفسہا ولم توص واطنہا لو تکلمت تصدقت افلہا اجر ان تصدقت فیہا قال نعم۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۵)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ اچانک فوت ہوگئی اور اس نے صدقے کی وصیت نہیں کی میں گمان کرتا ہوں کہ اگر کلام کرتی تو صدقے کا حکم دیتی پس اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا بھلا ہوگا حضور نے فرمایا ہاں ہوگا۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان کے پیچھے وفات پائی وہ سرکار رسالت میں حاضر ہوئے۔

فقال یارسول اللہ ان امی ماتت وانا غائب هل ینفعها ان تصدقت عنہا قال نعم قال فانی اشہدک ان حاططی صدقة عنہا۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۸)

عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور میں موجود نہ تھا، پس اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع پہنچے گا؟ حضور نے فرمایا: ہاں پہنچے گا۔ سعد نے کہا تو میں حضور کو گواہ بنانا

ہوں کہ میرا باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

طبرانی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الصدقة لتطفی عن اہلہا حر القبور۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۸)

بیشک صدقہ مردوں سے قبر کی حرارت کو دور کر دیتا ہے۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

یارسول اللہ توفیت امی ولم توص ولم تصدق هل ینفعها ان تصدقت عنہا قال نعم ولو بکراع شاة محرقة۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۹)

یا رسول اللہ میری والدہ وفات پا گئیں اور انہوں نے نہ صدقہ کی وصیت کی نہ خود صدقہ دیا تو اگر میں ان کی جانب سے صدقہ دوں پس کیا ان کو نفع دیگا فرمایا ہاں نفع دیگا اگرچہ بکری کے جلے ہوئے پائے ہی دیں۔

ابوداؤد شریف وترمذی شریف میں حضرت جنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

رأیت علیا یضحی بکبشین فقلت له ما هذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانما اضحی عنہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸)

کہ میں نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ دو بکریوں کی قربانی کی، میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیسی ہیں حضرت علی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی جانب سے قربانی کروں تو میں وہی قربانی کرتا ہوں۔

ابوداؤد و نسائی شریف میں حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سرکار رسالت میں عرض کیا۔

یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بیرا فقال ہذا لام سعد۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۹)

یا رسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہوا تو کونسا صدقہ افضل ہے حضور نے فرمایا پانی تو ان کے لئے کنواں

کھودا گیا اور کہا کہ یہ ام سعد کا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عطاء اور حضرت زید ابن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی انہوں نے فرمایا: کہ ایک شخص نے خدمت اقدس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا۔

یا رسول اللہ اعتق عن ابی وقد مات فقال نعم۔ (شرح الصدور ص ۱۲۹)

یا رسول اللہ کیا میں اپنے والد کی جانب سے غلام آزاد کروں اور ان کا انتقال ہو چکا ہے فرمایا ضرور۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

ما من اهل میت يموت منهم ميت فتصدقوه عنه بعد موته اهداها له جبريل على طبق من نور ثم يقف على شفير القبر فيقول يا صاحب القبر العميق هذه هدية اهداها اليك اهلك فاقبلها فتدخل عليه فيفرج بها ويستبشر وتحزن جيرانه الذين لا يهدى اليهم شيء۔

(شرح الصدور ص ۱۲۹)

اہل میت کے شخص اپنی میت کی جانب سے اس کے مرنے کے بعد صدقہ کریں تو جبریل امیں نور کے طبق میں وہ ہدیہ لجاتے ہیں اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ اے گہرے گڑھے والے، یہ ہدیہ تجھے تیرے اہل نے تیری طرف بھیجا ہے تو اس کو قبول کر، اور وہ اس پر داخل ہوگا، پس وہ اسی وجہ سے خوش ہوتا ہے اور بشارت حاصل کرتا ہے اور اس کے وہ پڑوسی جن کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی گئی رنجیدہ ہوتے ہیں۔

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مردوں کے لئے ایصالِ ثواب صدقات کے ساتھ کرنے کی بہت تاکید ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صدقات ہی کی خاص جنس اور نوع کو اموات کے ایصالِ ثواب میں مقرر نہیں کیا گیا بلکہ مختلف اقسام کی چیزوں کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ جس کو جو چیز آسان اور سہل ہو اس کے ساتھ تصدق کرے اس لئے بعض احادیث میں صدقہ کو مطلق فرمایا۔ چنانچہ بیہقی اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی انہوں نے کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا تصدق احدكم بصدقة تطوعا فليجعلها عن ابويه فيكون لهما اجرها فلا ينقص

(طحاوی شرح مراقی الفلاح مصری ص ۳۶۳) من اجرہ شیء۔

جب تم میں کوئی شخص نفلی طور پر صدقہ دے تو اس میں اپنے ماں باپ کو بھی نیت میں شامل کرے کہ اس کا ثواب انہیں بھی ملے گا اور اس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

لہذا کھانا اور شیرینی بھی صدقات میں داخل ہیں تو یہ بھی حکم حدیث کے تحت میں مندرج ہوئے دن پر اعتراض کرنا کج فہمی و جہالت ہے اور دین کے ساتھ استہزاء و تمسخر ہے۔

رفع یدین:- یعنی بوقت فاتحہ ہاتھوں کا اٹھانا یہ خود ایک عبادت ہے چنانچہ علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

ان المحققين اتفقوا ان رفع الایدی الى السماء فی حال الدعاء تعبدی محض۔ (شرح فقہ اکبر مصری ص ۱۰۴)

بیشک محققین نے اتفاق کیا کہ بوقت دعا ہاتھوں کا آسمان کی طرف اٹھانا عبادت ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رفع یدین خود ایک عبادت ہے تو فاتحہ میں اس کی وجہ سے ایک اور عبادت کا اضافہ ہوا۔

علاوہ بریں فاتحہ کا مقصود اعظم اموات کے لئے دعاء مغفرت ہوتی ہے اور رفع یدین دعا کی سنت ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت ہے۔

چنانچہ بیہقی نے دعوات کبیر میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیه مسح وجهه بیدیه۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۶)

بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وقت دعا ہاتھوں کا اٹھانا اور چہرہ پر پھیر لینا سنت ہے۔ بلکہ ہاتھوں کا بوقت دعا اٹھانا اجابت و حصول مقصد کا سبب ہے۔ بیہقی شریف و ابوداؤد شریف و ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ربکم حی کریم یتسحی من عبده اذ رفع یدیه الیہ ان یردھما صفرا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵)

بیشک تمہارا پروردگار حیا والا کرم فرمانے والا ہے، جب بندہ اس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو خالی ہاتھ پھیر دینے سے حیا فرماتا ہے۔

ان احادیث کے باوجود فاتحہ میں ہاتھوں کے اٹھانے پر اعتراض کرنا اپنی نادانی و ناواقفیت کا اقرار ہے اور صریح طور پر سنت کا انکار ہے۔

کھانا رو برو ہونا: - کھانے کو سامنے رکھ کر دعا کرنا خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔

بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

یہ حدیث طویل ہے، خلاصہ مضمون یہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلیم کو یہ علم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا تناول نہیں فرمایا ہے، انہوں نے اپنی اوڑھنی میں چند جو کی روٹیاں پیٹ کر مجھے خدمت اقدس میں بھیجا۔ میں نے مسجد شریف میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، حضور نے فرمایا: کہ تجھے ام سلیم کے شوہر ابو طلحہ نے کھانا لیکر بھیجا ہے میں نے عرض کیا: ہاں۔ حضور مع صحابہ کرام ام سلیم کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے آگے بڑھ کر حضور کی تشریف آوری کی اطلاع دی۔ ابو طلحہ اس خبر کو سنا گھبرائے۔ ام سلیم نے کہا: اللہ و رسول اپنی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ اتنے میں حضور تشریف لائے اور صحابہ کرام حضور کے ہمراہ ہیں اور حضرت ام سلیم سے یہ فرماتے ہیں:

ہلمی یا ام سلیم ما عندک فانت بذلك الخبز فامر به رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ففت وعصرت ام سلیم عکة۔ فادمتہ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیہ ما شاء اللہ ان يقول ثم قال ائذن لعشرة فاذن لهم فاكلوا حتى شبعوا ثم خرجوا ثم قال ائذن لعشرة ثم لعشرة فاكل القوم کلہم وشبعوا والقوم سبعون او ثمانون رجلا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۷)

اے ام سلیم! جو کچھ تیرے پاس ہے حاضر کر۔ ام سلیم نے وہی روٹیاں حاضر کیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے توڑنے کا حکم فرمایا، انہیں توڑ دیا گیا۔ ام سلیم نے برتن سے اس میں گھی ڈکا کر سب کو ملا دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے الفاظ اسماء ثناء سے اس پر جو چاہا پڑھا، پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو اجازت دو، حضرت ابو طلحہ نے دس کو اجازت دی، انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور یہ نکل گئے، پھر فرمایا دس کو پھر اجازت دو، یہاں تک کہ ساری قوم نے سیر ہو کر کھایا اور قوم کے ستر (۷۰) یا

اسی (۸۰) شخص تھے۔

اسی طرح بخاری شریف و مسلم شریف میں انہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا، تو میری والدہ ام سلیم نے ایک برتن میں کھجور گھی دی، کامرکب کیا ہوا کھانا مجھے لیکر بھیجا، جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور نے تقریباً تین سو (۳۰۰) صحابہ جمع فرمائے۔

وضع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدہ علی الطعام ودعا فیہ وقال: ما شاء اللہ ان يقول فاکلوا حتی شبعوا اکلہم فقال لی ارفع فما ادری اذا وضعت کانت اکثر ام حین رفعت۔ (شفا شریف از شرح شفا مصری ص ۶۱۴)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کھانے پر رکھا اور اس پر دعا کی دور جو چاہا انواع ثناء اور اسماء سے پڑھا، تو سب نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ سیر ہو گئے، پھر حضور نے مجھ سے فرمایا: کہ اٹھالے، میں نے اسے جب اٹھایا تو میں نہیں جانتا کہ وہ کھانا رکھتے وقت زاید تھا یا اب زاید ہے۔

ان احادیث سے نہایت روشن طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا سامنے رکھ کر دعا کی اور اس پر حمد و ثناء اسماء سے کچھ پڑھا، اب وہابیہ کا ان احادیث میں محض اپنی رائے ناقص سے یہ تاویل کرنا کہ ان میں برکت کا ذکر ہے، بالکل بے دلیل ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تاویل تسلیم بھی کر لی جائے تو دعائے برکت کے لئے کھانا سامنے ہونا کب ضروری ہے۔ وہابیہ اس پر دلیل قائم کریں۔ اب باقی رہا براہین قاطعہ میں یہ کہنا کہ بوقت دعائے برکت کھانے کا رو برو ہونا مناسب ہے، تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ علاوہ بریں خود براہین کے قبلہ و کعبہ پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی اپنے رسالہ 'ہفت مسئلہ' میں اسی فاتحہ مروجہ کی بحث میں بوقت فاتحہ کھانا رو برو ہونے کا مناسبت سے ذکر فرماتے ہیں "اگر یہاں (فاتحہ میں) زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے، پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر رو برو موجود ہو تو زیادہ استحصال قلب ہوتا رو برو لانے لگے" (از رسالہ ہفت مطبوعہ مراد آباد)

لہذا جس طرح دعائے برکت میں کھانا رو برو رکھنے میں ایک مناسبت ہے اسی طرح فاتحہ میں بھی کھانا رو برو رکھنے میں ایک مناسبت ہے۔

استغفار:- اموات کے لئے طلب رحمت اور استغفار کرنا بھی نہ فقط احادیث بلکہ آیات سے بھی ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

قل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا۔ (بنی اسرائیل ع ۳۷)

عرض کر کہ میرے رب تو دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔

علامہ محی السنۃ علاء الدین علی بن محمد تفسیر خازن میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں۔

ای ادع اللہ لهما ان یرحمهما برحمة الباقیہ۔ (خازن شریف ص ۱۲۶ ج ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے دعا کرے کہ وہ اپنی رحمت باقیہ کے ساتھ ان دونوں پر رحم کرے۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ نسفی تفسیر مدارک میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں۔

ای لا تکف برحمتک علیہما النی لابقاء لہا وادع اللہ بان یرحمہما برحمة الباقیہ واجعلہ ذلک جزاء لرحمتہما علیک فی صغرتک وتریتہما لک والمراد غیرہ علیہ السلام۔

(مدارک مصری ج ۲ ص ۲۳)

تو ماں باپ پر اپنی اس رحمت کے ساتھ اکتفانہ کر جس کے لئے بقانہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ اپنی رحمت باقیہ کے ساتھ ان دونوں پر رحم کرے اور انہوں نے تجھ پر تیرے چھٹپنے میں جو رحم کیا اور تجھے پالا اس کی اس دعا کو جزا بنا، اور آیت میں خطاب غیر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔

آیت۔ والذین جاؤا من بعدہم یقولون ربنا اغفر لنا ولاجوننا الذین سبقونا بالایمان۔ (سورہ حشر ۱۳)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

علامہ اسمعیل حق تفسیر روح البیان میں اس آیت کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

وفی الآیۃ دلیل علی ان الترحم والاستغفار واجب علی المومنین الاخرین للسابقین منهم لاسیما لباہم ومعلمہم امور الدین۔ (تفسیر روح البیان مصری ج ۲ ص ۲۱۰)

اور آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ گذشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے خصوصاً اپنے آباء و اجداد اور دینی علوم کے استادوں کے لئے۔

ان آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ بعد والے مسلمانوں پر پہلے مسلمانوں کے لئے طلب رحمت اور استغفار کرنا ضروری ہے، اور ماں باپ، اجداد، اساتذہ پر اور تمام علمائے دین سلف صالحین کے لئے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوئی، اب اسی کی مؤید چند احادیث بھی پیش کر دی جائیں۔

تبہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ما الحیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقہ من اب وام واخ وصدیق فاذا لحقہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال وان ہدیۃ الاحیاء الی الاموات استغفار لہم۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶)

قبر میں وہ ایسا ہے جیسا ڈوبنے والا طالب مدد کہ وہ باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعا پہنچنے کا منتظر رہتا ہے، تو جب اسے وہ دعا پہنچتی ہے تو اس کو وہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اہل قبور پر اہل زمین کی دعا پہنچا دیتی ہے کہ داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کے لئے مغفرت طلب کرنا ہے۔

حضرت امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان اللہ عزوجل لیرفع الدرجات للعبد الصالح فی الجنة فیقول یارب انی لی ہذہ فیقول باستغفار ولدک لک۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶)

بیشک اللہ عزوجل نیک بندے کا جنت میں درجہ بلند فرماتا ہے، تو وہ بندہ عرض کرتا ہے: اے رب یہ مجھے کہاں سے ملا؟ فرماتا ہے: تیرے لئے تیرے بچے کے استغفار کے سبب سے۔

طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

امتی امۃ مرحومۃ تدخل قبورہا بذنوبہا وتخرج من قبورہا لا ذنوب علیہا تمحص عنہا باستغفار المومنین لہا۔ (شرح الصدور ص ۱۲۸)

میری امت مرحومہ امت ہے، اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور ان سے بغیر

گناہوں کے اٹھے گی، مسلمانوں کی مغفرت طلب کرنا انہیں گناہوں سے خلاصی دے گا۔

ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ مردہ اپنے اعزہ و احباب کی ۱۰ دن کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا ہے کہ ان کی دعا استغفار اس کے لئے مغفرت کا باعث اور رفع درجات کا سبب ہے۔ لہذا مومنین اقارب ہوں یا اجنبی سب کے سب اموات کے لئے دعائے استغفار کریں اور انہیں ایسا ہدیہ پہنچاتے رہیں۔

باجملہ فاتحہ مروجہ کی تفصیلی حقیقت یہ ہے جسکی ہر بات احادیث سے ثابت ہے۔ اب ان سب امور کا اجتماع جس کو فاتحہ مروجہ کہتے ہیں کسے بدعت ہو سکتا ہے۔ منصف کے لئے تو یہ تفصیل بہت کافی دانی ہے مگر منکر کے لئے فاتحہ مروجہ کی ہیئت کدائی پر کوئی ثبوت پیش کر دیا جائے۔

فاتحہ کی ہیئت کدائی

فاتحہ مروجہ سے اموات کے لئے طلب رحمت و مغفرت و ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے جس کا حکم بکثرت احادیث سے ثابت ہو چکا، اور اسی وصول ثواب و طلب مغفرت کے لئے فاتحہ مروجہ میں دعا کی جاتی ہے اور جب فاتحہ میں دعا کا وجود پایا گیا تو اس میں دعا کی قبولیت و اجابت کے آداب و اسباب کا لحاظ بھی ضروری ہوا۔ منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے داعی کا تلاوت قرآن کے بعد اس کے توسل سے دعا کرنا ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ القرآن فليسال الله به

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۲)

جس نے قرآن پڑھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے توسل سے سوال کرے۔

اسی فاتحہ مروجہ میں قرآن مجید کی چند افضل سورتوں کو پڑھ کر دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔

منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے درود شریف کا پڑھنا ہے جیسا کہ اوپر حدیث شریف میں گذرا اسی لئے درود شریف کو فاتحہ میں داخل کیا گیا۔

منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے کچھ صدقہ دینا ہے اسی لئے فاتحہ میں کھانا یا شیرینی کو بغرض تصدق لایا جاتا ہے۔

منجملہ انہیں آداب اجابت دعا کے قلب کا حاضر کرنا ہے کہ قلب غافل کی دعا قبول نہیں ہوتی چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعلموا ان الله لا يستحب دعاء من قلب غافل لاه۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵)

جانو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل والے کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

اسی غرض سے فاتحہ میں کھانے شیرینی وغیرہ کو سامنے رکھا گیا چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت اوپر منقول ہوئی کہ فاتحہ میں کھانے کا رو ہونا استحضار قلب کی زیادتی کے لئے ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فاتحہ مروجہ کا مقصد اعظم اموات کے لئے دعائے مغفرت و وصول ثواب ہے اور یہ تمام باتیں آداب اجابت دعا ہونے کی غرض سے فاتحہ میں شامل ہوئیں۔ لہذا فاتحہ مروجہ کی یہ ہیئت کدائی اس لئے ہوئی۔ اس پر اعتراض گویا احادیث پر اعتراض ہے، اس کو بدعت کہنا گویا احادیث کے احکام کو بدعت ٹھہرانا ہے۔ باوجود اس کے وہابی دھرم کے لئے ان کے سب سے بڑے پیشوا کا ایسا قاعدہ پیش کر دوں جس کے بعد کسی وہابی کو جائے سخن و مجال و مژدن باقی نہ رہے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں چند سوالات کے جواب لکھتے ہیں:

سوال پچیسواں:

صوفیائے کرام کے یہاں جو اکثر اشغال اور اذکار مثل رگ کیماس کا پکڑنا اور ذکر کرنا اور حلقہ برقرار نہیں بلکہ ویسے ہی، اور جس دم وغیرہ جو قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں بدعت ہے یا نہیں۔

الجواب:

اشغال صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں، سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے جیسے اصل علاج ہے مگر شربت بنفشہ صریح سے ثابت نہیں ایسے ہی سب اذکار کی اصل ثابت ہے جیسے توپ بندوق کی اصل ثابت ہے اگرچہ اس وقت میں نہ تھی سو یہ بدعت نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰)

سوال تیسواں:

کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:

قرون ثلاثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱)

سوال اکتیسواں:

بعض بعض صوفی قبور اولیاء پر چشم بند بیٹھتے ہیں اور سورہ الم نشرح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا سینہ کھلتا ہے اور ہم کو بزرگوں سے فیض ہوتا ہے اس بات کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس کی بھی اصل ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر بہ نیت خیر ہے فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱)
گنگوہی صاحب نے ان عبارات میں اشغال واذکار صوفیہ ذکرارہ جس دم، شربت بنفشہ، توپ، بندوق، ختم بخاری شریف، مراقبہ قبر وغیرہ سب کی ہیئت کذائی کو درست و جائز قرار دیا اور ان کی اصل نصوص سے ثابت ماکر ان کو بدعت سیئہ نہیں ٹھہرایا، اگرچہ یہ تمام چیزیں قرون ثلاثہ کے بعد وجود میں آئیں۔ تو ان عبارات سے قاعدہ کلیہ یہ نکلا کہ جس چیز کی اصل ہیئت نصوص سے ثابت ہو اور وہ بایں ہیئت کذائی قرون ثلاثہ میں نہ ہو لیکن وہ بہ نیت خیر ہے اور اس میں ذکر خیر ہے تو ایسی ہیئت کذائی درست و جائز ہے یہ بدعت سیئہ نہیں ہو سکتی۔

اب وہابی بہ نظر انصاف دیکھے کہ فاتحہ مروجہ کی اصل ہیئت یعنی ایصال ثواب واستغفار نصوص سے ثابت ہے پھر اس قدر بات کا انکار تو کوئی وہابی بھی نہیں کر سکتا۔ خود یہی گنگوہی صاحب براہین قاطعہ کے ص ۸۷ میں لکھتے ہیں۔ کوئی مفتی ایصال ثواب کا منکر نہیں لہذا فاتحہ کی اصل ایصال ثواب پر ہر وہابی کو اتفاق ہے۔ اب باقی رہی فاتحہ مروجہ کی ہیئت کذائی وہ اگرچہ قرون ثلاثہ کے بعد وجود میں آئی لیکن فاتحہ کو بہ نیت خیر کیا جاتا ہے اور اس میں ذکر خیر بھی ہے، تلاوت قرآن کے بعد دعا کی جاتی ہے، تو یہ فاتحہ مروجہ خود پیشوائے وہابیہ کے قاعدہ کے بموجب بھی جائز و درست ہے بدعت سیئہ نہیں۔ حاصل جواب یہ ہے کہ تمام آیات واحادیث اور اقوال صحابہ کرام وائمہ عظام سے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ مردوں کے لئے ایصال ثواب وطلب رحمت و مغفرت کرنا بلاشبہ جائز و درست ہے اسی کا نام ہمارے عرف ورواج میں فاتحہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فاتحہ کو تمام امت کا معمول اور طریق مسلمین کہتے ہیں اور اسے گنگوہی صاحب کے لئے لازم قرار دیتے ہیں۔ اور پیشوایان وہابیہ اس کو بدعت و ناجائز قرار نہیں دے سکتے۔

آج اگر چند وہابی اپنی جہالت و نادانی کم علمی و کم فہمی سے فاتحہ کو بدعت سیئہ و ناجائز کہیں تو وہابی آیات واحادیث کے بھی منکر ہوئے معمول امت و طریق مسلمین کے بھی مخالف ٹھہرے۔ خود اپنے پیشواؤں کی تصریحات کو ٹھکرانے والے قرار پائے۔ اور دین میں اپنی ناقص رائے کی مداخلت کرنے والے۔ بحمدہ تعالیٰ، اراہہ مختصر جواب انشاء اللہ تعالیٰ وہابیہ کے سارے حوصلے پست کر دیگا۔ ان کے اب دعاوی کو خاک میں ملادے گا۔ ہمیشہ کے لئے ان کے منہ پر مہر سکوت لگا دے گا۔

اب کسی میں جواب دینے کا حوصلہ پیدا ہو تو وہ کم از کم کسی ایک ہی صحیح حدیث کو صراحت سے خاص فاتحہ مروجہ کا بدعت و ناجائز ہونا ثابت کرے اور اقوال صحابہ وائمہ اربعہ سے فاتحہ مروجہ کے عدم جواز ومانعت پر کوئی تصریح نقل کرے اور ہمارے تمام دلائل کا معتبر و معتمد حوالوں سے مفصل طور پر رد کرے مگر انشاء اللہ کوئی وہابی تاقیامت کبھی ایسی جرأت نہ کر سکے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المستصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہل

(۸۳۲)

مسئلہ

کسی قریہ میں ہیضہ یا دبا پھیل جائے اور اہل قریہ گلی کوچہ میں نعرہ بکیر (اللہ اکبر) درود شریف باواز بلند نعرہ غوثیہ پڑھتے ہوئے گشت کریں اور دعائے شفا سفید کپڑے میں لکھ کر جگہ جگہ لٹکادیں اور یہ الفاظ عربی یا غیر عربی میں کہیں۔

اللھم دافع البلیات اذفع عن عبادک الآفات والبلیات۔ برحمتک وکرمک وبطفیل حبیبک ونبیک سیدنا ومولانا محمد المصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام وبتوسل عبدک الصالح شبیخنا المحترم سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔
اس کو بعض منع کرتے ہیں تو آیا ایسا کرنا اور یہ چیزیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جوابات کسی معتبر کتاب کے حوالے سے ہونا چاہیے۔ بیوا تو جرو!

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

دفع و با وغیرہ کے بکثرت اعمال منقول ہیں، احادیث میں بھی بعض طریقے موجود ہیں، گشت کرنے کے بھی چند طریقے بزرگوں کے معمول ہیں، ہر طریقہ عمل میری نظر سے تو گزر نہیں لیکن اس میں

کوئی بات خلاف شرع نہیں۔

نعرہ تکبیر: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب چیز ہے۔ مسلم شریف میں حضرت سرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

احب الکلام الی اللہ اربع لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و سبحان اللہ والحمد للہ۔

(تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۵۵)

اللہ کو چار کلام بہت محبوب ہیں ”لا الہ الا اللہ“ ”اللہ اکبر“ ”سبحان اللہ“ اور ”الحمد للہ“۔ اسی طرح درود شریف دفع حزن و کرب و حصول حاجات کے لئے بہترین عمل ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من عسرت علیہ حاجة فلیکثر بالصلوة علی فانہا تکشف الهموم والغوم والکروب وتکثر الارزاق وتقضى الحوائج۔ (دلائل الخیرات شریف)

جس پر کوئی حاجت دشوار ہو اس کو چاہئے کہ مجھ پر درود شریف کی کثرت کرے۔ کیونکہ درود شریف غموں، فکر و اور کرتوں کو دور کرتا ہے و دروزی زیادہ کرتا ہے اور حاجت روا کرتا ہے۔

نعرہ غوثیہ: بھی دفع خوف و بلا و حصول امن کے لئے عمدہ عمل ہے، خود حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں:

مریدی اذ دعانی بشرق او بغرب او نارل بحر طام

(ہامش ہجۃ الاسرار مصری ص ۲۳۴)

میرا مرید جب مجھے مشرق میں یا مغرب میں یا بحرِ دریا کے نیچے پکارے

فاغتثہ لو کان فوق ہواء اناسیف القضا لکل خصام

(ہامش ہجۃ الاسرار مصری ص ۲۳۴)

اگرچہ ہو اوپر ہوا سے اس کی فریاد کی کروں، میں ہر جنگ و جدال کرنے والوں کیلئے شمشیر قضا ہوں

توسل بنافی کل هول و شدۃ اغیثک فی الاشیاء طرا بہمتی

(ہامش ہجۃ الاسرار مصری ص ۲۲۸)

ہمارے ساتھ تو سل کر ہر خوف اور شدت میں میں تیری تمام چیزوں میں اپنا ہمت سے فریاد کی کروں گا

انا المریدی حافظ مایخافہ و احرسہ من کل شروفتۃ

میں اپنے مرید کے لئے جس سے وہ ڈرتا ہے حفاظت کرنے والا ہوں اور میں ہر شروفتۃ سے اس کی حفاظت کرتا ہوں۔

وفی البحر لونا دی باسمی حوتہ اجبت وانی للمناجین سامع

اگر دریا میں مچھلی میرا نام لیکر پکارے تو میں اجابت کروں اور میں مناجات کرنے والوں کی سننے

والا ہوں

و خلف نعابی قاف لو یسغبت الی مغاث فانی ثم للضرر دافع

(ہامش ہجۃ الاسرار مصری ص ۲۱۲)

کوہ قاف کی بلندی کے پیچھے اگر کوئی مجھ سے فریاد کی جا رہے تو میں وہیں سختی اور نقصان کا دفع کرنے والا ہوں

بالجملہ نعرہ غوثیہ کی اصل خود حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے ثابت ہوئی۔ لہذا ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب دفع بلیات و آفات و باعث رحمت و برکات ہونے میں تو کوئی مسلمان شبہ و شک نہیں کر سکتا، اسی لئے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک لیکر ان سے استمداد و استعانت کرنا بھی اہل اسلام کے لئے قابل انکار چیز نہیں ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الابدال یكونون بالشام وهم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا

یسقی بہم الغیث و ینتصر بہم علی الاعداء و یصرف عن اهل الشام بہم العذاب۔

(مشکوٰۃ شریف ۵۸۳)

ابدالِ شام میں رہتے ہیں، یہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے کسی کا وصال ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کا بدلہ اور قائم مقام کر دیتا ہے، ان ابدال کی برکت سے ابر کو سیرابی دی جاتی ہے اور دشمنوں پر انہیں کی مدد سے غلبہ حاصل ہوتا ہے اور انہیں کی برکت سے اہل شام سے عذاب دفع کیا جاتا ہے۔

حضرت محقق مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں اس حدیث کی شرح فرماتے

ہیں:

وخصیص باہل شام بجهت قرب وجوار و مزید ارتباط ایشان خواہد بود والا برکت و نصرت ایشان عالم را شامل است خصوصاً کسیکہ استعصار و استعانت کند بایشان۔ (احمد الممعات کشوری ج ۳ ص ۵۵۷)

اہل شام کی خصوصیت قرب وجوار اور ان کے ساتھ زیادتی ارتباط کی وجہ سے ہے ورنہ ان کی برکت و مدد عالم کو شامل ہے خاص کر جوان سے استعانت و طلب مدد کرے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں بروایت ابن عساکر انہیں اولیائے کرام کے متعلق ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

بہم یدفع البلاء عن هذه الامۃ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۳)

انہیں اولیا کی برکت سے اس امت سے بلائیں دفع کی جاتی ہیں۔

بلکہ نیک مسلمان کے سبب دفع بلا ہونے کے ثبوت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ فقط حدیث کی روایت کی بلکہ انہوں نے آیت کریمہ سے اس کا استشہاد کیا۔

چنانچہ علامہ بغوی تفسیر معالم میں انہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل لیدفع بالمسلم الصالح عن مائة اهل بیت من جيرانه البلاء ثم قراء ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولو لا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض لكن اللہ ذو فضل علی العالمین۔ (تفسیر معالم ج ۱ ص ۲۲۳)

بیشک اللہ عزوجل نیک مسلمان کے سبب اس کے ہمسایہ میں سو (۱۰۰) گھر والوں سے بلا دفع کرتا ہے۔ پھر حضرت ابن عمر نے یہ آیت ولو لا دفع اللہ الناس۔ الایہ تلاوت کی یعنی اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور اہل زمین تباہ ہو جاتے مگر اللہ سارے جہاں پر فضل کرنے والا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ذکر صالحین کے وقت نزول رحمت کی بشارت وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة۔ (موضوعات کبیر ص ۴۹)

صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

ان احادیث اور آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ بارش کا ہونا، دشمنوں کا معلوب ہونا، عذاب کا

موقوف ہونا، بلاؤں کا دفع ہونا، یہ سب ابدال کرام کی برکت اولیاء عظام کی وساطت سے ہے، ان کا ذکر باعث نزول رحمت ہے، جب ابدال و صالحین کا ذکر سبب دفع بلیات اور باعث نزول رحمت و برکات ہے تو قطب الاقطاب غوث الاغواث سید الابدال امام الصالحین سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر پاک تو اور زیادہ موجب دفع بلا و سبب نزول رحمت خدا ہے۔ لہذا ایسی بلیات اور آفات کے وقت نعرہ غوثیہ و استمداد سرکار قطبیت آیت کے موافق اور احادیث کے بالکل مطابق ہے، جو اس کے خلاف کہے وہ بدعتی منکر آیت و احادیث ہے۔

گشت: گلی کو چوں میں اسلئے ہوتی ہے کہ جہاں جہاں اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امام الصالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوگا اس ذکر کی برکت سے وہاں نہ آئے گی، اور آتی ہوئی دفع ہو جائے گی۔ کہ ان کا ذکر سبب نزول رحمت اور باعث دفع بلیات ہے، دعائے شفا وغیرہ ادعیہ و بآء کا جگہ جگہ لٹکانا یا مگانا۔ پر چسپاں کرنا سلف صالحین سے منقول ہے، اس میں کوئی ممنوع شرعی لازم نہیں آتا۔

اب باقی رہا دعائے مندرجہ فی السؤال کا جواز اس میں کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو تو کلام ہو نہیں سکتا کہ اس میں اللہ عزوجل کی جناب میں التجاہ ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غیر نبی یعنی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ توسل ہے اور ایسے مصائب و آفات کے دفع کرنے کے لئے نبی اور غیر نبی کے ساتھ توسل کرنے کا ثبوت خود حدیث شریف میں ہے صحابہ کرام خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہے۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم بنینا فاسقنا فیسقون۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۳۷)

جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ توسل حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانی طلب کرتے اور یہ فرماتے اے اللہ ہم تیری جناب میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل کرتے ہیں تو ہمیں سیراب کرتا اور اب ہم تیری جناب میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کا توسل کرتے ہیں پس تو ہمیں سیراب کر تو وہ لوگ سیراب ہوتے۔

حدیث میں وارد ہے کہ خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ

مسئلہ

(۸۳۵)

اگر واعظ کرسی یا چوکی پر رونق افروز ہوں تو سامعین جو نیچے بیٹھے ہوں قرآن پاک یا درود شریف کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اجواب:

قرآن شریف یا درود شریف باواز تو سامعین کو نہیں پڑھنا چاہئے اور آہستہ پڑھنے میں کوئی حرج بھی نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳ شوال المکرم ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۸۳۶)

کیا فرماتے ہیں علمای کرام اس باب میں

کہ بتاریخ ۲۰ اپریل (جو بحساب شمسی بقول مولینا شبلی نعمانی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ہے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارکہ کا بیان ذکر میلاد شریف، نعتیہ مشاعرہ، سلام خوانی و فاتحہ خوانی درست ہے یا کیا؟ اور ان امور کی ممانعت کرنے والا خاطی ہے یا کیا؟

المستفتی، گل افشان نواب پورہ مراد آباد

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

قمری حساب سے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت بنا بر قول مشہور کے ۱۲ ربیع الاول شریف ہے، ممکن ہے کہ شمسی حساب سے ۱۰ اپریل ہو۔ اب باقی رہا آپ کی تاریخ ولادت میں ذکر میلاد اور بیان سیرت پاک کرنا اور نعتیہ مشاعرہ قائم کرنا اور سلام و فاتحہ خوانی کرنا اور صدقات وغیرہ اور کار خیر تو یہ ہمیشہ سے سلف و خلف صالحین بلکہ تمام امت کا معمول رہا اور اب تک بھی ہے، اس کا استحسان نہ فقط عمل مسلمین سے ثابت بلکہ دلائل شرع قرآن و حدیث و اجماع مسلمین و قیاس سے بھی ثابت ہے جس کا کافی ذکر میرے مطبوعہ ”رسالہ عطر الکلام فی استحسان المولود والقیام“ میں ہے۔

اب جو اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس کو ممنوع کہتا ہے وہ بلاشبہ قرآن و حدیث کی مخالفت کرتا

ہے اور اجماع و قیاس کا منکر بنتا ہے، بلکہ وہ طریق و معمول مسلمین و صراط مستقیم سے کتراتا ہے۔ لہذا اس کے خاطی و گمراہ ہونے اور بے دین و جہنمی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اس کو قبول حق کی توفیق عطا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۸ شوال المکرم ۱۳۷۶ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۸۳۷)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں

کہ ریڈیو لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ نیز ٹپ ریکارڈ جس میں تقریر ریکارڈ کی جاتی ہے اور بجلی یا بیٹری سے مشین چلتی ہے مثلاً، ریڈیو کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

جائز ہے، ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، ریڈیو لاؤڈ اسپیکر ہندوستان میں کئی سال سے جاری ہے اس پر اب تک کوئی انکار نہ ہوا، ٹپ ریکارڈ ابھی عام نہیں ہوا ہے، یہ بھی ریڈیو کے قبیل سے ہے، ریڈیو لاؤڈ اسپیکر خبر رسانی کے لئے ہے اور ٹپ ریکارڈ اس لئے کہ متکلم کے کلام کو محفوظ کر کے بار بار سنا جائے سنا گیا ہے کہ اس کی وضع یورپ میں ہوئی۔ کونسل کے ممبران کی تقریروں کو ضبط کرنے کے لئے اور کچھ یوں میں گواہوں کی گواہیاں اور جج کے فیصلہ کو ضبط کرنے کے لئے۔ ہندوستان کے بعض محکموں میں بھی یہ مشین اس لئے رکھی گئی ہے کہ آفیسر کے حضور بعض ملازمین کوئی بات کہہ کر انکار نہ کر جائیں بالجمہ یہ آلہ لہو نہیں ہے (اور شاید کہ سوال کا یہی منشا ہے) لہذا یہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم منظر اسلام بریلی۔ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ دارالافتاء بریلی

تصدیق: مجھے ابھی تک اس ٹپ ریکارڈ کی کوئی خاص طور پر تحقیق حاصل نہیں ہے تو اگر واقع یہ آلہ لہو نہیں ہے اور اس سے دینی منافع حاصل کئے جاتے ہیں تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں، لہذا مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے۔

کتبہ: الفقیر الی اللہ عزوجل، العبد محمد اجمل غفرلہ الاول

اپنے عقیدہ اور ضمیر کے خلاف کر جاتا ہے، تو پھر اس کی معرفت اس طرح کی جاتی ہے کہ اگر تصنیفات وہابیہ سے ذوق رکھتا ہو اور ان کی توہین آمیز عبارات پر مطلع ہو کر بھی ان کے مصنفین کو اچھا اور مسلمان جانتا ہو تو وہ درپردہ وہابی ہی ہوتا ہے۔ لہذا شخص مذکور باوجود ان افعال کے بھی اگر اکابر وہابیہ کی تصنیفات اور ان کی توہین آمیز عبارات پر مطلع ہونے کے بعد بھی انہیں پیشوائے مذہب یا عالم دین یا کم از کم انہیں مسلمان جانتا ہو تو وہابی ہے اور اس کا ان امور کو اپنے خلاف عقیدہ و ضمیر کرنا محض تالیف قلوب یا فریب کی بنا پر ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) لاشک محفل میلاد و فاتحہ و نذر، نیاز باعث اجر و ثواب ہیں جب حلال مال سے ہوں۔ اور اگر حرام مال سود وغیرہ سے ہوں تو انکا کرنے والا مستحق ثواب نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ علم ہو جائے کہ اس شادی کا کھانا یا مٹھائی وغیرہ اسی سودی روپیہ سے ہے تو اس کے لینے اور کھانے سے احتیاط کرنی چاہئے باقی رہا اس کے میل جول سے بچنا اور اس کی تقریبات میں شرکت نہ کرنا اور ترک معاملات کرنا اگر اس سے اس کی اصلاح مقصود ہو اور اس کے درست ہو جانے کی قوی امید ہو تو کر سکتے ہیں ورنہ اس پر آشوب دور میں مسلمان سے صرف معاصی کی بنا پر ترک معاملات کرنا بجائے اصلاح کے کبھی مزید سرکشی کا باعث ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں ترک معاملات کی سزا دینے سے احتیاط کرنا ہی اس کے حق میں زیادہ مناسب و مفید ثابت ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) نویں دسویں محرم کے روزوں کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی احادیث سے ہے جو حضرات اہل بیت ہی میں داخل۔

چنانچہ بخاری و مسلم شریف میں ہے:

عن ابن عباس ما رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتحرى صیام یوم فضله علی غیرہ الا ذا الیوم یوم عاشوراء وهذا لشہر یعنی شہر رمضان۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی دن کے روزے کو اس کے غیر پر فضیلت تلاش کرتے ہوئے نہ دیکھا مگر اس عاشوراء دسویں محرم کو اور اس ماہ رمضان کو (یعنی ان کو سب پر فضیلت دیتے۔

مسلم شریف میں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی:

قال حین صام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم عاشوراء و امر بصیامہ قالو ایا رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ یوم یعظمہ الیہود والنصارى فقال رسول اللہ و لئن بقیت الی قابل لا صومن التاسع (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۹)

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود دسویں محرم کا روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم دیا، لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دن کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک باقی رہا تو نویں محرم کو ضرور روزہ رکھوں گا۔

بخاری و مسلم شریف میں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیہود صیاماً یوم عاشوراء فقال لهم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما هذا الیوم الذی تصومونہ فقالوا هذا الیوم عظیم نجی اللہ فیہ موسیٰ وقومہ وغرق فرعون وقومہ فصام موسیٰ شکراً فنحن نصلیہ فقال رسول اللہ فنحن احق واولیٰ بموسى منکم فصامہ رسول اللہ و امر بصیامہ۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۰)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو اپنے یہود کو دسویں محرم کو روزہ دار پایا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اس روز کس بنا پر روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: کہ یہ ایسا عظمت والا دن ہے کہ اللہ نے اس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا، تو اس دن حضرت موسیٰ نے شکر یہ کا روزہ رکھا، تو ہم بھی اس کا روزہ رکھتے ہیں، تو حضور نے فرمایا: ہم بہ نسبت حضرت موسیٰ کے تم سے زیادہ حق دار اور بہتر ہیں، تو حضور نے اس دن کا خود روزہ رکھا اور اس روزہ کا حکم دیا۔

رزین حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے راوی:

قال سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول صوموا التاسع والعاشر و خالفو الیہود۔ (ما ثبت بالسنۃ صفحہ ۱۱)

انہوں نے کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ نویں اور دسویں محرم کے

روزے رکھو اور یہودی مخالفت کرو (کہ وہ تو فقط دسویں کو روزہ رکھتے ہیں)

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی:

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر بصیام یوم عاشوراء۔

(ما ثبت بالنسبة صفحہ ۲)

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دسویں محرم کے روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔

نسائی میں حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی۔

قالت اربع لم یکن یدعھن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صیام عاشوراء والعشر وثلاثة ایام من کل شھر ورکعتان قبل الفجر۔ (ما ثبت بالنسبة صفحہ ۱۱)

انہوں نے کہا چار چیزیں ہیں جنہیں حضور ترک نہیں کرتے تھے (۱) دسویں محرم کا روزہ (۲) عشرہ ذی الحجہ کے نوروز (۳) ہر ماہ کے تین روزے (۴) فجر کی دو رکعت سنتیں۔

ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کنت صائما بعد شھر رمضان فصم المحرم فانه شھر اللہ تعالیٰ فیہ یوم تاب فیہ علی قوم ویتوب فیہ علی اخرین۔

(ما ثبت بالنسبة صفحہ ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو بعد ماہ رمضان کے روزے رکھے تو محرم میں روزے رکھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، اس میں ایک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی اور اس میں اوروں کی توبہ قبول کریگا۔

ان اہل بیت کرام کی روایت کردہ احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسویں محرم کا خود بھی روزہ رکھا اور اس کو کبھی ترک نہیں فرمایا، اور نویں محرم کے روزے کا بھی ارادہ فرمایا جس کے سنت ثابت ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے، اور پھر حضور نے اپنی امت کو ان روزوں کا حکم فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے نہ صرف ان کی روایت کی بلکہ ان کے لئے حکم بھی کیا۔ تو ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قدر تاکید حکم کے موجود ہوتے ہوئے حضرات اہل بیت کرام نے ان مسنون روزوں کو ہرگز ترک نہ کیا ہوگا کہ یہ حضرات تو قول و فعل

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بڑی سختی سے عامل تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۵ ربیع الآخر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۷ھ

(۸۴۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین نسبت مسائل کے، حوالہ جات قرآن و احادیث سے جواب عنایت فرمایا جائے۔

۱۰۔ احرم پر عام طور پر سبیل کی جاتی ہے اور اس کا ایصال ثواب حسین علیہ السلام کو پہنچایا جاتا ہے ایسا ایصال ثواب علاوہ سبیل دوسرے طریقہ سے پہنچایا جاسکتا ہے کیا سبیل کے ذریعہ ایصال ثواب پہنچتا ہے؟

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

ایصال ثواب جائز طریقہ سے جس چیز پر بھی کیا جائے یقیناً پہنچتا ہے، چاہے کھانے پر ہو چاہے پانی پر، مگر پانی کا ایصال ثواب تو زیادہ بہتر ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

عن سعد بن عبادۃ انه قال یا رسول اللہ! ان امی ماتت فای الصدقۃ افضل؟ قال الماء فحفر بیرا وقال هذه لام سعد۔ (رواہ احمد والترمذی والبوداوی والنسائی وابن ماجہ)

مروی ہے سعد ابن عبادہ سے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میری ماں مر گئی پس کونسا صدقہ بہتر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی۔ پس کنواں کھدوایا، اور فرمایا: نیہ سعد کی ماں کے واسطے ہے۔

تو حضور نے پانی کا صدقہ کرنے کو افضل و بہتر فرمایا اور اس کنوئیں کا نام بھی بیرام سعد رکھ دیا، تو اس حدیث کی بنا پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصال ثواب سبیل کے ذریعہ کرنا افضل و اولیٰ قرار پایا، نیز اور دیگر چیزوں پر اور دیگر طریقوں سے بھی ایصال ثواب ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ المتوسل بالنبی المرسل العبد الارذل محمد اول بن المفتی مولانا الحاج محمد اجمل نائب مفتی اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۷ھ

هذه الاجوبة كلها صحيحة محمد اجمل غفر الله عز وجل في بلدة سنه ۱۳۷۷ھ

مسئلہ

(۸۴۱)

ایک شخص عقیدہ حنفی رکھتا ہے اور پیش امام مسجد بھی ہے اگر کوئی شخص میلاد شریف کرتا ہے اور پیش امام صاحب سے پڑھنے کو کہتا ہے کہ آپ ذکر رسول اللہ کر دیجئے جملہ حال بیان کر دیتا ہے، ذکر پیدائش کے وقت قیام و سلام پڑھنے سے گریز کرتا ہے، اس سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حاجی لوگ مدینہ شریف مزار پاک آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام پڑھتے ہیں یا نہیں؟ جواب دیتا ہے کہ وہاں پڑھتے ہیں، تو سائل کہتا ہے کہ پھر آپ کوتاہل کیوں ہے؟ کیوں نہیں پڑھتے ہو، اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ میں صرف مزار پاک پر پڑھوں گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات النبی ہیں، علاوہ مدینہ پاک کے ضروری نہیں کہ دوسری جگہ پر پڑھا جاوے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ ذکر میلاد میں پیدائش کا پڑھنا اور سلام کا پڑھنا ضروری نہیں ہے، اگر تم لوگ ضروری سمجھتے ہو تو قول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور قول امام اعظم علیہ الرحمۃ سے ثابت کرو، یا اگر کہیں قرآن پاک یا حدیث میں ہو تو ثابت کرو، یا دوسری کتاب مستند سے ثابت کرو۔ غرضیکہ سلام و قیام کے خلاف ہے، ہم لوگ حنفی عقائد رکھتے ہیں، کہیں سے اگر آپ حضرات کے علم میں یہ ثابت ہے تو مع حوالہ کتاب و قول صحابہ کرام و قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و قرآن پاک و حدیث کا حوالہ دیکر مع آیات کے درج کر کے مطلع فرمائیے۔ اب ہم لوگ آپسے یہ در یافت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری نماز ایسے عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو جنگا عقیدہ حنفی ہے اقتدا ایسے امام کی کرنا چاہئے یا نہیں؟

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مناظرے کیلئے تیار ہیں۔ اب اگر تم لوگ ضد کر کے سلام و قیام پڑھواتے ہو تو ہم نہیں پڑھیں گے۔ براہ کرم جواب سے مطلع فرمائیے اور جو کچھ آپ کے علم میں ہو اس کے متعلق تحریر کیجئے۔ فقط امام علی تمباکو فروش قصبہ ڈاکخانہ خاص ضلع کھیری لکھیم پور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

بلاشبہ میلاد شریف کا پڑھنا اور اس میں بوقت قیام سلام پڑھنا نہ فقط جائز بلکہ مستحب ہے، اور قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس اور اقوال سلف و خلف سے اور عمل امت سے ثابت ہے، اس میں میرا مدلل مکمل رسالہ عطر الکلام فی استحسان المولود والقیام مطبوعہ موجود ہے، اور نہایت مبسوط کتاب ”انوار ساطعہ در بیان مولود فاتحہ“ چھپی ہوئی موجود ہے۔ ان میں نہایت کافی دلائل جواز مع

خواجگات مرقوم ہیں۔

نیز اس زمانہ میں میلاد و قیام کا کرنا اہل سنت کی علامت قرار پا چکا ہے، اور انکار و ہابیت و دیوبندیت کی علامت بن گیا ہے۔ لہذا شخص مذکور فی السؤال جب میلاد و قیام سے گریز کرتا ہے بلکہ اس سے صاف انکار کرتا ہے تو اغلب یہ ہے کہ وہ وہابی دیوبندی ہوگا، اور جب وہ ایسا ہے تو اکابر وہابیہ کو وہ اپنا پیشوا و عالم مانتا ہوگا اور ان کی کفری عبارات کو صحیح جانتا ہوگا۔ تو ایسے بدعقیدہ وہابی امام کے پیچھے کسی اہل سنت صحیح العقیدہ حنفی لوگوں کی تراز ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی، کبھی دیوبندی جماعت ہم اہل سنت سے ہرگز مناظرہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر وہ حقیقہ تیار ہیں۔ تو چیلنج مناظرہ اپنے کسی ذمہ دار مناظر کی طرف سے ہمارے پاس روانہ کریں اور باقاعدہ مناظرہ طے کر لیں تو ساری قلعی کھل جائیگی۔ اور حق و باطل کا فرق ظاہر ہو جائیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

مسئلہ

(۸۴۲)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دامت برکاتہم العالیہ مسائل ہذا میں
(۱) لڑکیوں کو گڑیوں سے کھیلنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) نماز میں تصویر شیخ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید جب نماز پڑھتا ہے تو اکثر ایسا موقع ہوتا ہے کہ اس کی نظر کے سامنے حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس کا تصور بندھ جاتا ہے اس سے نماز میں کوئی کراہت واقع ہوگی یا نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) لڑکیوں کے لئے گڑیوں سے کھیلنے کی اجازت ہے اور یہ صحیح ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گڑیاں تھیں جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ان کے پاس دیکھا، جو بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) نماز میں بالقصد تصور شیخ تو نہ کیا جائے۔ اور بلا قصد نماز میں تصور شیخ (یعنی شیخ کی صحبت کا تصور آجانا اور زیادہ تقرب کا وسیلہ ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر نماز میں نظر کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس کا تصور بندھ جائے تو اس سے نماز میں کسی طرح کی کراہت واقع نہ ہوگی کہ تشہد میں بوقت السلام علیک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور قصد کیا جاتا ہے۔ تو مزار اور اس کا تصور کس دلیل سے شرعاً ممنوع ہو سکتا ہے۔

کتبہ: المعصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۴۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ تلشی پور ضلع گوئڈہ میں ایک مدرسہ عربیہ تقریباً ۱۰ سال سے قائم ہے جس کے محرک و بانی حضرت علامہ الحاج عتیق الرحمان خان صاحب قبلہ مدظلہ العالی ہیں، مدرسہ کا نام مولانا موصوف نے انوار العلوم رکھا تھا، اب تک مولینا اس کے ناظم کی حیثیت سے کام بھی کرتے ہیں، کچھ مدرسہ کے طلباء وغیرہ نے مدرسہ کے نام کے آگے دارالعلوم تحقیقیہ انوار العلوم اضافہ کر دیا، رسید پر بھی نام چھپوا لیا اور عمارت پر بھی نام کندہ کر دیا۔ آج تقریباً ایک ماہ سے معاونین کے درمیان سخت تصادم ہے جس سے مدرسہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، حامیوں کی تعداد کچھتر فیصدی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اکثر مدارس کے ناموں میں بانی کا نام شامل ہے، جیسے جامعہ نعیمیہ، جامعہ نظامیہ، اشرفیہ، اجمل العلوم وغیرہ، اسی طرح یہاں بھی یادگار کے لئے شامل رہیگا۔ بعض معاونین کہتے ہیں اگر کرنا تھا تو پہلے کرتے، آج کیا ضرورت لاحق ہوئی وغیرہ۔ لہذا اس کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا جاوے اور یہ واضح کیا جاوے کہ مدرسہ کے ناموں میں کیوں نام شامل کیئے جاتے ہیں تاکہ نزاع ختم ہو۔

المستفتی، شیر بہادر خان متوطن لوکھوا پہلی مہول علاقہ ملشی پور ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

صدیوں سے امت کا یہی معمول رہا ہے کہ مدارس عربیہ کو بانی کے مذہب یا نام کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے، چنانچہ ۱۵۸۰ھ کے بعد مصر و قدس و بغداد وغیرہ مقامات پر مدارس قائم ہوئے، تو وہ

مدرسہ حنفیہ، مدرسہ شافعیہ، مدرسہ مالکیہ، مدرسہ حنبلیہ کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ یہ تو مذاہب کی بنا پر مدارس کے نام رکھے گئے۔ اور بانیوں کے نام سے اس طرح مشہور ہوئے مثلاً ۵۸ھ میں وزیر نظام الملک نے بغداد میں مدرسہ قائم کیا اس کا نام مدرسہ نظامیہ رکھا گیا جس میں حضرت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی جیسے اکابر نے درس دیا۔ نیز ۵۰۵ھ میں انہیں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے طوس میں مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ غزالیہ مشہور ہوا۔ اس طرح سلطان عزیز نے دمشق میں ۵۸۹ھ میں مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ عزیز یہ رکھا۔ اسی طرح بلاد اسلامیہ میں ہر قرن و ہر صدی میں بکثرت مدارس عربیہ ان کے بانیوں کے نام سے مشہور ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیشہ یہی معمول امت رہا لیکن مدارس کے بانیوں کی طرف منسوب ہونے پر نہ کسی نے انکار کیا نہ کسی طرح کا کوئی اعتراض کیا۔ علاوہ بریں بانی کا نام مدرسہ کے نام میں داخل کرنے میں چند مقاصد ہوا کرتے ہیں۔

(۱) یہ مدرسہ دوسرے مدارس سے ممتاز ہو جائے۔

(۲) بانی نے اس مدرسہ کی تعمیر میں جن مصائب اور تکالیف کا مقابلہ کیا ہے، تو اس نام کی بنا پر اس کو آئندہ فراموش نہ کیا جاسکے۔

(۳) مدرسہ کے نام میں بانی کے نام کا باقی رکھنا گویا اس کی خدمات کا شکریہ ادا کرنا ہے جس کا حکم حدیث شریف سے مستفاد ہے ”من لم يشكر الناس لم يشكر الله“ یعنی جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکریہ ادا نہ کیا۔

لہذا بانی مدرسہ کی خدمات کا فراموش کر دینا یہاں تک کہ اس کے نام کو مدرسہ کے نام میں داخل کرنے سے انکار کرنا بلاشبہ اس کی خدمات کا شکریہ ادا نہ کرنا ہے اور یہ مسلمان کی شان سے بعید ہے۔

(۴) اس پر فتن دور میں جب اہل سنت کے مذاہب پر بد مذہب رات دن حملے کر رہے ہیں تو مدرسہ کے نام میں بانی کا نام اس مدرسہ کو مذہبی اعتبار سے ممتاز کر دیگا اور اس کو بد مذہبوں کے اقتدار و قبضہ سے بھی محفوظ رکھے گا۔

(۵) مستقبل میں آئندہ نسلوں کے لئے یہ بانی کا نام بہترین سند بن جائیگا، چنانچہ میرا مدرسہ اجمل العلوم دروازہ پر اس نام کے کندہ ہونے کی بنا پر وہابیہ کے سخت حملہ سے محفوظ رہا۔ بلکہ اسی نام ہی کی بنا پر مقدمہ میں زبردست کامیابی ہوئی۔

لہذا ان وجوہ کی بنا پر مدرسہ کے نام میں سنی بانی کا نام ہونا ضروری قرار پایا۔ حاصل جواب یہ ہے

کہ جب حضرت مولینا الحاج عتیق الرحمن صاحب مدرسہ انوار العلوم تلمشی پور کے ناظم و بانی ہیں تو اس مدرسہ کو دارالعلوم حقیقیہ کہنا معمول امت کے موافق ہوا۔ اور اس نام میں ان کی خدمات کی شکرگزاری بھی حاصل ہوئی اور اس مدرسہ کے مدرسہ اہل سنت ہونے کی بین نشانی بھی ظاہر ہو گئی۔ اس نام سے آئندہ اہل سنت کے لئے سند بھی ہو جائیگا کہ اس مدرسہ کا حقدار وہ فرقہ ہے جو حضرت مولانا مذکور کا ہم مذہب و ہم مسلک ہو، تو ان اہم مقاصد کو مد نظر رکھ کر اب کسی معاون مدرسہ کو اس نام میں ہرگز ہرگز مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور بغیر کسی وجہ شرعی کے معمول امت کے خلاف نہ کرنا چاہئے۔ مولیٰ تعالیٰ قبول حق کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ

بجواب اشتہار وہابیہ چراغاں کے متعلق

مساجد میں چراغاں کرنا سنت ہے؛ اہل اسلام میں اختلاف کی بنیاد قائم کرنا۔ جنگ و جدال کا بیج بونا۔ فتنہ و فساد کی نئی نئی راہیں ایجاد کرنا وہابیہ کی ایسی عادت ہے۔ جس پر ان کے باطل مذہب کا دار و مدار ہے۔ مسلمانوں کو ان کے بعض افعال کی بنا پر بلا ان کی نیت اور قصد کے دریافت کئے ہوئے محض اپنے زعم سے کافر و مشرک۔ بدعتی و گنہگار بنادینا وہابیت کی اصل بنیاد ہے جس پر دین وہابیہ کی ساری تعمیر ہے، دنیا نے اسلام ان کے شرکی فتوے سے مشرک، عامۃ المسلمین ان کے مذہبی حکم سے بدعتی و گمراہ۔ ائمہ ثقافت کے اعتقادات ان کے مذہبی رد سے شریکیات و کفریات قرار پائے، سنن و مستحبات ان کے اصول سے بدعات و محرمات بن گئے، ظالموں نے امور خیر میں ہزار ہا نقص پیدا کر دیئے، بیدینوں نے مشروعات میں صد ہا احتمالات گڑھ دیئے، پھر اس پر اہل سنت و جماعت و حنفی المذہب ہونے کا دعویٰ باقی ہے۔

اب بھی مساجد میں ۱۲ ربیع الاول، ۲۷ رجب المرجب، ۲۶ رمضان المبارک، ۱۴ شعبان المعظم، ۱۱ ربیع الاخر کی شبوں میں چراغاں کرنا معمول ہے۔ ان کو وہابیہ نے بدعت و حرام قرار دیا، اور اس کی حرمت پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل خاص قائم نہ کر سکے، باوجودیکہ حرمت کے قائل کو دلیل خاص پیش کرنا ضروری ہے کہ شرعی قاعدہ یہی ہے۔

چنانچہ تفسیر خازن ص ۱۸۲۔ میں ہے۔ یہ عبارت اسی آیت کی تفسیر میں ہے جسے اس نے پیش کیا: الاصل فی جمیع الاشیاء الاباحۃ الا ما حظرہ الشارع ثبت تحریمہ بدلیل منفصل اور جب کوئی بدلیل صریح خاص سے ان کی حرمت ثابت نہ ہو سکی تو یہ خاص راتوں میں چراغاں کرنا مباح

ثابت ہوا؛

اب وہابیہ کا اس چراغاں کو محض اپنی رائے سے حرام و بدعت کہنا بقول خود شریعت کا مقابلہ اور دین میں ترمیم و تبدیل نہیں تو اور کیا ہے، بلکہ اصل بدعت یہی ہے کہ کسی شرعی مباح چیز کو محض اپنی عقل سے حرام کر دیا جائے۔ لہذا وہابی چراغاں کو حرام کہہ کر موجب بدعت ہوا اور شریعت کا مقابلہ کرنے والا ٹھہرا اور اللہ عز و جل و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بڑا الزام لگانے والا قرار پایا کہ اللہ و رسول ان خاص راتوں میں چراغاں کے متعلق بدعت و حرمت کی تصریح کرنا بھول گئے اور تیرہ سو برس کے بعد وہابی ملعون نے اس کی کوپورا کیا، العیاذ باللہ۔

بالجملہ اس چراغاں کی حرمت پر وہابیہ نے قرآن و حدیث سے نہ کوئی صریح دلیل پیش کی، نہ اب پیش کر سکتے ہیں، نہ کبھی آئندہ جرأت کر سکتے ہیں، لیکن عوام کی فریب کاری کے لئے جو اشتہار میں چند بے ربط باتیں ہیں ان کا انکشاف کر دیا جائے اور وہابیہ کے فریب کار از افشا کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ اشتہار وہابی کہتا ہے:

یہ چراغاں ایک ایسا عام مسئلہ ہے کہ اس میں عوام و خواص سب مبتلا ہیں تو ظاہر ہے کہ اس عبارت میں خواص علمائے دین و مفتیان شرع مراد ہیں تو گویا چراغاں کرنا اس کے نزدیک بھی علماء دین و مفتیان شرع کا عمل ہے، پہلے تو بے سوچے سمجھے لکھ گیا، اب جو دیکھا کہ لوگ فعل علماء کو سند بتالیں گے تو بے حواس ہو کر یہ خوبصورت تاویل کی۔ علماء میں سے کسی نے آج تک کسی کمزوری یا کسی مصلحت کی وجہ سے اس صریح اسراف و ناجائز فعل سے منع نہیں کیا۔

تو اس نے علماء کو شیطان بنایا کہ حدیث میں ایسوں کو شیطان فرمایا گیا ہے۔ لہذا علماء کو تو پایہ اعتبار سے یوں گرایا، اب مسلمان اہل حرمین کے فعل کو حجت جانتے ہیں، چنانچہ فقہ کی معتمد کتاب ہدایہ میں بکثرت اہل حرمین کے عمل کو حجت بنایا گیا، اس کو یہ مدعی حقیقت آنکھ بند کر کے صاف طور پر انکار کرتا ہے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے لوگوں کا کوئی قول و فعل حجت شرعیہ نہیں۔ لیجئے دعویٰ تو یہ کرتا ہے۔ حجت شرعیہ صرف یہ ہیں۔ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی۔ اور عمل یہ کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب یہ کہتی ہے کہ اہل حرمین کا فعل حجت ہے، آپ کہتے ہیں کہ حجت نہیں تو اس اشتہار وہابی کے نزدیک نہ فعل علماء سند، نہ قول و فعل حرمین حجت، نہ فقہ حنفی کا حکم واجب القبول پھر دعویٰ یہ کہ

میں حنفی المذہب اور فقہ کا ماننے والا ہوں

اب آگے دیکھئے قرآن ماننے کا حال۔ آپ چراغاں ثابت کرنے کے لئے قرآن سے یہ کیات پیش کرتے ہیں۔

(۱) ولا تسرفوا ان الله لا يحب المفسرفين

(۲) ان المبذرين كانوا اخوان الشياطين

تو یہ اشتہاری صاحب آیات سے استدلال تو فرمانے لگے لیکن جناب کو اسراف و تبذیر کے معنی تک معلوم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے تفسیر معالم میں اسی آیت دوم کے تحت میں ہے:

سئل ابن مسعود عن التبذير فقال انفاق المال في غير حقه۔

(معالم۔ ج ۴ ص ۱۲۸)

حضرت مجاہد کا اس میں قول منقول ہے۔

لو انفق الانسان ماله كله في الحق ما كان تبذيرا ولو انفق مدا في باطل كان تبذيرا۔

(ج ۴ ص ۱۲۸)

تفسیر صاوی میں اسی آیت کے تحت میں ہے

ورد من فعل السلف الذين خرجوا عن اموالهم في محبة الله ورسوله وصاروا

(ج ۲ ص ۲۹۵)

فقراء۔

تفسیر مدارک میں پہلی آیت کے تحت میں ہے "قد انفق بعضهم نفقة في خير كثير فقال صاحبه لا

(ج ۲ ص ۲۳۱)

خير في السرف فقال لا سرف في الخير۔

اور تفسیر خازن میں ہے پہلی آیت کے تحت میں پہلے قاعدہ شرعی والی عبارت لکھی۔

بالجمله ان ہر دو آیات کی تفاسیر سے یہ چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) تبذیر و اسراف کے معنی مال کا غیر حق میں خرچ کرنا۔

(۲) حق میں اگر کل مال بھی خرچ کر دیا جائے تو اسراف نہیں۔

(۳) اللہ و رسول کی محبت میں اگر سب مال خرچ کر کے فقیر ہو جائے تو اس میں اسراف نہیں

(۴) امور خیر میں جس قدر زائد خرچ کریں اسراف نہیں۔

(۵) اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔

(۶) ناجائز وہ ہے جس کی شارع سے ممانعت وارد ہو اور اس کی حرمت دلیل صریح خاص مستقل

سے ثابت ہو۔

اب اشتہاری صاحب نے نہ تو اسراف کے معنی بیان کئے، نہ محل صرف کی تعیین کی۔ پھر دو الفاظ

تو لکھ دیئے۔ ضرورت سے زائد اور زاید از حاجت۔ لیکن ضرورت و حاجت کا کوئی معیار نہیں بتایا۔

ضرورت و حاجت ایک سدر متق کے لئے ایک پیسہ کے پتے چبا لینے اور ستر عورت کے لئے زیر ناف سے

گھٹنے تک ٹاٹ لپیٹ لینے اور دھوپ و بارش سے بچنے کے لئے چھپر کے نیچے سکونت کر لینے سے کیا

حاجت پوری نہیں ہو جاتی۔ تو پھر انواع و اقسام کے لذیذ نفیس کھانے اور سوتی وادنی ورنشٹی طرح

طرح نئی وضع کے لباس اور اینٹ اور پتھر، چونے اور سیمنٹ کے پختہ اور عالیشان متعدد مکان کیا

ضرورت و حاجت سے زائد ہیں یا نہیں۔ تو ضرورت و حاجت کا معیار کیا ہے اور اگر ہیں تو ساری دنیائے

اسلام کے فرزند کیا آپ کے نزدیک شیاطین کے بھائی ہیں۔ جب صحابہ کرام و تبع تابعین کے قول و فعل

سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نیک کاموں اور اللہ و رسول کی محبت میں کل مال کا خرچ کر دینا بھی اسراف

میں داخل نہیں اور یہ اشتہاری صاحب ان سب کو اسراف میں داخل کرتے ہیں تو گویا اس کے نزدیک ان

سب حضرات نے اسراف کے معنی کو ہی نہیں سمجھا۔ ظالم نے ان کے فرمان لا سرف فی الخیر کا صاف انکار

کر دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے ان صحابہ کرام کو جنہوں نے حضور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سارا مال خرچ کر دیا اور فقر کو اختیار کیا اور وہ صلحائے امت جنہوں نے

نیک کاموں میں کل مال صرف کیا سب کو مسرف اور فضول خرچ قرار دیکر معاذ اللہ شیاطین کا بھائی بنا دیا۔

تو کیا اس کے نزدیک محبت خدا اور رسول اور تعظیم شعائر اللہ اور اظہار شکر و نعمت کی نیت سے نخل

و تلذذ فضول کام ہے۔ یہ شخص کون کون سی حاجت اور ضرورت اور کس کس نفع و فائدہ میں خرچ کرنے کو

اسراف نہیں جانتا اور کون کون سی ضرورت و حاجت ہے جس سے زائد کو اسراف کہتا ہے۔ دیوبند سے نجد تک

کے تمام اکابر و اصاغر سے مشورہ لیکر اس کا صحیح معیار بتائے۔

اب یہی مسئلہ چراغاں کو لیجئے۔ یہ بھی اسی آیت "لا تسرفوا ان الله لا يحب المفسرفين" کی

اس تفسیر سے جسے تفسیر خازن نے نقل کیا مباح الاصل ہے کہ چراغاں کی حرمت پر شارع سے کوئی دلیل

صریح خاص مستقل وارد نہیں ہوئی تو جب یہ مباح ہو تو امر خیر ہوا اور جب امر خیر ہوا تو لا سرف فی الخیر کے قاعدہ سے اس کو کون خارج کرے گا اور کس دلیل سے اس کو اسراف قرار دیا جائے گا۔ اگر وہابیہ میں جرأت ہے تو اس کی حرمت پر کوئی دلیل مستقل خاص صریح پیش کرے اور انشاء اللہ ایسی کوئی دلیل وہابی سے تو ممکن نہیں کہ وہ محض اپنی رائے اور گمان فاسد سے اس کو حرام کہتا ہے۔ لہذا ان تفاسیر نے یہ ثابت کر دیا کہ ان مبارک شبوں میں بہ نیت تعظیم شعائر اللہ چراغاں کرنا نہ حرام ہے اور نہ اسراف میں داخل۔ تو وہابی اس آیت کی مخالفت کرتا ہے کہ اس نے اس چیز کو حرام کیا جسے اللہ نے حرام نہیں کیا اسی کی ممانعت

”لا تسرفوا“ میں تھی بلکہ اسی آیت ”لا تسرفوا ان الله لا يحب المفسرفين“ کے بعد یہ آیت ہے۔ قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده (الآیہ) تفسیر مدارک میں ہے ”قل من حرم زينة الله من الثياب وكل ما يتحمل به) التي اخرج لعباده۔“ (ص ۳۹ ج ۲)

”ان جميع انواع الزينة فيدخل فيه جميع انواع الملابس ويدخل فيه تنظيف البدن من جميع الوجوه وهذا ناظر الى عموم اللفظ لا الى خصوص السبب۔“

(۳۹ ج ۲)

تفسیر خازن میں ہے

ذكر الامام فخر الدين الرازي انه يتناول جميع انواع الزينة فيدخل تحته جميع انواع الملابس والحلى ولولا ان النص ورد تحريم الاستعمال الذهب والحريز على الرجال لدخل في هذا العموم۔ (ص ۱۸۵ ج ۲)

اس آیت اور اس کی تفاسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ سارے لباس اور سب کھانے کی چیزیں اور تمام اقسام زینت جائز اور اس آیت کے عموم میں داخل جب تک اس کی حرمت پر کوئی دلیل مستقل خاص وارد نہ ہو۔ لہذا چراغاں کرنا بھی اقسام زینت میں بلاشبہ داخل، تو یہ اس آیت سے جائز۔ اب وہابی اسے ممنوع کہتا ہے تو وہ اس آیت کی مخالفت کرتا ہے اور اپنی رائے کو دین میں داخل کرتا ہے اور اسی کا نام بدعت ضلالہ ہے۔ لہذا وہابی بدعتی گمراہ ہوا اور اپنی پیش کردہ آیت کے مخالف ہو کر اللہ کی حد بندی سے آگے بڑھ گیا کہ مباح کو حرام بتانے لگا تو یہ فرمان آیت ظالم ہوا۔

اب باقی رہا اس کا حدیث سعد میں وضو کے اسراف سے استدلال، یہ اس کی جہالت ہے، اگر

اس کی شرح بھی دیکھ لیتا تو یہ غلط نتیجہ نہ نکالتا۔

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح فرماتے ہیں:

مراد باسراف دریں حدیث اثم است یعنی اگرچہ درکنار آب در نہر جاری اسراف و تضييع آب نیست وليکن در تجاوز از تقدیر شرعی اثم است۔ (ص ۲۲۸ ج ۱)

اسی طرح مسئلہ زکوٰۃ سے استدلال وہ اس کی انتہائی جہل کی دلیل ہے کہ اس میں اسراف علت کراہیت نہیں۔ بالجملہ چراغاں کو مطلقاً اسراف میں داخل کرنا اس کی جہالت ہے۔

پھر برائے فریب کاری یہ لکھتا ہے:

اب خاص راتوں کی چراغاں کی حرمت حدیث سے سنو۔

دعویٰ تو اس قدر بلند اور اس میں کوئی ایک ایسی حدیث پیش نہیں کی جس میں بصراحت چراغاں کی حرمت وارد ہو۔ اور جو احادیث اس نے پیش کیں ان سے مراد وہ بدعتی ثابت ہوا کہ اس نے محض اپنی رائے سے دین میں چراغاں کی حرمت کی نئی بات نکالی پھر اس کے آگے اپنی شان استدلال کی اور شان ظاہر کرتا ہے۔

یہ خاص راتیں۔ حضور۔ صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین اور تمام خاصان خدا کے زمانہ میں بھی آئیں مگر ہرگز ہرگز کہیں یہ ثابت نہیں کہ ان میں مساجد میں چراغاں ان ضرورت سے زائد اور اسراف کے درجہ میں کی گئی ہو۔

بصورت تسلیم یہ راتیں آئیں اور انہوں نے نہیں کیا لیکن یہ نہ کرنا اس کو حرام جان کر تھا، اس پر کیا دلیل ہے اور نہ کرنے میں دلیل حرمت قرار دینا آپ کی تینوں پیش کردہ حجت شرعیہ میں سے کس چیز سے ثابت ہے؟ اگر سچے ہو تو پیش کرو ورنہ اپنی غلطی کا اقرار کرو، باوجودیکہ قاعدہ یہ ہے۔ علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل يدل على الجواز وعم الفعل لا يدل على المنع (۱۶۶)

پھر لطف یہ ہے کہ چراغاں کرنیکی اصل کا خود ہی فعل صحابی سے اقرار ہے کہ حضرت تمیم داری نے روشنی کی، اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق نے رمضان میں تراویح میں روشنی بہ نسبت حضرت تمیم داری کے کچھ زیادہ کی، اگرچہ اس کی تاویل میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر بات نہ بنی، اسلئے کہ ہم آپ کی خاطر سے اگر تسلیم بھی کر لیں کہ حضرت تمیم داری کی روشنی بقدر ضرورت تھی، تو بقول آپ ہی کے حضرت عمر نے بہ

نسبت اس کے کچھ روشنی زیادہ کی۔ لہذا آپ کے اعتبار سے یہی تو اسراف ہوا کہ حضرت عمر والی روشنی ضرورت سے زائد اور زائد حاجت ہی تو ہوئی تو آپ کے حکم سے حضرت عمر نے قرآن کی آیات کی مخالفت کی احادیث کی مخالفت کی، آپ کے قول کے مطابق وہ صرف ہوئے، فضول خرچ ہوئے، بدعتی و گمراہ ہوئے، معاذ اللہ شیاطین کے بھائی ہوئے، پھر آپ کا یہ جرنیلی حکم صرف انہیں پر نہیں لگا بلکہ ان کی اس روشنی کرنے پر نہ اور صحابہ نے اعتراض کیا، نہ تابعین نے انکار کیا، نہ تبع تابعین نے اس کی مخالفت کی، نہ تمام امت نے ان کے اس فعل کو بری نظر سے دیکھا، تو اب صحابہ سے لیکر تیرہ سو برس کی تمام امت بدعتی و گمراہ اور قرآن و حدیث کے مخالف اور برادران شیطان ہوئے۔ العیاذ باللہ۔

مسلمانو! یہ ہے ان چند ملایان و یوبند کے اہلسنت و جماعت و خفی المذہب ہونیکی حقیقت کہ اپنے سوا ساری امت کو گمراہ و بدعتی کہتے ہیں، انہیں مخالفت قرآن و احادیث جانتے ہیں۔

بالجملہ کسی خاص شب میں کسی سرور دینی کی بنا پر مساجد میں روشنی کرنیکی اصل بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو صحابہ کرم کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، تو یہ فعل حضرت عمر فاروق کی سنت ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

علیم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين۔

لہذا جب تراویح میں ختم قرآن کی خوشی میں مساجد میں چراغان کرنا سنت ہے، تو ۱۲ ربیع الاول کی شب میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں اور ۲۷ ربیع الاول کی شب میں فضل معراج کی خوشی میں، اور ۲۷ رمضان کی شب میں لیلۃ القدر کی خوشی میں، اور ۱۵ شعبان کی شب میں شب بارات کی خوشی میں اور ۱۱ ربیع الاخر کی شب میں گیارہویں کی خوشی میں مساجد میں چراغان کرنا اسی اصل کے تحت میں داخل ہوا، اور جب اس کی اصل صحابہ سے ثابت ہوئی تو اس کو بدعت کون کہہ سکتا ہے اور ضرورت اور حاجت سے زائد قرار دیکر کون ناجائز و حرام کہہ سکتا ہے۔ اور اگر وہابیہ سچے ہیں تو کسی فقہ کی کتاب میں ان مبارک شبوں میں بیت اظہار فرحت و سرور اور بقصد تعظیم و اجلال چراغان کرنیکی بدعت و حرام ہونیکی تصریح دکھائیں۔

اب باقی رہیں جموی اور ماہیت بالسنۃ کی عبارتیں جو اشتہاری صاحب نے کیں ہیں ان میں ان چراغان کی ممانعت نہیں بلکہ شب بارات کی اس روشنی کی ممانعت ہے جس میں کوئی نیت خیر نہ ہو اور بغرض تفاخر وغیرہ مفسد کے اس زمانہ میں رائج ہوا اور اپنے مکانات اور دیوال پر اس کی رسم ہو۔

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق اسی ماہیت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:

ومن البدع الشنیعة ما تعارف الناس فی اکثر بلاد الهند من ایقاد السراج ووضعها علی البیوت والحدردان وتفاخرهم بذلك واجتماعهم للہو واللعب بالنار واحراق الکمریت۔

تو ایسی روشنی جس میں ایسے مفسد ہوں اور نیت خیر نہ وہ ضرور ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح مال وصیت یا وقف سے مسجد کی ضروری روشنی سے زائد چراغ جلانے واقعی ممنوع ہیں، تو ان سے تراویح کے ختم میں چراغان نہیں کر سکتے۔ تو وہابیہ کی یہ جہالت ہے کہ انہوں نے اس سے یہ غلط نتیجہ اخذ کر لیا کہ تراویح کے ختم میں چراغان ہی ناجائز ثابت ہوا، بلکہ ان مسائل کی حقیقت یہ ہے کہ وصیت و وقف میں مال دینے والے کی نیت کا لحاظ ضروری ہوتا ہے اور انہوں نے چراغان کی نیت سے نہیں دیا، لہذا ان کا مال اس مصرف میں خرچ نہیں ہو سکتا، مسلمانو! دیکھو کہ وہابیہ نے ہمارے عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے یہ جبارتیں پیش کر دی ہیں، ورنہ ان عبارت میں اس چراغان کی بحث ہی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب ان مبارک شبوں میں چراغان کرنیکی ممانعت نہ قرآن کریم سے ثابت، نہ حدیث شریف سے ثابت، نہ فقہ حنفی سے ثابت، تو اس کو محض اپنی ناقص رائے سے حرام کہہ دینا دین میں دخل دینا ہے، اسی کا نام بدعت ہے۔ لہذا وہابی بدعتی گمراہ ہوئے، تو اب اس اشتہار میں جس قدر بدعت اور بدعتی کے متعلق احادیث لکھی ہیں ان سب کا محمل وہابی اور یہ اراکین انجمن اصلاح المسلمین ہوئے۔

لہذا یہ لوگ بہت جلد تائب ہوں ورنہ ان کا روزہ مقبول نہ نماز، نہ کوئی عمل صالح۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں ہدایت کی توفیق دے آمین وما علینا الا البلاغ المبین۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۴۲ھ

(۸۴۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنے کو زید بدعت و حرام و ناجائز بتلاتا ہے اسی طرح عیدین و جمعہ میں یہی مصافحہ کو حرام و ناجائز قرار دیتا ہے۔ زید نے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی سے فتویٰ لیا ہے اسی کو وہ لو

گوں کو دکھلاتا ہے کہ دیکھو مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مسجدوں میں جو نمازی مسجد کے بعد نماز کے مصافحہ کیا کرتے ہیں انکو بھی روکا جا رہا ہے۔ زید نے درمختار اردو ترجمہ مترجم مولوی خرم علی کا حوالہ بھی دیا ہے کہ اس کے صفحہ ۳۸۵ میں یہی عبارت ہے اور محیط میں ہے کہ مصافحہ کرنا بعد نماز عید کے ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ نے اس کو نہیں کیا ہے، یہ طریقہ رافضیوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ جو عیدین میں کیا جاتا ہے ہندوستان میں رائج ہے وہ بھی بے اصل و مکروہ ہے۔ یہاں پر کتب فقہ و اقوال ائمہ دستیاب نہونے سے سخت پریشانی لاحق تھی۔ لہذا آپ حضرات کو تکلیف دی جاتی ہے کہ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اقوال ائمہ وغیرہ کتب معتبرہ سے مع حوالہ کتاب و یقید صفحہ اگر فتویٰ مرحمت فرمایا جائے تو عین نوازش اور اہلسنت والجماعت کی رہبری ہوگی۔ اور ایک بڑے فتنہ سے نجات بھی مل جائے گی۔

المستفتی سید عبدالرزاق کان اللہ لہ از اورنگ آباد کن۔

الجواب

لہم ہدایۃ الحق والصواب

بلا شک مسلمان سے مصافحہ اور معانقہ کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

ابوداؤد شریف میں یہ حدیث مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔

هل كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصافحوكم اذا لقيتموه قال: ما

لقيته قط الا صافحني وبعث ذات يوم ولم اكن في اهلي هو جئت اخبرت فاتيته وهو على

سرير فالتزمني فكانت تلك اجود واجود۔

کیا تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب ملاقات کرتے تو حضور تم سے مصافحہ فرماتے

تھے؟ ابوذر نے فرمایا: میں حضور سے جب ملاقات کرتا تو ہر مرتبہ مجھ سے مصافحہ کرتے، ایک دن حضور نے

مجھے طلب فرمایا میں گھر میں نہ تھا، جب میں آیات تو مجھے بتایا گیا، میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور

تحت پر جلو افروز تھے، تو حضور نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو یہ اور بہتر اور نفیس طریقہ ہے۔

اس حدیث شریف سے مصافحہ اور معانقہ کا سنت ہونا ثابت ہو گیا، اسی طرح کتب فقہ میں ہے

طحاوی حاشیہ مراۃ الفلاح میں ہے:

(طحاوی ص ۱۸۶ ج ۳)

المصافحة سنة في سائر الاوقات۔

ہدایہ میں ہے:

قالوا الخلاف في المعانقة في ازاروا احد، اما اذا كان علم قميص اوجبة فلا باس بها
بالاجماع وهو الصحيح۔

(ہدایہ ص ۴۶۶)

یعنی مصافحہ تمام اوقات میں سنت ہے، اور فقہا نے اس معانقہ میں اختلاف کیا ہے جس میں صرف ایک تہبند بند ہوا ہو، لیکن جب اس پر قمیص یا جبہ بھی ہو تو ایسے معانقہ میں باجماع کوئی حرج نہیں، یہی مفتی بہ مذہب ہے۔

اب اس حدیث اور کتب فقہ سے جب یہ ثابت ہو چکا کہ مصافحہ اور معانقہ نہ فقط جائز بلکہ سنت ہے تو اس کو ناجائز و بدعت اور مکروہ و حرام کوئی مسلمان تو کہہ نہیں سکتا، اب مخالفین کہ یہ کہہ دینا کہ ہم (اس مصافحہ اور معانقہ کو ناجائز و بدعت اور مکروہ و حرام کہتے ہیں جو نماز پنج گانہ اور خاص کر نماز صبح و عصر کے بعد اور جمعہ و عیدین میں کئے جاتے ہیں) دین میں اپنی رائے ناقص سے دخل دینا ہے اور حلال کو حرام ٹھہرانا ہے اور سنت کو بدعت قرار دینا ہے۔ مخالف آنکھیں کھول کر دیکھ کہ احادیث میں انکا حکم عام ہے تو تمام اوقات کو شامل ہے۔ اسی بنا پر علامہ طحاوی نے صاف طور پر فرمادیا (مصافحہ تمام اوقات میں سنت ہے) پھر اس حکم عام میں ان اوقات مخصوص کے شامل ہونے کی تصریحات بھی موجود ہیں، بخیاں اختصار صرف علامہ محمد طاہر کا حکم مجمع البحار سے نقل کیا جاتا ہے۔

ہی (المصافحة) سنة مستحبة عند كل لقاء وما اعتادوه بعد صلوة الصبح والعصر
لا اصل له في الشرع ولكن لا باس به وكونهم حافظين عليها في بعض الاحوال مفرطين
فيها في كثير منها لا يخرج ذالك البعض عن كونه مماورد الشرع باصلها و هي من البدع
المباحة۔ (مجمع البحار کشوری ص ۲۵۰ ج ۲)

یعنی مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت و مستحب ہے، اور یہ جو لوگوں نے نماز فجر و عصر کے بعد عادت مقرر کر لی ہے اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں، لیکن اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ اور انکا بعض اوقات میں مصافحہ کی پابندی کرنا اور کثیر احوال میں کوتاہی کر جانا ان بعض اوقات کو اس بات سے خارج نہیں کر دیتا جنکی اصل کیساتھ شرع وارد ہوئی اور یہ عادت (یعنی نماز فجر و عصر کے بعد پابندی سے مصافحہ کرنا بدعات مباحہ میں سے ہے)۔ (یعنی ناجائز و حرام نہیں)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت ہے خواہ وہ ملاقات شوال میں ہو یا ذی الحجہ میں۔ یا ہر ماہ میں ہو یا ہر ہفتہ میں۔ دن میں ہو یا رات میں۔ صبح کو ہو یا شام کو۔ عید کو ہو یا شب

برات کو۔ جمعہ کو یا پیر کو۔ فجر کے وقت ہو یا عصر کے وقت۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی بوقت ملاقات مصافحہ کیا جائے گا وہ مصافحہ سنت ہی قرار دیا جائیگا۔ کوئی ماہ، کوئی دن، کوئی وقت، اس کو سنت سے خارج نہ کر سکے گا، لہذا نماز پنج گانہ کے بعد کی پابندی، یا جمعہ وعیدین کا تعین، مصافحہ کو سنت سے خارج نہیں کرتا اور نماز فجر وعصر کے بعد مصافحہ کی عادت داخل سنت ہے۔ اب باقی رہا زید کا درمختار اور اس کے ترجمہ اردو مترجمہ مولوی خرم علی کا حوالہ، اس میں زید نے کذب و افترا کیا ہے۔ پہلے ہم ان کی اصل عبارت بعینہ نقل کئے دیتے ہیں۔

واطلاق المصنف تبعاً للدرر والکنز والوقایة والتقایة والمجمع والملتقی وغیرہا یفید جوازها مطلقاً ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة ای مباحة حسنة كما افاده النووی فی اذکاره وغیرہ فی غیرہ۔

(رد المحتار مصری ص ۲۵۲ ج ۵)

اور مصنف کا اطلاق یعنی بلا قید مصافحہ کا جواز رکھنا درر، اور کنز، اور وقایہ، اور نقایہ، اور مجمع، اور ملتقی وغیرہا کا تابع ہو کر مفید ہے جواز مصافحہ کا ہر وقت اگرچہ مصافحہ بعد عصر کے ہو۔ اور علماء کا یہ کہنا کہ ”مصافحہ عصر کے بعد بدعت ہے“ یعنی مباح اور بدعت حسنہ ہے۔ چنانچہ نووی شافعی نے اس کو اپنی کتاب اذکار میں بیان کیا ہے، اور نووی کے سوا اور علماء نے بھی اور کتابوں میں مذکور کیا ہے (از غایۃ الاوطار ترجمہ از درمختار جلد چہارم ص ۲۱۷۔ ترجمہ مولوی خرم علی۔)

یہ ہے عبارت درمختار اور اس کا ترجمہ اردو مترجم خرم علی۔ پھر اس کے ایک سطر کے بعد مترجم اذکار نووی کے ترجمہ کا مزید اضافہ اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

اذکار نووی میں یوں ہے کہ مصافحہ مستحب ہے ہر ملاقات کے وقت اور یہ جو فجر اور عصر کی عادت ہے تو اس کی شرع میں اس وجہ خاص سے کچھ اصل نہیں، لیکن اس کا بھی کچھ مضائقہ نہیں، اس واسطے کہ اصل مصافحہ سنت ہے، تو بعض اوقات میں مصافحہ کرنا اور اکثر اوقات میں نہ کرنا بعض وقت کے کرنے کو مصافحہ مشروع سے خارج نہیں کر دیتا، کذا فی الطحاوی۔

اس کے بعد مترجم حاصل بحث اور نتیجہ تحقیق اور خلاصہ حکم ان الفاظ میں لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ اصل مصافحہ سنت ہے اور خصوصیت وقت بدعت حسنہ ہے۔

(از غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار جلد چہارم کتب الخطر والاباحہ باب الاستبراک شوری ص ۲۱۵)

درمختار اور اس کے ترجمہ سے اس قدر باتیں ثابت ہیں۔

(۱) ہر وقت میں مصافحہ کا جواز تنویر الابصار میں ہے۔

(۲) درر میں ہے

(۳) کنز الدقائق میں ہے۔

(۴) وقایہ میں ہے۔

(۵) نقایہ میں ہے۔

(۶) مجمع الانہر میں ہے۔

(۷) ملتقی الابحر میں ہے۔

(۸) اور متون فقہ میں ہے۔

(۹) نماز عصر کے بعد کا مصافحہ بھی جائز ہے۔

(۱۰) مصافحہ عصر کو جن علماء نے بدعت کہا ہے ان بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔

(۱۱) بلا قید مصافحہ کا جواز اذکار نووی میں ہے۔

(۱۲) ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے۔

(۱۳) فجر وعصر کے بعد مصافحہ کی عادت مقرر کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

(۱۴) بعض اوقات میں مصافحہ کی پابندی کرنا مصافحہ مشروع سے خارج نہیں کر دیتا ہے۔

(۱۵) یہی حکم طحاوی میں ہے۔

(۱۶) جب اصل مصافحہ سنت ہے اور بعض اوقات کا مصافحہ اس سے خارج نہیں تو بعض اوقات

کا مصافحہ بھی سنت قرار پایا۔

(۱۷) خود مترجم کے نزدیک بھی خصوصیت وقت کا مصافحہ بدعت حسنہ ہے۔

(۱۸) خصوصیت وقت کا مصافحہ نماز پنج گانہ کے بعد کا مصافحہ ہے تو یہ بدعت حسنہ ٹھہرا۔

(۱۹) اسی طرح خصوصیت وقت کا مصافحہ جمع وعیدین کا مصافحہ بھی ہے تو یہ مصافحہ بھی بدعت

حسنہ ثابت ہوا۔

(۲۰) او بدعت حسنہ ان کے مذہب میں سنت میں داخل ہے۔

چنانچہ مجتہد دہلوی مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں کہتے ہیں:

بدعت کوئی حسنہ نہیں اور جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۱۰)

لہذا مترجم خرم علی کے نزدیک ہر نماز کے بعد کا مصافحہ خصوصاً نماز فجر وعصر کا مصافحہ جمعہ وعیدین کا مصافحہ سنت قرار پایا۔ زید نے ان کو مکروہ و ناجائز اور بدعت کہہ کر افعال مشروع و مکروہ و ناجائز کہا اور اعمال مسنونہ کو حرام ٹھرایا اور سنت کو بدعت قرار دیا، لہذا زید کی اس سے زائد اور کھلی بیوی گمراہی کیا ہوگی کہ درمختار پر افترا کیا۔ مترجم خرم علی کی طرف جھوٹی نسبت کی، لہذا زید اپنے اوپر ”لعنة الله على السكاذبین“ پڑھ کر دم کرے اور مساجد و مجامع میں اپنے کذب و افترا کا اعلان کرے۔ اور مفتی کفایت اللہ کی کیا شکایت کجائے کہ انکا اور ان کے بزرگوں کا پیشہ ہی یہ ہے کہ وہ سنت کی قطع و برید کی جستجو میں ہی رہتے ہیں، اگر انہوں نے اپنے پیشوا خرم علی کی پیش کردہ سنت کا بالکل استیصال کر دیا جب تو اپنی قوم کے مفتی ہیں اور اگر اس میں سے کچھ باقی رہا تو ظاہر ہے کہ وہ کھلی ہیں۔ انہیں احکام شرع کے قطع و برید کرنے میں نہ خوف خدا، نہ غلط فتویٰ دینے میں شرم و حیا۔ نہ جھوٹا حوالہ دینے سے عار نہ حمایت باطل سے انکار۔

اب باقی رہا زید کا درمختار کے اردو ترجمہ مترجم مولوی خرم علی کے (ص ۳۸۵) کا حوالہ، اس میں پہلا مکر یہ ہے کہ اس کتاب کی جلد دوم و سوم و چہارم کے (ص ۳۸۵) پر زید کی اس عبارت کا ایک حرف بھی نہیں۔ اور جلد اول میں مولوی خرم علی کا ترجمہ (ص ۱۷۸) کے نصف تک ہے، اور پھر انکا ترجمہ (ص ۵۸۷) سے شرع ہو کر آخر (ص ۶۲۹) تک ہے تو (ص ۳۸۵) پر مولوی خرم علی کا ترجمہ ہی نہیں ہے، مولوی خرم علی کے ترجمہ کی عبارت ہم نے جلد چہارم سے اوپر نقل کی جس میں صاف طور پر ہے کہ اوقات مخصوصہ میں مصافحہ نہ فقط جائز و مشروع بلکہ سنت ہے، تو زید کا ان کی طرف اس عبارت کی نسبت کرنا دجل و فریب اور کذب و افترا ہے۔ دوسرا مکر یہ ہے کہ درمختار کا ترجمہ نصف (ص ۱۷۸) سے (ص ۵۲۶) تک صرف جلد اول ہی میں احسن صدیقی نانوتوی نے کیا ہے، تو اب (ص ۳۸۵) کے ترجمہ کا مترجم بھی احسن نانوتوی ہیں اور وہ عبارت ان کی ہے نہ کہ مولوی خرم علی کی، تو زید کا یہ جانتے ہوئے واقعہ کے خلاف کہنا اور احسن نانوتوی کو اس کا مترجم نہ ظاہر کرنا صریح کذب ہے۔

تیسرا مکر یہ ہے کہ مترجم نے محیط کی اصل عبارت پیش نہیں کی، معلوم ہوتا ہے کہ اصل عبارت میں کوئی بات تھی جس کا نقل کرنا مناسب نہ سمجھا، کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے۔

چوتھا مکر محیط و فتاویٰ سے ہے، اور متون و شرح کی تصریحات کا بیان درمختار کی عبارت میں گزرا کہ مصافحہ ہر وقت میں جائز و مشروع ہے بلکہ بدعت حسنہ ہے جو داخل سنت ہے، تو متون و شروح کے

مقابلہ میں فتاویٰ کو پیش نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ شامی میں ہے:

صرحوا به من ان مافی المتون مقدم علی مافی الشروح و مافی الشروح مقدم علی مافی الفتاوی۔
(شامی مصری ص ۵۱ ج ۱)

تو تنویر و درر و کنز و قایہ و نقایہ و مجمع و ملقی سب متون ہیں، اور یہی شروح میں ہے۔ لہذا ان کے مقابلہ میں محیط کی عبارت نہ قابل فتویٰ نہ لائق عمل ہے، تو مترجم کا محیط کو پیش کرنا قول مرجوح کو پیش کرنا ہے، اور قول مرجوح کا نقل کرنا جہالت و خرق اجماع ہے، بالجمہ زید اور اس کی ساری جماعت وہابیہ نماز ہنگامہ کے بعد، یا بے پابندی نماز فجر و عصر کے بعد، یا جمعہ و عیدین میں مصافحہ کو مکروہ و ناجائز اور بدعت و حرام کسی معتبر کتاب سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے، بلکہ یہ محض اپنی ناقص فہم اور باطل رائے سے شریعت میں دخل دینا ہے۔ اب باقی رہی مترجم کی عبارت اس سے معلوم ہوا کہ معافقہ (عیدین) جو ہندستان میں رائج ہے وہ بے اصل و مکروہ ہے۔

محیط کی عبارت کا ترجمہ تو ہو نہیں سکتا کہ اس کے ان الفاظ (اس سے معلوم ہوا) سے ظاہر ہے کہ یہ مترجم کا اپنا استدلال ہے اور خود اپنی نا فہمی و لاعلمی کی دلیل ہے، اس عبارت میں مترجم نے معافقہ عید کو بے اصل و مکروہ قرار دیا۔ میں پہلے اس معافقہ کی اصل ثابت کر دوں۔

اس کی اصل خود احادیث سے ثابت ہے، میں نے بحیال اختصار جواب میں صرف ایک حدیث پیش کی ہے، اسی کی شرح ملاحظہ ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ”اشعۃ اللمعات“ میں تحت حدیث فرماتے ہیں:

از نیجا معلوم گردد کہ معافقہ در غیر حال قدوم از سفر نیز آمدہ از برائے اظہار محبت و عنایت۔

(اشعۃ اللمعات ص ۲۳ ج ۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معافقہ سفر سے آنے کے سوا اور حال میں اظہار محبت و عنایت کے لئے بھی ثابت ہے، اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے جو معافقہ کیا تھا یہ وہ معافقہ نہیں تھا جو مسافر کے سفر سے آنے کی وقت کرنا مسنون ہے، بلکہ یہ معافقہ محض اظہار محبت و عنایت کے لئے تھا، تو معافقہ بغرض اظہار محبت و عنایت بھی مسنون ثابت ہوا، اور یہ بات ہر خاص و عام پر ظاہر ہے کہ عیدین کی اصل یہ حدیث قرار پائی۔ اب مترجم کا اس کو

بے اصل قرار دینا غلط اور باطل ثابت ہوا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے پارہ ۱۱۴۴ کی تفسیر میں عزیزی میں قصہ اصحاب سبت نقل فرمایا جسکا خلاصہ کہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حرام کر دیا تھا، اس قوم میں تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اس دن میں شکار کیا۔ دوسرے نے انہیں شکار سے منع کیا اور پند و نصیحت کی۔ تیسرے نے نہ خود شکار کیا نہ نہیں منع کیا۔

سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورہ اعراف میں اس قصہ کو پڑھ کر رونے لگے، لوگ آپ کے رونے پر متحیر رہے، حضرت عکرمہ جو آپ کے شاگرد اور خادم خاص تھے حاضر ہوئے اور رونے کی وجہ دریافت کی، فرمایا: میں اس قصہ میں یہ غور کرتا ہوں کہ شکار کرنے والا گروہ تو اپنی سرکشی کی بنا پر ہلاک ہو گیا، اور وہ گروہ جنہوں نے ان سرکشوں کو پند و نصیحت کی اور منع کیا عذاب سے محفوظ رہے اور نجات حاصل کی، اور وہ گروہ جو ساکت رہا جنہوں نے نہ خود شکار کیا نہ شکاریوں کو منع کیا، اس گروہ کا کیا حال ہوا۔ خیال میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کیا، شاید یہ ان نا فرمانوں کے ساتھ مواخذہ میں شریک کر دیا گیا ہو۔ یہ بات سوچ کر میں رونے لگا اور مجھے یہ خوف طاری ہوا کہ اکثر لوگوں سے سکوت اور مدامت صادر ہو جاتی ہے، تو اس کے جواب میں حضرت عکرمہ نے با ادب عرض کیا:

یا حضرت! حکم ساکتان حکم واعظان است بلاشبہ نجات یافتہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمود: ایں دعویٰ راجحہ دلیل میگوئی تا خاطر من تسلی پذیرد، عکرمہ گفت کہ بارہا از شانشیدہ ام و نیز از مقررات شرع است کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ است و در فرض کفایت بجا آوردن بعض بجا آوردن کل دارد، و ہر گاہ کہ بعض جماعت کردند عہدہ از ہمہ ساقط شد و ساکتان را مواخذہ نہ ماند، اگر کل سکوت می کردند البتہ شریک گنہگار ان میشدند، منع ایشان واعظان را بنا بر آن بود کہ از قبول امر و نہی مایوس شدہ بودند، نہ از راہ مدامت و رضا بگناہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما را شنیدن ایں کلام نہایت بہجت و سرور داد، برخاستند و پیشانی عکرمہ را بوسہ دادند و او را در برگرفتند و برابر خود نشاندند۔

(تفسیر عزیزی پارہ ۱۱۴۴۔ مطبوعہ بمبئی ص ۳۴۶)

حضرت سکوت کرنے والوں کا حکم واعظوں کی طرح ہے کہ انہوں نے بے شبہ نجات پائی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میری تسکین خاطر کے لئے اس دعویٰ کی دلیل پیش کرو،

حضرت عکرمہ نے عرض کیا: میں نے چند بار آپ ہی سے سنا ہے اور یہ قاعدہ شرع میں سے بھی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ میں چند کا ادا کرنا کل کے ادا کرنے کا حکم رکھتا ہے۔ کہ جہاں ایک گروہ نے امر بالمعروف کر دیا تو فریضہ سب کے ذمہ سے ساقط ہو گیا، اور سکوت کرنے والوں پر کچھ مواخذہ نہیں رہا، ہاں اگر سب نے ہی سکوت کیا تو یہ گنہگاروں کے شریک ہو جائیں گے، اور انکا واعظوں کو منع کرنا محض اس بنا پر تھا کہ یہ لوگ ان کے نصیحت پر یہ ہونے سے ناامید ہو چکے تھے، نہ اسلئے تھا کہ یہ گناہ سے رضا مند اور مدامت کیلئے منع کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کلام کو سنا بہت خوش ہوئے اور چہرہ پر آثار سرور نمایاں ہوئے اور کھڑے ہو کر حضرت عکرمہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان سے معاف کیا پھر انہیں اپنے برابر بٹھالیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسرت و خوشی میں کھڑے ہو کر حضرت عکرمہ کی پیشانی پر بوسہ لیا اور ان سے معاف کیا۔ تو اس معاف کی بنا فرح و سرور ہی تو ہے۔ لہذا فرح و سرور کی وقت معاف کرنا سنت صحابہ قرار پایا۔ اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ عید کا دن فرح و سرور کا دن ہے، تو معاف عیدین کا سنت صحابہ ہوتا اس واقعہ سے ثابت ہو گیا اور اس معاف کی اصل یہ فعل صحابی ہے۔

اب مترجم تو زندہ نہیں مگر اس کے ماننے والے دیوبندی قوم کے لوگ تو موجود ہیں، وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ مترجم نے جس کو بے اصل کہا تھا اس کی کیسی زبردست اصلیں موجود ہیں۔ لہذا مترجم کا معاف عیدین کو بے اصل کہنا غلط اور صراحۃً باطل ہے۔

اب باقی رہا مترجم کا معاف عیدین کو مطلقاً مکروہ کہنا یہ بھی غلط اور باطل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا کہ اس کے فیصلہ کیلئے چند فقہ کی عبارتیں نقل کر دی جائیں۔

عنایہ میں ہے:

وافق الشيخ ابو منصور بين الاحاديث فقال المكروه من المعانقة ما كان على وجه الشهوة وعبر عنه المصنف بقوله في ازار واحد فانه سبب يفضي اليها فاما على وجه البر والكرامة اذا كان عليه قميص واحد فلا بأس به

(از شامی مصری ص ۲۵۲ ج ۵)

رد المحتار میں ہے:

قال ابو یوسف لا باس بالتقبیل والمعانقة فی ازار واحد ولو کان علیہ قمیص اوجبة جاز بلا کراهة بالاجماع وصححه فی الهدایة وعلیہ المتون۔
(شامی مصری ص ۲۵۲ ج ۵)

مجمع الانہر شرح ملتقی میں ہے:

الخلاف فیہا اذا لم یکن علیہما غیر الازار اما اذا کان علیہما قمیص اوجبة جاز بالاجماع وقال الامام ابو المنصور ان المکروه من المعانقة ما کان علی وجه الشهوة واما علی وجه البرو الکرامة فجائز عند الكل۔ (مجمع الانہر مصری ص ۵۴۱ ج ۲)
طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

الخلاف فیما اذا لم یکن علیہما غیر الازار اما اذا کان علیہما قمیص اوجبة اور داء مع الازار فلا باس بہ بالاجماع۔
(طحطاوی مصری ص ۱۸۶)
کنز الدقائق وعلینی میں ہے:

قالوا الخلاف فیما اذا لم یکن علیہما غیر الازار واما اذا کان علیہما قمیص اوجبة جاز بالاجماع اشار الیہ الشیخ بقوله (وکان علیہ) ای علی الرجل (قمیص جاز) قال الامام ابو منصور الماتریدی المکروه من المعانقة ما کان علی وجه الشهوة واما علی وجه البرو الکرامة فجائز۔
(علینی ص ۳۱۱ ج ۲)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ان کانت المعانقة فوق قمیص اوجبة جاز عند الكل کذا فی فتاویٰ قاضی خان
(عالمگیری مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۱۱۷ ج ۴)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں:

اما معانقة اگر خوف فتنہ نباشد مشروع است و از شیخ ابو منصور ماتریدی در تطبیق احادیث نقل کردہ شدہ است کہ آنچہ بوجہ شہوت بود مکروه است و آنچہ بوجہ بروکرامت باشد مشروع، و گفتہ اند کہ خلاف در جائے است کہ برہنہ تن باشد اما قمیص وجبہ لا باس بہ است بالاجماع و هو الصحیح کذا فی الکافی۔ ملخصا
(اشعۃ اللمعات - کشوری ص ۲۰ ج ۴)

ان عبارات کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ معانقہ کے مکروه ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ

بشہوت ہو، یا تہبند باندھ کر برہنہ بدن پر ہو، اور جب بروکرامت کیلئے قمیص یا جبہ یا چادر کے ساتھ ہو تو مو معانقہ بالاجماع فقہا بلا کراہت جائز و مشروع ہے۔

بالجملہ ہدایہ، عنابہ، تنویر الابصار، در مختار، ملتقى البحر، مراقی الفلاح، طحطاوی، کنز الدقائق، علینی، کافی، عالمگیری، قاضی خان، درر، وقایہ، نقایہ وغیرہ متون و شروح میں تو فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ جب معانقہ بروکرامت کیلئے ہو اور برہنہ بدن پر نہ ہو تو وہ معانقہ بالاجماع بلا کراہت جائز ہے، اور ظاہر ہے کہ عیدین کا معانقہ بروکرامت ہی کیلئے ہوتا ہے، تو معانقہ عیدین کا بلا کراہت جائز ہونا ثابت ہو گیا۔

مولوی خرم علی ترجمہ اردو در مختار جلد چہارم کے ص ۲۱۷-۳۰۲ پر لکھتے ہیں:
معانقہ یعنی گلے سے گلا لگا کر ملنا ایک تہبند میں یعنی کرتہ اور رائیگاں کھا بدن پر نہ ہو فقط لنگی یا جامہ سے زیر ناف سے زیر انوتک چھپا ہوا ایسی حالت میں معانقہ مکروه ہے کہ موجب شہوت ہے۔
اسی صفحہ کی سطر ۷ پر ہے۔ دریافت کرنا چاہیے کہ نبی معانقہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ فقط تہبند بدن پر ہو، اس واسطے کہ جواز معانقہ احادیث کثیر سے ثابت ہے۔

نیز اسی صفحہ کی س ۹ و ۱۰ میں ہے۔ اور اگر مرد کے بدن پر کہ تہبند یا جبہ ہو تو معانقہ کرنا بدوں کراہت کے بالاجماع۔ شیخین اور ابو یوسف کے جائز ہے اور اسی قول کو صحیح کہا ہے ہدایہ میں۔
اور اسی صفحہ کے س ۱۱ پر ہے۔

اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم معانقہ کرتے تھے۔

زید کے مستند پیشوا مولوی خرم علی نے اسی ترجمہ در مختار میں اتنی باتوں کی تصریح کی۔

(۱) فقط لنگی یا جامہ پر معانقہ بوجہ شہوت کے مکروه ہے۔

(۲) اس کے سوا اور احوال میں معانقہ کا جواز کثیر احادیث سے ثابت ہے۔

(۳) کرتہ یا جبہ پر معانقہ بلا کراہت جائز ہے۔

(۴) امام اعظم و صاحبین نے معانقہ کے بلا کراہت جائز ہونے پر اجماع کیا۔

(۵) یہی قول مفتی بہ قول ہے۔

(۶) اسی کی متون نے تصریح کی۔

(۷) حضرات اصحاب کبار معانقہ کرتے تھے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ عیدین کا معانقہ فقط لنگی یا جامہ پر تو نہیں کیا جاتا جس میں کراہت پیدا ہو۔ بلکہ

یہ معافقہ نہ فقط کرتے ہیں بلکہ کرتے کے اوپر جبہ یا صدری یا اچکن پہن کر کیا جاتا ہے، تو معافقہ عیدین کا بلا کرہت جائز ہونا ثابت ہو گیا۔ پھر اگر معافقہ عیدین مکروہ ہوتا تو فقہاء کرام اس کی کراہت کی تصریح کرتے۔ اور بقول مترجم ثانی احسن نا نو تو ی اگر یہ معافقہ ہندکار واج بھی تسلیم کر لیا جائے تو مولوی خرم علی مترجم اول بحث معافقہ میں کہیں تو اس کی کراہت کی تصریح کرتے۔ بالجملہ معافقہ کی کراہت وعدم کراہت کا جو فقہاء میں اختلاف ہے وہ اشخاص و احوال میں ہے نہ کہ اوقات و ایام میں، اسی لئے معافقہ کا جواز یا عدم جواز کسی وقت و یوم کے ساتھ خاص نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ شریف" میں فرماتے ہیں:

جائز آنکہ نزد تو دلج وقدوم سفر باشد یا جہت طول عہد ملاقات یا غلبہ شدت حب فی اللہ بود۔

(اشعۃ اللمعات کشوری، ص ۲۲ ج ۴)

اس عبارت اور اوپر کی تفصیل سے معافقہ کا جواز ان وجوہ اور اس قدر اوقات میں ثابت ہوا۔

(۱) معافقہ بغرض اظہار محبت۔

(۲) معافقہ بخيال اظہار عنایت۔

(۳) معافقہ بوجہ کرامت۔

(۴) معافقہ بوجہ بر۔

(۵) معافقہ بجہت طول عہد ملاقات۔

(۶) معافقہ بوقت سرور و خوشی۔

(۷) معافقہ بوقت غلبہ حب فی اللہ۔

(۸) معافقہ بوقت شدت حب فی اللہ۔

(۹) معافقہ بوقت قدوم از سفر۔

(۱۰) معافقہ بوقت تودلج برائے سفر۔

اور یہ بات ہر خاص و عام پر ظاہر ہے کہ ایام عیدین میں ان میں کے اکثر وجوہ موجود ہیں۔ کون نہیں جانتا ہے کہ یوم عید اظہار محبت کا دن ہے۔ کون واقف نہیں کہ یوم عید اظہار عنایت کا دن ہے۔ کس کو علم نہیں کہ یوم عید بروکرامت کا دن ہے۔ کسکو خبر نہیں کہ یوم عید مسرت و خوشی کا دن ہے۔ کسے پتہ نہیں کہ یوم عید میں کتنے مدتوں کے پھڑے باہم ملاقات کرتے ہیں۔ کسے معلوم نہیں کہ یوم عید کیلئے دور دور

سے لوگ اپنے وطن میں سفر کر کے آتے ہیں۔ تو ان وجوہ سے اندھا بن جانا اور آنکھ بند کر کے معافقہ عیدین کو ناجائز و مکروہ کہنا، اور اپنی ہٹ دھرمی سے معافقہ کو وقت قدوم سفر کیساتھ خاص کر دینا اور محض ضد سے سنت کو بدعت ٹھہرا لینا جہالت و سفاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ مترجم ثانی احسن نا نو تو ی نے جس معافقہ کی اصل احادیث کثیرہ و افعال صحابہ کرام سے ثابت کی تھی اس کو محض اپنی ناقص رائے سے بے اصل قرار دیا، جس معافقہ کا بلا کرہت جواز کثیر کتب فقہ سے ثابت تھا اسکو فقط اپنے زعم باطل سے مکروہ ٹھہرا دیا۔ بلکہ اس نے اس قدر ڈھٹائی اور اندھا پن کیا کہ مترجم اول مولوی خرم علی کے خلاف لکھ دیا اور معافقہ کی سمیت کے عموم اوقات سے، ایام عید کو خارج کر کے اپنی حق پوشی اور باطل کوشی کا ثبوت دیا، اور محض اپنی ناقص رائے سے غیر مکروہ و مکروہ کہہ کر اپنی لاعلمی و ناواقفی کا مظاہرہ کرایا۔

بحمد اللہ احادیث و کتب فقہ و اقوال ائمہ سے پنجگانہ نماز کے بعد مصافحہ خصوصاً بعد نماز فجر و عصر کے مصافحہ کی عادت مقرر کر لینے اور جمعہ کے دن مصافحہ اور ایام عیدین میں مصافحہ و معافقہ کرنے کے دلائل و ثبوت پیش کر دیا گیا۔ منصف کیلئے تو اتنا ہی نہایت کافی وافی ہے۔ اور مخالف اگر اس کے بعد بھی انکار کرے تو یہ اس کی ضد و ہٹ دھرمی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اسے قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنہیل

(۸۴۵)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) مصافحہ و معافقہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ دونوں صورتوں میں جو مفتی بہ ہوا سکے لئے احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و افعال صحابہ و اقوال ائمہ و طریقہ اسلاف رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو مابہ الاستدلال ہوں مع حوالہ کتب و نقل عبارت و صفحہ کے تحریر فرمائیں۔

(۲) بعد نماز عیدین مصافحہ و معافقہ کرنا کیسا ہے؟ اس مسئلہ میں جتنی چیزیں مابہ الاستدلال ہوں ان کی بھی مع حوالہ کتب و نقل عبارت و صفحہ تحریر فرمائیں۔

(۳) بعد نماز فجر و عصر، یا ہر نماز، یا مختلف نمازوں کے امام و مقتدی جو مصافحہ کرتے ہیں وہ مصافحہ

کرنا کیسا ہے؟ اس کے متعلق بھی جتنی چیزیں مابہ الاستدلال ہوں جمع حوالہ کتب و نقل عبارت و صفحہ تحریر فرمائیں۔ لیکن امام و مقتدی میں سے کوئی بھی اس مصافحہ کو فرض واجب نہیں سمجھتا۔

(۴) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عند الملاقات مصافحہ کیا جاسکتا ہے، لیکن لقاء کے معنی میں طرح طرح کا اختلاف کہ آیا لقاء کسے کہتے ہیں۔ لہذا کتب معتبرہ سے لقاء کی صحیح تعریف مع حوالہ کتب و نقل عبارت و صفحہ تحریر فرمائیں۔

(۵) بعض لوگ مصافحہ کو سنن روافض و بدعت سینہ وغیرہ شروع کہتے ہیں اور اس مسئلہ میں شامی کی عبارت کو مابہ الاستدلال قرار دیتے ہیں۔

لہذا مصافحہ و معانقہ کے متعلق علامہ شامی خود کیا فیصلہ فرماتے ہیں اس کو تحریر فرمائیں۔ اس قسم کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے تحریر فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

مسلمان سے مصافحہ کرنا نہ فقط جائز بلکہ سنت ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تصافحوا يد هب الغل۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۱)

یعنی مصافحہ کرو کہ مصافحہ کینہ کو دور کرتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

قال قتادة: قلت لانس: اكانت المصافحة في اصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: نعم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۱)

یعنی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا مصافحہ صحابہ کرام میں تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں تھا۔

فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

تجوز المصافحة لانها سنة قديمة متواترة لقوله عليه السلام: من صافح المسلم وحرك يده تنأثرت ذنوبه۔ (رد المحتار ص ۵۷۲ ج ۵)

یعنی مصافحہ کرنا جائز ہے کہ مصافحہ سنت ہے اور قدیم سے متواتر ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ مصافحہ کرنا سنت ہے اور مغفرت معاصی کا سبب ہے۔ اسی طرح معانقہ بھی سنت ہے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

هل كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصافحكم اذا لقيتهموه قال ما لقيته قط الا صافحتني وبعث الى ذات يوم ولم اكن في اهلي فلما جئت اخبرت فاتيته وهو على سريره فالتزمني فكانت تلك اجود اجود رواه ابو داود۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۲)

یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جب تم حاضر ہوتے وہ تم سے مصافحہ فرماتے؟ حضرت ابوذر نے فرمایا میں جب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور مجھ سے مصافحہ فرماتے۔ اور ایک دن حضور نے میرے بلانے کو آدمی بھیجا تو میں گھر میں نہ تھا۔ میں جب آیا تو مجھے خبر دی گئی میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور تخت پر جلوہ افروز تھے تو حضور نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو یہ زیادہ بہتر اور نفیس طریقہ ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

”قالوا الخلاف في المعانقة في ازار واحد اما اذا كان عليه قميص او جبة فلا بأس لها بالاجماع وهو الصحيح۔ (ہدایہ ص ۴۶ ج ۲)

یعنی فقہاء نے فرمایا کہ اختلاف اس معانقہ میں ہے کہ جس میں فقط ایک تہبند باندھا ہوا ہو۔ لیکن جب اس پر قمیص یا جبہ ہو تو ایسے معانقہ میں بالاجماع کوئی حرج نہیں اور یہ ہی صحیح مذہب ہے۔ ان عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ مسانقہ بھی سنت ہے۔ بالجملہ مصافحہ کا جواز بلکہ سنت ہونا تو ان احادیث و کتب فقہیہ سے ظاہر ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ لصوصاب؟۔

(۲) جب مصافحہ و معانقہ کا جواز بلکہ سنت ہونا جواب میں ثابت کر دیا گیا تو ان احادیث و عبارات میں کسی وقت کی تخصیص نہ کرنا کو نہیں بلکہ حکم عام ہے جو تمام اوقات کو شامل ہے۔ اسی لئے علامہ طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اسکی تصریح فرماتے ہیں۔

”المصافحة سنة في سائر الاوقات -

اور علامہ طاہر جمع البحار میں فرماتے ہیں۔

”المصافحة سنة مستحبة عند كل لقاء -

(جمع البحار ص ۲۵۰ ج ۲)

ان ہر دو عبارات کا ترجمہ یہ ہے کہ مصافحہ تمام اوقات میں سنت ہے اور ملاقات کی بوقت مستحب ہے۔ لہذا کسی مہینہ اور سال اور دن اور رات یا صبح اور شام یا کسی وقت لقا کی تخصیص اس کو سنت و مستحب ہونے سے خارج نہیں کر سکتی۔ تو مخالف بعد نماز عید مصافحہ اور معانقہ کو کہاں سے ناجائز و مکروہ ثابت کر سکتا ہے۔ اگر کاش وہ اس حدیث ابو ذر کی شرح اشعۃ اللمعات ہی میں دیکھ لیتا تو انکار کی ہمت نہ کرتا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وازیں جا معلو گردد کہ معانقہ در غیر حال قدوم از سفر نیز آمدہ از برائے اظہار محبت و عنایت

(اشعۃ اللمعات کشوری ص ۲۳ ج ۴)

اسی میں ہے۔

وجائز آنکہ تودیع و قدوم سفر باشد یا بجهت طول عهد ملاقات یا غلبہ و شدت حب فی اللہ بود

(از اشعۃ اللمعات ص ۲۲ ج ۴)

ان عبارات اور ترجمہ حدیث سے معلوم ہوا کہ معانقہ سفر سے آنے کے سوا اور بھی اظہار محبت و عنایت اور بوقت وداع یا بجهت طول عهد ملاقات یا بوقت شدت حب فی اللہ کیلئے بھی جائز ہے۔ نیز اسی میں ہے:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نہ باشد مشروع است و از شیخ ابو منصور ماتریدی در تطبیق احادیث نقل کردہ شدہ ست کہ انچہ بوجہ شہوت بود مکروہ ست و انچہ بوجہ کرامت باشد مشروع۔ گفتہ اند کہ خلاف در جائے ست کہ برہنہ تن باشد۔ ”اما باقیص وجہ لا باس بہ است باجماع و هو الصحیح کذا فی الکافی“

(اشعۃ اللمعات ص ۲۲ ج ۴)

اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

”الخلاف فیما اذا لم یکن علیہما غیر الازار اما اذا کان علیہما قمیص او جبة جاز بالاجماع وقال امام ابو المنصور ان المکروه من المعانقة ما کان علی وجه الشهوة واما علی وجه البر و الکرامة فحائز عند الکمل۔“

(مجمع الانہر مصری ص ۲۵۲ ج ۵)

و کذا فی العینی شرح الکنز ص ۲۱۱ ج ۲۔ و کذا فی الطحطاوی ص ۱۸۶۔ و کذا فی

(ص ۱۱۹ ج ۳۔ و غیرہا المتنون۔)

العالمگیری مجیدی۔

یعنی اگر معانقہ میں کسی فتنہ کا خوف نہ ہو تو مشروع ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں: کہ مکروہ معانقہ وہ ہے جو برہنہ شہوت ہو اور جو معانقہ بروکرامت کی غرض سے ہو وہ باجماع جائز ہے۔ یہی اکثر کتب فقہ میں ہے۔ تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورہ اعراف میں قصہ اصحاب سبت پر ہلکے ہوئے، حاضرین متحیر ہوئے، حضرت عکرمہ نے آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا کہ میں یہ غور کر رہا ہوں۔ کہ اس قصہ میں شکار کرنے والا گروہ تو اپنی سرکشی کی بنا پر ہلاک ہو گیا۔ اور وہ گروہ جنہوں نے انہیں نصیحت کی اور ان کو شکار سے روکا وہ محفوظ رہا۔ اور تیسرا گروہ جنہوں نے نہ خود شکار کیا نہ انہیں منع کیا بلکہ وہ ساکت ہی رہا۔ شاید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کی وجہ سے ان نافرمانوں کے ساتھ عذاب میں شامل ہوئے۔ یہ خیال کر کے میں رونے لگا اور مجھے یہ خوف طاری ہوا کہ اکثر لوگوں سے ایسا سکوت و مداہنت ہو جاتی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عکرمہ نے کہا:

یا حضرت حکم ساکتان حکم و اعطال ست کہ بلاشبہ نجات یافتہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمودند۔ ایں دعوے راجحہ دلیل می گوئی تا من تسلٰی پذیرم، عکرمہ گفت کہ بارہا از شام شنیدہ ام و نیز از مقررات شرع ست کہ امر بمعروف و نہی از منکر فرض کفایت ست و در فرض کفایت بجا آوردن بعض حکم بجا آوردن کل دارد و ہر گاہ کہ یک جماعت امر بمعروف کردند عہد از ہمہ ساقط شد و ساکتان را مواخذہ نمائد۔ اگر کل سکوت می کردند البتہ شریک گنہگار می شدند و منع ایشان و اعطال را بنا بر آں بود کہ از قبول امر و نہی مایوس شدہ بودند از راہ مداہنت و رضا بکنانہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما را شنیدن ایں کلام نہایت بہجت و سرور و داد و برخاستند و پیشانی عکرمہ را بوسہ دادند و اوراد بر گرفتند و برابر خود بنشانند۔

(تفسیر عزیزی سورہ بقرہ ص ۳۳۶ (مطبوعہ بمبئی))

حضور سکوت کرنے والوں کا حکم و اعظالوں کا حکم ہے کہ انہوں نے بے شبہ نجات پائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس دعوے کی دلیل پیش کر دتا کہ میری تسکین خاطر ہو۔ حضرت عکرمہ نے عرض کیا: میں نے چند بار آپ ہی سے سنا اور نیز یہ قواعد شرع میں سے بھی ہے کہ امر بمعروف و نہی از منکر فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ میں چند کا ادا کرنا کل کے ادا کرنے کا حکم رکھتا ہے کہ جہاں ایک گروہ نے امر بمعروف کر دیا فریضہ سب کے ذمہ سے ساقط ہو گیا اور سکوت کرنے والوں پر کچھ مواخذہ نہ رہا۔ ہاں

اگر سب نے ہی سکوت کیا تو یہ گنہگاروں کے شریک ہوتے ہیں۔ اور انکا واعظوں کو منع کرنا اس بنا پر تھا کہ یہ انکے نصیحت پذیر ہونے سے ناامید ہو چکے تھے، نہ اس لئے تھا کہ یہ گناہ سے رضا مند اور مدہانت کے لئے منع کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کلمہ کو سنکر بہت خوش ہوئے اور چہرہ پر آثار فرحت و سرور نمایاں ہوئے اور کھڑے ہو کر حضرت عمرؓ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان سے معاف کیا، پھر انہیں اپنی برابر بٹھایا۔

ان عبارات میں معاف کے مکروہ ہونے کی دو صورتیں بیان ہوئیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ معاف بغرض شہوت ہو تو مکروہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ برہنہ تن ہو تو مکروہ ہے۔ اور جواز معاف کی دس صورتیں ذکر کریں۔

(۱) معاف بغرض اظہار محبت۔

(۲) معاف بخيال اظہار عنایت۔

(۳) معاف بوجہ کرامت۔

(۴) معاف بوجہ بر۔

(۵) معاف بوجہ طول عہد ملاقات۔

(۶) معاف بوجہ سرور و خوشی۔

(۷) معاف بوقت غلبہ حب فی اللہ۔

(۸) معاف بوجہ شدت حب فی اللہ۔

(۹) معاف بوقت قدم از سفر۔

(۱۰) معاف بوقت وداع برائے سفر۔

اور خاص و عام پر ظاہر ہے کہ ایام عیدین میں ان کی اکثر وجوہ موجود ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ایام عید اظہار محبت کے دن ہیں۔ کون واقف نہیں کہ ایام عید اظہار عنایت کے دن ہیں۔ کس کو علم نہیں کہ ایام عید بروکرامت کے دن ہیں۔ کس کو خبر نہیں کہ ایام عید مسرت و خوشی کے دن ہیں۔ کسے پتہ نہیں کہ یہ ایام عید میں کتنی مدتوں کے چھڑے باہم ملاقات کرتے ہیں۔ معاف کو ناجائز و مکروہ کہہ دینا اور محض اپنی ہٹ دھرمی سے معاف کو وقت قدم سفر کیساتھ خاص کر لینا اور فقط اپنی ضد سے سنت کو بدعت ٹھہرانا مخالفین کی جہالت و عنایت نہیں تو اور کیا ہے۔

بالجملہ معاف کے جواز کی اصل وہی حدیث ہے جس کو جواب اول میں پیش کیا۔ نیز اس معاف عید کی اصل وہ فعل صحابی ہے جو تفسیر عزیزی سے منقول ہوا پھر اس کی تصریح اقوال فقہاء میں موجود ہے۔ ”وشرح الجید“ میں ”تکملہ شرح اربعین“ کی عبارت منقول ہے۔

و مشرو عیة المصافحة مطلقا اعم من ان تكون عقیب الصلوات الخمس و الجمعة والعیدین و غیر ذلك لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یقیدھا بوقت دون وقت۔

اسی میں موسیٰ سے بحوالہ امام نووی نقل کرتے ہیں:

هكذا ينبغي ان يقال في المصافحة يوم العيد و المعاينة يوم العيد۔ لهذا بعد نماز

عیدین مصافحہ و معاف جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) بعد نماز پنجگانہ اور خاص کر نماز عصر و فجر کے بعد امام و مقتدی کا مصافحہ کرنا جائز ہے۔

مجمع البحار میں ہے:

كانت المصافحة في اصحابه صلى الله تعالى عليه وسلم هي سنة مستحبة عند كل لقاء و ما اعتادوه بعد صلوة الصبح و العصر لا اصل له في الشرع و لكن لا بأس به و كونهم حافظين عليها في بعض الاحوال مفرطين فيها في كثير منها لا يخرج ذلك البعض عن كونهم مما ورد الشرع باصلها و هي من البدع المباحة۔

(مجمع البحار مجلہ ۲ ص ۲۵۰)

در مختار میں فرمایا:

واطلاق المصنف تبعاً للدر والکنز والوقایة والنقایة والمجمع والملتی و غیرہا یقید جوازہا مطلقاً ولو بعد العصر و قولہم انه بدعة ای مباحة حسنة كما افاده النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ۔

(شامی مصری ج ۵ ص ۲۵۲)

شامی میں ہے:

قال ابو الحسن البکری و تقييده بما بعد العصر و الصبح علی عادة کانت فی زمانہ والا فعقب الصلوات کلها کذا لك کذا فی رسالة الشر نبلا لی فی المصافحة و نقل مثله عن الشمس الحالوتی و انه افتی به مستند لا بعموم النصوص الواردة فی مشرو عیتها۔

(شامی مصری ج ۲ ص ۲۵۲)

خلاصہ مضمون ان عبارات کا یہ ہے کہ مصافحہ صحابہ کرام میں سنت سمجھا جاتا تھا اور وہ ہر ملاقات پر مستحب ہے۔ اور نماز پنج گانہ خاص کر صبح و عصر کے بعد مصافحہ کی عادت مقرر کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ بدعت مباح ہے اور یہ اسی مصافحہ کے حکم میں جیسا کہ مسنون ہونا شرع سے ثابت ہے۔ اسی لئے اس کا جواز۔ کنز۔ وقایہ۔ نقایہ۔ مجمع۔ ملتقی وغیرہ کی کتب سے مستفاد ہوا اور اسی کی مشروعیت پر علامہ شمس الدین حانوتی نے فتویٰ دیا۔ اب اس کے بعد مخالف کو مجال و مزدن و محل سخن باقی نہیں رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) لقا یہاں بمعنی ملاقات کے ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

و یسلم علیہ اذا لقیہ۔ اس کا ترجمہ اشعۃ اللمعات میں یہ لکھا:

سلام دہد بروی چو ملاقات کند مسلمان را۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵)

اور الفاظ حدیث:

یصافحکم اذا لقیتموہ قال ما لقیتموہ قط الا صافحنی۔

کا ترجمہ اشعۃ اللمعات میں یہ کیا۔

ایا بود آنحضرت کہ مصافحہ میکرد شمارا چوں ملاقات میکرد شما آنحضرت را گفت ابوذر ملاقات نکردم

من آنحضرت را پنج گاہ مگر آنکہ مصافحہ کروم را۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۲۳)

توان میں اس کے معنی ملاقات کے لئے۔ واللہ اعلم۔

(۵) خود علامہ شامی نے تورداختار میں مصافحہ کو بعد نماز کے نہ سنن روافض لکھا نہ بدعت سیئہ

تحریر فرمایا۔ نہ غیر مشروع کہا۔ مخالفین کے دعوے میں اگر صداقت ہے تو وہ خود ان کی عبارت پیش کریں۔

ہاں علامہ نے شامی میں ایک یہ عبارت ملقط کی نقل کی:

تکبرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوۃ بكل حال لان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ

عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوۃ ولا نہا من سنن الروافض۔ (شامی ج ۵ ص ۲۵۲)

اس عبارت میں کراہت کی علت ایک تو یہ ذکر کی کہ صحابہ کرام نے بعد نماز مصافحہ نہیں کیا۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ یہ بات کسی فعل کے ناجائز و ممنوع ہونے کی دلیل نہیں۔ کہ مواہب لدینہ میں ہے۔

الفعل یدل علی الجواز و عدم الفعل لا یدل علی المنع۔

(مواہب مصری ج ۲ ص ۱۶۶)

توجب عدم فعل دلیل منع نہیں تو مصافحہ مذکور کا ممنوع ہونا ثابت نہ ہو سکا۔

دوسری علت یہ بیان کی یہ مصافحہ سنت روافض ہے۔ تو اس میں روافض سے مشابہت ہے۔ لہذا

مکروہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتبہ اس فعل میں ممنوع ہے جو فی نفسہ شرعاً ممنوع ہو، یا اس قوم کا شعار

خاص ہو، یا کرنے والا اس کو قصد مشابہت کرے۔

چنانچہ شامی میں ہے:

ان التشبه انما یکرہ فی المذموم قصد بہ التشبه لا مطلقاً۔

(شامی مصری ج ۱ ص ۲۵۳)

توجب یہ مصافحہ نہ خود فی نفسہ شرعاً ممنوع و مذموم۔ نہ کرنے والے اس کو قصد مشابہت روافض

کرتے ہیں۔ تو اس میں وہ کتبہ ہی نہیں پایا گیا جو ناجائز و مکروہ ثابت کر سکے۔ علاوہ بریں کسی گمراہ قوم کی

سنت اس وقت تک لائق اجتناب ہوتی ہے جب تک وہ ان کی سنت رہے، اور جب اس قوم میں سے اس

کا رواج اٹھ جائے تو وہ پھر اس قوم کی سنت ہی نہیں کہلائے گی۔

در مختار میں ہے:

ویجعلہ لبطن کفہ فی یدہ الیسری وقیل الید الیمنی الا انہ من شعار الروافض

فیجب التحرز عنہ وغیرہ قلت ولعلہ کان و بان فتبصر۔

علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں:

ای کان ذلک من شعارہم فی الزمن السابق ثم انفصل وانقطع فی ہذہ الا

(شامی مصری ج ۵ ص ۲۳۸)

زمان فلا نہی عنہ کیفما کان۔

تو بعد نماز کا مصافحہ بہت ممکن ہے کہ صاحب ملقط کے زمانہ میں سنت روافض ہو لیکن ہمارے زما

نہ میں تو یہ اب ان میں رائج ہی نہیں کہ روافض نہ جماعت کا التزام رکھتے ہیں نہ بعد نماز مصافحہ کرتے

ہیں۔ لہذا یہ مصافحہ ہمارے زمانہ میں سنت روافض ہی نہیں ہے۔ تو یہ دوسری علت بھی ختم ہو گئی۔ بالجملہ

عبارت ملقط کے کراہت کی جب ہر دو علتیں باقی نہ رہیں تو حکم کراہت بھی باقی نہ رہا تو مصافحہ بعد نماز

کراہت جائز ہوا۔

دوسری عبارت:

ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية انها بدعة مكروهة لا اصل لها في الشرع وانه ينبه فاعلمها او لا ويعز رثا نيا۔
(شامی مصری ج ۵ ص ۲۵۲)

اس کا جواب حضرت امام نووی کی اذکار کی عبارت میں ہے جس کو علامہ شامی نے نقل کیا۔

واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر فلا اصل له في الشرع هذا الوجه ولكن لا باس به فان اصل المصافحة سنة اللتي ورد الشرع باصلها
(شامی ج ۵ ص ۲۵۲)

اگر علامہ ابن حجر نے اس مصافحہ کو غیر مشروع کہا تو حضرت امام نووی نے اس کو مشروع قرار دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ امام نووی کا مرتبہ بدرجہا بلند ہے۔ تو جب اس مصافحہ کا مشروع ہونا ثابت ہو گیا تو فعل مشروع کے کرنے والے پر نہ تنبیہ ہوگی نہ تعزیر۔ تو اس عبارت سے استدلال بھی ختم ہو گیا۔
تیسری عبارت مدخل کی یہ ہے:

انها من البدع وموضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم لا خيه
لا في اداء الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينبه عن ذلك ويزجر فاعل لما
اتى به من خلاف السنة۔
(شامی ج ۵ ص ۲۵۲)

اس عبارت میں اس مصافحہ کو بدعت کہا۔ اس کا جواب درمختار کی اس عبارت میں گزرا جو جواب سوم میں منقول ہے کہ بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ مصافحہ خلاف محل میں ہے کہ شرعاً وہ وقت لقا ہوتا ہے اور بعد نماز کا وقت وقت لقا نہیں تو وہ خلاف محل ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد نماز کا وقت بھی وقت لقا ہے۔ چنانچہ ”وشرح المجید“ میں مناصحہ سے بحوالہ تکملہ شرح اربعین ناقل ہیں۔

ان حالة السلام حالة اللقاء لان المصلي لما احرم صار غائبا عن الناس مقبلا على الله تعالى فلما ادى حقه قيل له ارجع الى مصالحك وسلم على اخوك لقلو منك عن غيبتك ولذا لك ينوي القوم بسلامه كما ينوي الحفظه واذا سلم يندب له المصافحة او تسن كالسلام۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں حضرت شیخ نورالحق والدین مشہور شیخ نور قطب عالم التوفیٰ ۸۱۳ھ کے ذکر میں نقل کرتے ہیں کہ ان قطب عالم نے اپنے شیخ حضرت علاء الحق والدین سے دریافت کیا۔

پیش شیخ عرضہ داشت کہ چہ سرست کہ مشائخ بعد از سلام نماز فریضہ مصافحہ میکنند فرمود سنت بریں است کہ چون مسافرے از سفر بازمی آید بادوستاں مصافحہ میکند، چون درویش در نمازی ایستد مستغرق میگردد و از خود بیرون می آید سفر باطن حاصل میشود چون سلام می دہد بخود بازمی آید ضرور است کہ مصافحہ میکند۔

(اخبار الاخیار مجتہبائی ص ۱۰۳)

ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ نماز کے بعد کا وقت بھی وقت لقا ہے کہ نماز میں جب احرام باندھتا ہے تو وہ لوگوں سے غائب ہو جاتا ہے اور سیرالی اللہ میں مستغرق ہو کر سفر باطن کرتا ہے اور جب وہ حق اللہ کو ادا کر چکا تو اب وہ سفر باطن سے واپس ہوا تو یہی اس کی حالت لقا ہے۔ لہذا اس پر مسلمانوں کو سلام کرنا مسنون ہوا تو مصافحہ کیوں نہ مستحب ہوگا۔ پھر جب یہ مصافحہ بوقت لقا ہوا تو خلاف محل بھی نہ ہوا۔ اور جب مستحب یا سنت ثابت ہوا تو یہ خلاف سنت کب ہوا۔ پھر اس پر نہی یا زجر کیسا۔ بالجملہ جب ان

ہر سہ عبارات کے جوابات دیدئے گئے تو مخالف کا ان سے استدلال کرنا تو ختم ہو گیا۔

اب رہا علامہ شامی کا ان عبارات کو صرف نقل کرنا تو یہ انکا فیصلہ نہ کہلایا جائے گا کہ انھوں نے نقل تو ان عبارات کو بھی کیا ہے جو ہم نے جواب سوم میں نقل کیں۔ بلکہ ان کا فیصلہ یہ ہے:

اختلف التصحيح والفتوى فالعمل بما وافق المتن اولی۔

(شامی ج ۱ ص ۵۱)

کہ بوقت اختلاف عمل متون پر ہوتا ہے۔ اور درمختار کی عبارت سے معلوم ہو چکا جو کہ جواب سوم میں منقول ہے کہ متون سے اس مصافحہ بعد نماز کا جواز مستفاد ہوا تو علامہ شامی کا فیصلہ بھی یہی ہوا کہ یہ مصافحہ جائز ہو۔ اور اسی پر عمل ہو۔ الحاصل مصافحہ بعد نماز کا جواز بلکہ مستحب ہونا ثابت ہوا اور قول مخالف کے مکمل جوابات دیدئے گئے۔ مولیٰ تعالیٰ مخالفین کو عقل و فہم عطا فرمائے اور انہیں قبول حق کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ

(۸۴۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں جبکہ تقریباً (۹۰) توے فیصدی تجارت ایسی ہے جس میں وہ اس سے ہرگز ہرگز نہیں بچ سکتے۔ چھوٹے تاجر سے لیکر بڑے تک ہر ایک کو تصویر فروشی کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً اخبار فروشی اور کتب فروش کہ اخبار اور کتابوں میں چھپی ہوئی تصویریں، بیڑی والے کو اپنے بیڑی کے بنڈل کے ساتھ اس پر چھپی ہوئی تصویر۔ سگرٹ اور ماچس کے ساتھ انکے بکسوں پر چھپی ہوئی تصویریں۔ اور بوٹ فروش کو بوٹ کے بکس پر بلکہ بوٹ پر بنی ہوئی تصویریں بیچنی پڑتی ہیں اور خریدنے والے کو خریدنا پڑتی ہیں۔ اور خاص طور پر جنرل مرچینٹ جس کی کہ ہر چیز پر تصویر بنی ہوئی ہوگی۔ بعض پر صرف چھپی ہوئی ہوگی اور بعض پر ابھری ہوئی اور وہ اس تصویر فروشی سے کسی صورت پر بچ ہی نہیں سکتے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام مسلمان ایسی تجارت چھوڑ دیں اور اپنے ذاتی مفاد کے علاوہ ملک اور قوم کی خاطر وہ جنرل مرچینٹ کی تجارت چھوڑ دیں نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بعید امر ہے کہ اس زمانہ میں اگر اس طرح ان تمام تجارتوں کو مسلمان چھوڑ دیں تو شاید (میرے خیال میں) اس ملک کا کام چل نہیں سکتا۔ اور نہ ہی مسلمان اور ملک ترقی کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

(۱) ایسی صورت میں مندرجہ بالا قسموں کی تجارتیں جائز ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟

(۲) چھپی ہوئی اور ابھری ہوئی تصویروں کو بیچنے میں کوئی فرق ہے۔ اگر ہے تو کیوں؟

(۳) انسان کی تصویر اور جانور کی تصویر بیچنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیوں؟

(۴) الف۔ کاغذ پر چھپی ہوئی تصویر۔ ب۔ لوہے پر چھپی ہوئی ابھری ہوئی یا بنی ہوئی تصویر۔ ج۔ پتھر پر چھپی ہوئی یا ابھری ہوئی یا پتھر کی بنی ہوئی تصویر۔ د۔ اسی طرح ہاتھی دانت لکڑی یا کسی اور چیز پر چھپی ہوئی ابھری ہوئی یا اسکی بنی ہوئی تصویر کے بیچنے میں آپس میں کیا تخصیص ہے؟

(۵) جس طرح بیچنے والا اسے نہیں بیچ سکتا اسی طرح خریدنے والا بھی نہیں خرید سکتا۔ لہذا ان دونوں کے لئے کیا حکم ہے؟

(۶) اگر حج کو جانے کے لئے نوٹو کھوانا ضروری ہو جیسا کہ موجودہ دور میں ہے تو اس کا کیا حکم

ہے۔ اگر صرف نوٹو کی وجہ سے حج کو نہ جائے تو کوئی گناہ تو لازم نہیں؟

(۷) مطلق نوٹو کا دیکھنا جیسا کہ رسائل اور اخبارات میں آتے ہیں کیسا ہے؟۔ جواب مع دلائل

مستفتی محمد حسنا احمد قادری مصطفائی محلہ خیر ادیان جو دھپور راجستھان ہو۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ہر نمبر کے جواب سے پہلے اس تمہید کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے تاکہ فہم جواب میں سہولت ہو جائے۔ صورت کے معنی ”منتخب اللغات“ میں پیکر و نقش کے ہیں۔ تصویر صورت کردن و آفریدن صورتے کہ در چوب و گل و جزاں سازند یا بردیوار و غیر آں نگارند متش و منسج پیکر۔

اشعة الممعات میں ہے:

”تصویر بمعنی صورت ساختن۔ تو معنی لغوی سے یہ ثابت ہوا کہ صورت بمعنی شکل پیکر کے ہے، اور تصویر بمعنی صورت کے بھی مستعمل ہے اور بمعنی مصدری میں بھی مستعمل ہے یعنی صورت بنانا۔ لہذا صورت و تصویر بمعنی شکل و پیکر کے قرار پائے اور صورت کا اطلاق شکل ذی روح وغیر ذی روح ہر دو پر ہوتا ہے

المغرب میں ہے:

”الصورة عام في كل ما يصور مشبها بخلق الله تعالى من ذوات الروح وغيرها

۔ اسی طرح صورت کا استعمال پیکر و مجسم اور نقش و منسج سب کے لئے ہے۔

طحطاوی علی مرقا الفلاح میں ہے

الصورة تكون لذی الروح وغيره والکراهة ثابتة ولو كانت منقوشة او منسوجة

تو لفظ صورت و تصویر تو ہر ذی روح و غیر ذی روح کی شکل چاہے وہ جسم والی ہو یا چاہے وہ دیوار و کاغذ وغیرہ پر کھینچی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی ہو یا ابھری ہوئی ہو یا بنی ہوئی ہو سب پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اور صنم اس تصویر کو کہتے ہیں جو لکڑی سونے چاندی پیتل وغیرہ دھات سے کسی انسان حیوان کی مجسم شکل بنائی جائے۔۔۔ اور وثن اس تصویر کو کہتے ہیں جو پتھر سے انہیں کا مجسمہ تیار کر لیا جائے۔

طحطاوی میں ہے:

ماکان معمولاً من خشب او ذهب او فضة علی صورة انسان فهو صنم وان کان من

حجر فهو وثن

(طحاوی مصری ص ۲۱۱)

اور تمثال اس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی ذی روح کی شکل ہو۔
ردالمحتار میں ہے:

التمثال خاص بتمثال ذی روح (ردالمحتار مصری ص ۱۷۳ ج ۱)

غیر ذی روح کی تصویر کا بنانا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مصور کو غیر ذی روح کی تصویر کی اجازت دی جس کی بخاری شریف نے روایت کی۔

”ان تصنع فعلیک بهذ الشجر وکل شئی لیس فیہ روح“

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۶)

اگر تو تصویر بنائے تو درخت اور ہر وہ شئی جس میں روح نہ ہو ان کی تصویر بنالیا کر۔ اور کسی ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔ مجمع البحار میں ہے: ”قالوا تصویر صورة الحيوان حرام اشد التحريم سواء فی ثوب او بساط او درهم“ (مجمع البحار ص ۲۷۰ ج ۲)

ردالمحتار میں ہے:

”الاجماع علی تحريم تصوير فصنعتہ خرام بكل حال لان فیہ مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء كان فی ثوب او بساط او درهم او اناء او حائط او غیرها۔“

(ردالمحتار مصری ص ۱۷۳ ج ۱)

اب باقی رہا بعض کا یہ کہنا کہ ذی روح کی تصویر اگر ذی جسم و ذی ظل ہے تو وہ حرام ہے اور اگر غیر ذی ظل منقش و منج ہے تو حرام نہیں، تو یہ تفرق صحیح نہیں۔

مجمع البحار میں ہے: ”النهی عن الصورة مطلقا ی صورۃ حیوان ذا ظل او لا کما لمنقوش علی الجدار۔“ (مجمع البحار ص ۲۷۰ ج ۲)

المغرب میں ہے۔

ان عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قدم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وقد سترت سهوۃ لی بقرام فیہ تماثیل فلما رآه هتکة الحديث۔ ومن ظن ان الصورة المنهى عنها ماله شخص دون ما كان منسوجا او منقوشا فی ثوب او جدار فهذ الحديث یکذب ظنه“ (المغرب ص ۱۷۷ ج ۲)

ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ کسی ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔ اب چاہے وہ مجسم ہو یا منقش و منج ہو۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللمعات میں اس پیشہ مصوری کے متعلق فرماتے ہیں۔ شارع ایں پیشہ حرام میدارد (از اشعة اللمعات ص ۳۹۶) اور ردالمحتار میں ہے

”واما فعل التصوير فهو غیر جائز مطلقا لانه مضاهاة لخلق الله تعالى“

(از ردالمحتار ص ۱۷۳ ج ۱) بلکہ شرع میں اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ اگر تصویر مکان میں بھی ہو تو اس کا دور کرنا واجب ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر جوز فی الخلاصة لمن رای صورة فی بیت غیره ان یزیلها و ینبغی ان یحب علیہ“ (شامی ص ۲۵۶ ج ۱)

اب باقی رہی تصویر کی بیع تو جواز بیع کا مدار شی کے مباح الانتفاع پر اور عدم جواز بیع کا حکم اس کے غیر مباح الانتفاع ہونے پر موقوف ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ان جواز البیع یدو رحل الانتفاع وبطل بیع مال غیر متقوم ای غیر مباح الانتفاع بہ

تو ہر ایسی تصویر جو شرعاً مباح الانتفاع ہو اس کی بیع جائز ہے اور تصویر شرعاً مباح الانتفاع ہی نہ ہو تو اس کی بیع ناجائز ہے۔ اب چاہے وہ تصویر مجسم ہو یا منقش و منج ہو۔ نیز کسی چیز کے اصالتاً یا تبعاً بیع کرنے کا بھی فرق ہے۔ مثلاً تنہا حق مرور۔ حق شرب وغیرہ حقوق کی بیع اصالتاً ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے: ”وبیع الحقوق با نفرا ده لا یجوز“ (ردالمحتار ص ۱۲۲ ج ۲)

اور انہیں حقوق کی بیع تبعاً جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے: ”وصح بیع حق المرور تبعاً للارض بلا خلاف“ ردالمحتار میں ہے: ”واذا بیع الشرب فانه یجوز تبعاً للارض بالاجماع۔“

(ردالمحتار ص ۱۲۲ ج ۲)

یا مثلاً تنہا شہد کی مکھی کی بیع اصالتاً جائز نہیں۔ لیکن وہ اگر کوڑی میں ہو اور کوڑی کی بیع کی تو مکھی کی بیع تبعاً ہوگی تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے: ”ولا یجوز بیع النحل حتی لو باع کوارۃ بما فیہا عسل بما فیہا من النحل یجوز تبعاً“ (از ہدایہ ص ۳۵۷ ج ۳) اور اسی طرح اس کی فقہ میں کثیر مثالیں موجود ہیں۔ جکو بخوف طوالت نقل نہیں کیا جاتا ہے۔

الحاصل جب تصویر مباح الانتفاع ہو یعنی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا جائز ہو۔ اور اس تصویر کی بیع اصلۃً ہو رہی ہے تو یہ بیع تو جائز ہے، اور اگر وہ تصویر شرعاً مباح الانتفاع ہی نہیں تو اس کی بیع اصلۃً تو جائز نہیں البتہ اس کی بیع تبعاً جائز ہے۔ درمختار میں ہے: ”(اشتری ثورا و فرسا من حذف لاجل استیناس الصبی لا یصح ولا قيمة له فلا یضمن متلفه۔ رد المحتار میں ہے۔) قوله من حذف (ای طین قال ط قید به لانها لو كانت من خشب او صفر جاز اتفاقاً فیما یظهر لا مکان الانتفاع بها“

ان سوالات کے جوابات تو اسی تمہید سے حاصل ہو گئے، محض آسانی کے لئے ہر سوال کا نمبر وار جواب مختصر دیا جاتا ہے۔ عبارات بہت کافی نقل کر دی گئیں۔

جواب سوال نمبر (۱) اخبار، کتابوں، بیڑی، سگریٹ، ماچس، بوٹ وغیرہ میں ظاہر ہے کہ بیع اصلۃً ان چیزوں کی مقصود ہے اور تصاویر کی بیع تبعاً داخل ہے۔ اور تصاویر کا بیع میں تبعاً ہونا ایسی ناقابل انکار بات ہے جس کا کوئی سمجھدار شخص انکار نہیں کر سکتا کہ تصاویر ان چیزوں میں بیع نہیں ہیں کہ نہ تو بائع کے خیال میں وہ تصویر بیع ہے نہ مشتری کے تصور میں وہ تصویر بیع ہے، تو حق تصویر میں رکن بیع یعنی مال کا ل سے مبادلہ ہی نہیں پایا گیا۔ اسی بنا پر زرشن کا کوئی جز اس تصویر کے مقابل نہیں ہوتا تو گویا تصویر کی بیع اصلۃً نہیں ہوئی بلکہ تبعاً ہوئی اور اس کی تبعاً بیع جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر کی عبارات سے ظاہر ہو چکا۔ اب سائل کا ان عائدین پر تصویر فروشی اور بیع تصاویر کا الزام صحیح نہیں ہے۔ تو ان چیزوں کی تجارتیں جائز ثابت ہوئیں اور ان پر کوئی الزام شرعی عائد نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۲) چھپی ہوئی اور ابھری ہوئی تصویر میں باعتبار بیع کے کچھ فرق نہیں یہ سب اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہو چکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۳) انسان کی تصویر اور جانور کی تصویر کی بیع میں کچھ فرق نہیں ہے کہ وہ ذی روح کی تصویر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۴) کاغذ لوہے پتھر، ہاتھی دانت لکڑی وغیرہ کی چھپی ہوئی یا ابھری ہوئی یا بنی ہوئی تصاویر سب کا ایک حکم ہے اوپر تفصیل سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال نمبر (۵) اس کا جواب اوپر جواب نمبر (۱) میں گزر چکا ہے کہ ان اشیاء میں جب بائع اس تصویر کو بیع سمجھ کر فروخت ہی نہیں کرتا ہے اور نہ مشتری کا مقصود اس تصویر کو خریدنا ہے تو ان

ہر دو بائع و مشتری پر کوئی مخطوط شرعی لازم نہیں آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب سوال نمبر (۶) اب سفر حج کیلئے فوٹو کا کھینچنا ضروری ہو گیا ہے۔ جب یہ قانون زیر غور ہی تھا اس وقت بھی ہم نے اور دیگر مقامات سے علماء کرام نے اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا۔ حکومت نے اس کا جواب ہم کو یہ دیا کہ حکومت کو مجبوراً پاسپورٹ کے ساتھ فوٹو کو لازم کرنا پڑا ہے، تو فوٹو کا پاسپورٹ کے ساتھ ہونا بہر حال ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اب ہمیں ادھر تو یہ ملحوظ رکھنا ہے کہ فوٹو تصویر ہے اور اس کا کھینچنا تصویر کا کھینچنا ہے جو گناہ ہے اور ادھر یہ مد نظر رکھنا ہے کہ حج فرض ہے جو بلا ادا کئے ادا نہیں ہو سکتا اور سال دو سال میں غیر مسلم حکومت سے یہ امید بھی نہیں ہے کہ حاج سے یہ فوٹو کی قید اٹھالی جائے گی۔ اب وہ شخص جس کو حج فرض ادا کرنا ہے اور تمام شرائط حج مجتمع ہیں اور شرعی موانع سے کوئی مانع موجود نہیں ہے تو کیا اس کے لئے صرف فوٹو کا کھینچنا شرعاً عذر و مانع قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اور بصورت عذر و مانع ہونے کے تاخیر حج کے گناہ بلکہ ترک فرض حج کے عذاب کا سزا وار ہو گا یا نہیں۔ لہذا ہم جواب سے اپنے چند مقدمات پیش کرتے ہیں۔

مقدمۃ اولی: ماں باپ کی اطاعت سے حج فرض ادا کرنا اولیٰ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، فی المنقطع حج الفرض اولیٰ من طاعة الوالدین وطاعتہما اولیٰ من حج النفل۔

(عالمگیری قوی ص ۱۱۳ ج ۱)
ارشاد الساری حاشیہ المسئلۃ المنقطعیہ میں ہے: وفي المضممرات الاتیان بحج الفرض اولیٰ من طاعة الوالدین“ (ارشاد الساری مصری ص ۳)

اسی طرح جب عورت کے ساتھ محرم ہو تو اسے حج فرض کے لئے بغیر اجازت شوہر کے جانا جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے ”وعند وجود المحرم كان علیہا ان تخرج فی حجة الاسلام وان لم یاذن زوجه او فی النافلة لا تخرج بغیر اذن الزوج“

(از فتاویٰ قاضی خاں مصطفائی ص ۱۳۵ ج ۱)
درمختار میں ہے: ”ولیس لزوجه منعها عن حجة الاسلام“

رد المحتار میں ہے: ”ای اذا كان معها محرم والا فله منعها كما یمنعها عن غیر حجة الاسلام“ (رد المحتار مصری ص ۱۵۰ ج ۲)

ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حج فرض کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کے مقابلہ میں اطاعت والدین اور اذن شوہر کا بھی لحاظ نہ رکھا گیا۔

مقدمہ ثانیہ: پانی کی قلت، گرم ہوا کا چلنا، موت، قتل، چوری، بیماری کے محض خطرات حج کے لئے عذر مانع نہیں۔

رد المحتار میں ہے:

ان ما يحصل من الموت بقلّة الماء وهيجان السموم اكثر مما يحصل بالقتل باضعاف كثيرة فلو كان عذرا لزم ان لا يجب الحج الاعلى القريب من مكة في اوقات خاصة مع ان الله تعالى اوجبه على اهل الآفاق من كل فج عميق مع العلم بان سفره لا يخلو عما يكون في غيره من الاسفار من موت وقتل وسرقة۔

(رد المحتار مصری ص ۱۳۹ ج ۲)

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ سفر قلت آب، باد سموم، موت، قتل، چوری کے خطرات سے خالی نہیں ہوتا ہے تو یہ چیزیں حج کے لئے عذر مانع نہیں جب تک کہ یہ حد یقین یا ظن غالب کی حد تک نہ پہنچ جائیں۔

مقدمہ ثالثہ: اگر مال حرام سے حج فرض ادا کر رہا ہے تو اگرچہ اس کا حج درجہ قبولیت تک نہ پہنچے اور ثواب کا مستحق نہ بنے لیکن وہ تارک حج کا عذاب نہ دیا جائے گا۔

رد المحتار میں ہے:

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع انه يسقط الفريضة معها ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج اي لان عدم الترك يمتنى على الصحة وهي الاتيان بالشرائط والاركان والقبول المترتب عليه الثواب يمتنى على اشياء كحل المال والاخلاص كما لو صلى مائتا او صام و اغتاب فان الفعل صحيح لكنه بلا ثواب۔

(رد المحتار مصری ص ۱۳۳ ج ۲)

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ مال حرام سے حج کرنے میں فرض ادا ہو جاتا ہے، اور فریضہ سر سے ساقط ہو جاتا ہے کہ جب اس نے حج کے شرائط و ارکان ادا کیئے تو حج تو صحیح ہو گیا اور وہ ترک حج

کے ثواب سے بچ جائے گا۔ اب باقی رہا حج کا ثواب تو وہ حج کے مقبول ہونے پر مرتب ہے اور قبولیت حج مال حلال اور اخلاص پر موقوف ہے۔ جیسے کہ کسی نے ریا کے لئے نماز پڑھی یا روزہ رکھا اور اس میں غیبت کی تو وہ نماز و روزہ تو ادا ہو گیا مگر وہ ثواب کا حقدار نہ بنا۔ بالجملہ فریضہ کی صحت تو اسکے شرائط و ارکان کے ادا کرنے پر ہو جاتی ہے۔ اور خارجی امور کا اثر خود فعل پر نہیں پڑتا بلکہ ثواب پر ہے۔

مقدمہ رابعہ: سفر حج میں اگر ظلم ظالم یا دفع ثریا حصول امن کے لئے رشوت دینی پڑے۔ یا جنگی ٹیکس بجمبر لیا جاتا ہو اور یہ محض اسقاط فرض یا دفع مضرت مال کے لئے بضرورت دینے کے لئے مضطر ہو تو اس عازم حج پر کوئی محذور شرعی لازم نہیں آتا بلکہ گناہ لینے والے پر ہے اور یہ امور مذکورہ حج کے لئے عذر نہیں اور نہ منافی امن ہیں۔

رد المحتار میں ہے:

وهل ما يوخذ في الطريق من المكس والخفارة عذر قولان والمعتمد لا كمافي القنية والمجتبي

علامہ علی قاری المسلك المتعطف میں تحریر فرماتے ہیں:

”قال غير الو برى يجب الحج وان اعلم يوخذ منه المكس قال صاحب القنية والمجتبي وعليه الاعتماد وفي المنهاج وعليه الفتوى وقال ابن الهمام حاصله ان الاثم في مثله على الاخذ لا على المعطى فلا يترك الفرض لمعصية عاص“

(ارشاد الساری مصری ص ۳۶)

رد المحتار میں ہے:-

واعترضه ابن كمال با شافى شرحه على الهداية بان ما ذكر في القضاء ليس على اطلاقه بل فيما اذا كان المعطى مضطرا بان لزمه الاعطاء ضرورة عن نفسه وماله ، اما اذا كان بالا لتزام منه فبالا اعطاء ايضا ياتم وما نحن فيه من هذا القبيل - اه - و اقره في واجاب السيد ابو السعود بانه هنا مضطر لا سقاط الفرض عن نفسه قلت ويؤيده ما ياتي عن لقنية والمجتبي فان المكس والخفارة رشوة ونقل ح عن البحرين الرشوة في مثل هذا جائز ولم اره فيه۔

(رد المحتار مصری ج ۲- ص ۱۲۹)

ابن کمال پاشا نے اپنی شرح ہدایہ میں اس پر اعتراض کیا کہ قضا میں مذکور ہوا اس کا حکم مطلق

نہیں، بلکہ اس صورت میں ہے کہ جب دینے والا مجبور ہو کہ اپنے نفس و مال کی ضرورت کی بنا پر اس کو دینا لازم ہو، لیکن جب اس نے خود ہی اپنے اوپر لازم قرار دے دیا تو دینے پر گنہگار ہوگا۔ اور ہم جس پر گفتگو کر رہے ہیں وہ اسی قبیل سے ہے، اسی کو نہر میں برقرار رکھا۔ اور سید ابوسعود نے جواب دیا کہ بلا شک حاجی یہاں پر اپنے نفس پر سے فریضہ حج کے ساقط کرنے کے لئے مجبور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی کی تائید کرتا ہے۔ جو قنیہ اور بھٹی میں لکھا ہے۔ کہ بیشک محصول اور ٹیکس رشوت ہے اور بحر الرائق سے منقول ہے کہ بیشک اس جیسی جگہ میں رشوت جائز ہے۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ ظلم ظالم، دفع شر حصول امن، جنگی ٹیکس، کوئی عازم حج فرض محض اپنے اوپر سے فریضہ حج کے ادا کرنے یا اپنے مال سے دفع مضرت کرنے کے لئے بلحاظ ضرورت مجبوراً رشوت دے تو ایسی رشوت جائز ہے۔ اس کا گناہ صرف لینے والے پر ہوگا۔ اس دینے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور یہ چیزیں نہ حج فرض کے لئے عذر و مانع ہیں نہ اس کے لئے متافی امن ہیں۔ لہذا ان چیزوں کی بنا پر حج فرض کو نہ چھوڑا جائے گا بلکہ جب اس کے لئے اور تمام شرائط حج پائے جائیں تو اسے حج فرض کے لئے جانا واجب ہے۔

مقدمہ خامسہ :- جس شخص کے لئے مواعج حج مرتفع ہوں اور شرائط حج مجتمع ہوں تو اس کو اسی سال حج کرنا فرض ہے۔ وہ اگر دوسرے سال تک تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور اگر چند سال تک حج کے لئے تاخیر کرتا رہا تو فاسق ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔ درمختار میں ہے :-

(فرض فی العمر مرة علی الفور) فی العام الاول عند الثانی واصلح الروایتین عن الامام ومالك واحمد فیفسق وترد شهادته بتاخيره ای سنیناً لان تاخيره صغيرة وبارتکابه مرة لا یفسق الا بالاصرار۔ (رد المحتار ص ۱۴۴ ج ۲)

اور حج ایک بار فوراً پہلے سال ہی میں فرض ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام مالک و امام احمد و امام اعظم کی اصح روایت میں تو چند سال تاخیر سے وہ فاسق ہو جائے گا اور اس کی گواہی مردود کر دی جائے گی۔ کیونکہ تاخیر حج صغیرہ گناہ ہے اور صغیرہ کے ایک بار کرنے سے فسق نہیں ہوتا۔ ہاں وہ اس تاخیر کے اصرار سے ضرور فاسق ہو جائے گا۔

درامتنی شرح الملتقی میں ہے؛

(فرض فی العمر مرة علی الفور) عند الثانی لان الموت فی السنة غیر نادر وهو اصح الروایتین عن الامام ومالك واحمد کما فی عامة الكتب المعتررات کالخانیة والاسرار و فی القنیة انه المختار فیفسق وترد شهادته بالتاخير عن العام الاول بلا عذر۔ (درامتنی مصری ج ۱ ص ۲۵۹)

(حج) ایک مرتبہ عمر میں فوراً فرض کیا گیا، امام ابو یوسف کے نزدیک کہ سال میں موت کا وجود غیر نادر ہے اور یہ امام اعظم اور مالک اور احمد کی اصح روایت میں ہے جیسا کہ عام معتبر کتب مثل فتاویٰ قاضی خان اور اسرار میں ہے اور قنیہ میں ہے کہ یہی مختار قول ہے تو بلا عذر پہلے سال کی تاخیر سے فاسق اور وہ مردود الشہادت ہو جائے گا۔

لباب الناسک اور اس کی شرح المسک المتقط فی المسک المتوسط میں ہے:

(و اذا وجدت الشروط) ای شروط وجوب الحج و لدائه وجب (فالوجوب علی الفور) ای محمول علیہ فی القول الاصح عندنا وهو اختیار ابی یوسف و اصح الروایتین عن ابی حنیفة کما نص علیہ قاضی خان وصاحب الکافی و به قال مالک فی المشهور و احمد فی الاظهر والبمازنی من الشافعية (فیقدمه خائف العزوبة) ای من العنت (علی التزوج) لحق تعلق وجوب الحج وسبقه (ویائم المومخر عن سنة الامکان) ای اول سنی الامکان وهذا طریق امام الهدی ابی منصور الماتریدی فی کل امر مطلق عن الوقت فانه یحمل علی الفور۔ (المسک المتقط ص ۴۴)

اور جب حج کے وجوب اور ادا کی شرطیں پائی گئیں اور وہ واجب ہو گیا تو اس کا وجوب ہمارے نزدیک صحیح ترین قول کی بنا پر علی الفور ہے۔ یہی امام ابو یوسف کا مختار قول ہے۔ اور امام اعظم کی اصح روایت ہے، جیسا کہ اس پر قاضی خان اور صاحب کافی نے نص بیان کی اور یہی مشہور روایت میں امام مالک نے اور اظہر روایت میں امام احمد نے اور شافعیہ میں سے مازنی نے فرمایا۔ تو حج کو غیر شادی شدہ شخص جو زنا سے خائف ہے نکاح پر مقدم کرے کہ حج کا وجوب اور سبقت کا حق اس سے متعلق ہو چکا۔ اور قادر ہو جانے کے سالوں میں سے پہلے سال ہی سے تاخیر کرنے والا گنہگار ہو جائے گا۔ یہ امام ہدی امام ابو منصور ماتریدی کا طریقہ ہر اس امر میں ہے جو وقت سے مطلق ہو کہ وہ علی الفور ہی پر محمول ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرضیت حج کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کے مانع نہ ہوں اور تمام شرائط جمع

ہوں تو اس کے مقابل طاعت والدین اور اذن شوہر کی بھی پروا نہ کی جائے گی، اور قلت آب، بادموم، موت، قتل، چوری، بیماری کے خطرات بھی حج کے موانع نہیں ٹھہریں گے، یہاں تک کہ مال حرام سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور وہ ترک حج کے عذاب سے بچ جاتا ہے اگرچہ ایسا حج مقبول نہیں ہوتا، اور وہ ثواب کا مستحق نہیں بنتا لیکن باوجود اس کے مال حرام حج کے لئے عذر نہیں قرار پاتا۔ بلکہ حج فرض کی ضرورت کا اتنا لحاظ ہے کہ اس کے سفر میں ظلم ظالم و دفع شرو حصول امن کے لئے رشوت دینے کی اجازت ہے۔ اور چنگی اور ٹیکس ادا کرنے پر کوئی مواخذہ شرعی نہیں ہے تو رشوت بھی حج کیلئے نہ عذر نہ مانع نہ منافی امن ہے۔ بالجملة ان سب امور کو نہ تو حج فرض کے لئے عذر و مانع قرار دیا۔ نہ ان کی وجہ سے حج کو جانا گناہ و ناجائز ٹھہرایا۔ نہ ان کی بنا پر فریضہ حج کا التوا کیا۔ تو فوٹو کا کھنچنا بھی اگرچہ گناہ ہے مگر اس کو بلا کسی دلیل کے حج فرض کا عذر و مانع کس طرح قرار دیا جائے۔ اور محض اس فوٹو کی بنا پر حج فرض کے لئے جانا کس ثبوت سے گناہ و ناجائز ٹھہرایا جائے۔ اور صرف اس کی وجہ سے کس نص سے تاخیر حج کے گناہ و فسق بلکہ ترک حج کے عذاب کو اٹھا دیا جائے اور اس شخص کو فاسق و مردود شہادت ہونے سے بچالیا جائے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ فوٹو کا کھنچنا عازم حج فرض کے لئے محض اسقاط حج فرض کی ضرورت کے لئے مجبور ہے۔ جیسا کہ مقدمہ ثالثہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ مال حرام سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ترک حج کے عذاب سے بچ جاتا ہے۔ اور محض اسقاط حج فرض کی ضرورت کی بنا پر مجبور اسے حج ادا کرنے کی اجازت دی اور یہ بات بیان کی کہ یہ ایک خارجی چیز ہے اس کا اثر خود فعل حج پر نہیں پڑتا بلکہ ثواب پر اثر پڑیگا۔ تو مال حرام حج کیلئے عذر و مانع نہ بنایا باوجود کہ یہ ارکان حج کے اسباب میں اثر انداز ہے کہ اسی سے منی، مزدلفہ، عرفات، طواف زیارت کے لئے جارہے ہیں۔ خود ارکان حج ادا کرنے والے کا خورد و نوش، طہارت، لباس، قربانی وغیرہ کثیر امور اسی مال حرام سے ہو رہے ہیں۔ تو اسی طرح فوٹو کے ہونے کے باوجود حج فرض ادا ہو جانا چاہیے۔ اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جانا چاہئے۔ تو یہ فوٹو رکھنے والا شخص بھی ترک حج کے عذاب سے بچ جانا چاہئے۔ اور محض اسقاط حج فرض کی ضرورت کی بنا پر مجبور فوٹو کے ساتھ حج فرض کی اجازت دی جائے تو فوٹو بھی تو ایک خارجی چیز ہے۔ اس کا اثر کسی رکن حج پر نہیں پڑتا۔ بلکہ اس کو تو چھپا کر صندوق میں رکھ دیا جائے گا۔ نہ اس کو منی، مزدلفہ، عرفات، صفا و مروہ، مسجد حرام میں لے جانے کی حاجت نہ کسی فعل کے ادا کرنے کے وقت اس کے

دکھانے کی ضرورت تو فوٹو کو فرض حج کے لئے کس طرح عذر و مانع قرار دیا جاسکتا ہے۔

مقدمہ رابعہ میں ثابت کیا گیا کہ رشوت جس کی حرمت منصوص ہے اس کی محض اسقاط فرض کی ضرورت کو مد نظر رکھ کر اجازت دی گئی اور اس کی حرمت کو حج فرض کیلئے عذر و مانع قرار نہیں دیا گیا، اسی طرح فوٹو کو بھی محض اسقاط حج فرض کی ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا جائے اور اس کی حرمت کو حج فرض کے لئے عذر و مانع نہ ٹھہرایا جائے۔ پھر رشوت کی مجبوری تو بھی اتفاقاً پیش آ جاتی ہے۔ اسی طرح مال حرام کے صرف کرنے میں تو کوئی شخص خاص ہی مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن فوٹو کی ایسی قانونی مجبوری ہے جس کے اٹھ جانے کی اب کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ پھر اس میں ایسا ابتلاء عام و عموم بلوی ہے جس سے کسی شخص کا اس سے مستثنیٰ ہو جانا نہایت مشکل امر ہے۔ تو ان مجبوریوں، ضرورتوں کو کتب فقہ کی نظیروں کی بنا پر حج فرض کے ادا کرنے کے لئے فوٹو کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور قول فقہائے کرام "الضرورات تبیح المحظورات" (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں) پر عمل ہو جاتا ہے۔ اور اس قانون کے اٹھ جانے یا اس سے مستثنیٰ ہو جانے کی موہومی امیدوں پر التوائے حج یا تاخیر حج بلکہ ترک حج کے گناہ و فسق سے اہل اسلام کو بچالیا جائے گا۔ یہ حکم فرض حج کیلئے ہے۔ باقی رہا حج نفل اس کے لئے فوٹو کی اجازت نہیں دی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال نمبر (۷): اخبار و رسائل میں سدا فوٹو ہی کے دیکھنے کی عادت نہ چاہئے کہ اس میں ترویج معصیت کا شائبہ ہے جیسا کہ تصاویر مکان کے دیکھنے میں۔ بعض کتب فقہ میں ترویج حرام کی علت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ برہنہ میں ہے:

و در جامع گفته کہ اتخاذ صورت در خانہ مکروہ ست و بچنیں دخول دار و دیدن او و نشستن درو کہ دریں ترویج حرام است۔ (فتاویٰ برہنہ کشوری۔ ج۔ ۱۔ ص ۸۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۴۲۷ھ

(۸۴۷)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
ماملہ عورت مر جائے اور بچہ پیٹ میں حرکت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

اس بچہ کو اس مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے نکالا جائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

امراة ماتت والولد يضطرب في بطنها قال محمد يشق بطنها ويخرج الولد لا يسع الا ذلك كذا في فتاوى قاضی خاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۲۸)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

جس کپڑے میں پیوند یا کھوپ لگانا ہو (یعنی کپڑا چھٹ جائے تو اس کو سینا یا اور کپڑا لگا کر سینا) اس سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز بلا کراہت ادا ہوگی یا کراہت کے ساتھ؟ شرعی کیا حکم ہے۔ بیوا تو جروا المستفتی اعجاز احمد پبلی بھتی غنی عنہ ۳۱ رگست ۱۳۵۲ء

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

پیوند کا کپڑا پہنا سلف صالحین سے ثابت ہے تو اس سے بہر حال کراہت نماز کے اندر لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۲۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیا ہے؟

(۲) ہر نماز کے بعد آپس میں مصافحہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی الحاج شجاع الدین صاحب امام مسجد گانجہ کھیت قریب مسجد ناگپور

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہو کر ہی صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ چنانچہ بوقت حاضری روضہ مقدسہ بھی کھڑے ہو کر ہی پڑھنے کا حکم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ويقف كما يقف في الصلوة ثم يقول السلام عليك يا نبي الله ورحمة الله وبركاته الخ۔ ملخصاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنا یقیناً جائز ہے۔ رد المحتار میں ہے:

و اما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له في الشرع على هذا الوجه ولكن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة و كونهم حافظين عليها في بعض الاحوال ومفرطين في كثير من الاحوال او اكثرها لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التي ورد الشرع باصلها قال الشيخ ابو الحسن البكري و تقييده بما بعد الصبح والعصر على عادة كانت في زمنه والافعقب الصلوات كما كذلك كذا في رسالة الشرنبلالی فی المصافحة ونقل مثله عن الشمس الحالوتی و انه افقی به مستند لا بعموم النصوص الواردة فی مشروعيتها وهو الموافق ما ذكره الشارح من اطلاق المتون۔ (رد المحتار۔ ج ۵۔ ص ۲۵۲)

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ ہر نماز کے بعد مصافحہ مشروع وجائز ہے۔ اسی کی شیخ ابوالحسن بکری نے تصریح کی اور اسی پر علامہ شمس الدین حانوتی نے فتویٰ دیا اور یہی در مختار اور متون سے مستفاد ہوا۔ مولیٰ تعالیٰ منکرین کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۵۰)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مسجد میں اکثر لوگ برال یا گھاس جاڑوں کے موسم میں ڈال دیتے ہیں بچھا دیتے ہیں خاص

کردیہات کی مسجدوں میں کثرت سے ایسا کرتے ہیں اور اس پر چٹائی بچھا کر نماز پڑھتے ہیں۔ کیا پرال یا گھاس ڈال کر اس پر نماز چٹائی بچھا کر یا بغیر چٹائی بچھائے پڑھنا کیسا ہے۔ کیا نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟۔ بیوا تو جروا۔

(۲) عمامہ کا شملہ لٹکانا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہ لٹکائے یا عمامہ میں گھرس لے تو کیا حکم ہے؟ اور اس طرح یعنی عمامہ کا شملہ بغیر لٹکائے یا عمامہ میں گھرس کر نماز پڑھے تو نماز کیا بلا کراہت ادا ہو جائیگی یا نہیں کیا حکم شرع ہے؟۔

(۳) جلق کے معنی کیا ہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟۔

(۴) شوہر اور بیوی دونوں کو بوقت جماع (ہم بستر ہوتے وقت) بالکل برہنہ ہونے کے ساتھ یعنی برہنہ ہو کر جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۵) بعد نماز عصر تا نماز مغرب کھانا پینا چاہئے یا نہیں۔ زید کہتا ہے کہ نہیں چاہئے کیوں کہ نماز عصر سے مغرب تک جو شخص کھائے پئے نہیں اس کو ایک روزے کا ثواب ملتا ہے۔ عمر کہتا ہے کہ وقت نزع جس شخص کا وقت نزع ہوتا ہے خواہ وہ رات میں ہو یا دن میں خواہ کسی وقت ہو مگر صاحب نزع کو عصر و مغرب کے درمیان کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس کی اس وقت کھانے پینے کی عادت نہیں ہوگی تو وہ شخص اس وقت وضو کے واسطے پانی عصر کی نماز پڑھنے کے واسطے طلب کرے گا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگا۔ لہذا اس وقت یعنی عصر کی نماز کے بعد مغرب تک کھانا پینا نہ چاہئے۔

سوال دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید و عمر کے قولوں میں سے کس کا قول صحیح ہے اور شرعاً کیا حکم ہے؟۔ بیوا تو جروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) مسجد میں گھاس یا پرال ڈال کر اس پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ اس میں پیشانی اور ناک ایسی جم جائے کہ دبائے سے نہ بے اور اس کے اوپر کوئی چٹائی بچھانے کی حاجت نہیں۔

عالمگیری میں ہے: "لو مسجد على الحشيش او على التين او على القطن و البطنفة او الثلج ان استقرت جبهته و انفه و وجد حجمة يحوز به و الله تعالى اعلم بالصواب

(۲) شملہ سنت ہے۔ مواہب لدنیہ علی الشماک محمد یہ میں ہے: "وقد استفيد من الحديث

ان العذبة سنة " پھر اس کو صافہ کی دم یا پونچھ کہنا گویا اس کے ساتھ مذاق کرنا ہے جو شان مسلمان کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ شملہ ایسا فعل ہے جسکو صلحاء نے کبھی ترک نہیں کیا پھر بھی بغیر شملہ کے عمامہ سے نماز پڑھے اسکی نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

وتخصيص ارسال عذبه وقت نماز موافق سنت نیست وصواب آنست کہ ارسال عذبه مستحب است وترک آن اشئی یا اسائے نیست اگرچہ در فعل آن ثواب و فضیلتے باشد۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) جلق کے معنی غیاث اللغات میں مشت زدن بشہوت و انزال کردن پیش از ادخال کے ہیں۔ اور حدیث شریف میں مرتکب جلق کو ملعون فرمایا گیا ہے۔ "ناکح الید ملعون۔

رد المحتار میں ہے: "لو استمنى بكذا بحائل يمنع الحرارة یا ثم ایضا ویدل ایضا علی ما قلنا ما فی الزیلعی حیث استدلل علی عدم حله بالكف۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۴) زن و شوہر برہنہ ہو کر جماع کر سکتے ہیں لیکن اولے یہ ہے وہ حتی الامکان بے پردہ و بے حجاب نہ ہوں۔ حدیث شریف میں ہے: "اذا تی احدکم اہلہ فلیستر ما استطاع ولا یتجردان نجرد العیر۔ یعنی جب تمہارا کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرے تو حسب استطاعت پردہ کرے اور دونوں گدھے کی طرح برہنہ نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۵) قول عمر قول زید سے بدتر ہے اور شرعاً اس وقت میں خاص طور پر کھانے پینے کی کوئی مخالفت وارد نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمیل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمیل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۸۱ھ

مسئلہ (۸۵۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کی بابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعلین مبارک کو جوتیاں کہنا کیسا ہے؟۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعلین شریفین کو جوتیاں کہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا اگرچہ قائل پر کوئی شرعی جرم بھی عام نہیں ہوتا۔ لانه ليس فيه شئ من الاهانة والا ستخفاف۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۵۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

(۱) میلاد شریف کی مجلس میں اولیائے کرام کا ذکر کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ اور اسی مجلس میں وفات نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ بیان فرمائیں۔

(۲) میلاد شریف کی مجلس میں چار شخصوں کا یا اس سے زیادہ کا ملکر نعت شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟۔ فقط جواب سے سرفراز فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

احقر صابر میاں موضع جیہ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) مجلس میلاد شریف میں حضرات اولیاء کرام کا ذکر کرنا مقاصد میلاد شریف کے خلاف نہیں ہے کہ ذکر فضائل و کرامات اولیائے کرام در حقیقت فضائل و معجزات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرنا ہے۔ کہ ہر ولی کی کرامت اس امت کے نبی کے معجزات میں شمار ہے۔ علامہ یافعی روض الریاحین میں حضرت امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

کل نبی ظہرت کرامۃ ولی واحد من امتہ فہی معدود من جملة معجزاتہ۔
تو ذکر اولیائے کرام مقاصد مجلس میلاد شریف کے خلاف قرار نہیں پایا کہ معجزات و فضائل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی ذکر کرنا مجلس میلاد شریف کا مقصد ہے۔ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف کا ذکر کرنا اور شہدائے کربلا کی شہادت کا ذکر مجلس میلاد شریف میں نامناسب ہے اور خلاف اولیٰ کہ اس مجلس کی غرض فرح و سرور ہے اور ذکر رنج و غم اس مجلس میں نازیبا ہے اور نامناسب ہے۔ لہذا سب سے پہلے مجلس میلاد شریف میں ذکر وفات شریف و ذکر شہادت نہ کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) مجلس میلاد شریف میں چار یا اس سے زائد شخصوں کا نعت شریف پڑھنا بلاشبہ جائز ہے۔ اس کی اصل حدیث شریف سے ثابت ہے جس کی مواہب لدنیہ نے تخریج کی۔ مہاجرین و انصار بوقت خندق کھودنے کے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو یہ شعر باواز بلند ملا کر پڑھ رہے تھے۔

نحن الذی با یعنا محمد اعلیٰ الجہاد ما بقینا ابدًا

اس حدیث شریف سے ثابت ہو گیا کہ اشعار نعتیہ کا باواز بلند ملا کر چند شخصوں کے لئے پڑھنا جائز ہے۔ اگر ناجائز ہوتا تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی ممانعت فرماتے۔ پھر جب شارع علیہ السلام ہی نے اس کو منع نہیں فرمایا تو امت میں اس کو کون منع کر سکتا ہے اور اس کو کون ناجائز قرار دے سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۸ ربیع الاخر ۱۳۷۷ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

(۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۶۵، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳،

۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ایک عالم دین مفتی و پرہیزگار فرانس و واجبات سنن کا پابند اور حرام و مکروہ تحریمی سے پرہیز کرنے والا ہے۔ وہ اب تک بیان ولادت باسعادت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کھڑے ہو کر سلام پڑھتا رہا لیکن ایک بار اس نے بوقت سلام قیام نہ کیا بلکہ بیٹھا رہا۔ جب لوگوں نے کھڑے نہ ہونے کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میرے بیٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہو کہ بوقت سلام بیٹھنا بھی کوئی گناہ نہیں بلکہ مباح ہے اور کھڑا ہونا فرض و واجب نہیں ہے بلکہ مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔ زید مذکور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو فرض جانتا ہے۔ اور گستاخی و بے ادبی کو کفر۔ لیکن سلام کی حالت میں بیٹھا رہنا گستاخی یا بے ادبی نہیں سمجھتا ہے۔ کیونکہ بوقت بیان ولادت باسعادت وہ محفل میلاد میں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہ نفس نفیس تشریف لانے کا قائل نہیں۔ ایسی صورت میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔ جواب باصواب بحوالہ قرآن وحدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

جلد عطا فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

(۱) بوقت بیان ولادت شریفہ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا فرض ہے یا واجب یا کیا؟

(۲) بوقت بیان ولادت باسعادت بیٹھا رہنا حرام ہے یا مکروہ یا کیا؟

(۳) بوقت سلام کبھی بھی بیٹھا رہنے والا فاسق ہے یا نہیں؟

(۴) ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) محفل میلاد شریف میں بوقت بیان ولادت مبارکہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف

لاتے ہیں یا نہیں؟

(۶) مستحب کی کیا تعریف ہے؟

(۷) مباح کی کیا تعریف ہے؟

(۸) کسی امر مباح یا مستحب کو فرض یا واجب کا درجہ دینا کیسا ہے؟

(۹) بوقت بیان ولادت مبارکہ کھڑے ہونے کو فرض یا واجب سمجھنا کیا ہے؟

(۱۰) محفل میلاد شریف میں غلط روایات اور خلاف شریعت اشعار پڑھنا کیسا ہے؟

(۱۱) جس محفل میں غلط روایات یا خلاف شریعت اشعار پڑھے جاتے ہوں اس محفل میں شامل

ہونا کیسا ہے؟

(۱۲) کسی مرد کو بھی سونا چاندی یا اس کا زیور یا ریشمی لباس پہننا کیسا ہے؟

(۱۳) سونا چاندی یا ریشمی لباس استعمال کرنے والے مرد سے بیعت کرنا یا مرید ہونا جائز ہے یا

نہیں؟ اگر ناواقفیت سے بیعت کر لی تو ان کی بیعت فسخ کر دینی جائز ہے یا نہیں؟

(۱۴) داڑھی منڈانا کیسا ہے؟ داڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

فقط عبد القیوم انصاری قصبہ ڈاکخانہ خانپور ضلع اٹاوا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) بوقت ذکر ولادت شریفہ کھڑے ہو کر سلام پڑھنا فرض، واجب تو نہیں ہے بلکہ مستحب و

مستحسن ہے۔ کما فصلنا فی رسالتنا۔

(۲) بوقت ذکر ولادت شریفہ قیام کا نہ کرنا حرام نہ مکروہ تحریمی بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔ ولا شک

ان ترک المستحب خلاف الاولیٰ۔

(۳) قیام مذکور کا نہ کرنے والا فاسق تو نہیں۔ اور بلا عذر اس کا تارک یا تو وہابی ہے یا گمراہ ورنہ

مرتکب خلاف۔

(۴) اگر وہابی ہے اور اکابر علماء دیوبند کے کفریات سے راضی ہے تو بلا شک اس کے پیچھے نماز جا

ز نہیں ورنہ جائز ہے۔

(۵) محفل میلاد میں بوقت ذکر ولادت نہ حضور علیہ السلام کی تشریف لانے کے اہل سنت مدعی

ہیں نہ تشریف آوری کی بنا پر قیام ہے بلکہ قیام عظمت ذکر آمد کیلئے ہے۔

(۶) درختار میں مستحب کی یہ تعریف لکھی ہوئی ہے۔ وهو ما فعله النبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم مرة و ترکہ اخری و ما احبه السلف۔ یعنی مستحب وہ ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کیا ہوا اور پھر چھوڑ دیا ہو۔ اور جس کو سلف نے پسند کیا ہو اور محبوب رکھا ہو۔

(۷) جمع العلوم میں مباح کی تعریف ہے۔ ما استوی طرفاه ای الفعل و ترکہ۔ یعنی

مباح وہ ہے جس کی ہر دو جانبین فعل اور عدم فعل برابر ہوں۔

(۸) کسی مباح یا مستحب کو بہ نیت فرض یا واجب کرنا تو مدخلت فی الدین۔ اور وہ ہمارے بہ

نیت مباح و مستحب ہمیشہ کئے جانے سے واجب و فرض نہیں ہو جاتے۔ خیر الامور اذومها۔

(۹) قیام کو بوقت ولادت شریفہ واجب یا فرض اعتقاد کر کے کرنا غلط ہے اور مخالف مسلک اہل

سنت و جماعت ہے۔

(۱۰) غلط روایات و خلاف شرع اشعار پڑھنا یقیناً ناجائز ہے۔ چاہے وہ محفل میلاد شریف میں

ہوں یا مجلس وعظ میں ہوں۔

(۱۱) غلط روایات و خلاف شرع اشعار جس محفل یا جلسہ میں پڑھے جاتے ہوں وہاں صرف اس

کو جانا جائز ہے جو ان کو روک سکے ورنہ اس میں شامل ہی نہ ہو۔

(۱۲) سونے چاندی کی زنجیر کے ٹخن چاندی کی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی انگوٹھی۔ اصلی ریشم

کی چار انگشت کی گوٹ یا جس کا صرف تاناریشم کا ہو مرد کے لئے بھی جائز ہے اور ان کے علاوہ چاندی اور

ریشم کا استعمال مرد کیلئے جائز نہیں۔ کمافی کتب الفقہ۔

(۱۳) جو مرد سونے چاندی یا ریشم کا استعمال علاوہ تفصیلی مقدار بالا کے کرے وہ فاسق ہے اس

سے بیعت نہ چاہئے اور اگر نادانگی میں اس سے بیعت کر چکا اور وہ اپنے اس فعل نامشروع سے باز نہ آئے تو یہ بیعت فسخ کر سکتا ہے۔

(۱۳) داڑھی منڈانا حرام و فسق ہے اور داڑھی منڈے کے پیچھے نماز مکروہ ہے جو واجب الاعداء ہے۔

بالجملہ اگر زید وہابی نہیں ہے اور اکابر علماء دیوبند کی عبارات تو ہیں سرکار نبوت پر رضا مندی نہیں کرتا ہے بلکہ متصلب اہل سنت و جماعت ہے اور میلاد شریف اور قیام کو مستحب و مستحسن اعتقاد کرتا ہے اور میلاد شریف میں یہ ترک قیام اس سے اتفاقا ہو گیا ہے اگرچہ گنہگار نہ سہی لیکن تارک افضلیت ضرور ہے کہ اس کے لئے بمقابلہ ترک قیام کرنا افضل تھا کیونکہ قیام میں گمراہ فرقہ وہابیہ کی مخالفت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے نہر کے ہوتے حوض سے وضو کرنے میں فرقہ معتزلہ کی اظہار مخالفت ہوتی ہے اسی بنا پر بمقابلہ نہر کے حوض سے وضو کرنا افضل ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

التوضوء من الحوض افضل من النهر رغما للمعتزلة۔

توزید کے لئے سنی ہو کر قیام کا ترک کرنا بہتر و مناسب نہیں تھا۔ اس میں گمراہ فرقہ وہابیہ کا بھی اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔

باقی رہا یہ عذر کہ اس وقت کا نہ کرنا صرف اس بات کے اظہار کیلئے تھا کہ قیام مباح یا مستحب ہے کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔ تو زبان سے بھی بہتر تفہیم اور عمدہ انداز میں یہ تفصیل ہو سکتی تھی تو اس کو اپنے فعل ہی سے بتانے اور سکھانے کی کیا ضرورت تھی، خاص کر جب اس فعل میں ترک افضل اور اشتباہ تو ہب بھی لازم آگیا تو یہ فعل قول سے کس طرح بہتر و اولیٰ قرار پایا۔

علاوہ بریں جب زید تعظیم حضور علیہ السلام کو فرض جانتا ہے تو قیام بھی محض عظمت ذکر آمد حضور علیہ السلام ہی کیلئے ہے۔ لہذا اس ترک قیام میں کیا شان بے ادبی اور شان ترک عظمت ذکر آمد حضور علیہ السلام نہیں ہے؟ نیز جب ساری مجلس سلام کیلئے کھڑی ہو گئی تو اس مجلس میں ایک شخص کو کھڑا نہ ہونا کیا آداب مجلس کے خلاف نہیں ہے؟ اور کیا قیام کے لئے حکم کرنے والے حکم کی صریح مخالفت نہیں ہے؟ اور کیا نص قرآنی و حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زید کو ایسی مخالفت کا کوئی حکم مل گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس زید کے اس فعل خلاف نص قرآن کریم میں آداب مجلس کی رعایت اور ذکر کے حکم قیام کی تعمیل کا

صاف حکم موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يا ايها الذين آمنوا اذا قيل لكم تفسحوا في المجالس فافسحوا يفسح الله لكم
واذا قيل انشزوا فانشزوا۔ (سورة مجادلة ع ۱۱/۱)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دید اللہ تمہیں دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

علامہ شیخ احمد تفسیر صادی علی الجلالین میں زیر آیت کریمہ فرماتے ہیں:

العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب فيتناول اي مجلس كان سواء كان
مجلس علم او ذكر او صلاة او قتال او غير ذلك (فيه ايضا) المقصود العموم في كل
ما يطلب به الفسوح والا سراع ففيه حث على التشمير عن ساعد الحد والاحتياط
في الطاعات وترك التكاثر۔ (تفسیر صادی مصری ج ۳ ص ۱۰۰)

اس پر اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خاص سبب نزول کا، تو حکم ہر مجلس کو شامل ہے برابر ہے کہ وہ مجلس علم کی ہو یا ذکر کی یا نماز کی ہو یا قتال کی یا اس کے سوا ہو۔ مقصود ہر اس چیز میں عموم ہے جس میں کھڑا ہونا اور جلدی کرنا مطلوب ہو۔ تو اس آیت میں بہت زیادہ جستی اور کوشش اور نیکوں میں سعی اور سستی کے ترک کیلئے ایماندارنا مقصود ہے۔

تو اب زید خود ہی غور کر لے کہ یہ مجلس میلاد شریف کیا مجلس ذکر میں داخل نہیں۔ اور سلام کیلئے کھڑے ہونا کیا امر خیر اور مطلوب شرع نہیں ہے تو اس کا اس مجلس ذکر کے آداب کو ملحوظ نہ رکھنا اور ذکر کے کھڑے ہونے پر ابھارنے اور حکم دینے کی تعمیل نہ کرنا کیا اس آیت پر عمل کرنا ہوا۔ یا اس سے سرتابی کرنا ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ یکم ذی القعدہ ۱۳۷۲ھ

کتبہ: المعتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۷۲ھ

مسئلہ (۸۶۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دامت برکاتہم النوری مسائل حسب ذیل میں کہ کسی مسلمان کو شیطان کہنا کیا ہے، اکثر استاذ جب شاگرد شرارت کرتا ہے کہہ دیتے ہیں کہ تم شیطان ہو، پورے شیطان ہو، کیسا ہے؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

محض افعال شیطانی کی بنا پر کسی مسلمان کو بھی شیطان کہا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف میں تنہا سفر کرنے والے کیلئے وارد ہوا ہے۔ الراكب شیطان۔ تو اس طرح کے اطلاق میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۹۹ھ

(۸۶۹)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعت محمدی نے والدین کا بیٹوں پر کیا حق رکھا ہے؟۔ بیٹوں کی کمائی میں باپ کا کچھ حق ہے یا نہیں؟۔ زید بوڑھا ہو چلا اور زید کے بیٹے تجارت وغیرہ کرتے ہیں مگر زید کو کھانے پینے کی تکلیف دیتے اور زید کا کچھ خیال نہیں کرتے، کیا زید کے بیٹوں پر شرعی کوئی جرم عائد ہوتا ہے؟۔ برائے مہربانی جواب بحوالہ کتب و نقل عبارت عنایت فرمائیں۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

حدیث پاک میں ہے کہ ماں باپ کی رضا پروردگار عالم کی رضا ہے، اور انکی ناراضی خدا کی ناراضی ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: رضا الرب فی رضا الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد۔ ترمذی،

اسی بنا پر دوسری حدیث میں ہے کہ ماں باپ کی خدمت دخول جنت کا سبب ہے، اور انکو تکلیف پہنچانا دخول دوزخ کا سبب ہے، چنانچہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان رجلا قال: یا رسول اللہ! ما ذاق الوالدین علی ولدهما؟ قال: هما جنتک و نارک رواہ ابن ماجہ۔

یعنی ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ماں باپ کا اولاد پر حق کیا ہے؟ فرمایا: کہ دونوں تیری جنت و دوزخ ہیں، یعنی انکی رضا سے جنت مل جائے گی، اور انکی ناراضی سے دوزخ کا مستحق ہوگا۔

اب باقی رہا یہ امر کہ ماں باپ کا بیٹے کی کمائی میں کیا حق ہے۔ تو اس کے لئے ابوداؤد و ابن ماجہ کی حدیث میں ہے:

ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ان لی مالا وان والدی محتاج الی مالی قال انت و مالک لو الدک۔

یعنی ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میرے پاس مال ہے او بیشک میرے باپ میرے مال کی طرف محتاج ہیں، فرمایا تو اور تیرا مال تیرے والد ہی کا ہے۔

حضرت شیخ محقق اسکی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں، گفت آنحضرت تو مال تو مرد والد ترا ست، یعنی واجب ست بر تو کہ انفاق کنی بروے و بر آری احتیاج اورا، و جائز است مرورا کہ تصرف کن در مال تو۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے والد ہی کا ہے، یعنی تجھ پر واجب ہے کہ تو اس پر مال خرچ کر اور اسکی حاجت کو پوری کر اور اسکو تیرے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے، یجب علی الولد المومر نفقة الابوين المعسرین المسلمین کانا او ذمیین قدر اعلیٰ الکسب اولم بقدر۔

ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ بیٹوں کی کمائی میں ماں باپ کا حق ہے اور ان پر واجب ہے کہ اپنے ماں باپ پر اپنا مال خرچ کریں، انکی حاجات کو پورا کریں، انہیں کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دیں، اور خاص کر جب وہ بوڑھے ہو جائیں، اور کمائی کے قابل نہ رہیں تو بیٹوں سے ان کا نفقہ جبر الیا جائے گا۔ پھر اگر وہ نالائق بیٹے انہیں کھانے پینے کی تکلیف دیں تو ایسے بیٹے شرعاً سخت مجرم گنہگار ہیں اور خدا کی ناراضی کے موجب دخول دوزخ کے مستحق ہیں واللہ تعالیٰ اعلم،

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۲۹۹ھ

(۸۷۰)

مسئلہ

تیجے، دسویں اور چالیسویں کے موقع پر عام غربا کی دعوت کی جاتی ہے، اس کے ساتھ اپنے عزیز و

اقارب کی دعوت بھی کی جائے کہ نہیں۔ بعض بد مذہب وہابی کہتے ہیں کہ تیجے چالیسویں کا کھانا امراء اور اقارب کو نہ کھلانا چاہیے۔ کیونکہ اس کھانے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ظاہر ہے کہ تیجے، دسویں، چالیسویں، ششماہی، برسی کا کھانا صدقات نفل سے ہے۔ اور صدقہ نفل اعزہ واقارب اغنیاء و امراء کے لئے ممنوع نہیں، خود پیشوائے وہابیہ تھانوی صاحب فتاویٰ امدادیہ میں لکھتے ہیں۔

سوال۔ رواج اس ملک کا یہ ہے کہ مردہ کے لئے وارثین نے اپنی اپنی ہمت کے موافق طعام پختہ کھلاتے اور روپیہ پیسہ وغیرہ صدقہ کرتے ہیں۔ اس طعام پختہ اور روپیہ پیسہ وغیرہ کے مستحق کون کون ہیں؟ فقراء، مسکین، یتیم، طالب علم، وغیرہ غریب غرباء، تو نگر و سودخور بے نمازی کی دعوت کر کے کھلاتا کیسا ہے؟

الجواب۔ یہ صدقہ نافلہ ہے، ہر ایک کے لئے جائز ہے۔ زیادہ اولیٰ وہ مساکین کے لئے ہے۔

(فتاویٰ امدادیہ، ج ۳ ص ۲۳)

اس فتوے سے ظاہر ہو گیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کا کھانا صدقہ نفل ہے جو ہر عزیز و قریب غنی و تو نگر کے لئے بھی جائز ہے بلکہ صدقات اپنے رشتہ دار اور عزیز واقارب کو دینا دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اولے و بہتر ہے۔

شامی میں ہے۔ بل ہم اولیٰ لانه صلة و صدقة۔ خود پیشوائے وہابیہ گنگوہی کے فتاویٰ میں

ہے۔

سوال۔ غریب محتاج کو دینا افضل ہے، یا اپنے رشتہ دار غریب محتاج کو،، الجواب۔ اپنے کو دینے میں بہ نسبت غیر کے زیادہ ثواب ہے فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۳ ص ۱۱۵)

تو جب صدقات کا اعزہ واقارب کو دینا اولیٰ و افضل ثابت ہوا اور انکو دینے میں زیادہ ثواب مرتب ہوا۔ تو تیجہ وغیرہ کے مواقع پر ایصال ثواب کے لئے اعزہ واقارب کو کھانا کھلانا جائز ثابت ہوا، اسکو کوئی وہابی ناجائز و ممنوع ثابت نہیں کر سکتا۔ بعض وہابیہ اس کو محض اپنی جہالت سے بلکہ فقط اپنی رائے سے اس کو ناجائز کہہ دیا کرتے ہیں، اس پر وہ ادنیٰ سی بھی کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کر سکتے، اب باقی رہا

افضلیت و اولیت کالجائز تو بہ نسبت اغنیاء و امراء کے فقیر کو دینا افضل و اولیٰ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کھانوں کا اغنیاء و امراء کو کھانا ممنوع و ناجائز ہو گیا۔

کتبہ: المقتسم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۷۱)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین حسب ذیل مسائل میں

(۱) زید نے کسی دنیوی خصوصیت اور عداوت کی وجہ سے ایک مسلمان کو فرعون کہا تو زید کافر ہوا یا نہیں۔ اور اس پر توبہ و تجدید ایمان فرض ہوا یا نہیں؟

(۲) بکر نے کسی دنیوی خصوصیت کے سبب ایک مسلمان کو ابو جہل کہا تو بکر کافر ہوا یا نہیں۔ اور اس پر توبہ و تجدید ایمان فرض ہوا یا نہیں؟

(۳) حامد نے کسی دنیوی خصوصیت و عداوت کے سبب ایک مسلمان کو ابلیس کہا تو حامد کافر ہوا یا نہیں، اور اس پر توبہ و تجدید ایمان فرض ہوا یا نہیں؟

(۴) محمود نے کسی دنیوی خصوصیت و عداوت کے سبب ایک مسلمان کو شیطان کہا تو محمود کافر ہوا یا نہیں، اور اس پر توبہ و تجدید ایمان فرض ہوا یا نہیں؟

نوٹ۔ ہر سوال کا جواب علیحدہ علیحدہ درکار ہے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

(۱) زید نے جب مسلمان کو فرعون کہا تو نہ اس نے اسکو فرعون کی طرح کافر اعتقاد کرتے ہوئے کہا، نہ اس میں کفر فرعون کی مثل کفر جانتے ہوئے کہا، بلکہ محض مشارکت ربی اور شرارت نفس کی بنا پر کہا جس کے لئے اس کی دنیوی خصوصیت و عداوت قرینہ ہے۔ تو یہ زید نہ کافر ہوا، نہ اس پر تجدید ایمان فرض

ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ہے۔ ان قال انا ابليس او فرعون لا يكفران اذا اراد المشاركة الا سميته او مجرد الشرارة النفسية لا كفر الفرعونية و اباء الا بليسية۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) اسی طرح بکر نے جب ایک مسلمان کو ابو جہل کہا تو ظاہر ہے کہ اس نے بایں معنی نہیں کہا کہ اس کا عقیدہ کفری ابو جہل کی طرح ہے، کہ اسکی عداوت و خصوصیت دنیوی اسکے لئے کافی قرینہ ہے، تو

بکرمہ کافر ہوانہ اس پر تجدید ایمان فرض ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ المختار للفتویٰ فی جنس هذا المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان كان ارادا الشتم ولا يعتقدہ کافرا لا یکفر و ان كان يعتقدہ کافرا فخصاطبه بهذا بناء على اعتقاده انه کافر یکفر۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۳) اسی طرح جب حامد نے کسی دنیوی خصومت و عداوت کے سبب ایک مسلمان کو ابلیس کہا تو یہ حامد بھی نہ کافر ہوا، نہ اس پر تجدید ایمان فرض ہے کہ اوپر شرح فقہ اکبر کی عبارت میں اس کا حکم گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) اسی طرح محمود نے جب کسی مسلمان کو دنیوی خصومت کے سبب شیطان کہا تو یہ محمود نہ کافر ہوا، نہ اس پر تجدید ایمان فرض ہے۔ چنانچہ اوپر کی عبارت میں مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۷۲)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

بیوپاری اپنے کھاتے دیوالی پر تبدیل کرتے ہیں، لہذا ہندو اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اگر کوئی مسلمان اسی روز اپنی دوکان میں خیر و برکت کی نیت سے قرآن خوانی کرے فاتحہ کرے اور قرآن خوانی فاتحہ میں شرکت کے لئے لوگوں کو مدعو کرے۔ زید کو بھی دعوت دے، لوگ اس محفل میں جمع ہو کر قرآن پڑھیں فاتحہ دیں مگر زید نہ آئے بلکہ لوگوں سے یہ کہے کہ رات فلاں شخص کے یہاں بھوانی کی یا گنیش کی پوجا ہوئی تھی، پس ایسے شخص کے لئے جو قرآن خوانی کو گنیش اور کسی دوسرے بت کی پوجا بتائے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟۔ نیز قرآن خوانی کرنے میں اسی روز میں کوئی مضائقہ ہے؟۔ جواب مع ثبوت کے دیا جائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ظاہر ہے کہ مسلمان اس دن کی عظمت ہندوؤں کے مذہبی اعتقاد کی بنا پر کس طرح کریگا۔ تو وہ یہ نیت خیر و برکت جس دن بھی قرآن خوانی کرے گا اس کے ثواب میں کیا کلام۔ جو اس خاص دن میں اس

کو منع کرتا ہے وہ اس خاص دن کی ممانعت کی دلیل پیش کرے۔ اور جب ممانعت کی دلیل نہیں تو وہ اباحت اصلیہ کی بنا پر جائز ہوا کہ الاصل فی الاشياء الاباحۃ۔ اب رہا تشبہ بکفار تو اس کا کوئی احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ خود قرآن کا پڑھنا ہی مشابہت مشرکین سے ممتاز کرتا ہے۔ باقی رہی دن کی موافقت تو اس میں مسلمان کا قرآن خوانی کرنا خود تشبہ کے لئے مانع اور کفار کی مخالفت ہے۔ جیسے مسلم

شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

حين صام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عاشورا وامر بصيامه قالوا يا رسول الله انه يوم يصومه اليهود والنصارى فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لئن بقيت الى قابل لا صومن من التاسع۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۱۷۸)

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اور اس دن کے روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ، یہ وہ دن ہے جس کی عظمت یہود و نصاریٰ کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک دنیا میں رہا تو نویں تاریخ کا روزہ ضرور رکھوں گا۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہو گیا مشارکت یوم کی مخالفت ایک امتیازی شی کے اضافہ سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے تشبیہ کا شائبہ مٹ جاتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ تشبہ یوم کا خطرہ یہاں قرآن خوانی سے مٹ گیا اور اس امتیازی اضافہ نے اس کی مخالفت پیدا کر دی۔ ورنہ کھانا پینا، سونا جاگنا، عبادت کا طریقہ سب تشبہ کی بنا پر ناجائز ہو جائیں گے۔ پھر جو اس قرآن خوانی کو گنیش یا کسی دوسرے بت کی پوجا بتائے وہ جلد از جلد توبہ کرے اور تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

(۸۷۳)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

ایک ہندو سنار مر گیا، ایک اپنا نابالغ لڑکا چھوڑا اور کچھ زمین چھوڑی، اس زمین کو اس کے رشتہ داروں نے اس کا لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے حکومت کو سپرد کر دی، جب تک لڑکا نابالغ ہو جائے۔ حکومت نے اس زمین کو سائل حاجی علی بھائی کو کچھ روپیہ سالانہ مقرر کر کے بونے کے لئے دیا جس کو پٹکا کہتے ہیں

اب ہندو سنار کا ٹوکا پالتھ ہوا اس نے اپنی زمین کو خود بونے کے لئے طلب کیا، حکومت نے اپنے قانون کے مطابق پوچھا کہ تمہاری اس وقت آمدنی اور خرچ کیا ہے؟ اس ہندو سنار نے بتایا کہ پندرہ سو روپیہ آمدنی ہے اور خرچ بارہ سو روپیہ ہے، اس پر حکومت نے اس کو جواب دیا کہ تم کو یہ زمین نہیں ملے گی، کیونکہ آمدنی سے خرچ کم ہے۔ ہاں ہم نے اس مسلمان سائل سے سالانہ رقم مقرر کی ہے وہ تم کو ملے گی۔ اب حاجی علی بھائی کا سوال یہ ہے کہ اس زمین کے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے۔ آیا اس زمین کو ہندو سنار کو حوالہ کر دیں یا نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس زمین کو سنار کے سپرد کرنے میں حکومت کی قانون شکنی ہوتی ہے، تو کیا ہماری شریعت کا یہ حکم ہے کہ ہم حکومت کی قانون شکنی کر کے اس ہندو سنار کو زمین سپرد کریں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس زمین کو ہندو سنار نے تو ہم کو دی نہیں بلکہ حکومت نے ہم کو دیا تھا۔ چوتھی بات ہندوؤں کا مال کھانا مسلمانوں کو جائز ہے وہ کوئی صورت ہے؟۔ کیونکہ ایک جگہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملفوظات میں فرمایا ہے: کہ مال موذی حلال غازی۔ اس مسئلہ کی مفصل مدلل مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ظاہر ہے یہاں ہندوؤں کی متابعت تو ہے نہیں کہ ان کے اموال پر استیلاء میں غدر لازم آئے جو شان مسلم کے خلاف اور شرعاً محظور ہے بلکہ وہ تو اس کا مال حربی کا مال ہوا جو مال مباح غیر معصوم ہے، تو اس پر استیلاء مسلم کے لئے مفید ملک ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ومبايخذ منهم هدية او سرقة او خدمة او هبة فليس بغنيمه وهو ملاخذ خاصة كذا في خزانة المفتين۔

بلکہ علامہ شامی نے تو یہاں تک تصریح کی:

والغصب في دار الحرب يفيد الملك لانه استيلاء على مال مباح غير معصوم فصار مالا مباحا۔

لہذا جب صورت مسئلہ میں حربی کے مال مباح غیر معصوم پر حاجی علی بھائی کو استیلاء حاصل

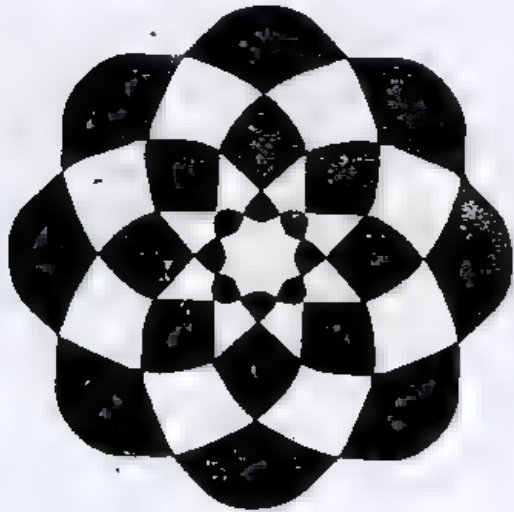
ہو گیا ہے اور اس میں نہ تو غدر ہے، نہ اب یا آئندہ کسی ذلت کا خطرہ لاحق ہونے والا ہے، تو اس زمین کو اس ہندو سنار کو ہرگز واپس نہ کرنا چاہیے اس لئے کہ رد الحکم میں ہے:

والحاصل ان الملك حصل بالاستيلاء فلا يقضى عليه بالرد۔

پھر جب حکومت کا قانون بھی اس کا مؤید ہے تو آئندہ واپسی سے کسی خطرہ کا احتمال بھی نہیں رہا تو ایسے مال کافر کا مسلمان کو کھانا جائز ہے۔ اس طرح کے مال کو مال موذی حلال غازی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں محظور شرعی لازم نہیں آتا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۸۵ھ



الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي بشرنا بحبيبه في الكتب السابقة والقرآن العظيم - وعلمنا ذكر بعثته وولا دته في كتابه الكريم - وامرنا بان تعزروه وتوقروه في خطابه الكريم - فالصلوة والسلام منا على سيدنا ونبينا ومولانا محمد هو للمؤمنين رؤف رحيم - الذي يصلي عليه ربه وملائكته بافضل الصلوة والتسليم - الذي قال بعثت من خیر قرون بنی آدم فامبطنی الله الی الارض فی صلب ادم حتی جعلنی فی صلب ابرهیم - وذكر نسبه قائما على المنبر بمزيد فضله الحسيم وقام الى بنته الفاطمة اذا دخلت عليه لوجه المحبة والتعظيم - وامر الانصار على محي سعد بقوله قوموا الی سیدکم لحصول التعليم وعلى آله وصحبه وحزبه الذين هم على الصراط المتقيم - اما بعد -

مدعیان اسلام میں وہ فرقہ جسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک ناگوار ہو۔ ان کے فضائل و مناقب کا سننا شاق اور دشوار ہو۔ جو ان کو اپنے برابر جانے ان کی بڑے بھائی کی سی تعظیم مانے۔ جو شیطانوں کو ان سے زائد عالم کہے۔ جانوروں پاگلوں کو ان کے برابر علم ثابت کرے۔ وہ وہابی جماعت اور دیوبندی قوم کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے نزدیک ذکر میلاد شریف کرنا اور اس میں قیام تعطیسی کرنا سخت ناجائز اور بدعت سیئہ ہے ان کے اکابر نے اسی میلاد شریف کے عدم جواز پر بہت فتوے لکھے اور طبع کئے۔ ہمارے علمائے اہلسنت نے ان کے مفصل و مدلل رد و جواب لکھ کر شائع فرمائے۔ ضرورت تو نہیں تھی۔ کہ اس پر قلم اٹھایا جائے۔ لیکن ادھر سائل کی خواہش کا احترام بھی ضروری۔ ادھر اس صدر مفتی دیوبند کی جہالت و ضلالت کا اظہار بھی لابدی و حتمی اسی بنا پر اپنی عدم الفرستی کی وجہ سے نہایت مختصر رد لکھتا ہوں، اگر اس مفتی دیوبند نے کچھ جواب کی ہمت کی تو پوری پوری خدمت کردی جائے گی۔ یہ مفتی ان الفاظ سے اپنا فتویٰ شروع کرتا ہے۔

زمانہ ہذا کی محفل میلاد مروجہ بھی شرعاً درست نہیں

اس صدر مفتی نے یہ دعویٰ تو بڑے زور کے ساتھ کیا کہ محفل میلاد شرعاً درست نہیں اور اس کی دلیل شرعی ایک بھی پیش نہ کر سکا۔ یہ نام نہاد مفتی تو کیا قابل ذکر ہے۔ اس کے اکابر بھی ایڑی چوٹی کا زور

لگا چکے ہیں لیکن آج تک کوئی دلیل شرعی نہیں پیش کر سکے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن و احادیث و اجماع و قیاس سے اقوال سلف و خلف سے کوئی دیوبندی محفل میلاد شریف کا صراحۃ ناجائز و نادرست ہونا قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا۔ تو جب ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تو دعویٰ بلا دلیل قابل التفات ہی نہیں ہونا۔ پہلے ہم عامۃ المسلمین کے لئے اس میلاد شریف کا شرعاً درست ہونا ثابت کر دیں۔ منکر و تم بھی بنظر انصاف دیکھو۔

پیشک ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک اللہ کی نعمت ہے۔ بخاری شریف میں آیت ”الذین بدلوا نعمة الله كفراً“ کی تفسیر میں مروی ہے:

قال ابن عباس هم والله كفار قريش و محمد صلى الله تعالى عليه وسلم نعمة الله - (بخاری شریف مصطفائی ص ۵۶۶ ج ۲۔ باب قتل ابی جہل)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ بدلنے والے کفار قریش ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی نعمت ہیں۔

اس حدیث شریف سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نعمۃ اللہ ہونا ثابت ہوا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو انبیائے کرام کی پیدائش و ولادت کو بھی نعمت فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذ قال موسى لقومه يا قوم اذكروا نعمة الله عليكم اذ جعل فيكم انبياء - (سورة المائدہ ع ۴ ج ۶)

اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کی نعمت کو جو اپنے اوپر ہے یاد کرو کہ تم میں پیغمبر پیدا کئے۔

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کو تو قرآن کریم نے نعمت عظمیٰ قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا - (سورة آل عمران ع ۱۷ ج ۳)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول بھیجا۔ لہذا جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریفہ اور ولادت و بعثت مبارکہ کا نعمت

ہونا ثابت ہو چکا تو اب شکر نعمت ہم پر لازم ہوا اور شکر نعمت کا طریقہ بھی خود قرآن کریم ہی میں اللہ تعالیٰ

ہمیں اس طرح تعلیم فرماتا ہے:

واذکرو نعمۃ اللہ علیکم۔ (سورۃ بقرہ ع ۲۹ ج ۲)

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے۔

واما بنعمۃ ربک فحدث۔ (سورۃ الضحیٰ ع ۳۰ ج ۳)

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر کرنا اور خوبی بیان کرنا شکر نعمت ہے تو جب ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت بھی نعمت ہے تو اس کا ذکر کرنا اور خوبی بیان کرنا بھی شکر نعمت ہے اور امر الہی اور حکم قرآنی ہے۔ بلکہ ہمارے حضور کی آمد کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے کس اہتمام کے ساتھ انبیائے کرام کے مجمع میں کیا:

واذا خذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ قال اقررتم واخذتم علی ذلکم اصری؟ قالوا اقرنا قال فاشہدوا وانا معکم من الشہدین۔ (سورۃ آل عمران ع ۹ ج ۳)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر حضرات انبیاء کرام کے عظیم الشان مجمع میں کیا گیا۔ بالجملہ محفل میلاد شریف میں بھی یہی ہوتا ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور بعثت مبارکہ اور آمد کا ذکر کیا جاتا ہے تو محفل میلاد شریف کی اصل قرآن سے ثابت ہو گئی۔ اب باقی رہی اسلام کی دوسری دلیل اس سے بھی ولادت و بعثت ثابت ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی:

بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت فیہ

(جامع صغیر للسيوطی مصری ص ۱۰۵ ج ۱)

میں بنی آدم کے بہترین طبقوں سے پیدا کیا گیا بعد طبقہ یہاں تک کہ میں اس طبقہ سے ہوا کہ میں

اس میں ہوں۔

ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قلت یا رسول اللہ ان قریشا جلسوا افتذاکروا احسا بهم بینہم فجعلوا مثلك مثل نخلة فی کبوة من الارض فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ خلق الخلق فجعلنی من خیر فرقہم وخیر الفریقین ثم خیر القبائل فجعلنی من خیر القبیلۃ ثم خیر البیوت فجعلنی فی خیر بیوتہم فانا خیر ہم نفسا وخیر ہم بیتا۔

(ترمذی شریف دہلی ص ۲۰۱ ج ۲)

کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول بے شک قریش بیٹھ کر اپنے حسب کا ذکر کرنے لگے تو انہوں نے آپ کی مثال اس درخت کی سی دی جو گھورے پر ہو تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے بہترین گروہوں میں رکھا۔ پھر ان کے دو گروہ کئے پھر قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلہ میں رکھا پھر خاندان کے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا پس میں سب سے خود بھی بہتر اور میرا خاندان بھی سب خاندانوں سے افضل ہے۔

نبی شریف کے دلائل النبوة میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان وما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیر ہما فاخرجت من بین ابوی فلم یصنئی شیء من عہد الجاہلیۃ وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن ادم حتی انتہیت الی ابی وامی فانا خیر ہم نسبا وخیر ہم ابا (جامع صغیر مصری ص ۸۹ ج ۱)

میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں فرزند عبد اللہ کا اور وہ عبد المطلب کے بیٹے۔ اور وہ ہاشم کے بیٹے اور وہ عبد مناف کے اور وہ قصی کے اور وہ کلاب کے اور وہ مرہ کے اور وہ کعب کے اور وہ لوی کے اور وہ غالب کے اور وہ فہر کے اور وہ مالک کے اور وہ نضر کے اور وہ کنانہ کے اور وہ خزیمہ کے اور وہ مدرکہ کے اور وہ الیاس کے اور وہ مضر کے اور وہ نزار کے اور وہ معد کے اور وہ عدنان کے بیٹے۔ لوگ دو گروہ پر منقسم

ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بہتر میں رکھا تو میں اپنے ماں باپ سے پیدا ہوا اور کوئی بات عہد جاہلیت کی مجھے نہ پہونچی۔ اور میں آدم علیہ السلام سے اپنے ماں باپ تک نکاح ہی سے پیدا ہوا ہوں نہ کہ زنا کے عیب سے تو میں سب سے نسب کے اعتبار سے بہتر ہوں اور خاندانی لحاظ سے بھی افضل ہوں۔ علامہ قاضی عیاض نے شفا شریف میں اور ابن عمر عدنی نے اپنے مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانت روحہ نورابین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم بالفی عام یسبح ذلک النور وتسبح الملائکة بتسبیحہ فلما خلق اللہ آدم القی ذلک النور فی صلبہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاهبطنی اللہ عز وجل الی الارض فی صلب نوح وقذف لی فی صلب ابراهیم ثم لم یزل اللہ تعالیٰ ینقلنی من الاصلاب الکریمۃ والارحام الطاہرۃ حتی اخرجنی من ابوی لم یلتقی علی سفاح قط۔

(شرح شفا علی القاری مصری ص ۱۹۹ ج ۱)

بے شک حضور انوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پاک آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ کی حضوری میں نور تھی۔ یہ نور تسبیح کرتا تو اس کی تسبیح کے ساتھ فرشتے تسبیح کہتے پھر جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل نے مجھے زمین

کی طرف پشت آدم میں اتارا اور پشت نوح میں رکھا اور پشت ابراہیم میں جلوہ گر کیا پھر مجھے اللہ تعالیٰ ہمیشہ بزرگ پشتوں اور پاک رحموں سے منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا جنہیں کبھی زنا نہ پہنچا۔

ان احادیث سے نہایت روشن طور پر ثابت ہو گیا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی آمد اور میلاد شریف کا ذکر فرمایا۔ اور جس طرح یہ احادیث تنہائی میں بیان کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح مجمع و محفل میں بھی بیان ہو سکتی ہیں تو محفل میں میلاد شریف کا ذکر یعنی ان احادیث کا بیان کرنا یہی محفل میلاد شریف کہلاتا ہے۔ لہذا محفل میلاد شریف احادیث سے بھی ثابت ہو گئی۔ اب رہی اسلام کی تیسری دلیل اجماع امت سے بھی محفل میلاد شریف کا ثبوت بصراحت موجود ہے۔ اور حقدین و متاخرین کے اقوال اس سے پر ہیں ہم بخیاں اختصار چند عبارات پیش کرتے ہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

وما زال اهل الاسلام یختلفون بشهر مولده علیہ السلام ویعلمون الولائم یتصدقون فی لیلایہ با نواع الصدقات ویظہرون السرور ویزیدون فی العبرات ویعتنون بقراءة مولده الکریم ویظہر علیہم من برکاتہ کل فضل عمیم ومما جرب من خواصہ انه امان فی ذلک العام وبشری عا جلة بنیل البغیۃ والمرام فرحم اللہ امرءاً اتخذ لیلای شهر مولده المبارک اعیاداً۔

(موہب لدنیہ مصری ص ۱۲۷ ج ۱)

(سیرۃ حلبی مصری ص ۱۰۰ ج ۱)

(سیرۃ النبویہ مصری ص ۳۵ ج ۱)

(ما ثبت بالسنة مطبع قیومی ص ۸۳)

اور ہمیشہ سے اہل اسلام ولادت شریفہ کے مہینہ میں محفلیں کرتے اور کھانے پکاتے اور اس کی راتوں میں طرح طرح کے صدقے دیتے اور اظہار خوشی کرتے اور نیکیوں میں زیادتی کرتے اور مولود شریف پڑھنے میں اہتمام کرتے رہے ہیں۔ اور ان کے اوپر فضل عمیم کی برکتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں اور مولود شریف کے مجرب خواص میں سے ہے کہ اس سال کے لئے امن ہوتا ہے اور حاجت روائی و حصول مراد و بشارت عاجلہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے جو ماہ مبارک میں میلاد کی راتوں میں عید منائیں۔

علامہ علی حلبی انسان العیون معروف بسیرۃ حلبیہ میں فرماتے ہیں:

قال ابن الحجر الہیتمی والحاصل ان البدعة الحسنۃ متفق علی ندبھا وعمل المولد واجتماع الناس لہ ذلک ای بدعة حسنة ومن ثم قال الامام ابو شامة شیخ الامام النوری ومن احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولده صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الصدقات والمعروف واظہار الزینۃ والسرور فان ذلک مع ما فیہ من الاحسان للفقراء مشعر بمحبته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتعظیمہ فی قلب فاعل ذلک وشکر اللہ علی ما من بہ من ایجاد رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذی ارسلہ رحمة للعالمین هذا کلامہ قال السخاوی لم یفعلہ احد من السلف فی القرون الثلاثة وانما حدث بعد ثم لازل اهل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد

ويتصدقون في ليلته بانواع الصدقات ويهتمون بقراءة مولده المكرم ويظهر عليهم من بركاتہ كل فضل عظیم۔

(سیرۃ حلبی مصری ص ۱۰۰ ج ۱)

(سیرۃ نبوی للعلامة دحلان مصری ص ۳۵ ج ۱)

علامہ ابن حجر مہتمی نے فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفق علیہ ہے اور مولود شریف کرنا اور اس کے لئے لوگوں کا جمع ہونا بھی بدعت حسنہ ہے۔ اسی بنا پر امام ابو شامہ نے فرمایا جو امام نووی کے استاذ ہیں کہ ہمارے زمانہ کی بدعت حسنہ یوم مولود شریف کی تاریخ میں ہر سال صدقے اور نیکیاں اور زینت اور خوشی کا ظاہر کرنا ہے اور باوجود اس کے اس میلاد شریف کرنے میں فقیروں پر احسان ہے اور یہ کرنے والے کے دل میں محبت و عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پتہ دینے والا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری و ولادت کی نعمت اور ان کے رحمۃ للعالمین ہو کر تشریف فرما ہونے کی نعمت پر اللہ کا شکر یہ ہے۔ اور امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف کو قرون ثلاثہ میں سلف میں سے کسی نے نہیں کیا یہ تو بعد میں جاری ہوا پھر ہمیشہ سے دنیا کے تمام اہل اسلام مولود شریف کرنے لگے اور اسکی راتوں میں طرح طرح کے صدقے دینے لگے۔ اور میلاد شریف کے پڑھنے میں اہتمام کرنے لگے تو ان پر فضل عظیم کی برکتیں ظاہر ہونے لگیں۔

علامہ ابن حجر مہتمی اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

والمولود الاذکار التي تفعل عندنا اكثرها مشتمل على خير كصدقة وذكر وصلاة وسلام على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ومدحه (پھر ۵ سطر کے بعد فرمایا) والقسم الثاني سنة تشمله الاحاديث الواردة في الاذكار المخصوصة والعمامة كقوله صلى الله تعالى عليه وسلم لا يقعد قوم يذكرون الله تعالى الا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله تعالى فيمن عنده رواه مسلم وروى ايضا انه صلى الله تعالى عليه وسلم قال لقوم جلسوا يذكرون الله تعالى ويحمدونه على ان هذا هم للاسلام اتاني جبرئيل عليه الصلاة والسلام فاخبرني ان الله تعالى يباهي بكم الملائكة وفي الحديثين او ضح دليل على فضل الاجتماع على الجلوس له وان الحاضرين على خير كذا لك يا هي الله بهم الملائكة وتنزل عليهم السكينة وغشاهاهم الرحمة

ويذكرهم الله تعالى بالثناء عليهم بين الملائكة فاي فضائل اجل من هذه

(فتاویٰ حدیثیہ مصری ص ۱۰۹)

ہمارے نزدیک جو مولود ذکر کئے جاتے ہیں ان کے اکثر خیر پر مشتمل ہیں جیسے صدقہ کرنا اور ذکر کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام پڑھنا اور ان کی مدح کرنا۔ اور دوسری قسم یعنی وہ محافل میلاد جو امور خیر پر مشتمل ہیں سنت ہیں اور اذکار عامہ و خاصہ کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں وہ ان محافل کو شامل ہیں جیسے یہ حدیث کہ جو کوئی قوم ذکر الہی کے لئے بیٹھتی ہے فرشتے اس پر چھا جاتے ہیں۔ رحمت حق اس کو ڈھانپ لیتی ہے سیکنہ اس پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے اس حدیث کو مسلم نے روایت کی۔ نیز ایک اور حدیث روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قوم کے لئے فرمایا جو ذکر الہی کے لئے مجلس بناتی ہے اور اس پر حمد الہیہ بجالاتے ہیں کہ اس نے انہیں اسلام کی رہنمائی فرمائی کہ اس کے لئے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملائکہ پر فر فرماتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں بڑی روشن دلیل ہے اس اجتماع کی فضیلت پر جو نیکی کے لئے ہو اور اس میں بیٹھنے پر اور اس پر کہ امر خیر کے لئے بیٹھنے والے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ملائکہ پر فر فرماتا ہے اور ان پر سیکنہ نازل ہوتی ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ملائکہ کے درمیان ان کا ذکر شاکہ ساتھ فرماتا ہے تو ان سے برتر اور کون سی فضیلتیں ہوں گی۔

الحاصل مواہب لدنیہ۔ سیرت حلبی۔ سیرت نبوی۔ ما ثبت من السنۃ سے محفل میلاد شریف کا جواز و استحباب اجماع امت سے ثابت ہو گیا۔ اور فتاویٰ حدیثیہ سے تو میلاد شریف کا سنت ہونا ثابت ہو گیا اب باقی رہی اسلام کی چوتھی دلیل قیاس اس کا یہ بیان ہے علامہ الحافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔۔۔

فاذا كان هذا ابو لهب الكافر الذي نزل القرآن بدمه جوزى في النار بفرحه ليلة مولد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم به فما حال المسلم الموحد من امة عليه السلام الذي يسر بمولده ويذل ما اتصل اليه قدرته في محبته صلى الله تعالى عليه وسلم لعمرى انما يكون جزاءه من الله الكريم ان يدخله بفضلہ العميم جنات النعيم۔

مواہب لدنیہ مصری ص ۲۷ ج ۱)

جب ابولہب کافر جس کی مذمت قرآن کریم میں ہے اس کا یہ حال ہے کہ اس کو دوزخ میں بھی

تخفیف عذاب کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب ولادت میں خوشی کرنے کا بدلہ ملا تو آپ کی امت کے مسلمانوں کے حال کا کیا کہنا جو حضور کی ولادت کا سرور کرتے اور آپ کی ولادت میں حسب قدرت خرچ کرتے ہیں۔ قسمیہ کہا جاتا ہے کہ اس کی جزا میں خدائے کریم ان کو اپنے فضل عظیم سے جنات نعیم میں داخل فرمائے گا۔

علامہ الحافظ جلال الدین سیوطی نے یہ استدلال فرمایا:

وفی حدیث انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرق عن نفسه بعد ما جاءته النبوة قال الامام احمد هذا منکر ای حدیث منکر الحدیث المنکر من اقسام الضعیف لا انہ باطل کما قد یتوهم والحافظ السیوطی لم يتعرض لذلك وجعله اصلا لعمل المولود قال لان العقیقة لا تعاد مرة ثانية فیحمل ذلك علی ان هذا الذی فعله النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اظهار للشکر علی ایجاد اللہ تعالیٰ ایاہ رحمة للعالمین وتشرعا لامته کما کان یصلی علی نفسه لذلك قال فیستحب لنا اظهار الشکر بمولدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هذا کلامہ۔ (سیرۃ جلی مصری ص ۹۴ ج ۱)

اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد نبوت یعنی چالیس سال کی عمر کے بعد اپنا عقیقہ کیا یعنی بنیت عقیقہ جانور ذبح کیا، امام احمد نے فرمایا کہ یہ منکر حدیث ہے اور منکر حدیث ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ہے نہ یہ کہ وہ باطل ہے جیسا کہ وہم کیا گیا اور علامہ جلال الدین سیوطی اس کے درپے نہ ہوئے اور انہوں نے اس حدیث کو عمل میلاد شریف کے لئے اصل ٹھہرایا فرماتے ہیں کیونکہ عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا تو اسے اس بات پر حمل کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عقیقہ کو اپنے رحمۃ للعالمین ہو کر تشریف لانے کے اظہار شکر کی لئے اور امت کے لئے راہ ذہنی ظاہر کرنے کے لئے کیا جیسا کہ اسی غرض سے خود اپنے اوپر درود بھیجا۔ پس ہمارے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد شریف کے شکر یہ کا ظاہر کرنا مستحب قرار پایا یہ علامہ سیوطی کا قول ہے۔

علامہ ابن حجر نے یہ استدلال کیا:

قال الحافظ ابن حجر فی جواب سوال و ظہر لی تخریجہ علی اصل ثابت وهو ما فی الصحیحین ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدم المدينة فوجد الیہود یصومون یوم عاشوراء فسالہم فقالوا هو یوم اغرق اللہ فیہ فرعون ونجی موسیٰ ونحن نصومه

شکرا قال فیستفاد منہ فعل الشکر علی ما من بہ تعالیٰ فی یوم معین وای نعمۃ اعظم من بروز نبی الرحمة وقال ان قاصدی الخیر واظہار الفرح والسرور بمولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والمحبۃ لہ یکفیہم ان یجمعوا اهل الخیر والصلاح والمقراء والمساکین فیطعموہم یتصدقوا علیہم محبة لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان ارا دوافوق ذلك امر وامن ینشد من المداائح النبویة والاشعار المتعلقة بالحث علی الانحلاق الکریمة مما یحریک القلوب الی فعل الخیرات والکف عن البدع المنکرات ائی لان من اقوی الاسباب الباعثة علی محبته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سماع الاصوات الحسنۃ المطربة بانشاد المداائح النبویة اذا صارفت محلافا بلافا نہا تحدث للسامع شکر او محبة۔

(جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص ۱۱۲۴ ج ۳)

علامہ حافظ ابن حجر نے سوال میلاد شریف کے جواب میں فرمایا اور مجھے اس میلاد کرنے کی اصل کا ثبوت ظاہر ہو گیا وہ حدیث مسلم و بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے عاشورہ کے دن یہود کو روزہ دار پایا تو ان سے سوال کیا انہوں نے عرض کیا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تو ہم اس میں شکر یہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نعمت پر معین دن میں شکر یہ ادا کرنا مستفاد ہوا۔ اور ہمارے نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور سے زیادہ بڑی اور کون سی نعمت ہے اور فرمایا کہ نیکی کا ارا دہ کرنے والوں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کی خوشی و مسرت کا اظہار کرنے والوں کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اہل خیر و صلاح اور فقراء و مساکین کو جمع کریں اور انہیں کھانا کھلائیں اور ان پر محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صدقہ کریں پھر اگر اس سے زیادہ کا ارادہ کریں تو وہ شعر خوانوں کو حکم دیں کہ وہ نعت و مدحت کے ایسے اشعار پڑھیں جو اخلاق کریمہ پر مشتمل ہوں اور جن سے دلوں میں نیکیوں کے کرنے اور برائیوں سے باز رہنے کی حرکت پیدا ہو۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر ابھارنے والے اسباب میں سے زیادہ قوی تر بانغمہ خوش آوازیں کا سننا ہے جو مدح اور نعمت کے اشعار میں ہوں۔ تو جب یہ قابل محل سے موافق ہو جائیں تو یہ سننے والے میں شکر و محبت پیدا کرتے ہیں۔ الحاصل جب محفل میلاد شریف کا ثبوت اسلام کے چاروں دلائل قرآن و حدیث۔ اجماع و قیاس

سے آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ظاہر ہو چکا تو مجیب کا قول کہ

محفل میلاد مروجہ بھی شرعاً درست نہیں بالکل غلط اور محض باطل ہے۔

نہ معلوم اس نے شرع کس چیز کا نام رکھ لیا ہے اگر مسلمانوں کی شرع مراد لی ہے تو یہ شرع پر افترا و بہتان ہے کہ شرع کے چاروں دلائل سے محفل میلاد کا جائز و مستحب ہونا بلکہ سنت ہونا ثابت ہو گیا تو ظاہر ہو گیا کہ مجیب کی شرع سے مراد دیوبندی شرع ہے جو قرآن و حدیث اجماع و قیاس سب کے خلاف ہے اسی بنا پر اس نے ان میں سے کسی کو اپنی دلیل نہ بنایا اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کو اپنی شرع کی دلیل ٹھہرایا۔ پھر اس کے بعد یہ مجیب کہتا ہے:

اور قیام کا التزام بھی ناجائز ہے

مجیب کا یہ حکم بھی اپنے دیوبندی مذہب کی بنا پر ہے، اسی لئے اس دعویٰ کی دلیل وہی فتاویٰ دارالعلوم دیوبندی ہی کو پیش کیا اور اگر یہ قیام شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے ناجائز ہوتا تو مجیب اس کے ثبوت میں کوئی آیت پیش کرتا یا کوئی حدیث نقل کرتا۔ یا اجماع و قیاس کی عبارت لکھتا۔ اور جب اس نے کسی دلیل شرعی کو پیش نہیں کیا تو ثابت ہو گیا کہ مجیب نے یہ عدم جواز کا حکم شریعت اسلامیہ کا نہیں لکھا بلکہ اپنے دیوبندی مذہب کا حکم لکھا ہے۔ لہذا میں پہلے شریعت اسلامیہ کا حکم بیان کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَعَزَّوْهُ وَتَقَرَّوْهُ“ (سورہ فتح ج ۲۶)

تم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفا شریف میں ان کلمات آیت کریمہ کی تفسیر نقل فرمائی:

يُبَالِغُونَ فِي تَعْظِيمِهِ وَيُقَرِّوْهُ اِيْ يَعْظُمُوْهُ۔ (شرح شفا مصری ص ۱۲۴ ج ۱)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ کریں اور ان کی توقیر میں۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ حضور کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں خوب مبالغہ کرنا حکم الہی ہے اور تعظیم کے طریقوں میں کسی خاص طریقہ تعظیم کے لئے مستقل ثبوت پیش کرنا ضروری نہیں بلکہ جو طریقہ تعظیم ہو گا وہ اسی آیت کے تحت میں داخل ہے۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ تعظیم کی ممانعت شرع سے بالتحصیص ثابت ہو تو وہ بے شک ناجائز ہے۔ جیسے سجدہ۔ بالجملہ قیام بھی طرق تعظیم میں بہترین طریقہ ہے تو یہ آیت کریمہ اس قیام کو بھی شامل ہے۔ پھر احادیث پر نظر کرنے سے

بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیام تعظیمی کا حکم دیا۔ بخاری شریف و مسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور انوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے سلسلے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا:

فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ قُومُوا

إِلَى مَسِيدِكُمْ۔

(مشکوٰۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۴۰۳)

جب حضرت سعد مسجد کے قریب آئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا

اپنے سردار کے لئے

قیام کرو۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے قیام کرتے تھے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَسْجِدِ يَحْدِثُنَا فَاذْأَقَامَ قَمْنَا قِيَامًا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضُ بَيُوتِ أَزْوَاجِهِ۔

(مشکوٰۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۴۰۳)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد شریف میں ہمارے ساتھ جلوس فرماتے اور گفتگو کرتے اور جب حضور کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جایا کرتے اور ہم یہاں تک کھڑے رہتے کہ حضور کو ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں داخل ہونا ہوا دیکھ لیتے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَاحْذِيذُهَا فِقَبْلُهَا وَاجْلِسْهَا فِي مَجْلِسِهِ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَاحْذَتْ يَدَهُ فِقَبْلَتِهِ وَاجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا۔

(مشکوٰۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۴۰۲)

حضرت فاطمہ جب حضور کے پاس حاضر ہوتیں تو حضور ان کے لئے قیام فرماتے اور ان کی دست بوسی کرتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور حضور جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے

لئے قیام فرمائیں اور حضور کی دست بوسی کرتیں اور حضور کو اپنی جگہ پر بٹھائیں۔

ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ مستحقین تعظیم کے لئے قیام کرنا نہ فقط جائز بلکہ سنت صحابہ ہے بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوی فعلی سنت ہے۔ پھر یہ قیام کبھی آنے والے کی تعظیم کے لئے ہوتا ہے یہ قیام قدم ہے جیسا کہ حدیث میں گذر کہ حضرت سعد کے لئے انصار نے قیام کیا۔ کبھی اظہار محبت کے لئے ہوتا ہے یہ قیام محبت ہے جیسا کہ حضرت فاطمہ کے لئے خود حضور نے قیام فرمایا۔ کبھی سرور خوشی کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ سننے کے لئے قیام فرمایا۔ امام احمد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عثمان نے فرمایا۔

قلت توفي الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم قبل ان نستله عن نجات هذا الامر قال ابو بكر قد سئلته فقمت اليه۔ (مشکوٰۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۱۶)

کہ میں نے حضرت ابو بکر سے عرض کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات دی اور ہم اس امر کی نجات آپ سے نہ دریافت کر سکے۔ حضرت صدیق نے فرمایا میں نے حضور سے دریافت کر لیا ہے اس کے سننے کے شوق میں حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں کھڑا ہو گیا۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک مسئلہ سننے کی خوشی و مسرت میں قیام کرنا قیام مسرت ہے۔ الی اصل محفل میلاد شریف کا قیام بغرض تعظیم بھی ہے اور محبت کی بنا پر بھی ہے۔ اور اظہار مسرت کے لئے بھی ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر سے زیا دہ خوشی اور مسرت کا کیا ذکر ہو سکتا ہے کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہی تمام دینی سرور اور احکام الہی کے حصول کا باعث و سبب ہے، اور مسلمان اس ذکر پاک پر اظہار محبت و تعظیم نہ کرے گا تو اس سے زیادہ اظہار محبت و تعظیم کا اور کیا ذکر ہوگا۔ اور تصریحات ائمہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی تعظیم ذات انور کی تعظیم کے مثل ہے۔ بالجملہ ذکر ولادت شریف پر محفل میلاد میں قیام کرنا قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے اور ان احادیث سے ثابت ہوا۔ بلکہ ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انه جاء الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سمع شيئا فقام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله قال انا محمد بن عبد الله بن

عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلني في خيرهم ثم جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلني في خيرهم بيتا فانا خيرهم نفسا وخيرهم بيتا۔

(مشکوٰۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۵۱۳ ج ۲)

حضرت عباس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہو کر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب و نسب میں کچھ طعن سن کر آئے تھے حضور نے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں کون ہوں صحابہ نے عرض کی۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہترین میں پیدا کیا۔ پھر ان کے دو فرقے کئے۔ اور مجھ کو ان کے بہتر فرقے میں کیا۔ پھر ان کے قبیلے بنائے۔ تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر ان میں خاندان کئے اور مجھ کو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا۔ تو میں ان کے بہتر نفوس اور بہتر خاندان سے ہوں۔

اس حدیث شریف سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری کا ذکر بحالت قیام فرمایا ہے تو ہمارے لئے بھی ذکر ولادت کا بحالت قیام کرنا اس حدیث شریف سے مستفاد ہوا۔ بالجملہ جب محفل میلاد شریف کا قیام قرآن کریم و احادیث شریفہ سے مستفاد ہوا۔ تو اس کا جائز و مستحب ہونا محل کلام ہی نہیں ہوا تو اس کو اہل اسلام نے اپنا معمول ٹھہرایا۔ ہزار ہا بلاد اسلامیہ کے خواص و عوام کئی صدی کے علمائے کرام۔ اولیائے عظام نے اس کو اپنا معمول قرار دیا۔ اور امت اس کو بلا تکبر کرتی چلی آئی۔

چنانچہ علامہ حلبی نے سیرۃ حلبی میں تحریر فرمایا:

جرت عادة كثير من الناس اذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله تعالى عليه وسلم ان يقوموا تعظيما له صلى الله تعالى عليه وسلم وهذا القيام بدعة لا اصل لها اي لكن هي بدعة حسنة لا نه ليس كل بدعة مذمومة وقد قال سيدنا عمر رضي الله عنه في اجتماع الناس لصلاة التراويح نعمة البدعة هذه وفيه ايضا وقد وجد القيام عند ذكر اسمه صلى الله تعالى عليه وسلم من عالم الامة ومقتدى لائمة دينا وورعا الامام تقى الدين السبكي ونا بعه على ذلك مشايخ الاسلام في عصره وبكفي مثل ذلك في الاقتداء ملخصا۔

(سیرۃ حلبی مصری ص ۹۹، ۱۰۰ ج ۱)

اور بہت لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ولادت سنتے ہیں تو وہ حضور کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں۔ اور یہ قیام بدعت ہے اسکی اصل نہیں لیکن یہ بدعت حسنہ ہے اس لئے کہ ہر بدعت مذموم نہیں ہوتی کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز تراویح کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کے بارے میں فرمایا یہ اچھی بدعت ہے اور بیشک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کے ذکر کے وقت قیام کرنا امام تقی الدین سبکی سے پایا گیا جو اس امت کے عالم اور دین و تقویٰ میں اماموں کے امام ہیں اور ان کے معاصرین ائمہ کرام و مشائخ اسلام نے اس قیام پر ان کی متابعت کی علامہ حلبی نے فرمایا اور اس قدر بات پیری کرنے میں کافی ہے۔

علامہ سید احمد و حطان السیرۃ النبویہ والاثار الحمد یہ میں فرماتے ہیں:

جرت العادة ان الناس اذا سمعوا اذکر وضعه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وسلم يقومون تعظيما له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهذا القيام مستحسن لما فيه من تعظيم النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقد فعل ذلك كثير من علماء تالامة الذين يقتدى بهم - (السيرة النبوية مصری ص ۴۴ ج ۱)

عادت جاری ہے کہ جب لوگ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر سنتے ہیں تو حضور کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں اور یہ قیام مستحسن ہے اس لئے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور اس قیام کو بکثرت ان علماء امت نے کیا جن کی پیروی کیا جاتی ہے۔

علامہ سید احمد عابدین نے نثر الدرر علی مولد ابن حجر میں فرمایا:

جرت العادة بانہ اذا ساق الوعاظ مولده صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وذكر و اوضع امه لهو قام الناس عند ذلك تعظيما له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهذا القيام بدعه حسنة لما فيه من اظهار الفرح والسرور والتعظيم بل مستحبة لمن غلب عليه الحب والاحلال لهذا النبي الكريم عليه افضل الصلوة واتم التسليم ولم تنزل عليه المواظبة من العلماء الاعلام والمشائخ الكرام بقصد تعظيم للانبياء ختام - عليه و عليهم افضل الصلوة والسلام -

(ملخصا از جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص ۱۱۴ ج ۳)

عادت جاری ہوئی کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تولد اور پیدائش کے ذکر تک

واعظ پہنچتے ہیں تو اس وقت سب لوگ حضور کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں اور یہ قیام بدعت حسنہ ہے کیوں کہ اس میں فرحت و مسرت اور تعظیم کا اظہار ہے بلکہ اس شخص کے لئے مستحب ہے جس پر اس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و عظمت غالب ہو اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا قصد کرتے ہوئے مشائخ کرام و علمائے عظام نے اس قیام پر بیہنگی فرمائی۔ اس ذات کے لئے جو انبیاء کے خاتم ہے ان پر بہترین درود اور کامل ترین سلام نازل ہو۔

علامہ ابن حجر نے المولد الکبیر میں فرمایا:

فيقال نظير ذلك القيام عند ذكر ولا دته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وايضا قال اجتمعت الامة المحمدية من اهل السنة والجماعة على استحسان القيام المذكور قد قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا يجتمع امتي على ضلالة -

(الدر المنظم ص ۱۳۳ از الکواکب الازہر)

کہا گیا اسی کی نظیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا ہے۔ نیز قیام مذکور کے استحسان پر امت محمدیہ اہل سنت و جماعت نے اجماع کر لیا ہے اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

علامہ سید جعفر بن حسن برزنجی اپنے مولد میں فرماتے ہیں:

قد استحسن القيام عند ذكر مولده الشريف ائمة ذی رواية وروية فطوبى لمن كان تعظيمه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غاية مراحمه ورمائه -

(جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص ۱۲۴ ج ۳)

قیام کو ائمہ ذر و روایت و رویت نے بوقت ذکر ولادت کے مستحسن جانا تو خوشخبری ہو اس کے لئے جسے حضور کی تعظیم انتہائی مراد ہو۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ محفل میلاد کا قیام صدیوں سے مسلمانوں کا معمول ہے۔ اور امت نے اس کے استحباب پر اجماع کر لیا ہے۔ تو جس کی اصل قرآن و احادیث میں موجود ہو اور وہ اجماع امت سے ثابت ہو۔ اس کو کوئی مسلمان تو ناجائز کہہ نہیں سکتا۔ مجیب کا فریب یہ ہے کہ اس نے اس مقام پر قیام کو صراحتہ ناجائز نہیں کہا۔ بلکہ اس کے التزام کو ناجائز ٹھہرایا۔ مگر اس التزام کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل شرعی پیش نہ کر سکا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی کوئی دلیل پیش ہی نہیں کر سکتا کہ شریعت

میں ہر امر جائز یا مستحب کا التزام ناجائز نہیں۔ اسی مذہب دیوبندی کے معلم ثانی گنگوہی جی کے فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم میں ہے۔ از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرماید بندہ بحمدہ تعالیٰ بخیر ہے۔ آپ کی علالت سے متفکر ہوا۔ میں دعائے خیر کرتا ہوں آپ سورۃ فاتحہ التزام کے ساتھ سنت و فرض کے درمیان پڑھ لیا کریں اور پانی پر دم کر کے بھی پی لیا کریں اور اپنے اوپر بھی دم کر لیا کریں فقط والسلام۔

(فتاویٰ رشیدیہ دہلی ص ۵۲ ج ۲)

مجیب صاحب دیکھئے گنگوہی صاحب نے سورۃ فاتحہ کو التزام کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا۔ تو اگر کسی امر جائز کا التزام کرنا اس کو ناجائز بنا دیتا تو گنگوہی جی سورۃ فاتحہ کو التزام کے ساتھ پڑھنے کا ہرگز حکم نہ دیتے الحاصل قیام کا جب جائز و مستحب ہونا ثابت ہو گیا تو اس کو جائز و مستحب جانتے ہوئے اس کا التزام کس طرح ناجائز ہو سکتا ہے۔ لہذا مجیب کا یہ دعویٰ کہ ”قیام کا التزام بھی ناجائز ہے“ غلط اور باطل اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ اس کے بعد مجیب کا یہ قول

جو کچھ کیا جاتا ہے یہ رسم و رواج شرعاً خلاف شریعت ہے اور بدعت ہے اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۲ ج ۳)

کس قدر جہالت پر مبنی ہے۔ مجیب پر پہلے تو یہ لازم تھا کہ رسم و رواج کی جامع مانع تعریف بیان کرتا، رسم و رواج کے عدم جواز کا حکم قرآن و حدیث وغیرہ دلائل شرع سے ثابت کرتا۔ اور اس کا خلاف شرع اور بدعت ہونا اور اس کے ترک کا ضروری ہونا نصوص سے ثابت کرتا۔ لیکن مجیب کو نہ تو رسم و رواج ہی کا حکم معلوم۔ نہ رسم و رواج اور خلاف شرع میں نسبت ہی کا پتہ۔ نہ خلاف شرع اور بدعت کے درمیان تفرقہ کا علم۔ نہ بدعت واجب الترمک میں نسبت کی خبر تو اس کی یہ ایک مجنونانہ بڑ ہے۔ اور اگر دیوبندی قوم ان باتوں کا کچھ علم رکھتی ہے تو ظاہر کرے۔ علاوہ بریں جب ہم نے محفل میلاد۔ شریف اور قیام کا جواز و استحباب قرآن و احادیث اور عمل مسلمین سے ثابت کر دیا تو فقط رسم و رواج کب قرار پائے۔ اور خلاف شرع کس طرح ہوئے۔ اور بدعت کس طرح شہرے۔ اور واجب الترمک کس طرح بنے کیا یہ مجیب رسم و رواج اس کو کہتا ہے جو قرآن و احادیث سے ثابت ہو۔ اور خلاف شرع اس کو ٹھہراتا ہے جو نصوص سے ثابت ہو اور بدعت اس کو کہتا ہے جو دلائل شرع سے مستفاد ہو۔ اور واجب الترمک اس کو قرار دیتا ہے جو براہین اسلام سے ثابت ہو رہا ہو۔ لہذا یہ مجیب نہ تو رسم و رواج کی تعریف کو جانتا ہے۔ نہ خلاف شرع کے معنی سمجھتا ہے۔ نہ بدعت کو پہچانتا ہے۔ نہ واجب الترمک کے مفہوم سے واقف ہے۔ اور ان تمام امور کا

الزام صرف اس مجیب ہی پر نہیں ہے کہ یہ تو ناقل ہے بلکہ اصل الزام فتاویٰ دارالعلوم پر جس سے یہ مجیب نقل کر رہا ہے، یہاں تک تو فتاویٰ دارالعلوم کی جہالات تھیں۔

اب یہ مجیب اس کے بعد کہتا ہے

کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کسی حدیث سے ثابت ہے، اور نہ کسی آیت سے۔ بالکل ناجائز ہے۔

مجیب کا یہ قاعدہ (کہ جوئی کسی آیت یا حدیث سے صراحتہ ثابت نہ ہو وہ بالکل ناجائز ہے) نہ تو کسی آیت کا مفہوم ہے نہ کسی حدیث کا مضمون ہے۔ نہ سلف و خلف میں سے کسی کا قول ہے نہ شریعت میں اس کا کہیں پتہ چلتا ہے۔ بلکہ یہ خود ساختہ قاعدہ دیوبندی قوم ہی کا ہے جس کو ہمارے مقابلہ میں تو استعمال کر لیا کرتے ہیں اور خود یا تو اس کو غلط مانتے ہیں یا ناقابل عمل جانتے ہیں، چنانچہ اس دیوبندی قوم کے پیشوا گنگوہی جی کا فتاویٰ رشیدیہ ہی دیکھو وہ کہتے ہیں۔

سوال: کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرونِ ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

جواب: قرونِ ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں فقط۔

سوال: ۳۱۔ بعض بعض صوفی قبور اولیا پر چشم بند بیٹھتے ہیں اور سورۃ الم نشرح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے سینہ کھلتا ہے اور ہم کو بزرگوں سے فیض ہوتا ہے۔ اس بات کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں۔

الجواب: اس کی بھی اصل ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر بہ نیت خیر ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رشیدیہ دہلی ص ۱۱ ج ۱)

نیز اسی میں ہے۔

سوال: ۲۵۔ صوفیہ کرام کے یہاں جو اکثر اشغال و اذکار مثل رگ سیاس کا پکڑنا اور ذکر ارہ اور حلقہ برقرار نہیں بلکہ ویسے ہی دم وغیرہ جو قرونِ ثلثہ سے ثابت نہیں بدعت ہے یا نہیں۔

الجواب: اشغال صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے۔ جیسا اصل علما ج ثابت ہے مگر شریعت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں ایسا ہی اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے جیسا تو پ بندوق کی اصل ثابت ہے اگرچہ اس وقت میں نہ تھی سو یہ بدعت نہیں۔

(زفتاویٰ رشیدیہ دہلی ص ۱۰ ج ۱)

ان جوابات میں (۱) ختم بخاری شریف (۲) قبور اولیاء پر آنکھیں بند کر کے بیٹھنا اور اس سے انشراح صدر کا ہونا اور صاحب قبر سے فیض کا ہونا (۳) اشغال صوفیہ (۴) اذکار اولیا (۵) رگ کیماس کا پکڑنا (۶) ذکر ارہ (۷) جس دم (۸) شربت بنفشہ (۹) توپ (۱۰) بندوق۔ یہ دس چیزیں آیات واحادیث صریحہ سے ثابت نہیں مگر یہ ناجائز و بدعت نہیں بلکہ درست ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ان کی اصلیں ثابت ہیں۔

مجیب صاحب کہئے! اب آپ کا وہ قاعدہ و حکم صحیح ہے یا گنگوہی صاحب کے یہ احکام۔ اگر آپ کا ہی وہ قاعدہ و حکم صحیح ہے تو ان گنگوہی صاحب پر پہلے سخت بدعتی اور گمراہ ہونے کا فتویٰ صادر کیجئے۔ اور اگر گنگوہی صاحب کے یہ احکام صحیح ہیں تو اپنے اس قاعدہ و حکم کے غلط و باطل ہونے کا اعتراف کیجئے۔ پھر مجیب کے اس قاعدہ و حکم کے خلاف اس کی قوم کا عمل بھی دیکھئے۔

(۱) عربی مدارس کا جاری کرنا۔ (۲) ان کے لئے پختہ خوبصورت عمارتیں بنوانا (۳) راجدیت کے نام سے علیحدہ عمارت بنانا۔ (۴) تقسیم درجات کرنا۔ (۵) نصاب معین کرنا (۶) جمعہ کو چھٹی دینا۔ (۷) شعبان میں امتحان کرنا۔ (۸) دستار بندی کے جلسے کرنا۔ (۹) رمضان میں تعطیل دینا۔ (۱۰) کتب خانہ جمع کرنا۔ (۱۱) مدرسین کی تنخواہ مقرر کرنا۔ (۱۲) منطق و فلسفہ و ریاضی وغیرہ داخل درس (۱۳) ہر سبق کے لئے وقت مقرر کرنا۔ (۱۴) ایک خاص نصاب کے بعد سند دینا۔ (۱۵) مساجد کو نفس و نگار کے ساتھ بنانا (۱۶) ان میں اوقات نماز کے نقشے لگانا۔ (۱۷) نمازوں کے اوقات مقرر کرنا۔ (۱۸) امامت کی تنخواہ لینا۔ (۱۹) رمضان میں سحر و افطار کے نقشے شائع کرنا۔ (۲۰) افطار و سحری کے لئے نقارے اور گھنٹیاں بجانا۔ (۲۱) کلام اللہ کا مع ترجمہ و اعمال کے چھاپنا۔ (۲۲) احادیث کو مع ترجمہ کے شائع کرنا۔ (۲۳) دارالمبلغین تیار کرنا۔ (۲۴) دارالافتاء کی عمارت بنانا۔ (۲۵) اس میں مفتیوں کو ملازم رکھنا۔ وغیرہ اعمال جو آیات واحادیث صریحہ سے ثابت نہیں لیکن کوئی دیوبندی نہ ان باتوں کو ناجائز کہتا ہے نہ بدعت بلکہ انہیں ایب دینی کام بتاتا ہے کہ ان کے لئے چندہ جمع کرتا ہے۔ بالجملہ یہ ثابت ہو گیا کہ مجیب کا یہ قاعدہ۔ (کہ جوشی کسی آیت وحدیث سے صراحتہ ثابت نہ ہو وہ بالکل ناجائز ہے) خود دیوبندی قوم کے احکام و اعمال کے لحاظ سے بھی غلط اور باطل ہے۔ بلکہ خود مجیب کے نزدیک بھی غلط ہے ورنہ ان سب امور کے بالکل ناجائز ہونے کا فتویٰ دے۔ اب باقی رہا کھڑے ہو کر سلام پڑھنا اس کی ممانعت نہ کسی آیت سے ثابت نہ کسی حدیث سے۔ بلکہ قرآن کریم میں اللہ عز و جل فرماتا ہے:

ان الله و ملائكتہ يصلون على النبي يا ايها الذين امنوا اصلوا عليه وسلموا تسليما۔

(پ ۲۲ ع ۳)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر اے ایمان والو ان پر تم درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

دارمی شریف و نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لله ملائكة سبا حين في الارض يبلغونني من امتي السلام (مشکوٰۃ شریف مطبوعہ المطابع ص ۸۶)

بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین پر سیر کرنے والے ہیں وہ مجھ کو میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔

ای دارمی شریف و نسائی میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی:

ان رسول الله، صلى الله تعالى عليه وسلم جاء ذات يوم والبشر في وجهه فقال انه جاءني جبريل فقال ان ربك يقول اما يرضيك يا محمد ان لا يصلي عليك احد من مملكت الا صابت عليه عشر اولاء يسلم عليك احد من امتك الا سلمت عليه عشرة۔

(مشکوٰۃ شریف مطبع المطابع ص ۸۶)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور چہرہ پاک میں آثار بشارت نمایاں تھے۔ فرمایا میرے پاس حضرت جبریل آئے اور عرض کی کہ بے شک آپ کا رب فرماتا ہے: اے حبیب کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری امت سے تم پر جو کوئی درود بھیجے گا تو میں اس پر دس بار بھیجوں گا اور تمہاری امت سے جو کوئی تم پر سلام بھیجے گا تو میں اس پر دس بار سلام بھیجوں گا۔

اس آیت کریمہ اور ہر دو احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کا حکم ہے۔ اور ان میں سلام کے ساتھ کہیں بیٹھ کر پڑھنے کی قید ذکر نہ فرمائی گئی تو ثابت ہوا کہ آیت واحادیث میں سلام پڑھنے کا حکم مطلق ہے جو بیٹھ کر پڑھنے اور کھڑے ہو کر پڑھنے ہر دو کو شامل ہے۔ اور اگر سلام کھڑے ہو کر پڑھنا ممنوع ہوتا تو اس میں ممانعت مذکور ہوتی، اور جب آیت وحدیث میں اس کی ممانعت نہیں تو اس کوئی ممنوع کو نہیں کر سکتا ہے۔ نیز سلام اکثر مقامات میں کھڑے ہو کر ہی پڑھا جاتا ہے اس کا حکم کتب فقہ میں مذکور ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ويقف كما يقف في الصلاة ويمثل صورته الكريم البهية كانه قائم في لحدہ عالم به يسمع كلامه كذا في الاختيار شرح المختار ثم يقول السلام عليك يا نبی الله ورحمة الله وبركاته۔
(عالمگیری مطبع مجیدی ص ۱۳۶ ج ۱)

اور کھڑا ہو جس طرح کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ اور آپ کی صورت مبارکہ کا ایسا نقشہ جمائے کہ گویا حضور قبر اطہر میں آرام فرما رہے ہیں اس کو جان رہے ہیں اس کا کلام سن رہے ہیں اسی طرح اختیار شرح مختار میں ہے، پھر کہے تم پر سلام ہوا اے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت۔
مرآۃ الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

ثم تنهض متوجها الى القبر الشريف فتقف بمقدار أربعة اذرع بعيدا عن المقصورة الشريفة بغاية الادب مستند برا القبلة محاذيا لرأس النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ووجهه الاكرم ملاحظا نظره السعيد اليك وسماعه كلامك وردہ عليك سلامك وتأمينه على دعائك وتقول السلام عليك يا سیدی یا رسول الله، السلام عليك يا نبی الله، السلام عليك يا نبی الرحمة، السلام عليك يا شفیع الامۃ، السلام عليك يا سيد المرسلین، السلام عليك يا خاتم النبیین، السلام عليك يا مزمل، السلام عليك يا مدثر الخ۔

(حاشیہ طحاوی ص ۴۳۲)

پھر قبر اطہر کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو اور گنبد اقدس سے بمقدار چار گز کے فاصلے پر انتہائی ادب کے ساتھ قبلہ کو پشت کر کے سر اقدس اور چہرہ انور کی سامنے کھڑا ہو اور اٹھو نظر رکھے کہ حضور تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور تیرے کلام کو سن رہے ہیں اور تیرے سلام کا جواب دے رہے ہیں اور تیری دعا پر آمین فرما رہے ہیں اور عرض کرتے تم پر سلام ہوا اے میرے سردار اے اللہ کے رسول۔ تم پر سلام ہوا اے اللہ کے نبی۔ تم پر سلام ہوا اے اللہ کے حبیب۔ تم پر سلام ہوا اے رحمت کے نبی۔ تم پر سلام ہوا اے امت کے شفاعت کرنے والے۔ تم پر سلام ہوا اے رسول کے سردار۔ تم پر سلام ہوا اے نبیوں کے خاتم۔ تم پر سلام ہوا اے مزمل۔ تم پر سلام ہوا اے مدثر۔

اسی طرح خطبہ اور وعظ میں صلاۃ و سلام کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ درمختار نے بعد اذان سلام کہنا لکھا تو وہ بھی تو کھڑے ہو کر ہی کہا جاتا ہے تو مجیب کا یہ کہنا کہ (کھڑے ہو کر سلام پڑھنا بالکل ناجائز

ہے) اس قدر غلط اور باطل ہے۔

اب رہا محفل میلاد شریف میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنا تو یہ اور پر مفصل گذرا کہ محفل میلاد شریف قیام عظمت ذکر قدم اور محبت و مسرت کے لئے ہے تو یہ کھڑا ہونا محض سلام پڑھنے ہی کی غرض سے نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ محض سلام پڑھنے کی غرض سے کھڑا ہونا بھی ممنوع و ناجائز نہیں جیسا کہ ان عبارات میں گذرا۔ لہذا جب فقہ کی کتابوں سے یہ ثابت ہو چکا تو جہاں قیام اور کھڑا ہونا اور اغراض کے لئے ہو تو اس میں سلام پڑھنا کس بنا پر ناجائز ہے تو مجیب اس کے ثبوت پر کوئی دلیل شرعی پیش کرے ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے۔

بالجملہ اس مجیب نے سلام پڑھنے کو ناجائز قرار دے کر خود آیت و حدیث کی مخالفت کی پھر مجیب کو جب اس پر بھی ہبر نہ آیا تو آگے لکھتا ہے

جو دگ، اہتمام سے کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے تھے غلط کرتے تھے یہ طریقہ صحیح نہیں۔
مجیب کا یہ قول غلط۔ فتوے غلط۔ مسلک غلط۔ مذہب غلط۔ طبیعت غلط۔ فہم غلط۔ نظر غلط۔ تو اسکو تو ہر چیز غلط ہی نظر آئے گی۔ حتیٰ کہ صحیح بھی غلط ہی معلوم ہوگا۔ اسی بنا پر ساری امت کو غلطی پر متفق مانا کہ علامہ سید احمد عابدین نے شرح مولد ابن حجر میں فرمایا۔

وقد رُحِدَ القيام عند ذكر اسمه الشريف من عالم الامۃ ومقتدى الائمة دينا وورعا الامام تقى الدين السبكي وتابعه على ذلك مشايخ الاسلام في عصره قال الشامي والداودي قد اتفق ان منشئ النشد قصيدة ذي المحبة الصا دقة حسان زما نه ابی زکریا يحيى الصرصرى اللتى منها قوله فى مدح النبى صلى الله تعالى عليه وسلم

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب على فضة من خط احسن من كتب
وان تنهض الاشرف عند سماعه قياما صفو فاو جيثيا على الركب
اما الله تعظيما له كتب اسمه على عرشه يا رتبة سمت الرتب

وكان ذلك وقت ختم درسه والقضاة والاعيان بين يديه فلما وصل المنشد الى قوله وان تنهض الاشراف عند سماعه الى آخر البيت نهض الشيخ للحال قائما على قدميه امتثالا لما ذكره الصرصرى وقام جميع من بالمجلس وحصل للناس ساعة طيبة وأنس كبير بذلك ذكر ذلك ولده شيخ الاسلام ابو نصر عبد الوهاب فى ترجمته من

الطبقات الکبریٰ قال فی انسان العیون بعد ذکر ذلك ویکفی مثل ذلك فی الاقتداء اقول
لم تزل علیہ المواطبة من العلماء الاعلام والمشائخ الکرام بقصد تعظیم من للانبیاء
احتام علیہ وعلیہم افضل الصلاة واتم السلام۔

(جواہر البحار مطبوعہ بیروت ص ۱۱۳۳ ج ۳)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم شریف کے ذکر کے وقت قیام امت کے اس عالم
نے کیا جو دین و تقویٰ میں اماموں کا پیشوا امام تقی الدین سبکی۔ اور اس قیام میں ان کے زمانہ کے مشائخ
اسلام نے ان کا اتباع کیا علامہ شامی اور داودی نے فرمایا کہ واقعہ یہ ہوا کہ ایک قصیدہ ایک نعت خواں
نے پڑھا جس کو سچے عاشق اپنے زمانہ کے حسان ابو زکریا سبکی صرصری شاعر نے لکھا جس کے نعت رسول
کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بعض اشعار یہ ہیں۔ مدح مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے یہ بھی
کم ہے کہ جو سب سے اچھا خوش نویس ہو اس کے ہاتھ سے چاندی کے پتے پر سونے کے پانی سے لکھی جا
ئے۔ اور جو شرف دینی رکھتے ہیں وہ اس نعت کو سن کر صف باندھ کر سر و قد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جا
ئیں۔ دیکھ آگاہ ہو کہ اللہ نے ان کا نام اپنے عرش پر ان کی عظمت کے لئے لکھا۔ اے رتبوں کے واقف
کار۔ اور یہ وقت ختم مجلس کا تھا اور قاضی اور اراکین سلطنت سامنے تھے تو جب وہ نعت خواں اس شعر کو
پڑھنے لگا کہ اشرف نعت کو سن کر صف بہ صف کھڑے ہو جائیں تو حضرت امام سبکی فوراً اپنے قدموں پر اما
م صرصری کے امتثال امر کی بنا پر کھڑے ہو گئے اور تمام حاضرین مجلس نے بھی قیام کیا اور اس کی وجہ سے
مجلس میں اس وقت نہایت انس حاصل ہوا۔

اس کو ان کے صاحبزادے شیخ الاسلام بونصر عبدالوہاب نے ان کے تذکرے میں طبقات کبریٰ
میں ذکر کیا اور انسان العیون نے اس ذکر کے بعد فرمایا یہ بیرونی کے لئے کفایت کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں
کہ اسی پر علماء اعلام اور مشائخ کرم نے اس ذات پاک کی تعظیم کے لئے پیشگی کی۔ جو حضرات انبیاء کے
لئے خاتم ہیں ان پر اور ان سب پر بہترین صلاۃ اور کامل ترین سلام نازل ہو۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت امام سبکی علیہ الرحمہ جو اپنے زمانہ میں اہل علم و فضل کے پیشوا
اور اصحاب زہد و تقویٰ کے مقتدا تھے جن کی ولادت ۶۸۳ھ کی ہے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک پر قیام کیا اور ان کے اتباع میں علماء و مشائخ نے اور تمام اہل مجلس نے قیام کیا
۔ پھر ہر زمانہ اور قرن میں علمائے کرام و مفتیان عظام و مشائخ ذوی الاحترام نے محفل میلاد شریف بوقت

ذکر ولادت قیام کیا۔ تو یہ قیام تقریباً سات صدی کے مسلمانوں کا وہ عمل ہے جس کو انہوں نے ہمیشہ
مستحب و مستحسن جان کر کیا تو یہ عند اللہ بھی حسن قرار پایا کہ حدیث شریف میں ہے جسے حضرت امام احمد
نے اپنے مسند میں روایت کیا۔ ما راہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن۔

(کنوز الحقائق مصری ص ۱۵۷ ج ۲)

مسلمان جس چیز کو اچھا جانیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

تو حدیث شریف جب مسلمانوں کے اس فعل کو حسن قرار دے تو وہ اس مفتی کے حکم سے غلط اور
غیر صحیح کس طرح ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ گمراہ مفتی سات صدی کے تمام علماء و مشائخ اور ساری امت مرحومہ کو
بدعتی و گمراہ ٹھہراتا ہے۔ اور ساری امت نہ کسی غلطی پر جمع ہو سکتی اور نہ غیر صحیح طریقہ کو اختیار کر سکتی ہے نہ
گمراہی پر اتفاق کر سکتی ہے۔ کہ خود آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کو ترمذی شریف
نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

لا یجمع امتی ای امة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی ضلالة وید اللہ علی
الجماعة ومن شذ شذ فی النار۔

(مشکوٰۃ شریف مجتہائی ص ۳۰)

میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا دست قدرت جماعت پر ہے۔ اور جو تنہا ہو وہ دو
رخ میں ڈال دیا جائے گا۔

لہذا یہ عجیب خود ہی گمراہی اور بدعتی ہے اور سات صدی کا یہ عمل مسلمین یعنی قیام محفل میلاد
شریف بلاشبہ صحیح ہے اور عجیب کا اس کو غلط اور باطل کہنا غلط اور باطل ہے۔ پھر یہ عجیب اس کے آگے لکھتا
ہے۔

اگر کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ آپ تشریف لاتے ہیں یا آپ کی
روح حاضر ہوتی ہے، تو نہ آپ تشریف لاتے ہیں نہ آپ کی روح حاضر ہوتی ہے تشریف آوری کے
دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ کوئی آیت اور نہ کوئی حدیث ہے کہ جس سے ثابت ہو۔ کوئی دیکھتا نہیں
پھر کہاں سے معلوم ہوا کہ آپ تشریف لاتے ہیں۔ یہ آپ پر محض افتراء ہے۔ من کذب علی متعمدا
فلینبوا مقعده من النار الحدیث۔ جس طرح کسی نہ کہے ہوئے قول کو آپ کی طرف منسوب کرنا حرام
ہے اسی طرح نہ کیا ہوا فعل آپ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔

عجیب صاحب میلاد شریف میں بوقت سلام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری

یا روح پاک کا حاضر ہونا اہلسنت کا عقیدہ تو نہیں ہے، خواص کا تو کیا ذکر عوام تک کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ہر میلاد شریف میں بوقت قیام وسلام حضور کی تشریف آوری ہوتی ہے اور اسی بنا پر سلام و قیام کیا جاتا ہے۔ لیکن بلا اعتقاد اگر کوئی شخص بوقت سلام کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے یا روح پاک کے حاضر ہونے کو ممکن جانے تو اس پر کیا الزام ہے اور اس میں کون سا استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہے

مجیب عدم تشریف آوری کے دعوے پر نہ کوئی دلیل پیش کر سکا۔ نہ کوئی آیت وحدیث نقل کر سکا۔ نہ آئندہ وہ کوئی دلیل پیش کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف پر بکثرت دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی اغتباہ الاذکیاء میں فرماتے ہیں:

النظر فی اعمال امته والاستغفار لهم من السيئات والدعاء بكشف البلاء عنهم والتردد فی اقطار الارض لحلول البركة فيها وحضور جنازة من مات من صالحی امته فان هذه الامور من جملة اشغاله فی البرزخ كما وردت بذلك الاحادیث والآثار۔

(اغتباہ الاذکیاء مطبوعہ دائرۃ المعارف ہند ص ۱۴)

اپنی امت کے اعمال میں نظر کرنا اور ان کے لئے گناہوں سے مغفرت طلب کرنا اور ان سے بلاؤں کے دفع ہو جانے کی دعا کرنا اور اطراف زمین میں نزول برکت کے لئے چلنا پھرنا اور جو صالحین امت سے مر جائے اس کے جنازہ پر حاضر ہونا تو یہ سب کام برزخ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشاغل میں سے ہیں جیسا کہ اس میں احادیث وآثار وارد ہوئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ”در الثمین فی مبشرات النبی الامین“ میں فرماتے ہیں:

الحديث السابع عشر۔ اخبرني سيدى الوالد قال اخبرني شيخى السيد عبد الله القارى قال حفظت القرآن على قارى زاهد كان لکن فى البرية فبينما نحن نتدارس القرآن اذ جاء قوم من العرب يقدمهم سيدهم فاستمع قراءة القارى وقال بارك الله ارايت حق القرآن ثم رجع وجاء رجل اخر بذلك الزى فاخبر ان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم اخبرهم بالراحة انه سيذهب الى البرية الفلانية لاستماع قراءة القارى هناك فعلمنا ان السيد الذى كان يقدمهم هو النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال وقد رأيتہ بعينى هاتين

(در الثمین مطبوعہ دہلی ص ۶)

ستر ہوئیں حدیث مجھے میرے سردار والد صاحب نے خبر دی کہا خبر دی مجھے میرے شیخ نے انہوں نے کہا کہ میں نے قرآن کریم قاسری زاہد سے یاد کیا وہ بیابان میں رہتے تھے اس اثنا میں کہ ہم قرآن شریف کا دور کر رہے تھے کہ ایک عرب کی قوم آئی اور اس کا سردار ان کے آگے تھا انہوں نے قاری صاحب کی قرات سنی اور اس سردار نے فرمایا اللہ تعالیٰ برکت دے تو نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا پھر وہ تشریف لے گئے اور ایک اور شخص اسی شان میں آیا تو اس نے خبر دی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں گذشتہ شب خبر دی تھی کہ حضور فلاں بیابان میں قاری صاحب کی قرات سننے کے لئے تشریف لے جائیں گے تو ہم نے جان لیا کہ جو سردار قوم آگے تھے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے اور کہا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے اپنی دونوں آنکھوں سے۔

ہجۃ الاسرار میں بسند متصل حضرت ابوالحسن نور الدین اس کی روایت کرتے ہیں:

يقول ابو سعد القيلوى رضى الله عنه رايته رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وغيره من الانبياء صلوات الله عليهم فى مجلس الشيخ عبد القادر غير مرة۔ وان ارواح الانبياء لتتحول فى السموات والارض جولان الرياح فى الآفاق۔

(ہجۃ الاسرار مصری ص ۹۵)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور آپ کے سوا اور انبیاء علیہم السلام کو شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بہت سی مرتبہ دیکھا اور بے شک انبیاء کی روئیں چلتی پھرتی ہیں۔ جیسے ہوائیں عالم میں چلتی ہیں۔

اسی ہجۃ الاسرار میں بسند متصل دوسرے واقعہ کی روایت کرتے ہیں۔

يقول الشيخ بقابن بطور رضى الله عنه مجلس الشيخ عبد القادر رضى الله عنه مرة فبينما هو يتكلم على المرقاة الثانية فاشهدت ان المرقاة الاولى قد اتسعت حتى صارت مد البصر وفرشت من السندس الاخضر وجلس عليها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وابو بكر وعمر وعثمان وعلي رضى الله عنهم وتحلى الحق سبحانه على قلب الشيخ عبد القادر فمال حتى كاد يسقط فامسكه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فلما يقع۔

(ہجۃ الاسرار مصری ص ۹۷، ۹۸)

شیخ بقاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک مرتبہ حاضر ہوا۔ اس اثنا میں کہ حضور دوسری سیڑھی پر وعظ فرما رہے تھے میں نے دیکھا کہ پہلی سیڑھی کشادہ ہوئی اور سبز سندس کا فرش بچھا اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم نے جلوس فرمایا اور اللہ سبحانہ نے حضور غوث پاک کے قلب پر تجلی ڈالی تو حضور غوث پاک جھومنے لگے یہاں تک کہ گرنے کے قریب ہو گئے تو ان کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گرنے سے روک لیا۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں:

اولیا و انبیاء اعیان با جساد و اموات با روح و جن و ملائکہ در مجلس او حاضری شدند و حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دارالجمعین نیز از برائے تربیت و تائید تجلی می فرمودند و خضر علیہ السلام اکثر اوقات از حاضران مجلس شریف می بود۔ (اخبار الاخیار مجتہائی ص ۱۳)

اولیا اور انبیاء زندہ تو جسموں کیساتھ اور اموات روحوں سے اور جنات اور فرشتے حضور غوث پاک کی مجلس میں حاضر ہوتے اور حبیب حق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تربیت و تائید کے لئے تجلی فرماتے اور حضرت خضر علیہ السلام تو مجلس کے زیادہ حاضر باشوں میں سے ہیں۔

ان عبارات سے نہایت روشن طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیاء کرام اور ارواح زمین و آسمان میں ہوا کی طرح چلتے اور جولانی فرماتے ہیں اور اعمال امت کو ملاحظہ فرماتے ہیں خصوصاً ہمارے آقا و مولیٰ سید انبیاء محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے اعمال و احوال کو ملاحظہ فرماتے ہیں ان کے لئے استغفار کرتے اور دفع بلا کی دعا فرماتے ہیں۔ اور اقطار زمین میں دورہ کرتے ہیں اور صالحین کے جنازہ پر تشریف لاتے ہیں اور زاہد قاری کا قرآن کریم سننے کے لئے اس جنگل میں تشریف لائے اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس وعظ میں چند بار تشریف لائے۔ یہ چند عبارات بخیاں اختصار پیش کیں ورنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مجالس ذکر میں تشریف آوری کے کثیر واقعات معتبر کتب سے پیش کئے جاسکتے ہیں تو ان اکابر دین کے اقوال کے مقابل اس عجیب کا قول غلط اور باطل ہے۔ عجیب عدم تشریف آوری کے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہ کر سکا۔ لیکن عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے وہ یہ کہتا ہے کہ کوئی انہیں دیکھتا نہیں عجیب نے یہ عجیب دلیل پیش کی۔ اس عقل کے دشمن سے پوچھو کہ اما کاتبین۔ حفظ ہر وقت ساتھ رہتے یہاں ان کا صبح و شام آنا جانا ہوتا ہے؛ حضرت ملک الموت اور ان

کے اعوان بوقت قبض روح آتے ہیں تو کیا انہیں کوئی ان آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ عجیب کیا ان کے لئے بھی یہی کہہ دیا کہ اگر یہ فرشتے آتے ہوتے تو کوئی تو انہیں دیکھتا اور جب انہیں کوئی دیکھتا ہی نہیں تو ثابت ہو گیا کہ یہ فرشتے ہمارے ساتھ رہتے ہی نہیں۔ بلکہ یہ عجیب اگر ہر موجود کے لئے آنکھوں سے نظر آنا ضروری قرار دیتا ہے تو وہ بہت سے اسلامی عقائد کا منکر ٹھہرے گا۔ عجیب آنکھیں کھول کر دیکھے، ابھی بھجے الاسرار سے منقول ہوا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس وعظ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ابوسعید علیہ الرحمہ نے چند بار دیکھا اور حضرت شیخ بقا علیہ الرحمہ نے مع خلفا کے دیکھا۔ عجیب میں اگر جرأت ہے تو ان کے دیکھنے کو نہ دیکھنا ثابت کرے۔ حضرت شیخ بقا سے اس دیکھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا اس کو اسی بھجے الاسرار میں اس عبارت کے بعد لکھا۔

سئل الشيخ بقا عن رويته رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم واصحابه رضي الله عنهم فقال اروا حهم تشككت ان الله تعالى ايدهم بقوة يظهرن بها فيراهم من قواه الله تعالى لرويتهم في صورة الاجساد وصفات الاعيان بدليل حديث المعراج۔

(بھجے الاسرار مصری ص ۹۸)

حضرت شیخ بقا سے حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کی روایت کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ ان کی روحيں متشکل ہوتی ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی ایسی قوت سے تائید فرماتا ہے جس سے وہ ظاہر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جسے ان کی صورت اجساد اور صفات اعیان میں دیکھنے کی قوت دی ہے تو وہ ان کو دیکھتا ہے بدلیل حدیث معراج۔

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ارباب القلوب في يقضتهم يشاهدون الملائكة و ارواح الانبياء و يسمعون منهم اصواتا و يقتبسون منهم فوائد ثم يرتقى الحال من مشاهدة الصور و الامثال الى درجات يضيق عنها نطاق النطق۔

(زرقانی مصری ص ۲۹۷ ج ۵)

اہل دل اپنی بیداری میں فرشتوں اور انبیاء کرام کی روحوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ان کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ پھر ان کا حال مشاہدہ صورت و امثال میں ایسے درجوں تک ترقی کرتا ہے جو احاطہ بیان سے باہر ہے۔

عارف صدائی قطب ربانی سید عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعہ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

قد بلغنا عن الشيخ أبي الحسن الشاذلي وتلميذه الشيخ أبي العباس المرسي وغيرهما أنهم كانوا يقولون لو احتجبت عناروية رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم طرفة عين ما اعددنا أنفسنا من حملة المسلمين۔ (میزان مصری ص ۱۷۴)

ہمیں شیخ شاذلی اور ان کے شاگرد شیخ ابوالعباس اور دیگر اولیاء سے یہ روایت پہونچی کہ وہ کہتے تھے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار پلک مارنے کی مقدار ہم سے محبوب ہو جائے تو ہم اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے شمار نہ کریں۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء کرم فرشتوں اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازاں کو سنتے ہیں، ان سے کسب فیوضات کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کو ہر وقت رویت جمال کی دولت میسر ہوتی ہے، بالجملة ان کے دیکھنے کی اللہ تعالیٰ جس آنکھ کو قوت دیتا ہے وہی آنکھ ان کو دیکھتی ہے ہر کس و ناکس کو یہ رویت حاصل نہیں ہوتی۔ تو یہ عجیب عدم تشریف آوری کے دعویٰ میں خود کاذب و مفتری قرار پایا اور وہ اپنی اس حدیث من کذب علی متعمدا کو پڑھ کر خود اپنے اوپر دم کر لے اور حرام کام تکب خود اپنے آپ کو قرار دے۔ پھر عجیب کا یہ قول

(نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر ایک وقت کئی جگہ محفلیں منعقد ہوں تو آیا سب جگہ تشریف لے جائیں گے یا کہیں کہیں۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جائیں کہیں نہ جائیں اگر سب جگہ جائیں تو وجود واحد ہے ہزاروں جگہ کس طرح جاسکتے ہیں یہ تو خدا تعالیٰ کی شان ہے)

انتہائی جہالت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب عجیب کو عدم تشریف آوری کے دعوے پر کوئی دلیل شرعی نہ مل سکی تو اپنے معتقدین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے یہ عقلی استحالہ پیش کرتا ہے کہ ایک وقت میں کئی محفلیں منعقد ہوتی ہیں تو تشریف آوری کے دو پہلو ہیں، ایک یہ ہے کہ حضور کہیں جائیں اور کہیں نہ جائیں تو اس میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ عجیب اس پہلو کے بطلان پر کوئی آیت وحدیث تو پیش نہ کر سکا اور نہ ہی سلف و خلف کا کوئی قول نقل کر سکا تو اپنی مجبوری اور بے مائیگی کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے کہ یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ عجیب پہلے تو یہ بتائے کہ ترجیح بلا مرجح دلائل شرع سے کس دلیل کے تحت میں داخل ہے۔ اور اس سے کس شے کی کراہت ثابت ہوتی ہے، آیا حرمت یا کفر ثابت ہوتا ہے یا شرک؟ اور مرجح کی کیا تعریف ہے؟ اور مرجح کا دلائل شرع سے ہونا ضروری ہے یا صرف عقلیات سے ہونا کافی ہے؟ پھر

یہ مرجح افادہ اباحت کا کرنے کا یا استحباب و وجوب کا؟ علاوہ بریں کہیں تشریف فرما ہونے پر جب مرجح موجود ہو تو ترجیح بلا مرجح کس طرح لازم آئے گی؟ دیکھو درود شریف سب اہل اسلام پڑھتے ہیں عربی بھی اور عجمی بھی۔ اہل محبت بھی غیر اہل محبت بھی۔ قریب والے بھی اور بعید والے بھی۔ لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل محبت کے درود کو خود سنتے ہیں۔ اس حدیث شریف کو حضور سیدی محمد بن سلیمان جزولی نے اپنی مشہور کتاب دلائل الخیرات میں نقل کیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسمع صلاة اهل محنتی واعرفهم وتعرض على صلوة غيره عرضا۔

(دلائل الخیرات مصری ص ۲۳)

میں اپنے اہل محبت کے درود کو خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں اور ان کے سوا اور لوگوں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

لہذا جس طرح محبت والفت خود حضور کے سماع کے لئے مرجح ہے اسی طرح محبت و شوق۔ اخلاص و نیاز مندی حضور کے کہیں تشریف فرما ہو جانے کے لئے بھی مرجح ہو سکتی ہے۔

چنانچہ انتباہ الاذ کیا میں گذرا کہ صالحین کے جنازے پر حضور کے تشریف فرما ہونے کے لئے ان کا صلاح مرجح ہے۔ اور درمبین میں گذرا کہ زہد قاسری کے قرآن سننے کے لئے حضور کا جنگل میں تشریف فرما ہونے کے لئے اس کا زہد و اخلاص مرجح۔ حضور غوث پاک کی مجلس عظمیٰ میں تشریف فرما ہونے کے لئے بانی مجلس کی محبت یا بعض سامعین کا جذبہ شوق یا ذاکر مجلس کا اخلاص و نیاز مندی حضور کی تشریف آوری کے لئے مرجح ہو سکتی ہے، تو حضور کے کہیں تشریف فرما ہونے کے لئے جب یہ مرجح موجود ہوں تو وہاں ترجیح بلا مرجح کس طرح لازم آئے گی۔ پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کیجیے تو خود سرکار کا کرم جس غلام کو چاہے نواز دے۔ حضور اپنی رحمت سے جس نیاز مند کے مکان میں چاہیں تشریف فرما ہو جائیں ان کے کرم ان کی نظر رحمت کے لئے کب کسی مرجح کی ضرورت ہے۔ اگر عجیب کی یہی جہالت ہے تو وہ بعض گنہگاروں کی مغفرت کا بھی قائل نہ ہوگا۔ اور مغفرت و مشیت الہی کے لئے بھی مرجح کی ضرورت لازم جانتا ہوگا اور مغفرت و شفاعت بعض عصاۃ کو ترجیح بلا مرجح کہہ کر انکار کرتا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی غلط بات کی حمایت کرتا ہے تو اس کو اسی کی طرح ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اس کو ایسی پراز جہالت گفتگو کرنی پڑتی ہے بالجملة یہ تو اس کے ایک پہلو کا جواب تھا۔ عجیب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر ایک وقت میں سب جگہ جائیں اور ہر محفل میلاد میں شرکت فرمائیں تو وجود واحد ہزاروں جگہ کس

طرح جاسکتا ہے مجیب کا یہ پہلو بھی بہت زیادہ جہالت پر مبنی ہے۔ کیا مجیب نے یہ نہ دیکھا کہ آفتاب کا وجود واحد ہی تو ہے مگر ہزار ہا مقامات پر نظر آتا ہے۔ اسی طرح شیطان کا وجود ایک ہے لیکن ہزاروں جگہ موجود ہو کر بہکاتا ہے بلکہ ان سب سے زیادہ روشن حضرت ملک الموت کا وجود ہے جو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کڑوروں جگہ موجود ہو کر قبض روح کرتے ہیں۔ لہذا جب بیک وقت ان کے وجود واحد کا ہزاروں جگہوں میں موجود ہونا مجیب کو تسلیم ہے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیک وقت ہزاروں محفلوں میں موجود ہو جانے کا کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ تو مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیک وقت ہزاروں محفلوں میں تشریف لانا تسلیم کر لے تو فیہا ورنہ صاف الفاظ میں اقرار کرے کہ مجھے مہر و ماہ اور حضرت ملک الموت اور شیطان لعین کا بیک وقت ہزاروں جگہوں میں ہونا تو تسلیم ہے لیکن عداوت تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے کہ ان کا ایک وقت میں ہزاروں جگہوں میں تشریف لانا تسلیم نہیں جیسا کہ اس کے پیشواؤں نے صاف طور پر لکھ دیا ہے دیکھو براہین قاطعہ۔ پھر مجیب کا یہ قول (وجود واحد ہزاروں جگہ کس طرح جاسکتا ہے یہ تو خدا تعالیٰ کی شان ہے) کس قدر جہالت کا مجموعہ ہے۔ کیا مجیب کے نزدیک حضرت ملک الموت و شیطان لعین میں خدا کی شان پائی جاتی ہے کہ یہ بیک وقت ہزاروں جگہ موجود ہوتے ہیں؟ تو اگر مجیب کہے کہ یہ دونوں شان خدا میں شریک ہیں تو کیا مجیب اور دیوبندی قوم کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت ملک الموت اور شیطان لعین اللہ عز و جل کے شریک ہیں اور جس کا یہ عقیدہ ہو وہ مشرک ہے یا نہیں؟ اور اگر مجیب کہے کہ یہ دونوں باوجود بیک وقت ہزاروں جگہوں کے موجود ہونے کے بھی اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں تو ہو حضور علیہ السلام کے لئے بیک وقت ہزاروں جگہ میں تشریف فرما ہونے کو کس طرح شرک قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا اس کے نزدیک شرک کہیں پر تو شرک ہے کہیں ایمان ہے۔ ہاں جملہ اس کا یہ قول کثیر جہالات کا مجموعہ ہے۔ علاوہ بریں مجیب کی سب سے بڑی جہالت بلکہ اس کا کفر یہ ہے کہ اس نے جگہ اور مکان میں ہونا خدا کی شان بتایا باوجودیکہ اللہ تبارک و تعالیٰ جگہ اور مکان سے منزہ و پاک ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: یکفر بالاثبات المکان للہ تعالیٰ فلو قال از حد اہیج مکان خالی نیست یکفر۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۱/۲۸۲)

اللہ تعالیٰ کے لئے مکان (جگہ) ثابت کرنے سے کافر ہو جائے گا۔ اگر کہا کہ خدا سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے تو کافر ہو جائے گا۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی مکان اور جگہ کا ثابت کرنا کفر ہے۔ اور یہ مجیب تو اس کے لئے ہزاروں جگہوں کا اثبات کر رہا ہے۔ بلکہ اس کو خاص خدا کی شان ہی ثابت کرنا چاہتا ہے تو جس مفتی کو ایمان و کفر کی تمیز بھی نہ ہو اس سے زیادہ جاہل کون ہے۔ لہذا ایسا مفتی جو کفر کو ایمان بتائے اور ایمان کو کفر ٹھہرائے، یا جائز کو ناجائز کہے، یا مستحب و سنت کو حرام و بدعت قرار دے اس کے فتوے کا کیا اعتبار۔ اس کی کسی بات کا کیا قرار۔ لیکن حیرت تو دیوبندی قوم اور ان کے مدعیان علم پر ہے جنہوں نے اس جاہل مفتی کو اپنا سب سے بڑا مفتی قرار دیا اور اپنے سب سے بڑے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں صدر مفتی بنایا۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کی جہالتوں کا ذکر کر دیا جائے۔

(۱) ترجیح بلا مرجح سے ہر چیز کو ناجائز و حرام بتانا۔

(۲) باوجود مرجح کے اس کو ترجیح بلا مرجح کہنا۔

(۳) چاند کے وجود واحد کو ہزاروں جگہ مان کر اس میں شان خداوندی ماننا۔

(۴) آفتاب واحد کو ہزاروں جگہ تسلیم کر کے اس میں خدا کی شان ماننا۔

(۵) حضرت ملک الموت کو ہزاروں جگہ مان کر ان کو خدا کا شریک ٹھہرانا۔

(۶) شیطان لعین کو ہزاروں جگہ مان کر اس کو خدا کا شریک قرار دینا۔

(۷) خدا کی شان کو نہ جاننا۔

(۸) خدا کے لئے مکان اور جگہ ثابت کرنا۔

(۹) خدا کے لئے نہ فقط ایک جگہ بلکہ ہزاروں جگہ ماننا۔

(۱۰) کفر کو ایمان جاننا۔

(۱۱) شرک کے معنی کو نہ سمجھنا۔

(۱۲) شرک کو کہیں شرک کہنا اور کہیں اس کو روار کہنا۔

الحاصل جس مفتی کے ایک قول میں اس قدر جہالات ہوں اس کے فتوے کو وہی مانے گا جس کو جہالت سے لگاؤ ہوگا۔ لہذا اس مجیب کے جب ہر دو پہلو غلط اور باطل ٹھہرے تو ان کا نتیجہ کیوں کر نہ غلط ٹھہرے گا۔ اس کے بعد مجیب فتاویٰ حدیثیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

ونظیر ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله تعالى عليه وسلم ووضع امته له من القيام وهو ايضا بدعة لم يرد فيه شيء على ان الناس انما يفعلون ذلك تعظيما له صلى الله

تعالیٰ علیہ وسلم فالعوام معذورون لذلك بخلاف الخواص۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۰۱)

مجیب نے اس عبارت کو اپنے مسلک کی دلیل بنا کر بڑے زور سے پیش کیا ہے، لیکن اس کے سمجھنے کے لئے علم و درکار تھا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس عبارت میں قیام میلاد شریف کو کہیں بدعت سیدہ نہیں قرار دیا گیا۔

اقول: اولاً۔ مجیب اس عبارت میں لفظ بدعت کو دیکھ کر از حد مسرور ہو گیا کہ علامہ ابن حجر نے قیام میلاد شریف کو بدعت کہہ دیا جیسا کہ دیوبندی قوم کا مسلک ہے۔ لیکن مجیب پہلے محاورات کتب دینیہ سے واقف ہو لے پھر اقوال علماء سے استدلال کرے کہ علماء کرام بدعت کہہ کر بدعت حسنہ بھی مراد لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی مسئلہ قیام میلاد ہی میں سنئے۔ اسی فتوے میں علامہ حلبی کی سیرت سے عبارت نقل ہوئی جس میں یہ الفاظ ہیں۔

جرت عادة كثير من الناس اذا سمعوا بذكر وضعه صلى الله تعالى عليه وسلم ان يقوموا تعظيما له صلى الله تعالى عليه وسلم وهذا القيام بدعة لا اصل لها اي لكن هي بدعة حسنة۔ (سیرۃ حلبی مصری ص ۹۹/ج ۱)

بہت لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ولادت سنتے ہیں تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں اور یہ قیام بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔

اس عبارت میں قیام میلاد کے بدعت ہونے کی مراد ظاہر فرمادی گئی کہ اس بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔ لہذا یہی مراد علامہ ابن حجر کی ہے کہ وہ قیام کو بدعت کہہ کر بدعت حسنہ مراد لیتے ہیں کہ اس کی تصریح خود علامہ ہی کے قول سے پیش کی جائے گی۔

ثانیاً: علامہ نے بدعت کی صفت نہ تو سیدہ ذکر کی نہ محرمہ بیان کی نہ مکروہہ تحریر فرمائی۔ بلکہ اس کی صفت ”لسم یرد فیہ شیء“ لکھی تاکہ ہر ناواقف بھی یہ سمجھ لے کہ اس بدعت سے مراد بدعت سیدہ یا محرمہ یا مکروہہ نہیں بلکہ مطلق بدعت ہے جو غیر مروی ہوتی ہے اور یہ بات بدعت حسنہ کو بھی شامل ہے کہ وہ بھی صراحتہ مروی نہیں ہوتی۔ تو علامہ کی بدعت سے مراد بدعت سیدہ یا مکروہہ و محرمہ ہرگز نہیں ہے۔ تو مجیب اس عبارت سے اپنے مذہب پر استدلال نہیں کر سکتا کہ وہ قیام کو بدعت سیدہ کہتا ہے۔

ثالثاً: علامہ نے ان لوگوں کے قیام کو بدعت کہا جو یہ قیام باعتقاد سنت کرتے ہیں۔ اور جو اس قیام کو بہ نیت سنت نہیں کرتے بلکہ محض بغرض تعظیم کرتے ہیں تو ان کے لئے یہ قیام علامہ کے نزدیک بھی بدعت نہیں بلکہ مستحب ہے۔ جس کی تصریح ابھی تحریر کی جائی گی۔

رابعاً: علامہ نے یہ قیام عوام کے لئے تو جائز و مباح قرار دیا اور خواص کے لئے احوط یہ ٹھہرایا کہ وہ اس قیام کو نہ کریں کہ اس میں مظنہ اور ایہام ہے تو عوام کے لئے قیام کا جواز خود اسی عبارت سے ثابت ہو گیا۔

خامساً: یہ عوام و خواص کا فرق اس صورت میں تھا کہ اس قیام کی بنا مخفی تھی اور اس میں ایہام اعتقاد سنیت تھا۔ اور جب ہر خاص و عام پر یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ قیام بوقت ذکر ولادت محض سرور و تعظیم ہی کے لئے کیا جاتا ہے تو یہ قیام اب عوام و خواص سب کے لئے مستحب ثابت ہو گیا کہ اب کوئی ایہام و مظنہ باقی نہ رہا۔

سادساً: مجیب اگر ان علامہ ابن حجر کی اور ان کی فتاویٰ حدیثیہ کو مانتا ہے تو اسی فتاویٰ حدیثیہ کی عبارت جو ہم نے پیش کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ تو میلاد شریف کو سنت کہتے ہیں۔ تو کیا مجیب بھی اس کے لئے تیار ہے۔ اگر ہے تو تسلیم کرے ورنہ اس کو علامہ کے کلام سے استدلال کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

سابعاً: یہی علامہ ابن حجر اپنے مولد کبیر میں فرماتے ہیں:

فيقال نظير ذلك في القيام عند ذكر ولا دته صلى الله تعالى عليه وسلم وايضا قال اجتمعت الامة المحمدية من اهل السنة والجماعة على استحسان القيام المذكور قد قال صلى الله تعالى عليه وسلم لا تحتج امتي على ضلالة۔

(الدر المنظم فی بیان حکم مولد النبی الا عظم ص ۱۴۳)

کہا گیا کہ اس کی نظیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا ہے۔ نیز قیام مذکور کے استحسان پر امت محمدیہ اہلسنت و جماعت نے اجماع کر لیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

مسلمانو! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ یہ وہی علامہ ابن حجر ہیں جن کو مجیب یہ ثابت کر رہا تھا کہ وہ منکر قیام ہیں اور فتاویٰ حدیثیہ میں قیام کو بدعت سیدہ کہتے ہیں۔ لیکن اس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ

علامہ ابن حجر قیام میلاد کو مستحب و مستحسن کہتے ہیں اور اس کے استحسان پر اجماع امت نقل فرماتے ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ علامہ فتاویٰ حدیثیہ میں اسی قیام کو بدعت سیئہ کہیں۔ لہذا یہ اب آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ فتاویٰ حدیثیہ کی عبارت میں بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے۔ اور بدعت حسنہ کو مجیب کے پیشوا انگلوہی صاحب فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۱۰۱ پر فرماتے ہیں:

جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے۔

تو قیام میلاد کا گویا سنت ہونا ثابت ہوا۔ بالجملہ فتاویٰ حدیثیہ میں نہ قیام کو بدعت سیئہ کہا نہ یہ عبارت ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔ مجیب اب اپنا حال بیان کرے کہ اگر اس کے نزدیک علامہ ابن حجر معتمد و مستند ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرے کہ میرے نزدیک بھی ذکر میلاد شریف سنت ہے اور اس میں قیام کرنا مستحب و مستحسن ہے اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ گمراہ و بے دین ہے۔ ورنہ یہ اعتراف کرے کہ علامہ مذکور کو گمراہ و بدعتی کہتے ہیں۔ مجیب کا فتاویٰ حدیثیہ کا حوالہ دیدینا تو بہت آسان تھا لیکن یہ کیا خبر تھی کہ اس فریب کا پردہ فاش ہو جائے گا۔ اور یہ خود اپنے ہی گلے میں آجائے گا۔ پھر یہ مجیب اس فتوے کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے۔

بہر حال قیام بدعت ہے اور جو لوگ اہتمام سے کرتے تھے غلط کرتے تھے قیام ترک کرنا چاہیے

واللہ اعلم بالصواب۔

مجیب کا یہ حکم بالکل غلط اور باطل ہے کہ بکثرت عبارات سے ثابت کر دیا گیا کہ مستحب و مستحسن ہے اور یہ سات صدی کا عمل مسلمین ہے اور ہر قرن و ہر زمانہ میں علماء کرام و مفتیان عظام و مشائخ ذوی الاحترام اس کو باہتمام کرتے رہے۔ تو بلحاظ "ما راہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن" کے اس کو کرنا چاہیے۔ مجیب کا یہ فتویٰ غلط۔ قرآن و حدیث کے حکم سے غلط۔ اجماع مسلمین کے اعتبار سے غلط۔ استحسان و قیاس کے لحاظ سے غلط۔ خلف و سلف کی تحقیقات سے غلط۔ عمل مسلمین کی رو سے غلط۔ اصول عقلی کے اعتبار سے غلط۔ اور کیونکہ نہ غلط ہو کہ خود مفتی غلط۔ اس کا مذہب غلط۔ اس کی فہم غلط۔ اس کی تعلیم غلط۔ اس کی سعی غلط اور اس کی ساری دیوبندی قوم غلط۔ ہم نے اس مختصر میں ہر چیز کو صراحت یا اشارہ یا کنایہ ثابت کر دیا ہے۔ اگر مجیب یعنی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند یا اس کی ساری دیوبندی قوم میں ہمت و جرات ہو تو میرے اس مختصر رسالہ کا رد کرے اور ہر دلیل و عبارت کا جواب دے تو پھر ان کے سارے علمی دعووں کو خاک میں ملا دیا جائے گا۔ لیکن ہمیں قوی امید ہے کہ ان سے تاقیامت جواب ممکن نہ ہوگا۔

وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين۔ چونکہ یہ روایک رسالہ ہو گیا اس لئے اس کا نام تاریخی "عطر الکلام فی استحسان المولد والقیام" رکھ دیا گیا۔

المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل۔

العبد محمد اجل غفرلہ اللہ عزوجل المفتی فی بلدہ سنبل ۳ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ

کتبہ: المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجل العلوم فی بلدہ سنبل

(۸۷۳)

مسئلہ

زید کہتا ہے کہ قیام بروقت ذکر ولادت باسعادت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بدعت اور ناجائز ہے۔ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں یا تعظیم ذکر ولادت مراد ہے۔ بصورت اول ثبوت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ تشریف تو وہ لائے جو موجود نہ ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ تمام ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہ کیا۔ کیونکہ تعظیم ذات افضل ہے تعظیم ذکر ہے۔ بصورت ثانی کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا۔ خاص اس وقت جب کہ۔ فظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا اسی کے مراد الفاظ بیان کئے جائیں قیام کیا ضروری۔ دیگر یہ کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے۔ لیکن بروقت بسم اللہ خوانی و ذکر الہی قیام اتنا ضروری نہیں سمجھتے۔ نہ قیام کرتے ہیں۔ لیکن بروقت ذکر ولادت باسعادت قیام ضرور کیا جاتا ہے۔

استسقی نیاز مند قمر الزماں خاں شیروانی سنی حنفی چشتی از دادوں ضلع علی گڑھ۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

ذکر ولادت باسعادت پر قیام بغرض تعظیم کرنا مستحسن و مستحب ہے۔ اس کو ممنوع و حرام ٹھہرانا بلکہ شرک قرار دینا گویا قرآن و احادیث پر افتراء کرنا۔ قواعد شرع کی مخالفت کرنا، تصریحات اکابر علماء کرام سے انکار کرنا ہے۔ بلکہ بلاد اسلامیہ کے صد ہا سال کے معمول کو بدعت و ضلالت کہنا اور ہزار ہا علماء و اولیائے عظام کو گمراہ و بد مذہب و مشرک بتانا ہے۔ اور سارے اہل اسلام عوام و خواص کو بدعتی و

بددین بنانا ہے۔

مخالف ایسا دلیر ہے کہ ایک مباح الاصل چیز کو بلا دلیل حرام و شرک ٹھہراتا ہے اور پھر اس پر مزید یہ جرات کہ دلیل کا مطالبہ قائلین اباحت اصلہ سے کرتا ہے۔ باوجودیکہ خود وہ قیام کی حرمت کا مدعی ہے۔ دلیل کا پیش کرنا مخالف کا ذمہ ہے۔ اقامۃ القیامہ میں عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی کا قول نقل فرماتے ہیں:

لیس الاجتہاد فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ با ثبات الحرمة والکراهة الذین لا بد لهما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ہی الاصل۔ (اقامۃ ص ۳۳)

یہ کچھ احتیاط نہیں کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کر دے کہ حرمت و کراہت کے لئے تو دلیل درکار ہے۔ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

یہ مضمون بکثرت اکابر ائمہ سلف و خلف کی تصریحات سے ثابت ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ مجوزین قیام میلاد شریف کو کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں کہ یہ مستدللین اباحت اصلہ ہیں اور دلیل منکرین قیام کو پیش کرنی چاہیے کہ وہ قیام کی حرمت بلکہ شرک کے قائل ہیں۔

لہذا اگر مخالفین میں حیاء و شرم ہے تو تمام مجتمع ہو کر کسی صریح آیت و حدیث یا متقدمین و متاخرین میں سے کسی کی صاف تصریح سے قیام میلاد شریف کا حرام و شرک ہونا ثابت کریں۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ عاجز و قاصر رہیں گے، ممانعت پر کسی دلیل کا نہ ہونا ہی اس کے جواز کی کافی دلیل ہے۔ مجوزین قیام کو اگرچہ کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں مگر مخالفین کی دہن دوزی اور موافقین کے اطمینان خاطر کے لئے چند دلائل نقل کئے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

تعزروہ و توقروہ۔ (سورۃ فتح ع ۱۶ ج ۲۶)

اے لوگو تم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں ان کلمات کی تفسیر نقل فرماتے ہیں:

یبالغون فی تعظیمہ و یوقروہ ای یعظمونہ۔ (شرح شفا مصری ص ۱۲۴ ج ۱)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ کریں اور ان کی توقیر کریں۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں خوب مبالغہ کیا جائے اور طرق تعظیم سے کسی خاص طریقے کے لئے علیحدہ ثبوت درکار نہیں بلکہ جس

طریقہ سے بھی ان کی تعظیم کی جائے وہ اسی آیت کریمہ کے تحت میں داخل ہے۔ البتہ اگر کسی خاص طریقہ تعظیم کی ممانعت شریعت سے بالخصوص ثابت ہو تو وہ بے شک ناجائز ہوگا جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا۔ قیام بھی طرق تعظیم سے ایک طریقہ ہے۔ فقہاء کرام قیام تعظیمی کو یہاں تک جائز رکھتے ہیں کہ فقہ کی مشہور کتاب طحاوی میں ہے۔

قیام قاری القرآن للقدام تعظیم لا یکرہ اذا کان ممن یتستحق التعظیم۔

(طحاوی مصری ص ۱۸۶)

آنے والے کے لئے قاری قرآن کا تعظیماً قیام کرنا مکروہ نہیں جب وہ آنے والا ان لوگوں میں ہو جو تعظیم کے مستحق ہیں۔

خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیام تعظیمی کی تعلیم دی۔ بخاری شریف و مسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا وہ تشریف لارہے تھے:

فلما دنا من المسجد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانا نصار قوموا الی سیدکم۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۳ ف ۳ مطبع اصح المطابع)

جب حضرت سعد مسجد شریف سے قریب ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا اپنے سردار کے لئے قیام کرو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے قیام فرماتے تھے۔ یہی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یجلس معنا فی المسجد یحاذنا فاذا قام قمنا قیاماً حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۳ مطبع المطابع)

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد شریف میں ہمارے ساتھ جلوس فرماتے اور گفتگو کرتے اور جب حضور کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جایا کرتے اور ہم یہاں تک کھڑے

رہتے کہ حضور کو ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھ لیتے۔ بلکہ خود سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے قیام فرماتے

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۷ و کنوز الحقائق مصری ص ۱۵۷ ج ۲)

مسلمان جس چیز کو اچھا جانیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ کسی سرور دینی پر قیام کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔

جیسا کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

ایک مسئلہ سننے کے لئے قیام فرمایا۔

قلت تو فی اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل ان نسلہ عن نجاتہ هذا

الامر قال ابو بکر قد سئلته عن ذلك فقمت الیہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶ مطبع اصح المطابع)

حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں میں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے

اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات دی اور ہم اس امر کی نجات آپ سے دریافت نہ کر سکے۔

حضرت صدیق اکبر نے فرمایا میں نے حضور سے دریافت کر لیا ہے۔ اس کے سننے کے شوق میں حضرت

عثمان غنی فرماتے ہیں۔ میں کھڑا ہو گیا۔

جب کسی محبوب ذکر اور دینی سرور کے لئے اجلہ صحابہ کرام سے قیام ثابت ہو تو مسلمان کے

لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر سے زیادہ اور کیا مسرت و فرحت کا

ذکر ہو سکتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام دینی سرور اور احکام الہی کے

حصول کا باعث و سبب ہے۔

چوتھا جواب۔ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ذکر ولادت قیام کے ساتھ

فرمایا تو ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا حضور کا اتباع ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے مروی ہے۔

انه جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکانہ سمع شیئا فقام النبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول اللہ۔ قال انا محمد بن عبد اللہ

بن عبدالمطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرہم ثم جعلہم فرقتین فجعلنی فی

خیرہم فرقة ثم جعلہم قبائل فجعلنی فی خیرہم قبيلة ثم جعلہم بیوتا فجعلنی فی

خیرہم بیتنا فاجعلہم ناسا وخیرہم بیتنا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳ ج ۲ مطبع اصح المطابع)

تھے۔ چنانچہ ابو داؤد شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا فاخذ بیدہا فقبلہا واجلسہا فی مجلسہ وکان

اذا دخل علیہا قامت الیہ فاخذت بیدہ فقبلتہ واجلستہ فی مجلسہا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۳ مطبع اصح المطابع)

حضرت فاطمہ جب حضور کے پاس حاضر ہوتیں تو حضور ان کے لئے قیام فرماتے اور ان کی

دست بوی کرتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور حضور جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے

لئے قیام فرماتیں اور حضور کی دست بوی کرتیں اور حضور کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

ان احادیث سے یہ امر نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ مستحقین تعظیم کے لئے قیام کرنا جائز

بلکہ سنت صحابہ ہے۔ بلکہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوی و فعلی سنت ہے اور حضور اکرم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کی تعظیم و توقیر کے لئے صحابہ کرام نے قیام فرمایا تو قیام من جملہ طرق

تعظیم کے حضور کی تعظیم و توقیر کا ایک بہتر طریقہ ہوا۔ لہذا یہ قیام اس آیت کریمہ کے عموم کے تحت میں

داخل ہو گیا۔ اب باقی رہا قیام بروقت ذکر ولادت شریف کا حکم لہذا یہ قیام تعظیم و ولادت کے لئے کیا

جاتا ہے۔ اور تصریحات ائمہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی تعظیم مثل ذات اقدس کی

تعظیم و توقیر کے ہے اور طرق تعظیم و توقیر ذات پاک سے ایک بہتر طریقہ قیام بھی ہے جس کا ثبوت ابھی

آیت کریمہ ”تعزروه و توقروه“ اور احادیث منقولہ سے نہایت صاف طور پر ظاہر ہو چکا۔ لہذا ذکر

ولادت باسعادت پر قیام کرنا بھی اسی آیت کریمہ اور احادیث سے مستفاد ہوا۔ اب باقی رہا سائل کا یہ

سوال کہ کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص ذکر ولادت پر کیوں قیام کیا جاتا ہے تو اسکا۔

پہلا جواب۔ یہ ہے کہ قیام وقت قدوم کیا جاتا ہے جیسا کہ ابھی احادیث میں مذکور ہوا اور ذکر

ولادت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو قیام کا ذکر ولادت پر

کیا جانا زیادہ مناسب ہوا۔

دوسرا جواب۔ یہ ہے کہ علماء کرام و اولیائے عظام کا خاص ذکر ولادت پر قیام کرنا صدیوں سے

معمول ہے۔ لہذا یہی مستحب و مستحسن قرار پایا۔ یہ حدیث شریف اس کی کافی دلیل ہے۔

ما راہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن۔

حضرت عباس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہو کر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب و نسب میں کچھ طعن سن چکے تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کی: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہتر میں پیدا کیا۔ پھر ان کے دو فریقے کئے اور مجھ کو ان کے بہتر فریقے میں کیا۔ پھر اس کے قبیلے بنائے تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلہ میں پیدا کیا۔ پھر ان میں خاندان کئے اور مجھ کو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا۔ تو میں ان کے بہتر نفوس اور بہتر خاندان میں سے ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خاص ذکر ولادت شریف کے وقت ہم ان وجوہ کی بنیاد پر قیام کرتے ہیں تاکہ ہم حضور سید الانبیاء محبوب کبریٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عالم میں قدم مینست لزوم کے ذکر پاک پر بکمال احترام قیام کر کے ”نعزروه و توقروه“ کی تعمیل حکم کریں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ولادت مبارکہ کا بیان قیام کر کے فرمایا ہے۔ تو ہم بھی اسی ہیئت کے ساتھ ذکر کریں اور اظہار سرور کے لئے قیام کرنا سنت صحابہ ہے تو ہم بھی اظہار سرور ذکر ولادت پر ان کی اتباع قیام میں کریں۔ اور ہزار ہا بلاد اسلامیہ کے خواص و عوام اور کئی صدی کے علماء کرام اور اولیائے عظام کے معمول اور طریق حسن کی پیروی کریں۔ یہ امور قیام کے مخصوص وقت کے مؤید ہیں اور اسی بنا پر کل ذکر کو بصورت قیام نہیں کیا جاتا۔

اب باقی رہا زید کا یہ قول کہ

ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ زید ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے عقیدہ میں ذکر اللہ تعالیٰ سے جدا جانتا ہے ذکر رسول کو ذکر اللہ کا مقابل سمجھتا ہے اسی بنا پر وہ ان میں افضل و مفصول کا تفرقہ کرتا ہے باوجودیکہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں۔ یہ کور باطن ذرا گوش ہوش کھول کر سنے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت کا ذکر بیان فرماتا ہے۔۔۔

ورفعنا لک ذکرک (پارہ عم ۹)

اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا

علامہ علی قاری شرح شفا شریف میں اس آیت کریمہ کی مراد بیان فرماتے ہیں۔
المراد برفع ذکرہ انہ جعل ذکرہ کما جعل طاعته طاعته
(شرح شفا مصری ص ۴۴ ج ۱)

حضور کے ذکر کے بلند کرنے کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے ذکر کو اپنا ذکر بنالیا۔ جیسے حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنالیا۔

ابن حبان و مسند ابویعلیٰ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اتانی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام فقال

ان ربی وربک یقول: تدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ اعلم قال اذا ذكرت ذکرک معی۔

(شرح شفا مصری ص ۴۵ ج ۱)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل امین آئے اور انہوں نے کہا کہ بے شک میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ نے جانا کہ میں نے آپ کا ذکر کیسا بلند کیا؟ میں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت قاضی عیاض نے شفا شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عطا کا قول نقل فرمایا

۔جعلتک ذکر امن ذکرى فمن ذکرک ذکر نى۔ (شرح شفا مصری ص ۴۶ ج ۱)

میں نے تمہیں اپنے اذکار سے ایک ذکر بنا دیا ہے جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ ان تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذکر اللہ سے جدا نہیں۔ ذکر رسول کی تعظیم ذکر اللہ کی تعظیم ہے۔ لہذا جس جگہ ذکر رسول کے لئے قیام کیا گیا ذکر اللہ کے لئے قیام کیا اور ذکر ولادت پر جو قیام کیا جاتا ہے یہی ذکر اللہ کا قیام ہوا کہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں، ابھی صریح آیت و حدیث میں یہ مضمون گذرا۔ وہابی ان دونوں ذکر کو مقابل بنا کر عوام کو فریب دیتا ہے۔

اب باقی رہی زید کی پہلی شق کہ قیام بروقت ذکر ولادت اس لئے ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں۔ یہ زید کا اہلسنت پر افترا و بہتان ہے۔ عام لوگ بھی اس خیال سے قیام نہیں کر

تے بلکہ قیام ذکر پاک کے لئے کیا جاتا ہے جس کا بیان مفصل مذکور ہوا۔ اس مختصر تحقیق سے قیام میلاد کا استحباب و استحسان آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ظاہر ہو گیا اور مسائل کی ہر ہر شق کا کافی جواب ہو گیا منصف کے لئے یہی مختصر جواب بہت کافی ہے۔

ایک ضروری بات یہاں اور قابل لحاظ ہے کہ وہابیہ اول تو مجالس میلاد میں شرکت ہی نہیں کرتے اور اگر کسی مجبوری سے شریک ہوتے ہیں تو قیام کے بعد مجلس میں شامل ہوں گے۔ اور اگر قیام سے پہلے شریک ہو گئے ہیں تو کمزور عقیدہ کا وہابی جبراً قہراً قیام کر لیتا ہے اور جو وہابی سیاہ قلب اور سخت بے حیا ہوتا ہے وہ آداب مجلس کی خلاف بیخار ہوتا ہے اور اپنے اس شرمناک فعل کو کتاب و سنت کا اتباع ظاہر کرتا ہے۔ لہذا میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہابی کا یہ ناپاک فعل یعنی بروقت قیام اہل مجلس کی مخالفت کرنا اور ذکر کے امر بالقیام پر تمرد اور سرکشی دکھانا کہ مجلس ہی میں بیخار ہنا کتاب اللہ کی مخالفت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا لِفَسْحِ اللَّهِ لَكُمْ وَ إِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانْشُزُوا۔ (سورۃ مجادلہ ع ۲۲ پ ۲۸)

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو واللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

امام بغوی تفسیر معالم التزیل میں اور علامہ محی السنۃ علاء الدین علی تفسیر خازن میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

قال مجاهد واكثر المفسرين معناه اذا قيل لكم انهضوا الى الصلوة و الى الجهاد و الى مجالس كل خير و حق فقوموا لها ولا تقصروا عنه (خازن مصری ص ۴۳ ج ۷)

حضرت مجاہد اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب تم سے نماز یا جہاد یا ہر خیر حق کی مجلسوں کے لئے کھڑا ہونے کو کہا جائے تو ان کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور اس میں قصور نہ کرو۔

آیت کریمہ اور تفسیر سے صاف معلوم ہو گیا کہ مجالس خیر کے لئے اور ہر خیر کے لئے کھڑا ہونا بامر الہی مطلوب ہے۔ اور ان کیلئے کھڑے ہونے سے قاصر رہنا ممنوع ہے۔ لہذا یہ ظاہر بات ہے کہ محفل میلاد شریف مجلس خیر ہے اور قیام میلاد تعظیم ذکر ہے اور تعظیم ذکر یقیناً فعل خیر ہے تو قیام میلاد شریف کے لئے کھڑا ہونا اس آیت کریمہ سے ثابت اور ادب مجلس کے حکم میں داخل اور اس کو فائز نشدو

۱۱ کا امر شامل ہے۔ اور ذکر کے اس امر (اٹھو وقت تعظیم احمد ہے یہ) کے باوجود کھڑا نہ ہونا اس آیت کی مخالفت اور فعل خیر یعنی تعظیم ذکر سے انکار اور ادب مجلس خیر سے اعراض اور حاضرین مجلس اہل اسلام کی دل آزاری اور امر خیر سے انکار اور ادب مجلس خیر سے روگردانی کی بین دلیل ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان مخالفین تعظیم ذکر اور منکرین حکم قرآنی اور قبیحین طرق شیطانی کو ہدایت کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المستصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنجل

ثبوت میلاد و فاتحہ

(۸۷۴)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں بجواب سوال مندرجہ ذیل تعین ماہ بغرض جلسہ میلاد شریف و تعین یوم سوم وغیرہ بغرض ایصال ثواب موتی قولاً یا فعلاً رسول اللہ یا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، باسناد صحیحہ ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت ہے تو مع حوالہ کتاب مع صفحہ کے تحریر فرمائیں اور اگر ثابت نہیں تو بدعت ہے یا نہیں؟ اگر بدعت ہے تو مرتکب بدعت کا کیا حکم ہے اور اگر بدعت نہیں تو بدعت کی شرعاً کیا تعریف ہے؟ مقصود مسائل جواب مختصر ہے مینو اتوجردا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب

وہابی کے میلاد شریف فاتحہ سوم عرس و گیارہویں شریف وغیرہ امور مستحبہ کے انکار میں جس قدر کوششیں کیں ہیں اتنی کسی حرام و مکروہ بلکہ کسی شعار کفریہ کے لئے بھی نہیں کیں لیکن ان کی انتہائی کوششیں ان امور کے استحباب کو نہ میٹ سکیں اور ان کو ناجائز و حرام نہ ثابت کر سکیں۔ ہمیشہ اہلسنت نے ان کی فریب کاریوں کا پردہ فاش اور ان کے لغو اور ایہودہ کہ اعتراضات کے ایسے دندان شکن جوابات دیئے ہیں جن پر آج تک وہابیہ کو ایک حرف لکھنے کی جرات نہ ہو سکی۔ چنانچہ خود میری کتاب ”سبیل الرشاد لمستدعی السداد المعروف بہ رد سیف یمانی“ میں میلاد شریف فاتحہ سوم عرس گیارہویں شریف کے جواز و استحباب پر بکثرت دلائل اور منکرین کے اعتراضات کے مسکت جوابات طبع ہو چکے ہیں اور یہ کتاب ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں موجود ہے مگر کسی وہابی نے آج تک اس کے جواب کی

ہمت نہ کی۔ میلاد شریف کی اصل یعنی واقعات پیدائش اور فضائل معجزات مسلمانوں کی مجلس میں بیان کرنا خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے

عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسمعيل واصطفی من ولد اسمعيل بنی کنانة واصطفی من بنی کنانة قريشا واصطفی من قريش بنی هاشم واصطفاني من بنی هاشم

(شرح شفا مصری ص ۱۹۸ ج ۱)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسمعیل علیہ السلام کو منتخب کیا اور اولاد اسمعیل علیہ السلام سے بنی کنانہ کو منتخب کیا اور بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا اور قریش سے بھی ہاشم کو منتخب کیا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انه جاء الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فكا نه سمع شيئا فقام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الحلق فجعلني في خيرهم ثم جعلهم فرقتين فجعلني في خيرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلني في خيرهم بيوتا فانا خيرهم نفسا وخيرهم بيتا۔

(مشکوٰۃ مطبع اصح المطابع ص ۵۱۳ ج ۲)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہو کر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب و نسب پر کچھ طعن بن کر آئے تھے حضور نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں کون ہوں صحابہ نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہترین میں پیدا کیا پھر ان کے دو فرقے کئے اور مجھ کو ان کے بہتر فرقے میں پیدا کیا پھر ان کے قبیلے بنائے تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلے میں پیدا کیا پھر انہیں خاندان کے اور مجھ کو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا تو میں ان کے بہتر نفوس میں اور بہتر خاندان سے ہوں۔

اسی طرح سوم و فاتحہ کی اصل یعنی ایصال ثواب بھی خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قول و فعل سے ثابت ہے چنانچہ طبرانی اوسط میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے سرکار رسالت میں عرض کی۔

يا رسول الله تو فیت امی ولم تو ص ولم تتصدق فهل ينفعها ان تصدقت عنها قال نعم ولو بكراع شاة محرق۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۹)

یا رسول اللہ میری ماں وفات پا گئیں انہوں نے نہ صدقہ کی وصیت کی نہ خود صدقہ دیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انہیں نفع دے گا؟ فرمایا: ہاں نفع دیگا اگرچہ بکری کے جلے ہوئے کھر ہی ہوں۔

انہیں طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

ما من اهل ميت يموت منهم ميت فيتصدقون منه بعد موته الا اهداه له جبريل على طبق من نور ثم يقف على شفيع القبر فيقول: يا صاحب القبر العميق هذه هدية اهداه اليك اهلك فاقبله فدخل عليه فيفرح بها وليستبشر ويحزن حيرانه الذين لا يهدى اليهم شيء۔ (شرح الصدور مصری ص ۱۲۹)

اہل میت میں سے جو اپنی میت کی جانب سے اس کے مرنے کے بعد صدقہ کریں تو جبریل امین نور کے طبق میں وہ ہدیہ لے جاتے ہیں اور کنارہ قبر پر کھڑے ہو کے فرماتے ہیں کہ اے گہرے گڑھے والے یہ ہدیہ ہے جسے تیرے اہل نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کر تو وہ اس پر داخل ہوتا ہے پس وہ اس کی وجہ سے خوش ہوتا ہے اور بشارت حاصل کرتا ہے اور اس کے وہ پڑوسی جن کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی گئی رنجیدہ ہوتے ہیں۔

اب باقی رہی میلاد شریف و سوم و فاتحہ کی قیودات و تخصیصات و تعینات و اہتمامات وہ اسی طرح ہیں جس طرح مدرسہ کی اصل یعنی تعلیم کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہے اور مدرسہ کے تعینات و تخصیصات قیودات و اہتمامات یعنی تعلیم کے لئے مخصوص کتابیں مقرر کرنا، فلسفہ و منطق اور علم معانی وغیرہ کا داخل درس کرنا، درجہ بندیاں کرنا، ہر درجہ کے لئے مستقل استاذ مقرر کرنا، کتاب کے لئے گھنٹے مقرر کرنا، جمعہ و عیدین و رمضان المبارک کے ایام کو تعطیل کے لئے مقرر کرنا، ماہ شعبان کو امتحان

بدعت نہیں کہہ سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المعصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،
العبد محمد اجمال غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمال العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ (۸۷۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ
فاتحہ مروجہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟۔ اور ہمارے حضور سے اس کی کوئی اصل ثابت ہے
نہیں؟۔ تمام باتوں کا جواب معتبر کتابوں سے پیش کیا جائے۔ بینو اتوجروا

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فاتحہ مروجہ یقیناً شریعت میں جائز ہے۔ منکروں کے پاس سوائے ہٹ دھرمی کے اور کوئی ثبوت
نہیں۔ فاتحہ میں ظاہر پانچ امر ہیں۔ ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ معتبر کتابوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ بعد
میں کل مجموعہ کی طرف توجہ کی جائیگی۔

اول الحمد، قل، آیت کرسی، درود شریف وغیرہ پڑھنا۔

دوسرا کھانے شیرینی کا سامنے موجود ہونا۔

تیسرے مردہ کو ٹوٹا بپہنچانا۔

چوتھے دعائے تگتے وقت ہاتھ اٹھانا۔

پانچویں دوست شنائوں کو کھلانا۔

پہلا امر: الحمد کو اس فاتحہ میں اس لئے مقرر کیا کہ یہ تمام قرآن کے مضامین کو حاوی ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے ”تسمی ام القرآن لانہا تشتمل علی ما فیہ من الشاء علی اللہ
سبحانہ وتعالیٰ والتعبد بامرہ ونہیہ و بیان وعدہ وعیدہ و علی جملة معانیہ۔ یعنی اس کو ام
القرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام قرآن کے معانی کو شامل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور
امر ونہی بھی مذکور ہے۔ جزاء اور سزا کا بھی بیان ہے۔ تو گویا اس کا پڑھنا اجمالاً تمام قرآن کا پڑھنا ہے۔

کے لئے مقرر کرنا، خاص نصاب تعلیم ختم ہونے پر سند دینا، دستار بندی کرنا، اور تقسیم اسناد و دستار بندی کے
لئے جلسہ کی تاریخ مقرر کرنا، اشتہار چھاپنا، بذریعہ خطوط تداعی کرنا، مخصوص علماء کو بلانا، بلائے ہوئے علماء
کو سفر خرچ دینا، جلسوں کے لئے پروگرام متعین کرنا، بہت سے ہاتھوں سے طلبہ کے سروں پر دستار باندھنا
، جلسہ گاہ کو مزین کرنا، اس میں روشنی کرنا، شامیانہ لگانا، مدرسہ کے لئے مخصوص عمارت بنانا، دارالحدیث
اور دارالافتاء کے لئے علیحدہ عمارت مخصوص کرنا، دینی تعلیم پر مدرسین کو معین تنخواہیں دینا، بخاری شریف
کے ختم پر مٹھائی تقسیم کرنا، یہ ساری باتیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت نہیں تو
میلا دشریف اور سوم وغیرہ کے منکرین مدرسہ کی ان تخصیصات و قیودات، تعینات و اہتمامات کی بنیاد پر کیا
مدرسہ کو بدعت و گمراہی قرار دیں گے۔ اور بانیان مدرسہ پر مرتکب بدعت اور گمراہ و بے دین ہونے کے
فتوے صادر کریں گے، اگر نہ تو مدرسہ کی ساری تخصیصات و تعینات۔ قیودات و اہتمامات کو حضور صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل سے باسناد صحیحہ ثابت کریں لیکن انشاء اللہ قیامت تک ثابت نہ کر سکیں
گے تو کس منہ سے میلا دشریف کے تعینات و تخصیصات پر اعتراض کرتے ہیں اور عوام مسلمین کو مغالطہ
و فریب دیتے ہیں۔

اب میں وہابیہ کے لئے خود ان کے امام الطائفہ مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ دہلی حصہ اول صفحہ دس پر ہے :

سوال ۲۵: صوفیائے کرام کے یہاں جو اکثر اشغال و اذکار مثل رگ سیاس کا پکڑنا اور ذکرہ اور

غٹکھہ برقبور نہیں بلکہ دیے ہی اور جس دم وغیرہ جو قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں بدعت ہے یا نہیں۔

الجواب: اشغال صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ اصل

علاج ثابت ہے مگر شربت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں ایسے سب اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے

جیسا توپ بندوق کی اصل ثابت ہے اگرچہ اس وقت میں یہ تھی سو یہ بدعت نہیں ہاں ان ہیئت کو سنت

ضروری خاصہ جاننا بدعت ہے ات اس کو ہی علماء نے بدعت لکھا ہے گنگوہی نے اس جواب میں نہایت واضح

الفاظ میں لکھا کہ اشغال صوفیہ ان تخصیصات و تعینات کے ساتھ قرونِ ثلاثہ میں نہیں تھے مگر چوں کہ

ان کی اصل نصوص سے ثابت ہو رہی ہے تو ان کو محض ان تخصیصات و قیودات کی بن پر بدعت نہیں کہہ سکتے

پھر گنگوہی نے شربت بنفشہ اور توپ و بندو کی مثالیں دیکر اور ان کی اصل مان کر اور انہیں بدعت ست

خارج کے کے اس قاعدے کو اور واضح کر دیا لہذا اسی طرح میلا دشریف سوم و فاتحہ وغیرہ کو باقرار گنگوہی

علاوہ بریں تفسیر عزیزی و سیرت حلبی میں لکھا ہے: کہ اگر فاتحہ کو تراویح کے ایک پلہ میں رکھیں اور تمام قرآن کو دوسرے میں تو الحمد ساتھ حصہ غالب ہوگی۔

تفسیر روح البیان میں ہے: جس نے الحمد پڑھی اللہ تعالیٰ اتنا ثواب عنایت فرمائے گا کہ گویا اس نے کل قرآن پڑھا اور اس نے کل مومن مرد اور عورتوں پر صدقہ کیا۔ لہذا الحمد کو ان فضائل کی وجہ سے اس فاتحہ میں خاص کیا۔

قل کے لئے حضور فرماتے ہیں: ايعجز احکم ان يقرء فی ليلة ثلث القرآن قالوا و کیف يقرء ثلث القرآن قال: قل هو الله احد يعدل ثلث القرآن (مسلم و بخاری شریف) کیا تم میں کا کوئی عاجز ہے کہ رات میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے، عرض کیا کیونکر تہائی قرآن پڑھے؟ فرمایا: قل هو الله احد تہائی قرآن کی برابر ہے۔

اور فرماتے ہیں:

من قرأ کل یوم مائتی مرة قل هو الله احد محی عنه ذنوب خمسين سنة الا یکون (مشکوٰۃ)

دین۔

جس نے ہر دن دو سو مرتبہ قل هو الله احد پڑھی اس کے پچاس برس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے سوا قرضہ کے۔

آیہ کرسی کے متعلق فرماتے ہیں:

سأل رجل ای سورة القرآن اعظم قال قل هو الله احد قال ای اية فی القرآن اعظم قال اية الکرمی الی آخره۔ (مشکوٰۃ)

ایک شخص سوال کرتا ہے کہ حضور قرآن کی کوئی سورت افضل ہے؟ فرمایا: قل هو الله احد۔ پھر در یافت کیا کہ قرآن میں کوئی آیت افضل ہے فرمایا آیہ کرسی۔

قل هو الله احد آیت کرسی کو ان فضائل کی وجہ سے فاتحہ میں خاص کیا۔

درویش شریف کو اس لئے مقرر کیا کہ فاتحہ میں میت کے لئے استغفار یا ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور وہ اہل قسم دعا ہیں اور ہر دعا کے لئے درویش شریف لازم جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الدعاء موقوف بین السماء والأرض لا یصد منها شیء حتی تصلی علی نبیک۔

(ترمذی)

یعنی دعا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک حضور پر درود نہ پڑھا جائے۔ لہذا فاتحہ میں درود شریف کا پڑھنا لازم ہوا۔

دوسرا امر: خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔

بخاری و مسلم میں ام سلیم سے روایت موجود ہے، حضور کی گرسنگی معلوم کر کے چند روٹیاں حاضر کیں گئیں اور انہیں توڑا کر طیدہ کی طرح بنایا، پھر ان پر الفاظ قسم دعا سے پڑھے الی آخرہ۔

اس حدیث سے کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا ثابت ہو گیا۔ حضرت انس سے بھی اسی قسم کی روایت مشکوٰۃ میں موجود ہیں علاوہ بریں عنقریب ایک روایت پیش کی جائے گی جس میں صراحت سے فاتحہ کی اصل مع جمیع صور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل میں موجود ہے۔ لہذا جو چیز کہ حضور کے فعل سے ثابت ہو اس کو کون مسلمان منع کر سکتا ہے۔

تیسرا امر ماسبق میں پہلا امر غبادت بدنی ہو یا مالی اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتے ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

ان لا نسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰۃ او صوما او صدقة او غیرها عند اهل السنة والجماعة۔

یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ۔

نیز بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلث صدقة جارية وعلم ینتفع به وولد صالح یدعو له۔

یعنی جب انسان مر جاتا ہے اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں مگر تین۔ ایک خیرات جاری۔ دوسرے ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ تیسرے نیک اولاد کو اس کے لئے دعا کرے۔

دہابیہ کے سرغنہ اسمعیل دہلوی صراط مستقیم میں تصریح کرتے ہیں کہ فاتحہ مرسومہ و عرس و نذر و نیاز اموات بقدر ایصال ثواب و دعا بیشک بہتر و مستحسن ہے، و هذا نصہ ملخصا۔

ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود و ثواب آن بروح کے از گزشتگان برساند و طریق رسانیدن آن دعائے خیر بجناب الہی ست پس این خود البتہ بہتر و مستحسن ست در خوبی قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ

واعراس و نذر و نیاز اموات شک و شبہ نیست الخ۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مردہ کو ہر عمل کا ثواب عند الشرع پہنچتا ہے۔

چوتھا امر حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب آپ نیک عمل کرتے اس کے بعد دعا فرماتے اور اس کا دعا مقصد تمام امت کو ثواب پہنچانا ہوتا از انجملہ قربانی فرما کر ان الفاظ سے دعا فرماتے ہیں۔

اللهم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد۔ (مسلم)
اے اللہ قبول فرما مجھ محمد (ﷺ) اور آل محمد (ﷺ) کی طرف سے اور امت محمد (ﷺ) کی طرف سے۔

ایک حدیث میں فرماتے ہیں: الدعاء مخ العبادۃ۔

یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت کے بعد دعا ہونی چاہئے۔ پہلی حدیث سے ایک یہ فائدہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی عبادت مالی ہے۔ اس میں حضور سے دعا کرنی ثابت ہوئی جس چیز میں مالی و بدنی دونوں جمع ہوں اس میں بدرجہ اولیٰ دعا ہونی چاہئے۔ فاتحہ کہ عبادت مالی و بدنی کا مجموعہ ہے اس میں دعا کی مشروعیت اس اصل سے ثابت ہوئی۔ مابقی کو مد نظر رکھتے ہوئے احادیث پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے آداب سے ہاتھ اٹھانا ہے۔

مشکوٰۃ میں سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان النبي ﷺ اذا دعا رفع يديه ومسح وجهه بيديه۔

یعنی جب حضور دعا مانگتے ہاتھ اٹھاتے اور اپنے چہرہ پر ان ہاتھوں کو پھیر لیتے۔

حدیث: اذا سالتم الله فاسئلوا ببطون اكفكم۔ (مشکوٰۃ)

جب تم اللہ سے مانگو تو ہاتھ کی ہتھیلیاں اٹھا کر مانگو۔

نیز اسی مشکوٰۃ شریف میں ہے:

ان ربكم حي كريم يستحي من عبده اذا رفع يديه اليه ان يردده صفرا۔

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ شرم و لجاجت فرمانے والا کرم کرنے والا ہے اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے جب وہ اس کی طرف ہاتھ اٹھائے کہ اس کو خالی ہاتھ پھیر دے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دعا کے ساتھ ہاتھ اٹھانے میں اور مزید بجز پیدا ہوتا ہے۔ فاتحہ

میں تقرب الی اللہ و مغفرت اموات کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ لہذا ہاتھ اٹھانے میں زیادہ امید قبولیت ہے۔

پانچواں امر فاتحہ کے کھانے کو فقیروں محتاجوں کو کھلانا یا دیدینا بھی بہت بڑا ثواب ہے لیکن اپنے عزیزوں کنبہ والوں کو کھلانا بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہ صدقہ نفل ہے اور ہر صدقہ نفل کے مستحق خویش واقارب ہیں۔ لہذا خویش واقارب کے کھلانے میں دو فائدے۔ ایک صلہ رحمی دوسرا کھانا کھلانے کا ثواب۔ چنانچہ کتب احادیث ان مضامین سے پر ہیں۔ یہ حکم ہر ایک کا فردا فردا بیان کیا گیا۔ ہر منصف ادنیٰ نظر کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جس کی ہر شق کے جواز کے دلائل بصراحت موجود ہیں اس کا مجموعہ کیونکر ناجائز ہوگا۔ اس لئے کہ کل کا فساد من حیث الذات جز کے فساد پر موقوف ہے۔ نیز یہ فاتحہ حضور کے فعل سے بھی ثابت ہے۔

چنانچہ ہدیہ الحرمین میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں کہ علی قاری فتاویٰ اوز جندی میں لکھتے ہیں:

وكان يوم الثالث من وفات ابراهيم بن محمد ﷺ جاء ابو ضر عن النبي بتمرة يابسة وليس فيه خبز من شعير فوضعها عند النبي ﷺ فقراء رسول الله ﷺ الفاتحة وسورة الاخلاص ثلث مرات الى ان قال رفع يديه للدعاء ومسح بوجهه فامر رسول الله ﷺ ابا ذر ان يقسمها بين الناس۔

یعنی حضور کے صاحبزادہ ابراہیم کی وفات کا تیسرا دن تھا کہ حضرت ابو ذر نے خشک کھجوریں اور دودھ کہ اس میں جو کی روٹی تھی خدمت اقدس میں حاضر کیں۔ حضور نے الحمد اور تین مرتبہ قل هو اللہ پڑھی یہاں تک کہ ہاتھ اٹھائے اور منہ پر پھیر لئے۔ حضرت ابو ذر کو حکم فرمایا اس کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔ نیز اسی میں ہے:

قال النبي ﷺ وهبت ثواب هذه لابني ابراهيم۔

کہ حضور نے فرمایا کہ اس کا ثواب میں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔

اور انصافاً اس تصریح میں فاتحہ کیسی صراحت سے ثابت ہو رہی ہے، لیکن یہ وہابی فرقہ اس میں ہزار تاویلیں پیش کر دیگا۔ خیر حضور کا قول تو کوئی حجت نہیں اب پیر صاحب کی خبر لیجئے کہ وہ کیا شرک و بدعت اگل گئے۔ آپ کے مایہ ناز مولوی اسماعیل دہلوی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں:

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ این معنی بہتر و افضل است نہ سمجھیں کہ مردوں کو کھانے اور فاتحہ کا نفع پہنچانا اچھا نہیں بلکہ یہ بہتر اور افضل ہے۔ دیکھئے آپ کے امام الطائفہ نے یہاں بہتر و افضل کہا۔ دوسطر کے بعد لکھتے ہیں:

ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور و موقوف بر اطعام نگزارد اگر میسر باشد بہتر است والا صرف ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہترین ثوابہاست۔

جب مردہ کو کوئی نفع پہنچانا منظور ہو تو اس کو کھانے پر موقوف نہ رکھیں، اگر کھانا میسر آ سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ، و سورہ اخلاص کا ثواب کہ بہترین ثواب ہے پہنچائیں۔

بالجملہ فاتحہ کی خوبی پر مولوی اسمعیل کو بھی اقرار ہے اور البتہ و بیشک و بے شبہ کہہ کر اس کی فضیلت و استحسان پر گواہی دیتے ہیں۔

اسی اسمعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں فاتحہ دینے کے طریقے بھی تعلیم کئے:

اول طالب را باید کہ با وضو و زانو بطور نماز نشیند و فاتحہ بنام اکابرین طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سجری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط این بزرگان نمایاند

یعنی مرید کو چاہئے کہ با وضو نماز کی طرح بیٹھے اور فاتحہ اس خاندان کے بزرگوں یعنی حضرت خواجہ معین الدین سجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ کے نام کی پڑھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان بزرگوں کے واسطے سے التجا کرے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے بھائی مولانا شاہ رفیع الدین صاحب سے سوال کیا گیا: منقول از رسالہ نذر مزارات اولیاء: سوال تخصیص ما کولات در فاتحہ بزرگان مثل کچھوہ در فاتحہ امام حسن رضی اللہ عنہ و توشہ در فاتحہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ذک و بچناں تخصیص خورندگان چہ حکم دارد جواب: فاتحہ و طعام کہ بے شبہ از مستحبات است و تخصیص کہ فعل تخصص است باختیار دوست کہ باعث منع نمی تواند شد ایں تخصیصات از قسم عرف و عادت اند کہ بمصالح خاصہ و مناسبت خفیہ ابتداء بظہور آمدہ و رفتہ رفتہ شیوع یافتہ۔

بزرگوں کی فاتحہ میں کھانوں کا خاص کرنا جیسے کچھوہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فاتحہ میں اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ میں اور اس کے سوا اور یونہی کھانے والوں کی تخصیص

کا کیا حکم ہے۔

جواب فاتحہ اور کھانے بے شبہ مستحبات سے ہے اور کسی چیز کا خاص کرنا خاص کرنے والے کا فعل ہے کہ اس کے اختیار سے ہوا ممانعت کا سبب نہیں ہو سکتا ایسی تخصیص عرفا کسی خاص مصلحتوں اور پوشیدہ مناسبتوں کی وجہ سے شروع ہوا کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ رائج و شائع ہو جایا کرتی ہیں۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ تخصیصات عوارض ہیں اور عوارض اصل شئی کے حکم کو نہیں بدل سکتے۔ بالجملہ اس میں فتویٰ میں مطلق فاتحہ کا جواز ثابت کیا گیا جمہرات و عیدین و شب برأت و عشرہ محرم وغیرہ کی فاتحہ ضمناً آئی علاوہ بریں ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ دلائل موجود ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اللہ اکبر

رانج اور غالب ہو جائے گا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ کلمہ طیبہ کیسا بہتر عمل ہے اور کس قدر وسیع چیز ہے کہ ساتوں افلاک ساتوں زمینوں پر یہ غالب و رائج ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو کلمہ طیبہ کا عمل تعلیم فرمایا ترمذی شریف میں ہے۔

حدیث: من هلك الله مائة بالغداة ومائة بالعشي كان كمن اعتق مائة رقبة من ولد اسمعيل۔ (از مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۲)

جس نے لا الہ الا اللہ سو مرتبہ صبح و شام پڑھا تو اس کا ثواب ایسا ہے جیسے کسی نے اولاد اسمعیل علیہ السلام سے سو غلام آزاد کئے۔

اولاد اسمعیل سے مراد افضل اجناس ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ کا اجر و ثواب بہترین غلام آزاد کرنے کی طرح ہے۔ لہذا یہ کلمہ طیبہ ادعیہ میں عمدہ دعا۔ اعمال میں بہتر عمل۔ اذکار میں نفیس ذکر۔ اوراد میں اعلیٰ ورد۔ وظائف میں افضل وظیفہ ہے۔ اور یہ سب اجر جلیل اور باعث ثواب جزیل ہے۔ پھر اس کلمہ شریف میں مزید فضیلت یہ ہے کہ یہ سرعت قبول و اجابت کا ذریعہ ہے اور وصول الی اللہ کا وسیلہ ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث: ما قال عبدا لا اله الا الله مخلصا قط الا فتحت له ابواب السماء حتى يفضى الى العرش ما اجتنب الكبائر۔

(از مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۲)

جو بندہ نہایت ہی اخلاص سے لا الہ الا اللہ کا وظیفہ پڑھے گا تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جائے گا جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا رہے۔

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس حدیث کی شرح مرقات میں فرماتے ہیں:

ای تصل غنمہ وتنهی الی محل القبول المراد بهذا واثاله سرعة القبول والاجابة

و کثرة الاجر والا ثابة۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۲)

مسئلہ سوم

مسئلہ

سوم کے متعلق جیسا کہ عام رواج ہے چنوں پر کلمہ طیبہ سوالا کہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب مردے کی روح کو کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے خاص کر چنوں کی تخصیص کرنا کیسا ہے نیز ساڑھے بارہ سیر چنے کی تعداد میں سوال لاکھ ہو جاتے ہیں جب کہ ان میں ٹھری وغیرہ بھی نکلتی ہے جس کو پڑھنے کے بعد اکثر بے ادبی ہوتی ہے۔

ان مسئلتی نیاز مند اختر الزمان خاں شیروانی سنی خفی چشتی ساکن دادوں ضلع علی گڑھ۔

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کلمہ طیبہ افضل الکلام اور بہترین ذکر ہا ورنہ نہایت اعلیٰ دعا ہے چنانچہ شرح السنۃ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث: قال موسى عيه السلام يا رب علمني شيئا اذكرك به او ادعوك به فقال يا موسى قل لا اله الا الله فقال: يا رب كل عبادك يقول هذا انما اريد شيئا تخصني قال: يا موسى لو ان السموات السبع وعامر من غيري والارضين السبع وضعن في كفة ولا اله الا الله في كفة لما انت بهن لا اله الا الله۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۱)

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب مجھے ایسی چیز تعلیم فرما جس سے میں تیرا ذکر کروں اور تجھ سے دعا مانگوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ لا الہ الا اللہ کا ورد کر حضرت موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب تیرے تمام بندے اس کلمہ طیبہ کو کہتے ہیں میں تو ایسی چیز چاہتا ہوں جو جس کو تو مجھے خاص طور پر تعلیم کرے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ساتوں آسمان اور میرے سوا دنیا کے محافظ اور ساتوں زمین اگر ایک پلہ میں رکھ دئے جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں تو لا الہ الا اللہ کا پلہ اس پر

یعنی عرش کے نزدیک پہنچ جائیگا اور محل قلوب تک منتہی ہوگا اس سے اور اس کے امثال سے مراد سرعت قبول اور اجابت اور کثرت اجر و ثواب ہے۔

بالجملہ ادھر تو یہ کلمہ طیبہ افضل ذکر الہی و دعا اور بہتر عمل عمدہ وظیفہ ہے کثرت اجر و ثواب کا باعث سرعت قبول و اجابت کا سبب ہے ادھر مردہ ڈوبنے والے کی طرح دعا کا سخت محتاج کثیر اجر و ثواب والی چیزوں کا بہت زیادہ منتظر سرعت قبول و اجابت کے اعمال کا انتہائی درجہ کا آرزو مند ہوتا ہے جیسا کہ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

حدیث: ما المیت فی القبر الا الغریق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ وصديق فاذا لحقتہ كان احب اليه من الدنيا وما فيها وان الله تعالى ليدخل على اهل القبور من دعاء اهل الارص امثال الجبال وان هدية الاحياء الى الاموات الاستغفار لهم۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶)

قبر میں مردہ ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والی کی طرح ہوتا ہے یا ماں یا بھائی یا دوست کی جانب سے پہنچنے والی دعا کا منتظر رہتا ہے اور جب ان کی طرف سے کوئی دعا پہنچتی ہے تو اسے دنیا و مافیہا سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ اہل قبور پر اہل زمین کی دعا کو پہاڑوں کے مثل کر کے پہنچاتا ہے بیشک مردوں کی طرف زندوں کا یہی ہدیہ ہے کہ وہ ان کے لئے استغفار کریں۔

لہذا یہ کلمہ طیبہ میت کے لئے کیسی نعمت عظمیٰ ہوا۔ اور اس کا ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا کس قدر اجر و ثواب کا باعث ہوگا اور اس کے ایصال ثواب سے اس منتظر کو کتنی مسرت و خوشی حاصل ہوگی اور اس کی سرعت تاثیر سے وہ میت کس قدر جلد منازل مقصودہ اور معارج مطلوبہ تک رسائی کر جائیگا اور اس کی افضلیت و محبوبیت کے باعث وہ مردہ بعجلت و اصل بحق ہو جائے گا۔

انھیں مقاصد کے غرض سے علماء کرام و ائمہ عظام نے میت کے لئے کلمہ طیبہ کا ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا سوم میں تجویز فرمایا ہے اور میت کے لئے کلمہ طیبہ پڑھنے کی یہ تجویز صرف علماء کی ایجاد کی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ خود احادیث سے ثابت ہے بہت سے واقعات اس کے شاہد ہیں بخیاں اختصار اس وقت چند احادیث و واقعات سلف نقل کرتا ہوں۔

حدیث: امام ابو القاسم جیلی نے دیباچ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اخبرنی جبریل ان لا اله الا الله انس

المسلم عند موته وفي قبره وحين يخرج من قبره۔ (شرح الصدور ص ۷۸)

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبرئیل امین نے خبر دی کہ لا الہ الا اللہ مسلمان کے لئے اس کی موت کے وقت اس کی قبر میں اور جس وقت وہ قبر سے اٹھایا جائیگا انس ہوگا۔

حدیث: ابو یعلیٰ اور حاکم نے بسند صحیح حضرت طلحہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ ان دونوں نے فرمایا ہم نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ

يقول انى لا علم كلمة لا يقول لها رجل يحضره الموت الا وجد روحه لها راحة حين تخرج من جسده وكانت له نور ا يوم القيامة (وفى لفظ) الا نفس الله عنه واشرق له لو نه ورأى ما يسره لا اله الا الله۔
(از شرح الصدور ص ۱۶)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک میں ضرور ایسا کلمہ تعلیم کرتا ہوں جس کو کوئی شخص موت کے وقت کہے تو اس کی روح جسم سے پرواز کرتے وقت اس کلمہ کی وجہ سے راحت پائے اور وہ کلمہ بروز قیامت اس کے لئے نور بنایا جائے (اور ایک روایت میں ہے) اللہ تعالیٰ اس کا غم دور کرے اور اس کا رنگ روشن ہو جائے اور وہ آسانی دیکھے (وہ کلمہ یہ ہے) لا الہ الا اللہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں فرمایا کہ حجاج بن تمیم نے کہا کہ میں حضرت حسن اور فرزوق سے ایک قبر کے پاس ملا تو حضرت حسن نے فرزوق سے فرمایا:

ما اعددت لهذا اليوم قال شهادة ان لا اله الا الله منذ سبعين سنة فسكت الحسن قال ابن الفرزوق فرائت ابى فى النوم بعد موته فقال لى يا بنى نفعتنى الكلمة التى خاطبت بالحسن۔
(شرح الصدور ص ۱۲۰)

تو نے اس دن (یعنی قبر میں داخل ہونے کے دن) کے لئے کیا تیاری کی ہے فرزوق نے جواب دیا ستر سال سے لا الہ الا اللہ کی شہادت حضرت حسن نے سکوت فرمایا۔ ابن فرزوق نے کہا: میں نے اپنے والد کو بعد وفات خواب میں دیکھا تو مجھ سے فرمایا اے بیٹے مجھے اسی کلمہ طیبہ نے فائدہ دیا جس کے متعلق میں نے حضرت حسن سے گفتگو کی تھی۔

ایک کوفہ کے شخص نے حضرت سوید بن عمر کلبی کو خواب میں مرنے کے بعد بہتر حالت میں دیکھا

اور یہ دریافت کیا۔

یا سوید ماہذہ الحالۃ الحسنۃ قال انی کنت اکثر من قول لا الہ الا اللہ فاکثر منها
(شرح الصدور ص ۱۱۶)

اے سوید یہ نفیس حال کن چیز سے حاصل ہوا فرمایا میں لا الہ الا اللہ کی کثرت کرتا تھا تو بھی
اسی کلمہ طیبہ کی کثرت کر۔

ان احایث اور واقعات سے آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ثابت ہو گیا کہ میت کے لئے کلمہ
شریف پڑھنا اس وحشت ناک گھر میں باعث انس ہے اور روح کے لئے سبب راحت ہے غم دور ہونے
اور آسان ہو جانے کا باعث ہے روز قیامت میں اس کے لئے نور ہو جائے گا آخرت کا بہترین توشہ ہے
اس کی کثرت بہتر حالت کرتی ہے۔ لہذا میت کے لئے کلمہ طیبہ کی کثرت کس قدر ہمدردی اور اعانت ہوئی
۔ اور اس کا ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا کتنے زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔ وہابی کا اس سے انکار کرنا میت پر
کس قدر بڑا ظلم ہے اور اس کے ساتھ کتنی زبردست دشمنی ہے کہ وہ ان کے کثیر اجر و ثواب کو روکتا ہے ان
کے راحت کے سبب کو مینٹا ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ ان صریح احادیث کی مخالفت کر کے خود بدعت کا دروازہ
کھولتا ہے اور بدعتی بناتا ہے اور ان احادیث پر عمل کرنے والی اہلسنت و جماعت کو براہ مکر و فریب بدعتی
قرار دیتا ہے۔

مسلمانو! بیدینوں کی فریب کاری دیکھو کہ خود احادیث کی کھلی ہوئی مخالفت کریں اور یہ لوگ بدعتی
نہ ہوں باوجودیکہ مخالفت کتاب و سنت کا اتباع کریں اور یہ دریدہ دہن ان کو اس اتباع کی وجہ سے اہل
بدعت ٹھہرائیں حاصل کلام یہ ہے کہ اموات کی ارواح کو کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا صریح احادیث
سے ثابت ہوا۔

اب باقی رہی کلمہ شریف کی تعداد اس میں روایات مختلفہ وارد ہیں کسی میں ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا آیا
ہے۔ اور کسی میں ستر ہزار یا پچتر ہزار بار پڑھنا وارد ہے۔ بزرگان دین کا عمل اس تعداد میں مختلف آیا
ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے ستر ہزار کا حکم دیا۔

چنانچہ مکتوبات شریف میں جلد دوم کے مکتوب چہار دہم میں ہے۔

بیاران و دوستان فرمائیے کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بروحانیت مرحومے خواجہ
محمد صادق و بروحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم بخواند و ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد

ہزار دیگر رابر روحانیت دیگر از دوستان دعا و فاتحہ مسئول ست۔ (مکتوب مطبوعہ ہلالی جلد ۲ ص ۲۶)

دوست احباب سے فرمادیجئے کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ خواجہ محمد صادق مرحوم کی روح اور ان کی
ہمشیرہ ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار
کا ثواب دوسرے کی روح کو دوستوں سے دعا اور فاتحہ مسئول ہے۔

مجدد صاحب نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا میت کے لئے ایصال ثواب کرنے کا حکم دیا معلوم ہوتا
ہے کہ مجدد صاحب کے نزدیک یہی روایت زیادہ معتمد ہے وہابیوں کے پیشوا و مقتدا مولوی
رشید احمد گنگوہی کے نزدیک پچتر ہزار کی روایت معتبر ہے فتاویٰ رشیدیہ میں صاف موجود ہے۔

استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں
مسئلہ: جو حدیثوں میں وارد ہے کہ میت کے واسطے پچتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے تو وہ جنتی
ہے پس اگر دوسرے روز پڑھتے ہیں تو دو جا اور تیسرے دن تیجہ علی ہذا چوتھا وغیرہ اور اس کو علماء بدعت کہتے
ہیں تو اب کس طور سے میت کو ثواب پہنچایا جاوے اور میت کے مکان پر یا میت کے قریب کی مسجد میں بیٹھ
کر قرآن مجید یا کلمہ طیبہ کسی دن مقررہ پر پڑھیں یا نہیں۔

الجواب: جس وقت میت پر جمع ہوتے ہیں اس کی تجہیز و تکفین کے واسطے وہاں جو لوگ کاروبار
میں مشغول ہیں وہ اپنے کام میں رہیں اور باقی کلمہ پڑھے جاویں جس قدر ہو جاوے اور باقی کو اپنے گھر
پڑھ دیویں کوئی حاجت اجتماع کی بھی نہیں حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا تو ذکر نہیں ہوا پڑھنا فرمایا ہے
جس طرح کر دیویں فقط۔ از فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ ص ۹۵

گنگوہی صاحب نے اس جواب میں بہت زیادہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ناپاک سعی کی ہے کہ
کلمہ طیبہ پڑھنے اور قرآن خوانی کے لئے اجتماع نہ کیا جائے تو ان کی یہ رائے شریعت اسلامیہ اور احادیث
صریحہ کے خلاف ہے ان کی یہی ایک رائے کیا جبکہ آپ کی ہر رائے قواعد شرعیہ اور سلف و خلف کے اقوال
مرضیہ کے ہمیشہ بالکل خلاف ہی رہا کرتی ہے یہاں ایک اسی رائے کی حقیقت ملاحظہ کیجئے۔

اس بات پر ہر مسلمان کا اعتقاد ہے کہ کلمہ طیبہ اور قرآن کریم خیر الکلام افضل الذکر ہیں کثیر
حدیثوں سے بھی ان کا بہترین ذکر الہی ہونا ثابت ہے اب احادیث کو دیکھئے کہ آیا ذکر الہی کے لئے
اجتماع کرنا جائز ہے یا نہیں۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث لا یقعد قوم یدکرون اللہ الا حفتهم الملائکة وغشيتهم الرحمة ونزلت علیہم السکينة و ذکرہم اللہ فیمن عنده۔ (از مشکوٰۃ شریف ص ۹۱۹۶)

جو قوم ذکر الہی کے لئے بیٹھتی ہے ملائکہ ان پر چھا جاتے ہیں رحمت الہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے سیکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مقربین میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا ما رياض الجنة قال خلق الذكر۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۸)

جب تم جنت کے باغوں پر گزرو تو ان سے میوہ چینی کرو یعنی حظ وافر حاصل کرو صحابہ نے عرض کیا جنتی باغوں سے کیا مراد ہے فرمایا ذکر کی مجلسیں۔

ان احادیث سے معلوم ہو گیا کہ ذکر کے لئے اجتماع باعث رحمت و برکت ہے اور ایسے مجمع مقبول بارگاہ ہیں حضور نے ان کے لئے ترغیب فرمائی اسی بنا پر حضرات صحابہ کرام نے خاص میت کے ایصال ثواب کے لئے اجتماع کئے۔

چنانچہ خلال نے جامع میں شععی سے روایت کی:

كانت الانصار اذا مات لهم الميت اختلفوا الى قبره يقرؤن له القرآن۔

(شرح الصدور ص ۱۳۰)

انصار میں سے جب کوئی مر جاتا تو اس کی قبر کی طرف جاتے تھے اور اس کے لئے قرآن شریف پڑھتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں۔

ان المسلمین ما زالوا فی کل عصر یجتمعون ویقرؤن لموتاهم من غیر نکرہ

(از شرح الصدور ص ۱۳۰)

فكان ذلك اجماعاً۔

مسلمان ہمیشہ سے ہر زمانہ میں بلا کسی انکار کے اپنے مردوں کیلئے جمع ہوئے اور قرآن کریم پڑھتے رہے تو یہ اجماع ہو گیا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تذکرۃ الموتی میں فرماتے ہیں:

حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد گفتہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع میں شونہ و براے اموات

قرآن می خوانند کس اجماع شدہ (تذکرۃ الموتی ص ۳۶)

حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد نے کہا کہ قدیم سے ہر شہر میں مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اموات کے لئے قرآن شریف پڑھتے ہیں پس اس پر اجماع ہو گیا۔

بالجملہ ان احادیث و عبارات سے یہ بات نہایت واضح ہو گئی کہ ذکر الہی کیلئے اجتماع کرنا سبب برکت ہے حضور نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی مجلسوں مجموعوں کو جنتی باغ فرما کر میوہ چینی کا حکم فرماتے

ہیں ان کے لئے ترغیب دلاتے ہیں تو احادیث نے صراحتہ ایسے اجتماع کا حکم دیا انصار نے خاص میت ہی کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کا اجتماع کیا ہمیشہ سے ہر زمانہ ہر شہر میں بغیر انکار کے اموات کے کیلئے ایصال ثواب کی غرض سے اجتماع ہوئے اور اس میں قرآن خوانی ہوئی تو گویا اس پر امت کا اجماع ہوا۔

لہذا جو اجتماع احادیث سے ثابت ۲۰ افعال صحابہ سے ظاہر اجماع امت سے مستفاد گنگوہی صاحب اسی اجتماع کو یہاں تو د بے الفاظ میں منع کر رہے ہیں اسی فتاویٰ رشیدیہ میں صاف طور یہ بھی لکھتے

ہیں۔ اجتماع میت کے ایصال ثواب کو بھی بدعت لکھتے ہیں۔ (از فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۴۹)

اسی فتاویٰ رشیدیہ میں ایک فتوے میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

مجمع ہونا عزیز و اقارب وغیرہم کا واسطے پڑھنے قرآن مجید کے یا کلمہ طیبہ کے جمع ہو کر روز وفات میت کے یا دوسرے روز یا تیسرے روز بدعت و مکروہ ہے شرع شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۱۴۱)

اسی فتاویٰ رشیدیہ میں گنگوہی صاحب اس اجتماع کو صاف حرام لکھتے ہیں۔

تیسرے دن کا مجمع میت کے واسطے اولاً مشابہت ہنود کی یہاں کے یہاں تیجہ ضروری رسم جاری

ہے حرام ہوگا بسبب مشابہت کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ ص ۹۲)

ان عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ گنگوہی صاحب اپنی رائے ناقص سے اس اجتماع کو (جو ابھی

احادیث، افعال صحابہ، اجماع امت سے ثابت ہو چکا) بدعت مکروہ بے اصل حرام کہتے ہیں، لہذا اب

ادنیٰ فہم والا بھی سمجھ لے گا کہ گنگوہی جی اسی کو بدعت و حرام کہا کرتے ہیں جو افعال صحابہ اور اجماع امت

سے ثابت ہوا اور بے اصل اس کو کہتے ہیں جس کی اصل صاف طور پر احادیث میں موجود ہو۔

یہ ان کی بے دینی و گمراہی کا ایک نمونہ ہے۔ اب رہا تیسرے دن کا تعین اس کو گنگوہی نے پہلے فتویٰ میں باتوں ہی باتوں میں اڑا دیا تھا اور اجتماع وقت تجہیز و تکفین کو کلمہ خوانی کے تعین کر دیا تھا لیکن یہاں اپنے دل کا بخار نکال لیا کہ میت کے واسطے تیسرے دن کا جمع ہمشا بہت ہندو حرام ہے۔ لہذا میں اس کے جواب میں ایک ہی حوالہ نقل کرتا ہوں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں تیجہ کا رواج تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ شاہ صاحب کے ملفوظات میں ہے:

روز سوم کثرت ہجوم مردم آن قدر بودند کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک ختم کلام اللہ بہ شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حاضر نیست۔

(ملفوظات ص ۸۰)

تیجے کے روز آدمیوں کا ہجوم اس کثرت سیجھ کہ شمار میں نہیں آ سکتا کیا سی ختم کلام اللہ شریف شمار میں آئے اور اس سے زیادہ بھی ہو گئے ہوں۔ اور کلمہ کی توانہا نہیں۔

گنگوہی صاحب اور ان کے سب اکابر و اصاغر آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ اس میں تیسرے دن کا تعین بھی ہے اجتماع بھی اور وہ بھی ایسا کہ شمار سے باہر ہے۔ قرآن خوانی بھی ہے۔ اور وہ بھی ایسی کہ کیا سی ختم ہوئے بلکہ اس سے بھی زائد۔ کلمہ طیبہ بھی پڑھایا گیا اور وہ بھی لاکھ سو لاکھ نہیں بے شمار و بے حساب۔

اب ساری وہابی جماعت آنکھیں بند کر کے دل کھول کر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا نام لیکر صاف صاف سنائے کہ شاہ صاحب مرتکب حرام ہیں۔ شاہ صاحب فاسق ہیں شاہ صاحب بدعتی ہیں شاہ صاحب کو تشبہ بالہند کا معیار معلوم نہیں شاہ صاحب کو تیسرے دن کے تعین کی قباحت کا پتہ نہیں۔

ہاں! ہاں! وہابیو دیوبندیو! اگر تمہارے اندر صداقت اور راست بازی کا کوئی شائبہ ہو تو حضرت شاہ صاحب پر فتویٰ جڑ و اور ان کی سند حدیث سے بے تعلقی ظاہر کرو، ورنہ اپنے باطل مذہب سے توبہ کرو۔

الحاصل گنگوہی صاحب کی پہلی عبارت صرف اس غرض سے نقل کی گئی تھی کہ میت کے ایصال

ثواب کیلئے پیچتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنا گنگوہی صاحب کے اسی طرح حدیث شریف سے ثابت ہے اور خود اس پر عمل کرنے کا حکم بھی فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

وہابیہ کے دوسرے مقتدا مولوی قاسم نانوتوی اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں۔
حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے کاشفہ اس نے کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پیچتر ہزار بار کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے۔ اپنے جی ہی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی۔ مگر بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ تو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت ہم کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ (تحذیر الناس مطبوعہ سہارنپور ص ۳۸)

لہذا میت کے ایصال ثواب کیلئے ایک لاکھ بار یا پیچتر ہزار بار یا ستر ہزار بار کلمہ طیبہ کا پڑھنا حدیث شریف و عمل صالحین و طریق مسلمین سے ثابت ہوا۔ اب سو لاکھ بار یا اس سے زیادہ پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے سوم میں تو بیشمار و بے حساب کلمہ طیبہ پڑھا گیا۔ اعزہ و قارب دوست احباب جتنا زیادہ ممکن ہو کر سکتے ہیں۔

اب باقی رہا اس مقدار کی شمار کے لئے جنوں کی تخصیص وہ اس بنا پر ہے کہ چنے سہل الحصول ہیں۔ شہر و قریہ میں ہر امیر و غریب کو باسانی دستیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کی تقسیم مزید میت کے لئے ایصال ثواب کا سبب بن جائیگی اور منجملہ صدقات محسوب ہوگی۔ پھر ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ مد نظر تھا کہ متوسط درجہ کا پہلے سیر سے جو اسی روپیہ سے زائد تھا۔ ساڑھے بارہ سیر شمار میں ایک لاکھ دانے ہوتے تھے چنانچہ حضرت مولانا عبدالسیع صاحب نے انوار ساطعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے اسی شمار میں ہیں۔ اور جہاں تک نکلن ہو ان کو بے ادبی سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہئے۔ بالجملہ جنوں کی تخصیص محض ان مصالح کی بنا پر ہے جس کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں۔ اس مختصر تحریر میں سوم کے ہر پہلو پر اجمالی طور سے کافی روشنی پڑ گئی منصف کیلئے نہایت کافی و کافی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب **کتبہ:** معتمد بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عز و جل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

مخدومی مکرمی عالم اجل فاضل بے بدل افضل العلماء جناب مولانا مولوی صاحب زید مجدکم بعد سلام سنت الاسلام کے گذارش خدمت اقدس میں ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل کے جوابات بحوالہ کتب مفتی بہ اقوال بذریعہ ”رسالہ اہل سنت“ شائع فرما کر ممنون فرمائیے۔ متم حقیقی آپ کو انعام جمیل و جزیل عطا فرمائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ واللہ عنده حسن الثواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید (ایک عالم ہونے کا مدعی ہے حالانکہ جاہل مطلق ہے) کہتا ہے سہراباندھنا عبد اللہ نبی علی بخش، حسین بخش وامثالہم نام رکھنا۔ نیز کسی کے نام کی منت ماننا۔ اور کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ چنا کفر و شرک ہے۔ اور دلیل میں کوئی کلام الہی کی آیت یا کسی حدیث شریف و قول مفسر یا کسی محدث کے اقوال کے بجائے تھانوی صاحب یعنی اشرف علی کی بہشتی زیور حصہ اول ص ۵۲ و ۵۳ کی عبارت پیش کرتا ہے۔ و نیز زید کہتا ہے علی بخش وغیرہ کے معنی یہ ہوئے کہ علی کا بخشا ہوا۔ دیا ہوا۔ تو کیا اس کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخشے ہیں یا دیتے ہیں۔

(۲) نیز زید کہتا ہے کہ قیام بروقت ذکر ولادت باسعادت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اس وقت محفل میں حضرت تشریف لاتے ہیں، یا تعظیم ذکر ولادت مراد ہے؟ بصورت اول ثبوت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تشریف تو وہ لائے جو موجود نہ ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ تمام ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہ کیا کیونکہ تعظیم ذات افضل ہے تعظیم ذکر سے۔

بصورت ثانی کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص اس وقت جب کہ فظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اسی کے مرادف الفاظ بیان کئے جاویں قیام کیا ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے لیکن بروقت بسم اللہ خوانی و ذکر الہی قیام کرنا ضروری نہیں سمجھتے ہیں لیکن بروقت ذکر ولادت با سعادت قیام ضرور کیا جاتا ہے۔

(۳) زید ایک گاؤں کا حاکم ہے اس نے گاؤں میں نماز جمعہ بند کرادی حالانکہ مسلمین یہ نماز جمعہ عرصہ دراز سے ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں جائز نہیں۔

لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ جہاں زمانہ دراز سے ہوتی ہو وہاں نماز جمعہ بند کر دینا کیسا ہے اور زید کی بابت کیا حکم ہے؟۔ نیز گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنے والا گنہگار ہو گا یا نہیں؟۔ کیونکہ عالم زماں اعلیٰ حضرت بریلی قدس سرہ العزیز فتاویٰ افریقہ میں فرماتے ہیں۔

پھر جہاں ہمارے مذہب میں جمعہ نہیں اور عوام پڑھتے ہوں وہاں اپنا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو منع نہ کیا جائے کہ آخر نام الہی لیتے ہیں جو بعض ائمہ کے طور پر صحیح آتا ہے مگر خود نہ شریک ہوں کہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں لکن فی الدر المختار

(۴) سوئم کے متعلق جیسا کہ عام رواج ہے چنوں پر کلمہ طیبہ سوالا کہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب مردے کی روح کو کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے خاص کر چنوں کی تخصیص کرنا کیسا ہے نیز ساڑھے بارہ سیر چنے کیا تعداد میں سوالا کہ ہو جاتے ہیں جب کہ ان میں ٹھری وغیرہ بھی نکلتی ہے جس کی پڑھنے کے بعد اکثر بے ابی ہوتی ہے۔ فقط والسلام بصدا احترام

امسفتی، نیاز مند اختر الزماں خاں شیروانی سنی حنفی چشتی دادوں (علی گڑھ)

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جواب سوال اول

سہراباندھنا بغیر پنی نگی گوٹہ کے صرف پھولوں کا سہراباندھنا مباح وجائز ہے۔ کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

صرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمهور من الحنفیۃ والشافعیۃ او ربیعہ تلمیذہ العلامة قاسم وجرى علیہ فی الهدایۃ من فصل الحداد و فی الخانیۃ من اوائل الخطر والاباحۃ۔ (ردالمحتار جلد ۸ ص ۸۴)

کتاب تحریر میں تصریح کی کہ جمهور حنفیوں شافعیوں کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے کہ اصل اباحت ہے اور علامہ قاسم نے اسی کا اتباع کیا اور ہدایہ کی فصل حداد میں اور فتاویٰ قاضی خاں کے اوائل خطر والاباحۃ میں اسی کو جاری اور برقرار رکھا۔

اسی طرح اکثر کتب فقہ میں ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ تو پھولوں کا سہراباح قرار پایا

اور قرآن وحدیث یا قول سلف وخلف میں اس کی کوئی صریح ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ مخالف اس کو ناجائز اور حرام ہی کیا بلکہ شرک ٹھہرا کر شریعت پر افتراء کرتا ہے۔ حدود الہی سے تجاوز کرتا ہے۔ محض اپنی رائے سے مباح کو ناجائز و حرام کہتا ہے۔ دارقطنی میں حضرت ابی ثعلبہ حشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها وحرم حرمات فلا تنتهكوها وحد حدودا فلا تعتدوا وسكت عن اشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے تو ان کو ضائع نہ کرو اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں تو ان کی بے حرمتی نہ کرو اور کچھ حدیں باندھیں تو ان سے نہ بڑھو اور بغیر بھولے بعض چیزوں سے سکوت فرمایا تو ان کے درپے نہ ہو۔

اس حدیث شریف سے واضح ہو گیا کہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے صریح حکم سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحمت کے لئے بغیر بھولے سکوت فرمایا کہ دوسری حدیث شریف نے ایلی مسکوت چیزوں کا دواور ظاہر بیان فرمادیا۔ جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و مستدرک حاکم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحلال ما احل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفا عنه۔

حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس سے سکوت کیا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے۔

اور ابو داؤد شریف کی روایت میں یہی مضمون بخیر الفاظ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں۔ وما سكت عنه فهو عفو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اللغات میں انھیں الفاظ حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:

و چیزے کہ سکوت کر حق تعالیٰ یعنی بیان نہ کر دے کہ حلال ست یا حرام است پس آں چیز عفو ست کہ درمی گذارند وی تعالیٰ از آں نمی گیرد بندہ را بر آں از بیجا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است۔

(احمد اللغات کشوری جلد ۳ ص ۵۰۹)

اور جس چیز میں حق تعالیٰ نے سکوت کیا یعنی اس کا حلال یا حرام ہونا بیان نہ کیا وہ چیز معاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرتا ہے اور بندے کی گرفت نہیں کرتا۔

انہیں اغاظ حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سہرے کی قرآن وحدیث میں نہ صراحتہ ممانعت وارد ہوئی نہ صاف الفاظ میں جواز مذکور ہوا بلکہ اس کا جواز یا عدم جواز سکوت میں رہا۔ تو یہ سہرا بھی اشیاء مسکوتہ میں داخل ہوا۔ لہذا بمقتضائے حدیث سہرا بناندھنے پر بندہ کی کوئی گرفت نہیں۔ اس کا مباح الاصل اور معاف ہونا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے ثابت ہو گیا۔ مخالف کے دعوے میں اگر زور بھر صداقت تو سہرے کی حرمت کسی صریح آیت وحدیث سے ثابت کرے۔

عبداللہ بن علی بنحش، حسین بنحش وغیرہ نام رکھنا ایسے اسماء بلاشبہ جائز ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر سلمان عبد یعنی غلام وملوک ہے۔

علامہ قسطلانی مواہب شریف میں حضرت بہل بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

من لم يرو لاية الرسول عليه في جميع الاحوال ولم يری نفسه في ملكه لم يذق حلاوة سنته۔ (مواہب شریف جلد ۲ ص ۱۰۲)

جس نے اپنے اوپر تمام حالتوں میں حضور نبی کریم علیہ السلام کی ولایت اور ملک کا یقین نہیں رکھا اور اپنے نفس کو اپنی ملک میں جانا تو اس لئے حضور کی سنت کی حلاوت کا ذائقہ نہ چکھا۔

حضرت عارف باللہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مثنوی شریف کے دفتر اول میں فرماتے ہیں۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد۔ جملہ عالم را بخواں قل یا عباد

حضرت مولانا عبدالحق محمد بحر العلوم لکھنوی اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں:

رشاد یعنی ابتداء و امر از رشاد قول او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بعض گویند کہ بمعنی ارشاد است و مخفف ارشاد گفتن بعید ست و حاصل آنکہ آن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در ہدایت گرفتن قوم از وی فرمود اے بندہ ہائے من چنانکہ کریمہ قل یا عباد یاں ناطق ست و معنی آنست بگوای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ اے بندہ ہائے من و اس بندہ خوانند بجهت آنست کہ تمام عالم سفیہ و مطیع و مفاض از آں

سرورست پس آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک تمام عالم اند پس مخاطبان را بندہ خود خواندن بجا زست و حاجت نیست بآنکہ محمد رضا گفتہ برائے اظہار غلبہ آن سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرمود کہ بفرماید ای عباد من۔ (شرح منثوی بحر العلوم جلد اس ۲۳۴)

رشاد زبر کے ساتھ بمعنی ابتداء ہے اور رشاد سے مراد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ بمعنی ارشاد ہے اور ارشاد کا مخفف کہنا بعید ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوم کو ہدایت کرتے وقت فرماتے کہ اے میرے بندو جیسا کہ آیت کریمہ قل یا عبادی اس کے ساتھ ناطق ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! اور یہ بندہ کہنا اس سبب سے ہے کہ سارا عالم حضور کا فریفتہ اور مطیع اور فیض پہنچایا ہوا ہے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کے مالک ہیں تو مخاطبوں کو اپنا بندہ کہنا مجاز ہے اور اس کی حاجت نہیں ہے کہ جو محمد رضا نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اظہار غلبہ کے لئے حکم فرمایا کہ آپ فرمادیں اے میرے بندو۔

ان عبارات سے صاف بطور پر معلوم ہو گیا کہ ہم غلامان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمقتضائے غلامی حضور کو اپنا آقا و مولیٰ اور والی و مالک اعتقاد کریں اور اپنے آپ کو ان کا پروردہ و مملوک اور غلام و بندہ جانیں۔ لہذا اگر اسی بنا پر کسی کا نام عبدالنبی و عبدالرسول یا غلام نبی و غلام رسول رکھا جائے تو سلف و خلف کی تصریحات کی رو سے جائز و درست ہے اور یہ نام کچھ چودھویں صدی کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ فقہ کی مشہور و معتبر کتاب در مختار کے مصنف کے استاد کا نام عبدالنبی ہے جو دسویں صدی کے جید عالم اور زبر دست فقیہ ہیں:

در مختار ہی کہ خطبہ میں ہے:

فانی ارویہ عن شیخنا الشیخ عبدالنبی۔

میں کتاب تنویر الابصار کی روایت اپنے استاذ شیخ عبدالنبی سے کرتا ہوں۔

لہذا اگر عبدالنبی نام رکھنا شرک و کفر ہوتا تو دسویں صدی میں یہ نام کیوں رکھا جاتا اور صاحب در مختار ایسے مشرک کو کیوں اپنا استاذ بناتے اور ان کا نام اپنی سند میں کیوں پیش کرتے۔

اسی طرح علی بخش و حسین بخش نام رکھنے بھی جائز ہیں۔ ان سے مراد ایک بزرگ کی طرف صرف نسبت مقصود ہوتی ہے یہ معنی کہ وہ ان بزرگوں کا بخشا ہوا اور دیا ہوا ہے اور اگر بزرگ مخالف یہ معنی بھی مراد

ہوں تو جب بھی عقیدہ اہلسنت کی بنا پر صحیح ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے حضرت جبریل امین علیہ الصلا والسلام حضرت مریم کے پاس آئے تو یہ کہا۔

انا رسول ربك لا هب لك غلما زکبا۔

میں تمہارے رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں تم کو ستر اہیٹا دوں۔

دیکھو حضرت جبریل صریح لفظوں میں اپنے آپ کو بیٹا دینے اور بخشے والا کہہ رہے ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام رسول بخش ہوئے اور جب یہ شرک نہیں ہے تو محمد بخش، احمد بخش نبی بخش کس طرح شرم ہو جائینگے علاوہ بریں حضرت جبریل کو جب بیٹا دینے کی خداداد قدرت حاصل ہوئی تو انبیاء و مرسلین آقا ملائکہ مقررین کے مولیٰ محبوب کبریا محمد نبی محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو کیا اتنی خداداد احاطت حاصل شرک ہو جائیگی۔ لہذا یہ تینوں اسماء محمد بخش، احمد بخش نبی بخش بدرجہ اولیٰ جائز ہونے چاہئیں۔

اب باقی رہے علی بخش، حسین بخش، سالار بخش، مدار بخش وغیرہ نام یہ بھی اسی طرح جائز ہو چاہئیں کہ یہ بزرگان دین بھی بقدرت الہی امور تکوینیہ میں تصرف کرتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اشاعرہ میں فرماتے ہیں۔

حضرت امیر و ذریت طاہرہ اور اتمام امت بر مثال پیراں و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ بایشان وابستہ میدانند و فاتحہ درود و صدقات و نذر منت بنام ایشان رائج و معمول گردیدہ چنانکہ با اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است (تحفہ مطبوعہ فخر المطابع ص ۲۲۸)

تمام امت حضرت مولیٰ علی اور ان کی اولاد کرام کو پیروں اور مرشدوں کی طرح مانتی ہے اور ان کو تکوینیہ کو ان کے ساتھ وابستہ جانتی ہے فاتحہ درود، صدقہ نذر منت ان کے نام کی معمول و رواج ہے تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔

امور تکوینیہ (یعنی عالم کے سارے کار و بار) ہی میں سے اولاد کا ہونا نہ ہونا بھی ہے اور ان کو تکوینیہ کے ان سے وابستہ ہونے کا یہی تو مطلب ہے کہ ان میں اپنی خداداد قدرت سے تصرف کرتے ہیں لہذا بایں معنی علی بخش حسین بخش وغیرہ اسماء کفر و شرک کس طرح ہوئے مخالف اگر ہمت رکھتا۔ اپنے دعوے کو صریح آیت و حدیث یا اقوال سلف و خلف سے ثابت کرے اور شاہ صاحب موصوف مشرک قرار دے اور خود اپنے آپ کو اس شرک کی دلدل سے بچائے۔

تعالیٰ علیہ وسلم پر حکم لگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنجل

مسئلہ

زید کہتا ہے کہ قیام بروقت ذکر وادت باسعادت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں یا تعظیم ذکر وادت مراد ہے؟ بصورت اول ثبوت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ حضور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ تشریف تو وہ لائے جو موجود نہ ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ تمام ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہ کیا جائے۔ کیونکہ تعظیم ذات افضل ہے تعظیم ذکر سے۔ بصورت ثانی کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص اس وقت جب کہ فظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اسی کے مرادف الفاظ بیان کئے جائیں قیام کیا ضروری۔ دیگر یہ کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے۔ لیکن بروقت بسم اللہ خوانی و ذکر محبوب الہی قیام اتنا ضروری نہیں سمجھتے۔ نہ قیام کرتے ہیں۔ لیکن بروقت ذکر وادت باسعادت قیام ضرور کیا جاتا ہے۔

استفتی، نیازمند اختر الزمان خاں شیروانی سنی حنفی چشتی از داووں ضلع علی گڑھ۔

الجواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ذکر وادت باسعادت پر قیام بغرض تعظیم کرنا مستحسن و مستحب ہے اس کو ممنوع و حرام نہرانا بلکہ شرک قرار دینا گویا قرآن و احادیث پر افتراء کرنا، تو اغد شرع کی مخالفت کرنا تصریحات اکابر علماء کرام سے انکار کرنا ہے بلکہ بلاد اسلامیہ کے صد ہا سال کے معمول کو بدعت و ضلالت کہنا، اور ہزار ہا علماء و اولیاء عظام کو گمراہ اور بد مذہب و مشرک بتانا ہے اور سارے عالم اسلام عوام و خواص کو بدعتی و بد دین بنانا ہے۔ مخالف ایسا دلیر ہے کہ ایک مباح الاصل کو بلا دلیل حرام و شرک ٹھہراتا ہے اور پھر اس پر مزید یہ جرأت کہ دلیل کا مطالبہ قائلین اباحت اصلیہ سے کرتا ہے باوجودیکہ خود وہ قیام کی حرمت کا مدعی ہے۔ دلیل کا پیش کرنا مخالف کے ذمہ ہے۔

اقلمتہ القامہ میں حضرت عارف باللہ سید عبدالغنی نانپسی کا قول مرشد شریعت و طر لقت سدا علی

حضرت قدس سرہ نقل فرماتے ہیں۔

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة والکراهة الذین لا بد

من دلیل بل فی الاباحۃ التی ہی الاصل۔ (اقلمتہ القیامہ ص ۲۶)

ترجمہ: یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کر دو کہ حرمت و کراہت کیلئے تو دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

یہ مضمون بکثرت اکابر ائمہ سلف و خلف کی تصریحات سے ثابت ہے اس سے معلوم ہوگا مجوزہ قیام میلاد شریف کو کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں کہ یہ مستلین اباحت اصلیہ۔ دلیل منکرین قیام کو پیش کرنی چاہئے کہ وہ قیام کی حرمت بلکہ شرک تک کے قائل ہیں۔

لہذا اگر مخالفین میں حیاء و شرم ہے تو تمام مجمع ہو کر کوئی صریح آیت وحدیث یا معتقد میں ومتا میں سے کسی کی صاف تصریح سے قیام میلاد شریف کا حرام و شرک ہونا ثابت کریں مگر انشاء اللہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ عاجز و قاصر رہیں گے ممانعت پر کسی دلیل کا نہ ہونا ہی اس کے جواز کی کافی ہے مجوزین قیام کو اگرچہ کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں مگر مخالفین کی دہن دوزی اور موافقین اطمینان خاطر کے لئے چند دلائل نقل کئے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

آیت تعزروہ و توقروہ (سورہ فتح)

اے لوگوں تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں ان کلمات کی تفسیر نقل فرماتے ہیں۔

یبا لغون فی تعظیمہ و یوقروہ ای عظموہ۔ (شفا مصری جلد اول ص ۲)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوب مبالغہ کریں اور ان کی توقیر کریں۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر

خوب مبالغہ کیا جائے اور طرق تعظیم سے کسی خاص طریقہ کے لئے علیحدہ ثبوت درکار نہیں بلکہ طریقہ سے ان کی تعظیم کی جائے وہ اسی آیت کریمہ کے تحت میں داخل ہے البتہ اگر کسی خاص طریقہ تعظیم سے ممانعت شریعت سے بالاختصاص ثابت ہو تو وہ پیشک ناجائز ہوگا جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ قیام بھی طرق تعظیم سے ایک طریقہ ہے فقہاء کرام قیام تعظیم کو یہاں تک جائز رکھتے ہیں

کی مشہور کتاب طحاوی میں ہے۔

قیام قاری القرآن للقاء تعظیما لا یکره اذا کان من یتستحق التعظیم۔

(طحاوی ص ۱۸۶)

آنے والے کے لئے قاری قرآن کا تعظیمی قیام کرنا مکروہ نہیں جب وہ آنے والا ان لوگوں میں ہو جو تعظیم کے مستحق ہیں۔

خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیام تعظیمی کی تعلیم دی بخاری شریف و مسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا وہ تشریف لارہے تھے۔

حدیث فلما دنا من المسجد قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم للانصار قوموا الي سيدكم۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۳)

جب حضرت سعد مسجد شریف سے قریب ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا اپنے سردار کے لئے قیام کرو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے قیام فرماتے تھے۔

نبیہی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

حدیث: کان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يجلس معنا في المسجد يحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتى نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۳)

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد شریف میں ہمارے ساتھ جلوس فرماتے اور گفتگو کرتے اور جب حضور کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جایا کرتے اور ہم یہاں تک کھڑے رہتے کہ حضور کو ازواج مطہرات سے کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہوا دیکھ لیتے۔

بلکہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے قیام فرماتے تھے چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

حدیث: كانت اذا دخلت عليه قام اليها فاخذ بيدها فقبلها واجلسها في مجلسه وكان اذا دخل عليها قامت اليه فاخذت بيده فقبلته واجلسته في مجلسها۔

(از مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۲)

حضرت فاطمہ جب حضور کے پاس حاضر ہوتیں تو حضور ان کے لئے قیام فرماتے اور ان دست بوسی کرتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور حضور جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے لئے قیام فرماتیں اور حضور کی دست بوسی کرتیں اور حضور کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

ان احادیث سے یہ امر نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ مستحقین تعظیم کے لئے قیام کرنا جائز بلکہ صحابہ کے لئے بلکہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی و فعلی سنت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی تعظیم و توقیر کے لئے صحابہ کرام نے قیام فرمایا تو قیام منجملہ طرق تعظیم کے کی تعظیم و توقیر کا ایک بہتر طریقہ ہوا۔ لہذا قیام اس آیت کریمہ کے عموم کے تحت میں داخل ہو گیا۔

اب باقی رہا قیام بروقت ذکر ولادت شریف کا حکم لہذا یہ قیام تعظیم ذکر ولادت کے جاتا ہے اور بتقریحات ائمہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی تعظیم مثل ذات اقدس تعظیم و توقیر کے ہے اور طریق تعظیم و توقیر ذات پاک سے ایک بہتر طریقہ قیام بھی ہے جس کا ثبوت آیت کریمہ تعزروہ و توقروہ اور احادیث منقولہ سے نہایت صاف طور پر ظاہر ہو چکا ہے۔ لہذا ولادت باسعادت پر قیام کرنا بھی اسی آیت کریمہ و احادیث سے مستفاد ہوا۔

اب باقی رہا مسائل کا یہ سوال کہ کل ذکر ہی بصورت قیام کیوں نہیں کیا جاتا خاص ذکر و پر کیوں قیام کیا جاتا ہے۔ تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ قیام وقت قدم کیا جاتا ہے جیسا ابھی احادیث میں مذکور ہوا اور ذکر ولادت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے کا ذکر ولادت پر کیا جانا زیادہ مناسب ہوا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ علمائے کرام و اولیائے عظام کا ذکر ولادت پر قیام کرنا صدیوں سے معمول ہے لہذا یہی مستحب و مستحسن قرار پایا۔ حدیث شریف کافی دلیل ہے۔

حدیث ما راہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن (از حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۲)

مسلمان جس چیز کو اچھا جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کسی سرور دینی پر قیام کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے جیسا کہ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مسئلہ سننے کے لئے قیام فرمایا۔ حدیث قلت توفي الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم قبل ان نسله عن نبي

الامر قال ابو بکر قد سئلته عن ذالك فقنت اليه۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶)

حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات دی اور ہم اس امر کی نجات آپ سے دریافت نہ کر سکے حضرت صدیق اکبر نے فرمایا میں نے حضور سے دریافت کر لیا ہے اس کے سننے کے شوق میں حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں میں کھڑا ہو گیا۔

جب کسی محبوب ذکر اور دینی سرور کے لئے اجل صحابہ کرام سے قیام ثابت ہوا تو مسلمان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر سے زیادہ اور کیا مسرت و فرحت کا ذکر ہو سکتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہی تمام دینی سرور اور رحمت الہی کے حصول کا باعث و سبب ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ذکر ولادت قیام کے ساتھ فرمایا تو ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا حضور کی اتباع ہے۔

ترجمہ شریف میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

حدیث: انه جاء الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فكانه سمع شيئا فقام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلني في خيرهم ثم جعلهم فرقتين فجعلني في خيرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلني في خيرهم بيتا فانا خيرهم نفسا وخبوهم بيتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳)

حضرت عباس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غضبناک ہو کر حاضر ہوئے کہ وہ حضور کے حسب و نسب میں کچھ طعن سن چکے تھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کی: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا: میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہتر فرقتے میں کیا۔ پھر ان سے قبیلے بنائے تو مجھ کو ان کے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر ان میں خاندان کئے اور مجھ کو ان کے بہتر خاندان میں پیدا کیا۔ تو میں ان کے بہتر نفوس اور بہتر خاندان سے ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خاص ذکر ولادت شریف کے وقت ہم ان وجوہ کی بنا پر قیام کرتے ہیں تا

کہ ہم حضور سید الانبیاء محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عالم میں قدم بیمنت لزوم کے ذکر پاک پر بکمال احترام قیام کر کے تعزروہ و توقروہ کی تعمیل حکم کریں۔ اور خود آثار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ولادت مبارکہ کا بیان قیام کر کے فرمایا ہے تو ہم بھی اسی کے ساتھ ذکر کریں اور اظہار سرور کیلئے قیام کرنا سنت صحابہ ہے تو ہم بھی اظہار سرور ذکر ولادت پر ان کا اتباع قیام میں کریں اور ہزار بلاد اسلامیہ کے خواص و عوام اور کئی صدی کے علماء کرام و اولیاء عظام کے معمول اور طریق حسن کی پیروی کریں یہ امور قیام کے خصوص وقت کے مؤید ہیں اور اسی بنا پر کل ذکر کو بصورت قیام نہیں کیا جاتا۔

اب باقی رہا زید کا یہ قول کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امر مسلم ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ افضل ہے اس قول سے معلوم ہوا کہ زید ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عقیدے میں ذکر اللہ تعالیٰ سے جدا جانتا ہے۔ ذکر رسول اللہ کو ذکر اللہ کا مقابل سمجھتا ہے اسی بنا پر ان میں افضل و مفضول کا تفرقہ کرتا ہے باوجودیکہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں۔ یہ کور باطن ذرا گوش ہوش کھول کر سنئے اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت کا ذکر بیان فرماتا ہے

آیت و رفعناک ذکرک (پارہ عم)

اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔

علامہ علی قاری شرح شفا شریف میں اس آیت کریمہ کی مراد بیان فرماتے ہیں۔

المراد برفع ذکرہ انه جعل ذکرہ کما جعل ضاعته طاعته۔

(شرح شفا مصری جلد ۱ ص ۴۴)

حضور کے ذکر کو بلند کرنے کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے ذکر کو اپنا ذکر بنالیا جیسے حاکم کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنالیا۔

ابن حبان و مسند ابویعلیٰ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال اتاني جبريل عليه الصلاة والسلام فقال ربی وربک يقول تدری کیف رفعت ذکرک قلت الله اعلم قال اذا ذكرت ذکرک۔

(از شرح شفا و شفا مصری جلد ۱ ص ۴۶)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبریل امین آئے اور انہوں نے کہ بیشک میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ آپ نے جانا کہ میں نے آپ کا ذکر کیسے بلند کیا ہے میں نے کہ

زیادہ جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میرا ذکر کیا جائیگا تو میرے ساتھ تمہارا ذکر کیا جائیگا حضرت قاضی عیاض نے شفا شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عطا کا قول نقل فرمایا۔

جعلتك ذكر امن ذكرى فمن ذكرت ذكرنى -

(از شرح شفا مصری جلد ۱ ص ۴۶)

میں نے تمہیں اپنے اذکار سے ایک ذکر بنا دیا ہے جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ ان تصریحات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ ذکر رسول اللہ ذکر اللہ سے جدا نہیں ذکر رسول کی تعظیم ذکر اللہ کی تعظیم ہے لہذا جس جگہ ذکر رسول کے لئے قیام کیا گیا ذکر اللہ کے لئے قیام کیا اور ذکر ولادت پر جو قیام کیا جاتا ہے یہی ذکر اللہ کا قیام ہوا کہ ذکر رسول ذکر اللہ سے جدا نہیں ابھی صریح آیت وحدیث میں یہ مضمون گذرا وہابی ان دونوں ذکروں کو مقابل بنا کر عوام کو فریب دیتا ہے۔

اب باقی رہی زید کی پہلی شق کہ قیام بروقت ذکر ولادت اس لئے ہے کہ اس وقت محفل میں حضور تشریف لاتے ہیں یہ زید کا اہل سنت پر افترا و بہتان ہے عام لوگ بھی اس خیال سے قیام نہیں کرتے بلکہ قیام ذکر پاک کے لئے کیا جاتا ہے جس کا بیان مفصل مذکور ہوا اس مختصر تحقیق سے قیام میلاد کا استحباب و استحسان آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ظاہر ہو گیا اور مسائل کی ہر ہر شق کا کافی جواب ہو گیا منصف کیلئے یہی مختصر جواب بہت کافی ہے۔

ایک ضروری بات یہاں اور قابل لحاظ ہے کہ وہابیہ اول تو مجالس میلاد میں شرکت نہیں کرتے اور اگر کسی مجبوری سے شریک محفل ہو گئے ہیں تو کمزور عقیدہ کا وہابی جبراً قیام کرتا ہے اور جو وہابی سیاہ قلب اور سخت بے حیا ہوتا ہے وہ آداب مجلس کے خلاف بیٹھا رہتا ہے اور اپنے اس شرمناک فعل کو کتاب وسنت کا اتباع ظاہر کرتا ہے۔

لہذا میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہابی کا یہ ناپاک فعل یعنی بروقت قیام اہل مجلس کی مخالفت کرنا اور ذکر کے امر بالقیام پر اپنا تیور اور سرکشی دکھانا اور مجلس ہی میں بیٹھا رہنا کتاب اللہ کی مخالفت ہے۔

آیت یا ایہا الذین امنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذ قیل انشزوا فانشزوا۔ (سورہ مجادلہ ۲)

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دیگا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں اور علامہ محی السنۃ علاء الدین علی تفسیر خازن میں اس آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں

قال مجاهد واكثر المفسرين معناه اذا قيل لكم انهضوا الى الصلوة والى الجهاد والى مجالس كل خير وحق فقوموا ولا تقصروا عنه۔ (از خازن ص ۴۳)

حضرت مجاہد اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ آیت کہ معنی یہ ہیں کہ جب تم سے نماز یا جہاد یا ہر خیر حق کی مجلسوں کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو ان کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس میں قصور نہ کرو۔ آیت کریمہ اور تفسیر سے صاف معلوم ہو گیا کہ مجالس خیر کے لئے اور ہر خیر کے لئے کھڑا ہونا بامرالہی مطلوب ہے اور ان کے لئے کھڑے ہونے سے قاصر رہنا ممنوع ہے لہذا یہ ظاہر بات ہے کہ محفل میلاد شریف مجلس خیر ہے اور قیام میلاد تعظیم ذکر ہے۔ اور تعظیم ذکر یقیناً فعل خیر ہے تو قیام میلاد شریف کے لئے کھڑا ہونا اس آیت کریمہ سے ثابت اور ادب مجلس کے حکم میں داخل اور اس کو فائز واکاثر شامل ہے اور ذکر کے اس امر ”اٹھو وقت تعظیم احمدیہ“ کے باوجود کھڑا نہ ہونا اس آیت کی مخالفت اور فعل خیر یعنی تعظیم ذکر سے انکار اور ادب مجلس خیر سے اعراض اور حاضرین مجلس اہل اسلام کی دل آزاری، اور امر خیر سے گردانی کی بین دلیل ہے مولیٰ تعالیٰ ان مخالفین تعظیم ذکر اور منکران حکم قرآنی اور متبعین طرق شیطانی کی ہدایت کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ علم بالصواب

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی ومرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرسۃ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبل

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ عشرہ محرم میں مجلس شہادت منعقد کرنا۔ سبیل کرنا۔ نذر نثار کرنا کیسا ہے؟

الجواب

مجلس شہادت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اہل سنت کے نزدیک مجلس شہادت کا منعقد کرنا جس میں حضرت سیدنا امام حسین والہل بیہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر شریف بروایت صحیحہ معتبرہ اور ذکر شہادت جبکہ روایات موضوعہ و کلمات ممنوعہ و نیت نامشروعہ سے خالی ہو اور اس میں نوحہ ماتم وغیرہ ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو ایسی مجلس فی نفسہ حسن و محمود اور عین سعادت ہے خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم۔ اگرچہ دو مسدس کی صورت میں ہو جس کو عرف عام میں مرثیہ کہتے ہیں۔

حدیث عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة۔ (موضوعات کبیر مجبائی ص ۴۹)

صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امام الصالحین ہیں ان کے ذکر پاک سے تو کثیر رحمتیں نازل ہونگی۔ خود قرآن کریم میں صالحین کا بکثرت ذکر ہے۔ دشمنان حق کے ساتھ ان کے مقابلوں اور جنگوں کا بیان ہے۔ ان کی حمایت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان دینے کے چند جگہ تذکرے ہیں۔ تو ذکر صالحین کو ناجائز و بدعت کہنا کیسی جرأت اور دلیری ہے۔ کیا وہابی اسے بدعت کہتے ہیں جو قرآن و حدیث میں ہو۔

ابن حجر کی علیہ الرحمۃ مجلس ذکر شہادت کے متعلق صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وما ذکر من حرمتہ رواۃ قتل الحسین وما بعدها لا ینافی ما ذکرہ فی هذا الكتاب لان هذا لبيان الحق الذي يجب اعتقاده من جلاله الصحابة برأتهم من كل نقص بخلاف ما يفعله الوعاظ الجهلة فانهم ياتون بالاخبار الكاذبة الموضوعة ونحوها لا ينبون المحامل والحق الذي يجب اعتقاده فيوقعون العامة في بغض الصحابة وتنقيصهم بخلاف ما ذكرناه فانه لغاية اجلالهم تنزيههم۔ (از صواعق ص ۱۳۳، ۱۳۴)

اور جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد کے واقعات کے بیان کی روایات کا حرام ہونا مذکور ہوا تو یہ ان روایات کے جن کو میں نے اس کتاب صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے منافی نہیں ہے اس سے کہ یہ وہ حق بیان ہے جس کا اعتقاد جلالت صحابہ اور ان کے ہر نقص سے بری کرنے کے لئے واجب ہے بخلاف اس ذکر شہادت کے جس کو جاہل و اعظین بیان کرتے ہیں۔ تو وہ روایت کا ذبیہ موضوعہ اور ایسی بے سرو پا باتیں ذکر کر جاتے ہیں جن کا صحیح مٹل اور وہ حق جس کا اعتقاد واجب ہے بیان نہیں کرتے تو وہ عوام کے قلوب میں صحابہ کا بغض اور ان کی تنقیص پیدا کرتے ہیں بخلاف اس ذکر شہادت کے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ صحابہ کی انتہائی تعظیم اور ان کی عنایت تنزیہ و برأت کے لئے ہے

سمیلین

سمیل لگانے سے مقصود پانی پلانا ہے اور پانی کا پلانا کار ثواب اور بہترین صدقہ ہے۔

ابوداؤد و نسائی شریف میں حضرت سعد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

حدیث: قال يا رسول الله ان ام سعد ماتت فاي صدقة افضل قال الماء فحفر

وقال هذه لام سعد۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹)

حضرت سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ سعد کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو کونسا صدقہ افضل حضور نے فرمایا پانی تو حضرت سعد نے کنواں بنوایا اور کہا یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے۔

اس حدیث شریف سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) پانی افضل صدقہ ہے (۲) اموات کے لئے پانی ایصال ثواب کرنا جائز ہے (۳) میت کو صدقے کا ثواب پہنچتا ہے (۴) پانی سے ایصال ثواب سنت (۵) ایصال ثواب کے لئے جو چیز ہو اس کو میت کی طرف منسوب کرنا بھی جائز ہے جیسا ”ام سر کنواں“۔

لہذا اس حدیث سے نہایت صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت امامین جلیلین اور ان ہمراہ کے ایصال ثواب کے لئے پانی پلانا سمیلین کرنا نہ فقط جائز بلکہ حدیث سے ثابت ہوئیں۔ اور یہ کہنا اسی حدیث سے بصرات ثابت ہو گیا کہ امام حسین کی سمیل شہدائے کربلا کا شریعت، اہل بیت کی نیاز جس طرح کنوئیں سے پانی مقصود ہے اسی طرح سمیل میں بھی پانی کا انتظام کیا جاتا ہے۔

نذر و نیاز

عشرہ محرم خیرات و حسنات کا خاص زمانہ ہے۔ اہل اسلام حسب مقدور اس ایام متبرکہ صدقات و خیرات مختلف چیزوں سے کرتے ہیں کوئی روٹی تقسیم کرتا ہے کوئی شیریں یا نمکین چاول کھلاتا ہے کوئی کھجڑا بانٹتا ہے غرض محبان اہل بیت حضرت امام عالی مقام اور ان کے ہمراہیوں کے ایصال ثواب کرتے ہیں ان کے مخلصانہ ایثار و قربانی کو یاد کر کے اپنی جذبات ایمان کی بنا پر یہ ہدیہ کرتے ہیں ان کی جانبازی اور حمایت کا خیال کر کے نہایت اخلاص و عقیدت کے ساتھ یہ نذر و نیاز کرتے ہیں ان کے مظالم و مصائب کا تصور کر کے اپنی نیاز مندی و محبت سے ان کی فاتحہ دلاتے ہیں لہذا ایسی و نیاز جائز و باعث ثواب ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اسے فتاویٰ عزیزہ صفحہ

میں فرماتے ہیں۔

طعامیکہ ثوب آں نیاز حضرات امانین نمایند براں فاتحہ قتل و درود خواندن تبرک میشود خورد
بسیار خوب ست۔

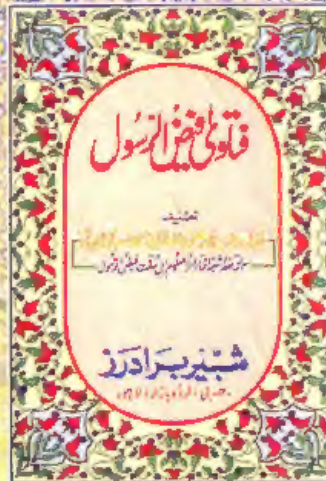
نیاز امانین کا کھانا جس پر فاتحہ قتل اور درود پڑھتے ہیں تبرک ہو جاتا ہے اس کا کھانا بہت خوب
ہے۔

یہ مختصر جوابت تحریر کئے گئے مفصل جوابات اسی فتاویٰ میں دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمائیں واللہ
تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: المختصم بذیل سید کل نبی و مرسل، الفقیر الی اللہ عزوجل،

العبد محمد اجمل غفرلہ الاول، ناظم المدرستہ اجمل العلوم فی بلدہ سنہ ۱۳۸۱ھ





اردو بازار لاہور
042-7246006

شبیر برادرز

